

تَشْرِیحاتِ تَرْمِذِی

تالیف

حضرت مولانا کمال الدین دہلوی
مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند

مولانا حفیظ الرحمن کاشفی
پیشوا دارالعلوم دیوبند

مولانا محمد رفیع الرحمن
پیشوا دارالعلوم دیوبند

دارالتصنیف

جامعہ اسلامیہ کلفٹن

پلاٹ نمبر ۵، خیابان رومی، کلفٹن، لاہور۔

فون: ۵۸۷۳۳۶۶-۵۸۷۳۳۶۷

تشریحات ترمذی

جلد سوم



تَشْرِیحات ہرمذی

تالیف
حضرت مولانا کمال الدین المسترشد
استاد الحدیث جامعہ اسلامیہ کلفشن کراچی

جلد دوم

قدیمی کتب خانہ
مقابلہ آزاد بازار لاہور

جملہ حقوق طباعت بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب..... تشریحات ترمذی (جلد دوم)

تالیف..... مولانا کمال الدین المسترشد

کمپوزنگ..... انٹرس دارالکتابت

0300-2426745

طبع..... دوم

تعداد..... ۱۰۰۰

سن طباعت..... ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۰۰۹ء

الناشر

قَدِیْمِی کُنْجَانِہ
مَقَابِلِ آلامِ باغِ کھواہی

فہرست ابواب ترمذی

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر	نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱	باب ماجاء فی تحریم الصلوٰۃ و تحلیہا	۱۰	۱۸	باب ماجاء فی النبی عن القراءة فی الركوع والسجود	۶۹
۲	باب ماجاء فی نشر الاصل عند السجود	۱۵	۱۹	باب ماجاء فی من لا یضم سبیل فی الركوع والسجود	۷۰
۳	باب فی فضل السجود الاولی	۱۶	۲۰	باب ما یقول الرجل اذا رفع رأسه عن الركوع	۷۲
۴	باب ما یقول عند افتتاح الصلوٰۃ	۱۸	۲۱	باب منہ آخر	۷۳
۵	باب ماجاء فی ترک الجهر بسم اللہ	۲۰	۲۲	باب ماجاء فی وضع الیدین قبل الركعتین	۷۴
۶	باب من راکی الجهر بسم اللہ الخ	۲۰		فی السجود	
۷	باب فی افتتاح القراءة بالمحمد لله رب العالمین	۲۶	۲۳	باب آخر منہ	۷۴
۸	باب ماجاء منہ الصلوٰۃ الابغاث الکتاب	۳۰	۲۴	باب ماجاء فی السجود علی الجہیز والافق	۷۶
۹	باب ماجاء فی الدمین	۳۳	۲۵	باب ابن یضع الرجل وجهہ اذا سجد	۷۸
۱۰	باب ماجاء فی فضل الدمین	۴۱	۲۶	باب ماجاء فی السجود علی سجدہ اعضاء	۷۹
۱۱	باب ماجاء فی السکتین	۲	۲۷	باب ماجاء فی التجانی فی السجود	۸۰
۱۲	باب ماجاء فی وضع الیمین علی الشمال فی الصلوٰۃ	۴۳	۲۸	باب ماجاء فی الاعتدال فی السجود	۸۱
۱۳	باب ماجاء فی السجود عند الركوع والسجود	۴۹	۲۹	باب ماجاء فی وضع الیدین ونصب القدمین	۸۳
۱۴	باب رفع الیدین عند الركوع	۵۱	۳۰	باب ماجاء فی اقادة الصلب اذا رفع رأسه من السجود والركوع	۸۴
۱۵	باب ماجاء فی وضع الیدین علی الركبتین فی الركوع	۶۳	۳۱	باب ماجاء فی کراهیۃ ان یأدب الامام فی الركوع والسجود	۸۵
۱۶	باب ماجاء فی انه تجانی یدیه عن جہیز فی الركوع	۶۶	۳۲	باب ماجاء فی کراهیۃ الاقحام بین السجودین	۸۶
۱۷	باب ماجاء فی انه تجانی یدیه عن جہیز فی الركوع	۶۶	۳۳	باب فی الرخصة فی الاقحام	۸۶
۱۸	باب ماجاء فی التشیع فی الركوع والسجود	۶۷	۳۴	باب ما یقول بین السجودین	۸۸
			۳۵	باب ماجاء فی الاعتدال فی السجود	۸۹

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر	نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۳۶	باب کیف السجود من السجود	۹۱	۵۶	باب ماجاء ان الارض كلها مسجد	۱۳۳
۳۷	باب منہ	۹۱		الا المقبرة والحمام	
۳۸	باب ماجاء فی التشہد	۹۳	۵۷	باب ماجاء فی فصل بیان المسجد	۱۳۵
۳۹	باب منہ ایضاً	۹۳	۵۸	باب ماجاء فی کراہیۃ ان یسجد علی	۱۳۷
۴۰	باب ماجاء انہ یسجد علی التشہد	۹۸		القمر مسجداً	
۴۱	باب کیف الجلووس فی التشہد	۹۹	۵۹	باب ماجاء فی النوم فی المسجد	۱۳۸
۴۲	باب منہ	۹۹	۶۰	باب ماجاء فی کراہیۃ الحج والبراء	۱۵۰
۴۳	باب ماجاء فی الاشارة	۱۰۲		وانشاء الفضلہ والشر فی المسجد	
۴۴	باب ماجاء فی التسمیۃ فی الصلوۃ	۱۰۵	۶۱	باب ماجاء فی المسجد الذی اسس علی	۱۵۵
۴۵	باب منہ ایضاً	۱۰۵		التقوی	
۴۶	باب ماجاء ان حذف السلام منہ	۱۰۸	۶۲	باب ماجاء فی الصلوۃ فی قیام	۱۵۷
۴۷	باب ما یقول اذا سلم	۱۰۹	۶۳	باب ماجاء فی ای الساجد افضل	۱۵۸
۴۸	باب ماجاء فی الانصراف عن یمنہ ومن	۱۱۳	۶۴	باب ماجاء فی المشی الی المسجد	۱۶۳
	یسارہ		۶۵	باب ماجاء فی القعود فی المسجد وانتظار	۱۶۵
۴۹	باب ماجاء فی وصف الصلوۃ	۱۱۳		الصلوۃ من افضل	
۵۰	باب ماجاء فی القراءة فی الصبح	۱۱۸	۶۶	باب ماجاء فی الصلوۃ علی الخمرۃ علی	۱۶۷
۵۱	باب ماجاء فی القراءة فی الظہر والعصر	۱۲۰		الحصیر علی المہبط	
۵۲	باب فی القراءة فی المغرب	۱۲۰	۶۷	باب ماجاء فی الصلوۃ فی الخیطان	۱۷۰
۵۳	باب ماجاء فی القراءة خلف الامام	۱۲۲	۶۸	باب ماجاء فی سترۃ المصلی	۱۷۲
۵۴	باب ما یقول عند دخولہ المسجد	۱۳۰	۶۹	باب ماجاء فی کراہیۃ المرور بین یدئ	۱۷۴
۵۵	باب ماجاء اذا دخل احدکم المسجد فلیرکع	۱۳۲		المصلی	
	رکعتین		۷۰	باب ماجاء انہ لا یقطع الصلوۃ فی	۱۷۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر	نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۷۱	باب ماجاء انہ لا یقطع الصلوۃ الا بالکلب والحمار والمرأۃ	۱۷۵	۸۷	باب ماجاء فی الامام یمشی فی الکرکحین یسیر	۲۰۹
۷۲	باب ماجاء فی الصلوۃ فی الثوب الواحد	۱۷۸	۸۸	باب ماجاء فی مقدار القعود فی الکرکحین الا ولین	۲۱۰
۷۳	باب ماجاء فی ابتداء القبلة	۱۷۹	۸۹	باب ماجاء فی الاشارة فی الصلوۃ	۲۱۲
۷۴	باب ماجاء ان یمین المشرق والمغرب قبلہ	۱۸۴	۹۰	باب ماجاء ان یشیع للرجال والتصفیق للنساء	۲۱۳
۷۵	باب ماجاء فی الرجل یصلی لغير القبلة	۱۸۶	۹۱	باب ماجاء فی کرمیۃ المشاہد فی الصلوۃ	۲۱۵
۷۶	باب ماجاء فی کرمیۃ یمصل الی یدوۃ	۱۸۸	۹۲	باب ماجاء ان صلوۃ القاعد علی النصف من صلوۃ القائم	۲۱۷
۷۷	باب ماجاء فی الصلوۃ فی مرابض الغنم واعطان الاعل	۱۹۰	۹۳	باب من یطويع جالساً	۲۱۸
۷۸	باب ماجاء فی الصلوۃ علی الدابة حیث ما توجهت بہ	۱۹۱	۹۴	باب ماجاء ان النبی ﷺ قال انی لاربع بکاء یصلی فی الصلوۃ فانحط	۲۱۹
۷۹	باب ماجاء فی الصلوۃ الی الراحۃ	۱۹۳	۹۵	باب ماجاء لا تقبل صلوۃ حائض الا بخمار	۲۲۰
۸۰	باب ماجاء اذا حضر العشاء واقیمت الصلوۃ فابدأ بالعشاء	۱۹۵	۹۶	باب ماجاء فی کرمیۃ لشدل فی الصلوۃ	۲۲۱
۸۱	باب ماجاء فی الصلوۃ عند النعاس	۱۹۶	۹۷	باب ماجاء فی کرمیۃ مسح الخصى فی الصلوۃ	۲۲۲
۸۲	باب ماجاء من زار قوماً فلا یصل بجم	۱۹۸	۹۸	باب ماجاء فی کرمیۃ الشتر فی الصلوۃ	۲۲۳
۸۳	باب ماجاء فی کرمیۃ ان یتخفص الامام نفسه بالدعاء	۲۰۰	۹۹	باب ماجاء فی الشی عن الاختصار فی الصلوۃ	۲۲۴
۸۴	باب ماجاء من ام قوماً وہم لکاذبون	۲۰۲	۱۰۰	باب ماجاء فی کرمیۃ کف الشتر فی الصلوۃ	۲۲۶
۸۵	باب ماجاء اذا صلی الامام تعودوا فصلوا تعودوا	۲۰۴			
۸۶	باب منه	۲۰۴			

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر	نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۰۱	باب ماجاء فی التَّحْقِيقِ فی الصَّلَاةِ	۲۲۷	۱۱۹	باب ماجاء ان کان المطر فاصلا فی الرجال	۲۶۵
۱۰۲	باب ماجاء فی کرہیۃ التَّحْقِيقِ بَیْنَ الاَصَالِیحِ فی الصَّلَاةِ	۲۲۹	۱۲۰	باب ماجاء فی التَّحْقِیقِ فی اداء بار الصَّلَاةِ	۲۶۶
۱۰۳	باب ماجاء فی طول القیام فی الصَّلَاةِ	۲۳۰	۱۲۱	باب ماجاء فی الصَّلَاةِ علی الدَّلَیۃِ فی الطَّیْنِ وَالْمَطَرِ	۲۶۸
۱۰۴	باب ماجاء فی کثرة الرُّکُوعِ وَالسُّجُودِ	۲۳۰	۱۲۲	باب ماجاء فی الاجتهاد فی الصَّلَاةِ	۲۷۰
۱۰۵	باب ماجاء فی قتل الاسودین فی الصَّلَاةِ	۲۳۳	۱۲۳	باب ماجاء ان اول ما یجاسب بہ العبد یوم القیلة الصَّلَاةِ	۲۷۲
۱۰۶	باب ماجاء فی سجدة السهو قبل السلام	۲۳۴	۱۲۴	باب ماجاء فی من صلی فی یوم وليلة اجمعی عشر رکعة ماله من افضل	۲۷۳
۱۰۷	باب ماجاء فی سجدة السهو بعد السلام	۲۳۹	۱۲۵	باب ماجاء فی رکعتی الفجر من افضل	۲۷۶
۱۰۸	باب ماجاء فی التشہد فی سجدة السهو	۲۴۱	۱۲۶	باب ماجاء فی تخفیف رکعتی الفجر والقرءاءۃ فیہما	۲۷۷
۱۰۹	باب فیمن یشک فی الزیادة والقصان	۲۴۲	۱۲۷	باب ماجاء فی الکلام بعد رکعتی الفجر	۲۷۹
۱۱۰	باب ماجاء فی الرجل یسلم فی الرکعتین من الظہر والعصر	۲۴۴	۱۲۸	باب ماجاء لا صلوة بعد طلوع الفجر الا رکعتین	۲۸۰
۱۱۱	باب ماجاء فی الصَّلَاةِ فی الحال	۲۵۲	۱۲۹	باب ماجاء فی الاستیجار بعد رکعتی الفجر	۲۸۲
۱۱۲	باب ماجاء فی القنوت فی صلوة الفجر	۲۵۴	۱۳۰	باب ماجاء اذا قیمت الصَّلَاةِ فلا صلوة الا المكتوبة	۲۸۵
۱۱۳	باب فی ترک القنوت	۲۵۴	۱۳۱	باب ماجاء فی من قنوت الرکعتان قبل الفجر صلیما بعد صلوة الصبح	۲۸۹
۱۱۴	باب ماجاء فی الرجل یحطس فی الصَّلَاةِ	۲۵۷	۱۳۲	باب ماجاء فی اعادة جہرا بعد طلوع الشمس	۲۹۲
۱۱۵	باب ماجاء فی نسخ الکلام فی الصَّلَاةِ	۲۵۹	۱۳۳	باب ماجاء فی الاربع قبل الظہر	۲۹۲
۱۱۶	باب ماجاء فی الصَّلَاةِ عند التوبۃ	۲۶۰			
۱۱۷	باب ماجاء حتی یرامی بالصَّلَاةِ	۲۶۱			
۱۱۸	باب ماجاء فی الرجل یحدث بعد التشہد	۲۶۳			

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر	نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۳۳	باب ماجاء فی الركعتین بعد الظهر	۲۹۳	۱۵۲	باب ماجاء فی الوتر یسبح الی الوتر بركعة	۳۱۸-۳۱۹
۱۳۵	باب آخر	۲۹۳	۱۵۳	باب ماجاء بلفظ آئی الوتر	۳۲۹
۱۳۶	باب ماجاء فی الاربع تکمل العصر	۲۹۴	۱۵۴	باب ماجاء فی القنوت فی الوتر	۳۳۰
۱۳۷	باب ماجاء فی الركعتین بعد المغرب	۲۹۵	۱۵۵	باب ماجاء فی الرجل یتام عن الوتر	۳۳۳
	والقراءة فیهما			او یسئ	
۱۳۸	باب ماجاء انہ صلیبہا فی البیت	۲۹۶	۱۵۶	باب ماجاء فی مبادرة الصبح بالوتر	۳۳۳
۱۳۹	باب ماجاء فی فضل الطلوع ست	۲۹۷	۱۵۷	باب ماجاء لا وتر ان فی لیلة	۳۳۵
	رکعات بعد المغرب		۱۵۸	باب ماجاء فی الوتر علی الراحلة	۳۳۷
۱۴۰	باب ماجاء فی الركعتین بعد العشاء	۲۹۸	۱۵۹	باب ماجاء فی صلوۃ النعلی	۳۳۸
۱۴۱	باب ماجاء ان صلوۃ اللیل ثنی ثنی	۳۰۰	۱۶۰	باب ماجاء فی الصلوۃ عند التروال	۳۴۱
۱۴۲	باب ماجاء فی فضل صلوۃ اللیل	۳۰۳	۱۶۱	باب ماجاء فی صلوۃ الخلیفۃ	۳۴۲
۱۴۳	باب ماجاء فی وصف صلوۃ النبی صلی	۳۰۳	۱۶۲	باب ماجاء فی الاستشارة	۳۴۳
	اللہ علیہ وسلم باللیل		۱۶۳	باب ماجاء فی صلوۃ التبیح	۳۴۵
۱۴۴	باب ماجاء فی نزول الرب تبارک	۳۰۷	۱۶۴	باب ماجاء فی صلوۃ علی النبی	۳۴۷
	وتعاقب الی السماء الذی ینزل الیلۃ			صلی اللہ علیہ وسلم	
۱۴۵	باب ماجاء فی القراءة باللیل	۳۰۹	۱۶۵	باب ماجاء فی فضل الصلوۃ علی النبی	۳۵۲
۱۴۶	باب ماجاء فی فضل صلوۃ الطلوع فی	۳۱۰		صلی اللہ علیہ وسلم	
	البیت		۱۶۶	البی لا یجوز	۳۵۳
۱۴۷	البی لا یجوز قدر	۳۱۲	۱۶۷	باب فضل یوم الجمعة	۳۵۳
۱۴۸	باب ماجاء فی فضل الوتر	۳۱۲	۱۶۸	باب فی السانۃ الی ترمذی فی یوم الجمعة	۳۵۶
۱۴۹	باب ماجاء ان الوتر لیس یحکم	۳۱۲	۱۶۹	باب ماجاء فی الاعتسال یوم الجمعة	۳۵۸
۱۵۰	باب ماجاء فی کرہیۃ النوم قبل الوتر	۳۱۷	۱۷۰	باب فی فضل الغسل یوم الجمعة	۳۵۸
۱۵۱	باب ماجاء فی الوتر من اول اللیل وآخره	۳۱۷	۱۷۱	باب فی الوضوء یوم الجمعة	۳۵۹

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر	نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۷۲	باب ماجاء فی العکبر الی الحجۃ	۳۶۳	۱۹۰	باب ماجاء فی من یدرک من الحجۃ رکۃ	۳۹۶
۱۷۳	باب ماجاء فی ترک الحجۃ بغير عذر	۳۶۷	۱۹۱	باب فی من شمس یوم الحجۃ انہ	۳۹۷
۱۷۴	باب ماجاء من کبر فی الی الحجۃ	۳۶۸		یحول من مجلس	
۱۷۵	باب ماجاء فی وقت الحجۃ	۳۷۳	۱۹۲	باب ماجاء فی یسر یوم الحجۃ	۳۹۸
۱۷۶	باب ماجاء فی الخطبۃ علی السمر	۳۷۶	۱۹۳	باب فی السواک والطیب یوم الحجۃ	۴۰۰
۱۷۷	باب ماجاء فی المجلس بین الخطبتین	۳۷۷	۱۹۴	الشیخ ابی الحسن شیعین	۴۰۱
۱۷۸	باب ماجاء فی قصر الخطبۃ	۳۷۸	۱۹۵	باب فی الشی یوم العیدین	۴۰۲
۱۷۹	باب ماجاء فی استقبال الامام اذا خطب	۳۸۰	۱۹۶	باب فی صلوۃ العیدین قبل الخطبۃ	۴۰۳
۱۸۰	باب فی الرکعتین اذا جاء الرجل	۳۸۱	۱۹۷	باب ان صلوۃ العیدین بغير اذان	۴۰۴
	والامام یخطب			والا اقامۃ	
۱۸۱	باب ماجاء فی کرہیۃ الکلام والامام	۳۸۲	۱۹۸	باب ماجاء فی القراءۃ فی العیدین	۴۰۴
	یخطب		۱۹۹	باب فی التکبیر فی العیدین	۴۰۵
۱۸۲	باب ماجاء فی کرہیۃ التکبیر یوم الحجۃ	۳۸۷	۲۰۰	باب لا صلوۃ قبل العیدین ولا بعدہما	۴۰۹
۱۸۳	باب ماجاء فی کرہیۃ الاحتواء والامام	۳۸۸	۲۰۱	باب ماجاء فی خروج النساء فی العیدین	۴۰۹
	یخطب		۲۰۲	باب ماجاء فی خروج النبی ﷺ فی	۴۱۲
۱۸۴	باب ماجاء فی کرہیۃ رفع الایدی علی	۳۸۹		طریق ورجوعہ من طریق آخر	
	السمر		۲۰۳	باب فی الاکل یوم الفطر قبل الخروج	۴۱۲
۱۸۵	باب ماجاء فی اذان یوم الحجۃ	۳۹۰	۲۰۴	الشیخ ابی الحسن شیعین	۴۲۳
۱۸۶	باب ماجاء فی الکلام بعد نزول الامام	۳۹۲	۲۰۵	باب القصیر فی السمر	۴۲۳
	من السمر		۲۰۶	باب ماجاء فی کم تقصر الصلوۃ	۴۲۳
۱۸۷	باب ماجاء فی القراءۃ فی صلوۃ الحجۃ	۳۹۳	۲۰۷	باب ماجاء فی التطوع فی السمر	۴۲۹
۱۸۸	باب ماجاء فی ملأ کرأخ	۳۹۳	۲۰۸	باب ماجاء فی الجمع بین الصلوۃ تین	۴۳۲
۱۸۹	باب ماجاء فی صلوۃ قبل الحجۃ وبعدها	۳۹۴			

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر	نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۲۰۹	باب ماجاء فی صلوٰۃ الاستسقاء	۲۳۵	۲۲۵	باب ما ذکر فی تطیب المساجد	۲۹۲
۲۱۰	باب فی صلوٰۃ الکسوف	۲۳۹	۲۲۶	باب ماجاء ان صلوٰۃ اللیل والنہار شئ مثنیٰ	۲۹۶
۲۱۱	باب کیف القراءة فی الکسوف	۲۳۹	۲۲۷	باب کیف کان یطويع النبی ﷺ	۲۹۷
۲۱۲	باب ماجاء فی صلوٰۃ الخوف	۲۴۰		بالتہار؟	
۲۱۳	باب ماجاء فی سجود القرآن	۲۵۵	۲۲۸	باب کریمۃ اصولوۃ فی لخت النساء	۲۹۹
۲۱۴	باب ماجاء فی خروج النساء الی المساجد	۲۶۳	۲۲۹	باب ما یجوز من الحبس والعمل فی صلوٰۃ الطہوع	۵۰۱
۲۱۵	باب کریمۃ المہراق فی المسجد	۲۶۶	۲۳۰	باب ما ذکر فی قراءة سورۃ تین فی رکعہ	۵۰۳
۲۱۶	باب ماجاء فی السجدة فی الجہنم	۲۶۸	۲۳۱	باب ماجاء فی فضل الحبس الی المسجد وما یحب لمن الاجرنی خطاء	۵۰۵
۲۱۷	باب ماجاء من یلتفت ید فی الذی یرفع رأسہ قبل الامام	۲۷۱	۲۳۲	باب ما ذکر فی الصلوٰۃ بعد المغرب اند فی البیت افضل	۵۰۶
۲۱۸	باب ماجاء فی الذی یصلی الفریضۃ ثم یوم الناس بعد ذالک	۲۷۲	۲۳۳	باب الاغتسال عند یسلم الرجل	۵۰۸
۲۱۹	باب ما ذکر فی الرخصة فی السجود علی الثوب فی الحر والبرد	۲۷۸	۲۳۴	باب ما ذکر فی سماء ہذہ الامۃ من آثار السجود والظہور یوم القیامۃ	۵۱۰
۲۲۰	باب ما ذکر مرہ سبب من یخلو فی المسجد بعد صلوٰۃ الصبح حتی تطلع الشمس	۲۷۹	۲۳۵	باب ما ذکر من التسمیۃ فی دخول الخلاء	۵۱۱
۲۲۱	باب ما ذکر فی الاتقیات فی الصلوٰۃ	۲۸۱	۲۳۶	باب ما ذکر فی فضل الصلوٰۃ	۵۱۲
۲۲۲	باب ما ذکر فی الرجل یدرک الامام ساجداً کیف یصنع؟	۲۸۳	۲۳۷	باب منہ	۵۱۵
۲۲۳	باب کریمۃ ان یحضر الناس الامام وہم قیام عند افتتاح الصلوٰۃ	۲۸۶		اكثر اہواب التسلطۃ ویلینہ اہواب الزکاة ان شاء اللہ تعالیٰ	
۲۲۴	باب ما ذکر فی الشام علی اللہ والصلوٰۃ علی النبی ﷺ قبل الدعاء	۲۹۰			

باب ماجاء فی تحریم الصلوٰۃ وتحلیلها

رجال:-

(عن ابی سفیان طریف السعدی) اس سے مراد طریف بن شہاب ہے یا ابن سعد البصری لا مثل ان کو اعصم بھی کہتے ہیں۔ تقریب میں ہے کہ "ضعیف من السادة"۔ میزان میں ہے "ضعفه ابن معین وقال احمد ليس بشئ وقال البخاري ليس بالقوي عندهم وقال النسائي متروك"۔

"عن ابی نضرۃ" بنون مفتوحة ومعجمة ساكنة ان کا نام منذر بن مالک ہے البتہ یہ اپنی کنیت سے ہی زیادہ مشہور ہیں ثقہ من الثالثة۔

یہ روایت کتاب کے شروع میں بھی گزری تھی مگر وہ حضرت علی سے مروی تھی اور بتصریح ترمذی اس کی سند اس روایت سے زیادہ مضبوط ہے۔ ۵۷

تنقیح المذاہب:-

اس میں اختلاف ہے کہ تبیر تحریر میں لفظ اللہ اکبر فرائض و ارکان میں سے ہے یا نہیں تو حسن بصری و سعید بن المسیب کے نزدیک بغیر اللہ اکبر کے فقط نیت کر دے تو بھی کافی ہے جمہور کے نزدیک علاوہ نیت کے کچھ لفظ بھی ہونا چاہئے جمہور کا استدلال تحریر یا الکیبر سے ہے۔

پھر اس میں جمہور کا آپس میں اختلاف ہے کہ وہ لفظ کیا ہونا چاہئے تو امام مالک و احمد کے نزدیک اللہ اکبر فرض ہے امام شافعی کے نزدیک اللہ اکبر یا اللہ الاکبر ضروری ہے وجہ یہ ہے کہ الف لام سے معنی پر اثر نہیں پڑتا یا پھر مبالغہ پیدا ہوتا ہے جو مطلوب ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک چار الفاظ میں سے کوئی بھی لفظ اختیار کرے اللہ اکبر اللہ الاکبر اللہ کبیر اللہ الکیبر کیونکہ مادہ ان سب کا ایک ہے سب مبالغے پر دلالت کرتے ہیں۔

طرفین کے نزدیک ہر وہ لفظ جو تعظیم پر دلالت کرے وہ کافی ہے جیسے اللہ اجل یا اللہ الرحمن بھی صحیح ہے پھر امام محمد کے نزدیک لفظ کا عربی ہونا بھی ضروری ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک لفظ کا عربی ہونا ضروری نہیں

فارسی میں اللہ برتر است کہے تب بھی کافی ہے۔

امام مالک وشافعیؒ کماہم احمد اور ابو یوسفؒ کا استدلال تحریر یہاں التکبیر سے ہے کہ یہاں خبر معروف باللام ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ خبر معروف باللام ہو تو مبداء منحصر ہوتا ہے خبر میں لہذا تکبیر سے ہی تحریر معتبر ہے کسی اور لفظ سے نہیں۔
استدلال ۲:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم و شیخین و فضیلین کا فقط اللہ اکبر سے افتتاح کا معمول رہا ہے۔

حنفیہ کے دلائل سے پہلے چند باتیں ذکر کرنا ضروری ہے۔ ۱۔ مفہوم مخالف کا اعتبار ہے یا نہیں؟ ۲۔ خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی ہو سکتی ہے یا نہیں یا یوں کہیں کہ خبر واحد سے فرض ثابت ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ۳۔ نصوص کے مراتب ہیں کہ کن نصوص سے کس قسم کے احکامات ثابت ہوتے ہیں؟ ۴۔ فرض و سنت کے درمیان درجہ ہے یا نہیں؟

پہلے مسئلے میں حنفیہ کا موقف یہ ہے کہ مفہوم مخالف نصوص میں معتبر نہیں محاورات و عبارات فقہاء میں معتبر ہے مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی نص کسی حکم کے اثبات پر وارد ہوئی ہو تو اس نص سے اس کے بعد کی نفی پر دلالت نہیں ہوتی۔

دوسرے مسئلہ میں حنفیہ کے نزدیک خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی نہیں ہو سکتی یعنی خبر واحد سے فرض ثابت نہیں ہو سکتا۔

حدیث کی باعتبار قلت روایات و کثرت روایات کی تین قسمیں ہیں۔ ۱۔ خبر متواتر ۲۔ خبر مشہور ۳۔ خبر واحد۔ خبر متواتر یہ ہے کہ قرن اول میں اس کے ناقلین کی تعداد اتنی ہو کہ اتفاق علی الکذب عقلاً محال ہو۔ خبر مشہور یہ ہے کہ قرن ثانی میں اتنی شہرت ہوئی ہو خبر واحد یہ ہے کہ ثانی میں اتنی شہرت نہ ہو بلکہ ثالث میں ہو بعد میں قلت و کثرت کا اعتبار نہیں۔

مسئلہ ۳:۔ نصوص کے چار مراتب ہیں۔ ۱۔ قطعی الثبوت قطعی الدلالة ۲۔ قطعی الثبوت ظنی الدلالة ۳۔ ظنی الثبوت قطعی الدلالة ۴۔ ظنی الثبوت ظنی الدلالة قسم اول سے فرض ثابت ہوتا ہے مقابلے میں حرام آتا ہے دوسرے اور تیسرے درجے سے واجب و سنت ثابت ہوتے ہیں جانب مقابل میں مکروہ تحریمی آتا ہے چوتھی قسم سے عیب و استحباب ثابت ہوتا ہے اسکے مقابل میں مکروہ تنزیہی آتا ہے۔

مسئلہ ۲ میں حنفیہ کا موقف یہ ہے کہ سنت اور فرض کے درمیان واجب کا درجہ ہے جو فرض سے نسبتاً کم اور سنت سے زیادہ مؤکد ہوتا ہے کہ اس میں ایک گونہ ظہیت ہوتی ہے مثلاً فرض دو واجب کا مرتبہ تقریباً ایک ہے البتہ فرض کا منکر کا فر ہے جبکہ واجب کا کافر نہیں یہ اعتقادی فرق ہے واجب کے ترک سے عمل کی ذات معدوم نہیں ہوتی نقصان آتا ہے جس کا انجبار کسی عمل مثلاً نماز میں سجدہ سہو سے حج میں دم وغیرہ سے ہوتا ہے گویا واجب تکمیل الذات کے لئے ہوتا ہے فرض کے ترک سے عمل ہی باطل ہو جاتا ہے ذات ہی ختم ہو جاتی ہے۔ شافعیہ وغیرہ کے نزدیک بظاہر بین الفرض والسنة کوئی درجہ نہیں۔ مگر عملی طور پر ماننے پر وہ بھی مجبور ہیں کہ ان کے ہاں بھی بہت سارے احکام حنفیہ کے اصول کے مطابق ہیں۔

ان اصول کو دیکھتے ہوئے حنفیہ کے نزدیک سلام و تکبیر مخصوص الفاظ کے ساتھ فرض نہیں زیادہ سے زیادہ واجب ہو سکتے ہیں جب اس کی یہ ہے کہ قرآن میں ہے ”وذكر اسم ربہ فصلی“ یہاں فقط ذکر اسم ربہ آیا ہے معلوم ہوا کہ یہ کافی ہے مگر چونکہ القرآن بفسر بعضہ بعھا تو دربن فکبر کو مد نظر رکھتے ہوئے اسم تعظیم کا ہونا چاہئے کہ لفظ تکبیر کا معنی تعظیم ہے۔ باب کی روایت میں بھی یہ احتمال ہے کہ تعظیم مراد ہو نیز یہ خبر واحد ہے تو ان کا استدلال درست نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کا یہ استدلال کہ اللہ اکبر میں تحریر اس لئے منحصر ہے کہ یہ معرفہ ہے ہم کہتے ہیں کہ یہ قاعدہ اکثر یہ ہے کلیہ نہیں کما یقال المال الابل لان المال لا ینحصر فی الابل فعلم انھا اکثریہ واذ جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

اس کے علاوہ حنفیہ کے پاس قرآن میں جو ان کے مدعی پر دلالت کرتے ہیں مثلاً مصنف ابن ابی شیبہ (۱) میں ہے۔

عن ابی العالیہ انه سئل ہای شیء کان الانبیاء یتستفحون الصلوٰۃ قال بالتوحید

والتسمیح والتہلیل۔

۲۔ امام شعبیؒ سے مروی ہے۔ ”ہای شیء من اسماء اللہ تعالیٰ افتتحت الصلوٰۃ اجزأت“۔

۳۔ ایرائیم شخصی سے مروی ہے۔ اذا سبغ او كبر او هلك احزاً في الافتتاح۔ یہ آثار یعنی نے عمدۃ القاری (2) میں نقل کئے ہیں۔

۴۔ قیاس سے بھی حنفیہ کی تائید ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (3) امرت ان اقاتل الناس حتی يقولوا لا اله الا الله تو اگر کسی نے لا اله الا الرحمن کہہ دیا تب بھی یہ کافی ہے اور وہ محفوظ الدم ہوگا جب ایمان میں یہ کافی ہے تو صلوٰۃ ادون ہے اس میں بطریق اولیٰ یہ کافی ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کا کسی عمل پر دوام سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی جیسے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تکبیرات انتقال پر دوام ثابت ہے مگر تکبیرات انتقال آپ کے نزدیک بھی فرض نہیں اسی طرح لفظ اللہ اکبر سے افتتاح پر دوام سے بھی فرضیت ثابت نہیں ہوتی مثلاً امام احمدؒ چونکہ استسحاق کی فرضیت کے قائل ہیں کیونکہ ۲۲ صحابہؓ سے منقول ہے امام شافعی نے ان کے جواب میں فرمایا کہ فرضیت ثابت تب ہوتی کہ ترک استسحاق پر اعادہ کا حکم ہوتا محض دوام سے یا کثرت روات سے ثابت نہیں ہوتی لہذا اسی طرح اللہ اکبر پر دوام سے بھی فرضیت ثابت نہیں ہونی چاہئے۔

وتحليلها التسليم اس جزء میں بھی وہی اختلاف ہے جو تحریر بہا التسمیر میں تھا ائمہ ثلاثہ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک سلام فرض ہے امام ابو حنیفہؒ سے اس بارے میں کوئی صریح روایت نہیں ابو سعید بردی سے منقول ہے کہ سلام واجب ہوگا اصولی طور پر یہاں بھی طریق استدلال ائمہ ثلاثہ کا وہی ہے کہ التسلیم خبر معروف باللام ہے تو مبتداً منحصر ہوگا خبر میں۔

استدلال ثانی صحیحین (4) میں حضرت عائشہ کی حدیث ہے فکان یختتم الصلوٰۃ بالتسليم طریق استدلال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام کے لفظ کا معمول رہا ہے وقال صلی اللہ علیہ وسلم صلوا کما رايتمونی اصلی یہ امر ہے لہذا سلام فرض ہے اور چونکہ مفہوم مخالف انکے نزدیک معتبر ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ بغیر سلام کے نماز نہ ہوگی۔

(2) ص: ۲۶۹ ج: ۵ "باب استحباب التسمیر وافتتاح الصلوٰۃ" (3) رواہ البخاری ص: ۸۰ ج: ۱ "باب فان تابوا واثابوا فاموا الصلوٰۃ الخ"

(4) لم اجد ما ينفذ في صحيح البخاري والله اعلم صحيح مسلم ص: ۱۹۳ ج: ۱ "باب ما يجمع صفة الصلوٰۃ الخ"

جواب ۱:- یہ خبر واحد ہے اس سے فرضیت ثابت نہیں ہو سکتی۔

جواب ۲:- انحصار کا قاعدہ اکثر یہ ہے کہ یہ نہیں کیا حال المال الا بل کما مر۔

جواب ۳:- اگر انحصار تسلیم بھی ہو تو زیادہ سے زیادہ وجوب ثابت ہوگا اور مقصد بیان اجتماع سلام ہے اور اس کے ہم بھی قائل ہیں حتیٰ کہ تارک پر نماز کا اعادہ واجب ہے۔

حنفیہ کی عدم فرضیت سلام کے بارے میں دلیل ایک وہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی تعلیم اعرابی کو دی اور اس میں سلام کا تذکرہ نہیں فرمایا اگر سلام فرض ہوتا تو اس کی تعلیم بھی ضرور دیتے معلوم ہوا کہ فرض نہیں۔

دلیل ۲:- ابن مسعود (5) کی حدیث کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد کی تعلیم دی تو اخیر میں فرمایا۔

اذا قلت هذا او فعلت هذا فقد قضيت صلاتك ان شئت ان تقوم فقم وان شئت

ان تقعد فاقعد

البتہ حنفیہ کے نزدیک خروج بصلح المصلی فرض ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مقدمۃ القرض فرض و مقدمۃ الواجب واجب کما فی مسلم الثبوت تو جب تک پہلی نماز سے فراغت نہیں ہوگی دوسری نماز شروع نہیں ہو سکتی لہذا پہلی نماز سے فراغت فرض ہے۔

رہا ائمہ ثلاثہ کا یہ کہنا کہ سلام فرض ہے صلوا کما رايتمونی اصلی (6) کی وجہ سے اس کا جواب یہ ہے کہ پھر تو آداب و سنن بھی فرض ہونے چاہئے۔

(5) رواہ البخاری ص ۱۰۹ ج ۱ "باب امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الذی لا یم رکوعہ بالاعادۃ"

(6) رواہ ابوداؤد ص ۱۳۶ ج ۱ "باب التشہد"

باب فی نشر الاصابع عند التكبير

رجال:-

”ناصحی بن یمان“ المعطی الکوفی صدوق عابد یحظی کثیراً کذا فی التفریب۔ خلاصہ میں ہے قال احمد لیس یحذو قال ابن المدینی صدوق تغیر خطہ۔

عن ابی ذئب ان کانام محمد بن عبدالرحمن ہے ثقہ من السابغ ہے۔ خلاصہ میں ہے قال احمد یشبه بابن المسیب وهو اصلح واورع واقوم بالحق من مالک کہتے ہیں کہ جب مہدی حج کر کے مسجد النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں داخل ہوا تو مسیب بن زہیر نے ان سے کہا قسم ہذا المیر المؤمنین تو انہوں نے کہا انما یقوم الناس لرب العالمین اس پر مہدی نے کہا دعہ فلقد قامت کل شعرة فی راسی وفات ۱۹۵ھ میں ہوئی۔ سعید بن سمان ثقة من الثالثة۔

تشریح:-

اس روایت میں ”نشر اصابع“ آیا ہے دوسری روایت جس کو ترمذی نے اصح قرار دیا ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل فی الصلوٰۃ رفع یدیه مداً۔ مداً یا حال ہے رفع کی ضمیر سے ای حال کو نہ مارا۔ یا حال ہے یہ سے ای حال کو نہما ممنودتین۔

نشر کا اطلاق دو چیزوں پر ہوتا ہے ایک بطن پر جو قبض کے مقابلے میں ہے دوسرا تفریق پر یہ ضم کے مقابلے میں ہے یہاں مد بمعنی بطن ہے کہ انگلیاں بند نہیں ہوتی تھیں لہذا اس عبارت کا فقہاء کی عبارات سے کوئی تعارض نہیں کہ بچہ سے میں انگلیاں ملائے رکھے رکوع میں کھول دے تحریر میں اپنی حالت میں رکھے بچہ سے میں اس لئے ملائے رکھے تاکہ قبلہ کی طرف متوجہ ہوں اور رکوع میں کھولے رکھے تاکہ گھٹنے پکڑ سکے تکبیرہ میں اپنے حال پر چھوڑے یعنی بالکل ضم نہ ہوں اور یہ بطن کے منافی نہیں۔

ہاتھ اٹھانے کی حکمت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے لوگ بتوں کی پوجا کرتے تھے اسلام کے بعد خدا کی پوجا

شروع ہوئی اور آدمی جب کسی کام سے بیزار ہو کر اظہار کرتا ہے تو ہاتھ کھینچ لیتا ہے تو بعد الاسلام ہاتھ اٹھاتا گویا کہ بتوں کی عبادت سے ہاتھ کھینچ لینے کی علامت ہے پھر بعض روایات میں کندھوں تک اٹھانا بعض میں کانوں تک بعض میں شمتی الاذن تک اٹھانا آیا ہے۔ امام شافعی نے تطبیق دی ہے جس کو علماء نے احسن تطبیق کہہ کر قبول کیا ہے کہ روکس اصابع کان کے اوپر کے جھکے برابر ہوں ابہامین شمتی الاذن کے برابر ہوں اور ہاتھوں کا نچلا حصہ کندھے کے برابر ہو۔ کذا فی المعارف عن النووی

ترمذی نے یحییٰ بن یمان کی روایت کو خطا اور عبید اللہ کی روایت کو اصح قرار دیا ہے اس کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ ترمذی کی یہ جرح اگر سند کی وجہ سے ہے تو چونکہ اس فن میں ان کو مہارت ہے تو ان کی یہ بات قابل اعتماد ہے لیکن ظاہر یہی ہے کہ اعتراض متن پر کیا ہے کہ یحییٰ بن یمان نے نشر اور عبید اللہ نے مذکور کیا ہے اور ترمذی نے نشر سے تفریق لیا اور چونکہ یہ معنی دوسری روایات کے خلاف ہے تو اس پر خطا کا حکم لگا دیا حالانکہ یہاں نشر بمعنی اسط ضد قبض ہے نہ کہ بمعنی تفریق ضد ضم لہذا دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

باب فی فضل التکبیرۃ الاولیٰ

رجال:-

حدثنا عقبہ بن مكرم بضم الميم وسكون الكاف وفتح الراء البصري قال ابو داود "ثقة"۔

تنبیہ:- نسخ احمد یہ میں بجائے عقبہ کے عقب بن مكرم آیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

سلم ابن قتيبة بفتح السين وسكون اللام العراساني نزيل البصرة صلوات من التاسعة۔

طعمة ابن عمرو بضم الطاء وسكون العين الحمفري وثقه ابن معين۔

توضیح و تشریح:-

براءت من النار کا مطلب یہ ہے کہ جنت میں جانا نصیب ہو براءت من النفاق کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں اس کو مؤمن خالص سمجھا جائے منافق نہیں۔

نماز میں کس وقت شمولیت ہو تو اس کو تکبیر اولیٰ میں شریک سمجھا جائے گا اس میں علماء کے متعدد اقوال

ہیں۔

۱۔ تکبیر تحریرہ کے وقت شریک ہو مگر یہ خیال رہے کہ امام سے سبقت فی التکبیر نہ ہو بلکہ امام کے اللہ اکبر کی حرف را کے وقت اللہ اکبر کہے۔

۲۔ سورہ فاتحہ کے شروع کرنے سے پہلے پہلے اگر شامل ہو تو اس کو واجد تکبیر اولیٰ کہیں گے۔

۳۔ درمیان سورہ فاتحہ تک شامل ہو۔

۴۔ فاتحہ کے بعد تین آیات کے ختم ہونے سے پہلے۔

۵۔ سات آیات کے ختم ہونے سے پہلے۔

۶۔ رکوع کی تکبیر سے پہلے۔

۷۔ رکوع میں بھی ملے تو تکبیر اولیٰ ہے۔

امام نووی نے الجوع میں لکھا ہے کہ ائمہ اربعہ کے اصل مذہب میں جب رکوع میں پہنچ جائے تو رکعت مل جاتی ہے بعض محدثین شافعیہ اور امام بخاری وغیرہ جو قراءت فاتحہ کی فرضیت کے قائل ہیں ان کے نزدیک چونکہ رکوع میں شمولیت سے قراءت نہیں ملے گی اس لئے رکعت بھی نہیں ملے گی۔

اس حدیث سے صوفیاء اور تبلیغی حضرات چلے کا استدلال کرتے ہیں۔

اعتراض:- یہ روایت ضعیف ہے۔

جواب:- چالیس کا عدد روایات کثیرہ سے ثابت ہے کہ چالیس کا عدد مزاج کی تبدیلی میں مؤثر ہے

اکثر انسانوں کا مزاج چالیس دن میں تبدیل ہو جاتا ہے بعض کا اس سے کم میں بعض کا اس سے زیادہ میں بھی تبدیل نہیں ہوتا۔

باب ما یقول عند افتتاح الصلوٰۃ

رجال:-

ناجعفر بن سلیمان الضبعی بضمه ضا و سکون الباء صدوق بن شیع۔ علی بن علی کان عابداً

لاباس بہ البتہ ان پر قدری ہونے کا الزام ہے۔ ☆

توضیح و تشریح:-

سبحانک اللہم میں تسبیح ہے یعنی تنزیہ بھجک میں تحمید ہے صفات سلبیہ چونکہ مقدم ہوتی ہیں کیونکہ یہ صفات ذاتیہ محض ہیں اس لئے پہلے سبحانک پھر بھجک کہا اور تقدیم و تاخیر کی ترتیب بہ نسبت الی اللہ نہیں بلکہ یہ نسبت الی اللہ ممکن ہے بھجک میں ب تلبس کے لئے ہے واؤ زائد ہے تقدیر اس طرح ہے متلبس بھجک پھر متلبس ہاں ہے اس کی ضمیر فاعل سے تقدیر اس طرح ہوگی اس سبحانک پھر اس کو حذف کر دیا حذف وجوبی قیاسی کے ساتھ وجوبی اس لئے کہ سبحانک مذکور قرینہ اور سد مسد محذوف ہے اور جب قرینہ و سد مسد موجود ہو تو عامل وجوباً حذف ہوتا ہے اور قیاسی اس لئے کہ رضی نے کہا ہے کہ جو مصدر مضاف ہو فاعل یا مفعول کی طرف اور وہ مصدر بیان نوع یا بیان عدد کے لئے نہ ہو تو اس کے لئے عامل کا حذف واجب ہوگا قیاساً تو یہاں بھی سبحانک بیان نوع یا عدد کے لئے نہیں تو اس کا حذف کرنا قیاساً صحیح ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ واؤ زائد نہیں بلکہ عطف کے لئے ہے اور یہاں عطف جملہ علی الجملہ ہوا ہے تقدیر

یوں ہے اسبح سبحانک واحمد بحمدک وتعالیٰ حذک حیرتی شان بلند ہے اتنی بلند کہ ماعرفوک حق معرفتک و ماعظموک حق عظمتک و ماعبدوک حق عبادتک۔

ولالہ غیرک تیرے سوا معبود برحق کوئی نہیں۔ ہمزہ و سوا یا جنون فقہ کبر نفی بمعنی سحر یا مذموم شعر کے

ہے۔

تنقیح المذاہب:-

یہ مسئلہ بھی مختلف فیہا ہے کہ تحریرہ اور فاتحہ کے درمیان کوئی دعا یا ذکر مسنون ہے یا نہیں امام مالکؒ کے نزدیک کوئی ذکر مسنون نہیں تحریرہ کے فوراً بعد الحمد شروع کرے گا۔ جمہور ائمہ ثلاثہ اور صحابہؓ اس پر متفق ہیں کہ تکبیر تحریرہ کے بعد تسبیحات و دعائیں مستحب ہیں۔

امام مالکؒ کا استدلال آگے باب میں مذکور حدیث سے ہے جس میں انسؓ سے روایت ہے۔
قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر وعمر وعثمان یفتحون
القرآن بالحمد لله رب العالمین

جواب ۱:- اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جبر الحمد سے شروع کرتے تھے دعائیں وغیرہ سر اڑھتے۔
جواب ۲:- امام شافعیؒ نے دیا ہے کہ:

انما معنی هذا الحديث انه كانوا يبدؤون بقرآنة فاتحة الكتاب قبل السورة

پھر ائمہ ثلاثہ کا آپس میں اختلاف ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک یا توجیہ انی و جہت و جہی للذی
فطر السماوات والارض حنیفاً وما انا من المشرکین پڑھے یہ مسلم (۱) کی روایت سے ثابت ہے۔
قرآن کی آیت میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے اور یادہ دعاء پڑھے جو بعض روایات جیسے کہ صحیحین (۲) کی
روایت ہے۔ اللهم باعد بین خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب۔

امام ابو حنیفہؒ و احمد کے نزدیک تحریرہ کے بعد وہی تسبیح اولیٰ ہے جو باب میں مروی ہے یعنی سبحانک اللهم
الغ یہ اختلاف افضلیت کا ہے کوئی بھی دعاء پڑھ لے تو صحیح ہے۔

حنفیہ و حنابلہ نے اس کو ترجیح اس لئے دی ہے کہ اس کے الفاظ نہایت جامع ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ نبی

باب ما یقول عند الفتح الصلوٰۃ

(۱) صحیح مسلم ص ۶۳۶ ج ۱: "باب صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ودعاۃ باللیل"

(۲) صحیح بخاری ص ۹۴۲ ج ۲: "باب التعوذ من المفرد والمأثم" صحیح مسلم ص ۲۱۹ ج ۱: "باب ما یمن بحیرۃ الابرار" و التمراد

صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کا اس پر معمول رہا ہے طہرائی و وارقطنی (3) میں متعدد آثار منقول ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کا اس پر عمل تھا امام محمد نے کتاب الامار (4) میں نقل کیا ہے کہ اہل بصرہ عمرؓ کے پاس آئے افتتاح صلوٰۃ کے بارے میں پوچھا حضرت عمرؓ نے نماز شروع کر دی اور جہراً سبحانک الخ پڑھنی قال محمد وہ ناخذ وہو قول ابی حنیفہ البتہ سر اُڑھنا چاہئے کہ جہر تعلیم کیا چھ مقامات پر تسبیح وغیرہ مسنون ہے ایک بعد الکبیر فی الركوع عند قیام من الركوع فی السجدة بین السجدتین قبل السلام اور اسی طرح قنوت میں بھی پھر خفیہ ادعیہ کو نوافل کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں کہ فرض میں تخفیف مطلوب ہے البتہ اگر منفرد ہو یا خلف الامام موقع ملے یا سب لوگ ادعیہ پر راضی ہوں تو ممنوع نہیں۔

باب ماجاء فی ترک الجہر ببسم اللہ الرحمن الرحیم وباب من رأى الجہر ببسم اللہ الرحمن الرحیم

رجال:-

اسماعیل بن ابراہیم قال احمد الیہ المنتہی فی الثبت قال ابن معین کان ثقة ماموناً۔

سعید الحریری بضم الحیم مصغراً البصری ثقة احتلط قبل موته۔

قیس بن عباہ بفتح العین وتخفیف الباء ثقة من او ساط التابعین۔

عبد اللہ بن مغفل کے بیٹے کا نام یزید ہے۔ یہاں ترمذی نے دو باب باندھے ہیں پہلا ترک جہر تسمیہ

کیلئے دوسرا جہر تسمیہ کیلئے۔

تنقیح المذاهب:-

یہ مسئلہ بھی مختلف فیہا ہے کہ آیا صلوٰۃ جہریہ میں بسم اللہ جہراً ہے یا سرّاً؟ نیز تسمیہ ہے بھی یا نہیں؟ تو امام

(3) انظر للتفصیل مجمع الزوائد من ص: ۲۷۶ الی ص: ۲۸۰ ج: ۲ "باب ما یستفتح به الصلوٰۃ" (4) من ص: ۲۳ "باب افتتاح الصلوٰۃ ورفع

الیدی والسمو علی العمامة"

مالک کے نزدیک الحمد سے شروع کرے گا نہ شروع میں تسبیح ہے نہ توجیہ نہ تعوذ نہ تسبیہ۔ جمہور کے نزدیک تسبیہ کہے گا پھر جمہور کا باہم اختلاف ہے امام شافعی کا قول یہ ہے کہ جہر بالتسمیہ جہریہ میں اور سریہ میں اخفاء کریگا یہی مسلک بعض صحابہ ابو ہریرہ ابن عمر ابن عباس ابن زبیر کا ہے۔

حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک صلوٰۃ جہریہ و سریہ دونوں میں اخفاء کریگا یہی مسلک سفیان ثوری ابن المبارک امام احنف خلفائے راشدین اور اکثر صحابہ کا ہے یہ اختلاف اولیت و عدم اولیت کا ہے یہ اختلاف منی ہے دوسرے اختلاف پر کہ تسبیہ جزء من القرآن ہے یا نہیں اگر ہے تو من کل سورۃ ہے یا نہیں۔ امام مالک کے نزدیک نہ جزء من القرآن ہے نہ جزء من کل سورۃ ہے لہذا اس کی قراءت بھی نہیں ہوگی۔ امام شافعی کے نزدیک قول مختار یہ ہے کہ جزء من کل سورۃ ہے تو فاتحہ کی بھی جزء ہے لہذا تسبیہ جہر اڑھی جائیگی۔ حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک ہر سورت کی جزء نہیں تو سورت فاتحہ کا حکم اور تسبیہ کا حکم الگ ہوگا جزء ہونے نہ ہونے کا مسئلہ آئندہ باب میں آجائے گا۔

امام مالک کا استدلال باب اول کی روایت سے ہے کہ ابن عبد اللہ بن مغفل فرماتے ہیں کہ مجھ سے والد نے تسبیہ سنی تو فرمایا یا نبی محدث معلوم ہوا کہ ترک تسبیہ ہوگا۔

جواب :- ابن مغفل نے جہر تسبیہ کو بدعت قرار دیا ہے نہ کہ نفس تسبیہ کو کیونکہ بعض روایات میں جہر کی تصریح ہے نیز سیاق و سباق بھی دال بر جہر تسبیہ کے بدعت ہونے پر ہے کہ ابن عبد اللہ فرماتے ہیں سمعتی ابی اور سمعت جہر میں ہو سکتی ہے۔

نیز ابن مغفل کا یہ کہنا کہ فلم اسمع احداً سے بھی جہر کی نفی ہے نہ کہ مطلق تسبیہ کی۔
دلیل ثانی آئندہ باب کی حدیث ہے۔

عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم واباہکمر وعمر وعثمان کانوا یفتحون
الصلوٰۃ بالحمد للہ رب العالمین

جواب :- یہاں مراد جہر ہے کہ اولاً جہر کی ابتداء الحمد للہ رب العالمین سے کرتے تسبیحات و ادعیہ صحیح احادیث سے ثابت ہیں مگر وہ سرائیں۔

امام شافعی کے مذہب کے دلائل جہر تسبیہ کے لئے عدد ۱۴ ہیں مگر جو صحیح ہیں وہ صریح نہیں جو صریح ہے

وہ صحیح نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جہر بالتسمیہ کا مذہب رواضع کا ہے اور وہ وضع احادیث میں مہارت کاملہ تامہ رکھتے ہیں تو انہوں نے اس مسئلہ میں بھی احادیث گھڑی ہیں یہی وجہ ہے کہ دارقطنی نے جہر بالتسمیہ پر ایک کتاب لکھی۔ حافظ زبیلی وابن تیمیہ نے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ بعض مالکیہ امام دارقطنی کے پاس آئے اور پوچھا کہ آپ کی اس کتاب میں کوئی صحیح روایت بھی ہے تو انہوں نے کہا کہ مرفوع کوئی صحیح نہیں موقوف بعض صحیح ہیں بعض نہیں اس لئے مسانید مشہورہ میں جہر بالتسمیہ کی کوئی حدیث موجود نہیں حالانکہ ان مسانید میں ضعیف احادیث بھی ہیں۔ حافظ زبیلیؒ (۱) فرماتے ہیں کہ اگر جہر بالتسمیہ میں کوئی صریح حدیث ہوتی تو میں دودفعہ قسم کھاتا ہوں کہ امام بخاری ضرور ذکر کرتے کہ بخاری حنفیہ پر رد کرنے میں کافی دلچسپی لیتے ہیں اور نہ ہی مسلم میں جہر کی کوئی حدیث ہے بہر حال جو روایات نسبتاً صحیح ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ نسائی (۲) میں نعیم مجر تلید ابو ہریرہ سے روایت ہے۔

صلیت وراء ابی ہریرہ فقرا بسم اللہ الرحمن الرحیم ثم قرأ بام القرآن حتی

اذابلق غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقال آمین فقال الناس آمین

پھر فراغت عن الصلوٰۃ کے بعد فرمایا کہ میری نماز زیادہ مشابہ تر ہے آپ میں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

نماز کے ساتھ۔

جواب زبیلیؒ نے دیا ہے کہ اول تو یہ روایت معطل ہے کہ ابو ہریرہ کے بہت سارے علائکہ میں فقط نعیم

مجر ہی اس کا راوی ہے۔ ثانیاً نقول کہ اس میں قراءت بسم اللہ کا ذکر ہے جس کے ہم بھی قائل ہیں جہر کا ذکر نہیں

اور قراءت عام ہے جہر و سر دونوں کو شامل ہے اور استدلال من العام علی الخاص درست نہیں کما ان الاستدلال

من الحيوان علی الانسان غیر صحیح۔

دلیل ۴:۔ دارقطنی (۳) عن انس مدینہ میں حضرت معاویہؓ نے نماز پڑھائی جہری نماز مگر بسم اللہ جہراً

باب ماجاء فی ترک الجہر الخ

(۱) دیکھیے ص ۴۰۳ سے ص ۴۰۸ تک ج ۱: (۲) ص ۱۳۳ ج ۱: "قراءة بسم اللہ الرحمن الرحیم" ایضاً دارقطنی ص ۳۰۳ ج ۱: رقم ۱۱۵

(۳) ص ۳۰۸ ج ۱: رقم حدیث ۱۱۷۳ "باب وجوب قراءۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم فی الصلوٰۃ والجہر بہا واختلاف الروایات فی

ذالک"

نہیں پڑھی اور رکوع و سجود کی تکبیرات بھی نہیں کہیں فراغت کے بعد مہاجرین و انصار نے کہا: معاویہ اس وقت الصلوٰۃ ام نسبت؟

جواب:- اس کی سند کمزور ہے کہ اس میں ایک راوی عبد اللہ بن عثمان اگرچہ مسلم کا راوی ہے لیکن جید محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے حتیٰ کہ بعض نے منکر الحدیث قرار دیا ہے مثلاً یحییٰ بن معین، علی بن مدینی، دارقطنی اور نسائی نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے (4) اگر اس کو صحیح مان لیں تب بھی اس سے استدلال درست نہیں کیونکہ جن دنوں میں معاویہ شام سے مدینہ آئے تھے ان دنوں میں انس بصرہ میں مقیم تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جن صحابہ نے اعتراض کیا معاویہ پر تو ان میں سے کوئی بھی جہر کا قائل نہیں تھا۔

یاد رہے کہ صحابہ کا اعتراض جہر تسمیہ کے ترک پر نہیں تھا بلکہ ترک تکبیرات انتقال پر تھا نیز حضرت انس کی روایت معارض ہے مسلم (5) وغیرہ کی صحیح حدیث کے ساتھ کہ انس فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین تسمیہ خفیہ پڑھا کرتے تھے۔

ولیل ۳:- آئندہ باب کی حدیث ہے۔

عن ابن عباس قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یفتح الصلوٰۃ بيسم اللہ الرحمن الرحیم۔

جواب ۱:- یہ روایت ضعیف ہے قال ابو یحییٰ و لیس اسنادہ بذاک۔

جواب ۲:- یہاں افتتاح کا ذکر ہے جہر کا نہیں اور افتتاح عام ہے جہری و سری دونوں کو شامل ہے۔ لہذا یہ بھی استدلال من العام علی الخاص ہے جو صحیح نہیں۔

استدلال ۳:- مستدرک حاکم (6) میں ابن عباس کی روایت ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحھر بيسم اللہ الرحمن الرحیم حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

(4) انظر تہذیب الحدیث ص: ۳۱۲ و ۳۱۳ ج: ۵ (5) صحیح مسلم ص: ۷۲ ج: ۱ "باب جہر من قال لا یحھر بالیسملۃ"

(6) مستدرک حاکم ص: ۲۳۳ ج: ۱ حدیث الجہر بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ لیکن یہ روایت انس اور ابو ہریرہ سے منقول ہے حضرت ابن عباس والی روایت مجھے نہیں ملی۔ واللہ اعلم

جواب ۱:- یہ حدیث صحیح نہیں حتیٰ کہ بعض نے اس کو موضوع قرار دیا ہے و تسال الی کم معروف۔

جواب ۲:- اگر بالفرض یہ روایت جہر صحیح بھی ہوں تو جواب یہ ہے کہ یہ جہر کبھی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم فرمایا کرتے تھے عادیہ نہیں۔ جیسے کہ بعض اوقات سری نمازوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہر فرمایا کرتے تھے مثلاً ما قال محمد فی کتاب الآثار (۶) کہ اہل بصرہ حضرت عمر کے پاس آئے اور افتتاح صلوٰۃ کے بارے میں سوال کیا تو عمر نے نماز شروع کی اور سبحانک اللہم الخ تعلیم جہر سے پڑھی۔ خود ابن عباس سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے فراغت کا علم ہمیں ان کے ذکر سے ہوتا نووی نے امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ جہر ذکر تعلیم تھا اصل میں اخفاء ہے تو یہاں جہر تسمیہ کے بارے میں ہم بھی یہی کہیں گے۔

جواب ۳:- یہ روایت معارض ہے دیگر روایات کے ساتھ طحاوی (۸) میں ابن عباس سے روایت ہے کہ ”الحجر قراءة الاعراب ولم يحجر النبي صلى الله عليه وسلم بالبسملة حتى مات“ یہ سند اقویٰ ہے۔

حنفیہ کے دلائل اگرچہ عدد کم ہیں مگر کیفا قویٰ ہیں۔

دلیل ۱:- باب کی حدیث جس میں ابن مغفل نے جہر بالتسمیہ کو بدعت قرار دیا ہے۔

اعتراض:- از جانب شوافع بر سند حدیث کہ صاحبزادہ عبد اللہ مجہول است۔

جواب:- حافظ نے تقریب میں لکھا ہے کہ اس کا نام بزید ہے تو مجہول نہیں اس طرح قاعدہ یہ ہے کہ جن سے دو آدمی روایت کریں تو وہ بھی مجہول نہیں ہوتا اور ان سے تو کم از کم تین آدمی روایت کرتے ہیں تو یہ مجہول کیسے ہوا؟ اسی وجہ سے ترمذی نے اس کو حسن قرار دیا۔

دلیل ۲:- طحاوی کی روایت ہے۔

عن ابن عباس الحجر قراءة الاعراب لم يحجر النبي صلى الله عليه وسلم

(۷) مس: ۲۳۰ ”باب افتتاح الصلوٰۃ ورفع الايدي الخ“

(۸) شرح معانی الآثار ص: ۵۰۰ ج: ۱ ”باب قراءة بسم الله الرحمن الرحيم في الصلوٰۃ“

بالبسملة حتى مات

دلیل ۳:- انس سے مسلم (9) میں مروی ہے۔

صلبت خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر و عمر و عثمان فلم اسمع

احداً منهم یقرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم

دلیل ۴:- نسائی (10) کی روایت جو انس سے مروی ہے فكانوا لا یجھرون بسم اللہ الرحمن

الرحیم۔

دلیل ۵:- عن انس قال صلبت خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر و عمر فكلهم

یخفون بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ رواہ ابن ماجہ (11)

دلیل ۶:- مسلم (12) کی روایت ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یسر بسم اللہ الرحمن الرحیم وابی بکر

وعمرؓ۔

دلیل ۷:- طحاوی (13) دارقطنی اور ابو نعیم نے علیہ میں آثار ذکر کئے ہیں کہ صحابہ تسمیہ میں جبر نہیں

کرتے تھے بلکہ انشاء کرتے تھے ان آثار کے راوی ثقاہت ہیں۔

(9) مس ۱۷۷ ج ۱: (10) مس ۱۳۳ ج ۱: "ترک النحر بسم اللہ الرحمن الرحیم"

(11) ردی ابن ماجہ بحتہ ص ۵۹ "باب افتتاح القراءة"

(12) لم اجدہ یلفظہ وکن رواہ الطبرانی و ابو نعیم و ابن خزیمہ (بحوالہ نصب الرایۃ للزیلعی ص ۳۰۳ ج ۱)

(13) طحاوی ص ۱۵۰ ج ۱: دارقطنی ص ۳۰۹ ج ۱:

باب فی افتتاح القراءة بالحمد لله رب العالمین

یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے کہ تسمیہ جزء من القرآن ہے کہ نہیں؟ امام مالک کے نزدیک جزء من القرآن نہیں جمہور کے نزدیک جزء من القرآن ہے یہ اختلاف اس تسمیہ میں ہے جو اوائل سور میں ہے سورۃ نمل کی تسمیہ کے جزء من القرآن ہونے پر اتفاق ہے۔

یہ بھی متفق علیہ بات ہے کہ تسمیہ کو جزء کہنا یا نہ کہنا موجب کفر نہیں۔ امام شافعی کے نزدیک جزء من القرآن تو ہے ہی جزء من الفاتحہ بھی ہے باقی دیگر سور کا جزء ہے یا نہیں تو ان کے دو قول ہیں اصح یہی ہے کہ جزء من کل سورۃ ہے۔

حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک تسمیہ فقط جزء من القرآن ہے کسی مخصوص سورت کا جزء نہیں کہ اس سے مقصد صرف فصل بین السور ہے کہ جبرئیل جب وحی لاتے تو اگر وہ بسم اللہ پڑھتے تو مطلب یہ ہوتا کہ الگ سورۃ ہے ورنہ پہلی سورۃ کا جزء ہی شمار کیا جاتا۔

استدلال شافعی ان احادیث سے ہے جن میں جبرئیل بسم اللہ آتا ہے کامر بالتفصیل طریق استدلال یوں ہے جب تسمیہ جبرائیل تو فاتحہ کے حکم میں ہوئی اور فاتحہ کے حکم میں تب ہو سکتی ہے جب فاتحہ کی جزء ہو۔ دلیل ۲: نسائی (۱) میں انس کی روایت ہے۔

بینما ذات یوم بین اظہرنا یرید النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اغفء اغفء (او نگھ سی آئی جو علامت وحی ہے) ثم رفع رأسه متبسماً فقلنا له ما اضحكك يا رسول الله قال نزلت علی انفا سورۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم انا اعطیناک الکوثر فصل لربک وانحر ان شئتک هو الا بئر ثم قال هل تدرون ما الکوثر اس میں سورت کوثر بسم اللہ سے شروع ہوئی معلوم ہوا کہ تسمیہ سورۃ کوثر کی بھی جزء ہے۔

باب فی افتتاح القراءة بالحمد لله رب العالمین

(۱) ص: ۱۳۳ و ۱۳۴ ج: ۱ "قراءة بسم الله الرحمن الرحيم"

دلیل ۳:- بسم اللہ قرآن میں ہر سورت سے پہلے لکھی جاتی ہے معلوم ہوا کہ یہ ہر سورت کی جز ہے۔
جمہور کی طرف سے پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ جہر کی روایات کما مراد اولاً تو ثابت نہیں ثانیاً اگر ثابت ہوں تو احیاناً تعلیم پر محمول ہیں۔

دلیل ثانی کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورت کوثر سے پہلے بسم اللہ پڑھی یہ بحیثیت جزئیّت کے نہیں بلکہ بحیثیت سببیت کے ہے یعنی کہ اول قراءت و سورت میں بسم اللہ مسنون ہے جیسے کہ اول قراءت میں اعموذ باللہ پڑھی جاتی ہے اس کے باوجود اس کو آپ بھی جزء من کل سورۃ یا من القرآن نہیں مانتے۔
دلیل ثالث کا جواب یہ ہے کہ بسم اللہ کا ہر سورت کے اول میں لکھا جانا فصل بین السور کے لئے ہے کافی روایت ابن عباس کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فصل بین السور کا علم بسم اللہ سے ہوتا یہی وجہ ہے کہ بخاری (2) میں ہے کہ ابن عباس نے حضرت عثمان سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ نے انفال و برات کو سبع طوال میں ذکر کیا ہے اور سطر بسم اللہ کو چھوڑ دیا تو انہوں نے جواب دیا کہ سورت انفال ہجرت کے اوائل میں اتری اور برات اواخر میں اور دونوں کا مضمون ایک ہے تو دونوں کو ایک جگہ لکھا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تسمیہ کے بارے میں پوچھا نہیں کہ لکھیں یا نہ۔

جمہور کی دلیل عدم جہر تسمیہ کی تمام روایات سے ہے امام مالک کا طرز استدلال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے ہی نہیں خفیہ و حنابلہ کے نزدیک پڑھتے تھے لیکن سرّاً کما مر۔
جمہور کی دلیل ۲:- روایت باب سے ہے۔

عن انس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر وعمر وعثمان

کانوا یفتحون القراءۃ بالحمد للہ رب العالمین

تو امام مالک فرماتے ہیں کہ شروع ہی قرات فاتحہ سے کرتے تھے۔ خفیہ و حنابلہ کے نزدیک جہر بالقراءات الحمد للہ رب العالمین سے کرتے تھے تعوذ و تسمیہ و ثناء وغیرہ سرّاً پڑھتے تھے۔

(2) اس روایت کو علامہ بیہقی نے مجمع الزوائد ص: ۲۸۴ ج: ۳ رقم حدیث ۲۶۳۳ میں نقل فرمایا ہے۔ لم أجده فی صحیح البخاری لکن رواہ

ابوداؤد ص: ۱۴۱ ج: ۱ "باب ما جاء من جہر بہا"

امام شافعی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ الحمد للہ رب العالمین سے مراد سورت فاتحہ ہے اور تسمیہ چونکہ فاتحہ کی جز ہے تو اس سے تسمیہ کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ بعض سور کا نام اول آیت سے رکھا جاتا ہے جیسے کہ سورت تبارک الذی نام ہے ایک سورت کا تو فاتحہ کا نام بھی الحمد للہ رب العالمین سے رکھا گیا۔

جواب ۱:- اگر اول آیت سے سورت کا نام رکھا جاتا ہے تو پھر سورت فاتحہ کا نام سورت بسم اللہ ہونا چاہئے کہ آپ کے نزدیک یہی اول آیت ہے۔

جواب ۲:- اگر مطلب وہی ہوتا جو آپ بیان کرتے ہیں تو فقط الحمد ہی نام ہونا چاہئے الحمد للہ رب العالمین تو پوری آیت ہے یہ نام نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ بعض روایات میں الحمد للہ لآ یہ تا مالک یوم الدین آیا ہے۔ تو کیا یہ پوری آیات نام ہوگی سورت فاتحہ کے لئے۔

دلیل ۳:- ترمذی جلد ثانی (۳) میں ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن میں ایک سورت ہے جس کی تیس آیات ہیں یہ سورت اپنے قاری کے لئے شفاعت کرے گی تا آنکہ اس کی مغفرت ہو جائے ”وہی تبارک الذی“ اب اگر تسمیہ کو اس کا جز قرار دیں تو اس کی آیات ۳۱ ہو جائیں گی معلوم ہوا کہ تسمیہ جز من کل سورت نہیں۔

دلیل ۴:- بخاری و ابوداؤد (۴) میں ابوسعید بن المعلی کی روایت ہے کہ میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا میں نماز پوری کر کے آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے کیوں نہیں آئے میں نے کہا کہ نماز میں تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **السم یقل اللہ استحبوا اللہ ولہ رسول اذا دعاکم یحضر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد سے نکلنے سے پہلے ایک بڑی سورت تلا دو لگا تو جب مسجد سے نکلنے لگے تو میں نے وعدہ یاد دلایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الحمد للہ رب العالمین ہی السبع المثانی والقرآن العظیم کہ سات آیات ہیں مراد فاتحہ ہے قرآن میں بھی سبع مثانی سے عند المفسرین سورت فاتحہ مراد ہے بسم اللہ اگر جز ہوتی تو آٹھ آیات ہو جائیں گی سات نہیں رہیں گی۔**

(۳) ص: ۱۳۲ ج: ۲

(۴) صحیح بخاری ص: ۶۳۲ ج: ۲، باب ماجاء فی فاتحہ الكتاب، کتاب التفسیر سنن ابی داؤد ص: ۲۱۲ ج: ۱، باب فاتحہ الكتاب

دلیل ۵:- مسلم (5) عن ابی ہریرہ فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول قال اللہ تعالیٰ قسمت الصلوٰۃ بینی وبين عبدی نصفین ولعبدی ماسئل فاذا قال العبد الحمد لله رب العالمین قال اللہ تعالیٰ حمدنی عبدی واذا قال الرحمن الرحیم قال انی علی عبدی فاذا قال مالک يوم الدين قال مجدنی عبدی فاذا قال اياک نعبد و اياک نستعين قال هذا بينی وبين عبدی ولعبدی ماسئل فاذا قال اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیهم غير المغضوب علیهم ولا الضالین قال هذا لعبدی ولعبدی ماسئل -

اس میں ہر ایک کی الگ الگ فضیلت بیان ہوئی ہے اور تسمیہ کا ذکر نہیں معلوم ہوا کہ تسمیہ جز نہیں۔
دلیل ۶:- اول ما نزلت اقرا باسم ربک الذی خلق اگر بسم اللہ ہر سورت کی جز ہوتی تو بسم اللہ پہلے نازل ہوتی معلوم ہوا کہ بسم اللہ کا مقصد فصل بین السور ہے اور چونکہ اول سورت کے وقت فصل کی ضرورت تھی نہیں تو نازل نہیں ہوئی۔

دلیل ۷:- عمل اسی پر ہے کہ ہر سورت کے ساتھ متصل بسم اللہ نہیں لکھی جاتی بلکہ الگ الگ جگہ پر معلوم ہوا کہ جز نہیں۔

امام مالک کا استدلال بھی انہی روایات سے ہے فرق یہ ہے کہ وہ ان دلائل کو نفی جزیت من القرآن کے لئے پیش کرتے ہیں لیکن انکو جواب یہ دیتا ہے کہ صحابہ کرام نے پوری کوشش کی ہے کہ غیر قرآن قرآن میں نہ ہو اس کے باوجود وجود تسمیہ فی القرآن متواتر ہے نیز اس پر تعریف القرآن بھی صادق ہے لہذا جز من القرآن ضرور ہے۔

اعتراض مالکیہ کی طرف سے ہم پر یہ ہے کہ اگر تسمیہ جز ہوتی تو اس کا منکر کافر ہونا چاہئے تھا کہ اس کا ثبوت تواتر سے ہے اور تواتر قطعی ہے حالانکہ آپ مالکیہ کی تکفیر نہیں کرتے۔

جواب ۱:- الزمانا نقول جس طرح قرآن کا انکار موجب کفر ہے اس طرح غیر قرآن کو قرآن کہنا بھی موجب کفر ہے تو ہم تسمیہ کو قرآن کہتے ہیں اگر یہ غیر قرآن ہے تو آپ ہماری تکفیر کیوں نہیں کرتے فنا ہو جو اکلم

فہو جواباً۔

جواب ۲:- تحقیقاً نقول بسم اللہ کا مکتوب فی القرآن ہونا اگرچہ متواتر ہے مگر اس کا تواتر اس حد تک نہیں جتنا دوسری سورتوں کی آیات کا ہے وجہ یہ ہے کہ اس کے لکھنے سے بعض کو یہ وہم ہوا کہ یہ للتمیز یا للفصل بین السورتوں کی کما وہم الما لکیۃ تو اگرچہ ان کا خیال صحیح نہیں لیکن پھر بھی ایک نوع اختلاف ہوا اور اختلاف موجب تخفیف ہے لہذا تکفیر کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

باب ماجاء انه لا صلوة الا بفاتحة الكتاب

ترمذی کا مقصد اس باب کے انعقاد سے یہ ہے کہ سورت فاتحہ کی حیثیت بتائی جائے کہ اس کے بغیر نماز صحیح ہے یا نہیں؟ لیکن باب قراءت خلف الامام کے لئے نہیں کہ اس لئے مستقل باب باندھیں گے یہ منفرد کے لئے ہے۔

اشکال:- قر کر آ باب متعدی ہے تو فاتحہ میں باء کی کیا ضرورت ہے اس کے متعدد جوابات ہیں۔

جواب ۱:- یہ باء زائد ہے۔

جواب ۲:- یہ للتمیز ہے تقدیریوں ہوگی لا صلوة لمن لم یقرأ متبرکاً بفاتحة الكتاب۔

جواب ۳:- شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ کبھی فعل متعدی بغیر واسطہ حرف جر کے ہوتا ہے اور کبھی فعل متعدی کے مفعول پر باء داخل ہوتی ہے دونوں میں فرق یہ ہے کہ اگر مفعول پر باء داخل ہو تو مطلب ہوگا کہ مدخول باء کا کل مفعول نہیں بلکہ بعض مفعول ہے مطلب یہ ہے کہ مدخول کے ساتھ مفعولیت میں کوئی اور چیز بھی داخل ہے اور اگر حرف باء نہ ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ مذکور کل مفعول ہے کوئی اور مفعولیت میں داخل نہیں مثلاً بخاری (۱) میں ہے یقرأ بالطور یا قرأ فی المغرب بالطور مسلم (۲) میں ہے وکان یقرأ فی الفجر بق و القرآن المجید

باب ماجاء انه لا صلوة الا بفاتحة الكتاب

(۱) ج: ۱۰۵، باب الجمر بالمغرب (۲) ج: ۱۸۶، باب القراءۃ فی الصبح

وَقَرَأَ عَلَيْهِمْ سُورَةَ الرَّحْمَنِ تَوَقَّرَ بِالْطُّورِ كَمَا مَطْلَبٌ يَهْوُكَ كَمَا صَرَفَ طُورٌ نَحْنُ بِرُحْمَى دُغْرُ بَعْدُ أَوْ سُوْرَةُ الرَّحْمَنِ فَقَطْ
اس پر اکتفاء فرمایا تھا یہاں مطلب یہ ہوگا کہ فاتحہ مع السورت دونوں کے ترک سے نماز نہیں ہوتی ہے کیونکہ
لَا صَلَوةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ چونکہ مفعول پر باء داخل ہے یعنی اس شخص کی نماز نہیں جو سورہ فاتحہ مع السورت کی تلاوت
نہ کرے یعنی بالکل قرات نہ کرے تو اس کی نماز ہمارے نزدیک بھی صحیح نہیں۔

معلوم ہوا کہ اس حدیث میں حکم فقط نفس قرات کا ہے شاہ صاحب نے یہ جواب زحشری کے قانون
سے اخذ کیا ہے جو انہوں نے مفصل و کشاف میں "وہذی الیک بحذع التخلۃ" لآیہ کی تشریح میں لکھا ہے۔
یہ مسئلہ بھی مختلف فیہا ہے کہ سورت فاتحہ نماز میں فرض ہے یا نہیں تو عندائے علامہ فرض ہے تارک کی
نماز نہیں ہوگی اور اگر سورت فاتحہ پڑھی تو ضم سورۃ مستحب ہے اس کے ترک سے فرق نہیں پڑے گا حنفیہ کے
نزدیک سورت فاتحہ واجب ہے نہ کہ فرض۔

حنفیہ کی دلیل: "فأفروا ما تيسر من القرآن (3) میں ما عام ہے اگر اس کی تخصیص سورت فاتحہ سے
کریں گے تو زیادتی لازم آئے گی کتاب اللہ پر اور خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں۔ پھر حنفیہ کے
نزدیک فاتحہ ضم سورت دونوں واجب ہے اور نفس قرات فرض ہے اگر کسی ایک کو چھوڑا تو نماز ہو جائے گی مگر
واجب الاعادہ ہوگی۔

دلیل ۲:۔ روی مسلم (4) عن ابی ہریرہ من صلی صلوٰۃ ولم یقرأ فیہا بام القرآن فہی
خدا ج غیر تمام تین مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور خدا ج کا معنی ناقص ہے یعنی ذات باقی رہے گی مگر
کامل نہ ہوگی۔

دلیل ۳:۔ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ
وسلم کو دیکھ کر ابوبکرؓ پیچھے ہٹ گئے۔ روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں سے قراءت شروع کی
جہاں تک ابوبکرؓ نے کی تھی۔ پس معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاتحہ پڑھنا ضروری نہیں سمجھا ورنہ تو شروع

سے ابتداء فرماتے۔ تدریر

باب کی حدیث سے جواب حنفیہ کی طرف سے ایک یہ ہے کہ یہ لافنی کمال کے لئے ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ لاصلوٰۃ کاملہ لمن لم یقرأ کمراس کو پسند نہیں کیا گیا کہ اگر اس کو لافنی کمال کے لئے مانیں تو سورت فاتحہ کو واجب کہنا مشکل ہو جائے گا جیسے لاصلوٰۃ لحرار المسجد الا فی المسجد (5) میں لافنی کمال کے لئے ہے تو اگر کسی نے گھر میں نماز پڑھی پڑوسی مسجد ہونے کے باوجود تو وہ نماز واجب الاعادہ نہیں ہے حالانکہ تارک فاتحہ کی نماز واجب الاعادہ ہے۔

جواب ۲:- ابن ہمام فرماتے ہیں کہ لافنی ذات کے لئے ہے مگر چونکہ یہ خبر واحد ہے تو زیادتی علی کتاب اللہ نہیں کر سکتے۔

جواب ۳:- شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ لافنی ذات کے لئے ہے مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ نفس قراءت ترک کردی نہ فاتحہ پڑھی نہ سورت تو نماز نہ ہوگی اس توجیہ کی دو دلیلیں ہیں ایک یہ کہ بعض روایات (6) میں بفاتحہ الكتاب فصاعدا آیا ہے تو یہ حکم سورت و فاتحہ کے مجموعے کے ترک کے بارے میں ہے اور اس کے ہم بھی قائل ہیں نفس قراءت عندنا بھی رکن ہے اور ترک رکن سے نماز نہیں ہوتی دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن مقرأ مستحی ہے اس کے مفعول پر باء داخل ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مقروء کل مفعول (فاتحہ) نہیں بلکہ دیگر قرات بھی ساتھ ہے تو اس سے بھی نفس قرات کا حکم معلوم ہوتا ہے۔

(5) رواہ الدارقطنی ص: ۳۹۹ ج: ۱ رقم حدیث ۱۵۳ "باب الحکم لجار المسجد علی الصلوٰۃ فی الخ"

(6) کمالی روایۃ ابی داؤد ص: ۱۲۶ ج: ۱ "باب من ترک القراءۃ فی صلوٰۃ"

باب ماجاء فی التامین

رجال:-

بندار یضم باء وسکون نون یہ لقب ہے ان کا نام محمد بن بشار ہے احد اوعیۃ السنۃ وہی فرماتے ہیں انعقد
الاجماع علی الاحتجاج ببندار۔

یہی بن سعید القفطان ائمہ جرح و تعدیل میں سے ایک ہیں۔ سفیان سے مراد ثوری ہے۔
سلمہ بن کہیل الحضرمی الکوفی ثقہ ہیں وثقہ احمد والبخاری۔

تنبیہ:- یہ سلمہ اسی طرح ہر سلمہ یفتح لام ہوتا ہے سوائے عمرو بن سلمہ کے جو انصار کے ایک قبیلہ بنی سلمہ
سے ہیں اور اپنی قوم کے امام تھے وہ البتہ یکسر اللام ہے۔ جبکہ عبد الحالیق بن سلمہ میں دونوں حرکتیں یعنی کسرہ لام
و فتح سلمہ صحیح ہیں۔

حجر بن عنبس یضم الحاء وسکون الجیم کبار تابعین میں سے ہیں ابن معین نے توثیق کی ہے۔
وانل بن حجر الحضرمی طلیل القدر صحابی ہیں طوک یمن میں سے تھے پھر کوفہ کو مسکن بنایا یہاں تک کہ
حضرت معاویہ کی ولایت میں انتقال ہوا۔ ☆

تشریح:-

یہ باب تائین کے بارے میں ہے تائین بمعنی آمین کہنا آمین لفظ ہمزہ و یاء کے مد و بغیر مد کے
دونوں جائز ہیں ہشید ید الحکم دعاء کے اختتام پر غلط ہے۔ اگر ہشید ید الحکم کوئی نماز میں پڑھے تو عند البعض نماز
فاسد ہو جائے گی والاصح انہ لا تفسد الصلوٰۃ کہ یہ قرآن میں موجود ہے اور متاخرین فقہاء کے نزدیک جو لفظ قرآن
میں موجود ہو تو اس کے کہنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اور یہ قرآن میں ہے ”ولا آمین البیت الحرام ای
فاصلین“۔

پھر لفظ آمین عند البعض عربی ہے اسم فعل بمعنی اللھم اسمع یا اوجب یا فلیکن کذلک یا اللھم امنا

قال البعض هذا اسم من اسماء الله۔

قول ۲:- یہ ہے کہ عربی نہیں بلکہ سریانی ہے ممکن ہے کہ لفظ مشترک ہو عربی و سریانی میں اور ایسا ہوتا ہے کہ بعض الفاظ مشترک ہوا کرتے ہیں مختلف زبانوں میں جیسے لفظ صابون نور اور مشکوٰۃ وغیرہ۔
بحث اول یہ ہے کہ امین کہنا کس کا وظیفہ ہے تو عند الجہور امام و مقتدی دونوں کا وظیفہ ہے منفرد بھی اگر نماز پڑھے تو اس کے لئے بھی آمین کہنا مسنون ہے۔ امام مالک سے روایت ہے کہ صرف مقتدی کہے گا امام نہیں کہے گا۔ ایک روایت شاذہ عن ابی حنیفہ یہی ہے روایت مشہورہ و مفتی بہ جمہور کے مطابق ہے۔

دلیل مالکؒ:۔ بخاری (۱) عن ابی ہریرۃ اذا قال الامام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا امین طریق استدلال یہ ہے کہ یہاں تقسیم کی گئی ہے جو شرکت کے منافی ہے لہذا امام آمین نہیں کہے گا فقط مقتدی کہے گا۔

جواب:- یہاں مقصد تقسیم نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ جب امام امین کہنے لگے تو تم بھی آمین کہو فائدہ من وافق تامين تامين الملائكة غفرله ماتقدم من ذنبه امام کے امین کی نفی نہیں کیونکہ یہ صریح و صحیح احادیث سے ثابت ہے جیسے کہ آئندہ باب کی روایت ہے "اذامن الامام فامنوا"۔

نسائی (۲) میں ہے فان الملائكة يقول امين وان الامام يقول امين۔
بحث ثانی یہ ہے کہ امین میں جبر افضل ہے یا اخفاء یہ اختلاف صلوٰۃ جہریہ میں ہے سریہ میں بالاتفاق سرا کہے گا یہ اختلاف اولویت و عدم اولویت میں ہے نہ کہ جواز و عدم جواز میں۔

امام شافعی کا قول مختار جو مفتی بہ عند الشافعیہ ہے اور عند الحنابلہ امام و مقتدی دونوں جہر کریں گے عند احناف و سفیان ثوری و مالک فی روایت مشہورہ عند امام و مقتدی دونوں اخفاء کریں گے۔
شافعیہ کا استدلال باب کی سفیان عن وائل بن حجر کی روایت سے ہے۔

قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرا غیر المغضوب علیہم ولا الضالین

باب ما جاء فی التامین

(۱) ص: ۱۰۸ ج: ۱ "باب جہر المأموم بالآمین" (۲) ص: ۱۰۷ ج: ۱ "جہر الامام بہا آمین"

وقال آمین ومد بها صوته

مد سے مراد رفع صوت لیتے ہیں اس کے علاوہ ان کی مستدل روایات کوئی قابل حجت نہیں۔

حنفیہ و مالکیہ کی دلیل اول باب کی دوسری حدیث عن شعبۃ عن وائل بن حجر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقال آمین وخفض بها صوته یہ دونوں روایات سنداً صحیح ہیں۔ البتہ متنا شافعیہ نے سفیان کی روایت کو ترجیح دی ہے اور شعبہ کی روایت کو یکسر نظر انداز کیا ہے حنفیہ و مالکیہ شعبہ کی روایت کو بنیاد بنا کر سفیان ثوری کی روایت میں تاویل کرتے ہیں کہ مد بها صوت میں مد سے مراد رفع صوت مراد نہیں بلکہ مد کھینچنا ہمزہ اوری میں مراد ہے۔ تو تطبیق بین الروایات ہو جائے گی۔

شافعیہ کی طرف سے شعبہ کی روایت پر پانچ اعتراضات کئے گئے ہیں تین ترمذی نے نقل کئے ہیں چنانچہ ترمذی فرماتے ہیں۔

قال ابو عیسیٰ سمعت محمداً بقول حدث سفیان اصح من حدیث شعبۃ فی هذا واعطى شعبۃ فی مواضع من هذا الحدیث (۱) فقال عن حجر ابی العنبر وانما هو حجر بن العنبر ویکنی ابی السکن (۲) وزاد فیہ عن علقمۃ بن وائل ولس فیہ عن علقمۃ وانما هو حجر بن عنبر عن وائل بن حجر (۳) وقال وخفض بها صوته وانما هو مد بها صوته یعنی شعبہ نے متن میں بھی غلطی کی ہے۔

چوتھا اعتراض ترمذی نے العلل الکبریٰ میں کیا ہے کہ علقمہ بن وائل کا سماع اپنے والد وائل بن حجر سے ثابت نہیں اور بخاری نے کہا کہ وائل کی وفات سے چھ مہینے بعد علقمہ پیدا ہوئے تو سماع کیسے ہوگا؟
اعتراض ۵:- یہ روایت شعبہ کی دوسری روایت کے ساتھ معارض ہے یہ بھی ہے وقال آمین رافعاً بها صوته۔

حنفیہ کے نزدیک یہ اعتراضات اتنے وزنی نہیں کہ اس سے روایت کمزور ہو جائے۔
اعتراض اول کا جواب یہ ہے کہ سلمہ بن کہیل کے شیخ کا نام حجر ہے ان کی کنیت ابو العنبر بھی ہے ابن

العنسیس بھی ہے اور یہ ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی کے بیٹے اور والد کا نام ایک ہو بلکہ یہ تو بکثرت ہوتا ہے ابن حبان نے کتاب الثقات میں ابوالعنسیس کی تصریح کی ہے ابن حجر نے بھی اعتراف کیا ہے کہ ابوالسکن اور ابوالعنسیس دونوں ہی اگلی کنیت ہیں۔ نیز ابوداؤد (3) میں سفیان کی روایت میں ابن العنسیس کی بجائے ابوالعنسیس کنیت آئی ہے اسی طرح ابن حبان (4) عن شعبہ ابوالعنسیس کی جگہ ابن العنسیس آیا ہے دارقطنی (5) میں دونوں کا ذکر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کنیتیں صحیح ہیں۔

اعتراض ۲:- کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ ایک راوی دوسرے راوی سے براہ راست اور بالواسطہ دونوں طرح سے تو ہو سکتا ہے کہ حجر بن عنسیس نے براہ راست واکل بن حجر سے روایت کی ہو اور علقمہ بن واکل کے واسطے سے بھی چنانچہ ابوداؤد طیالسی (6) مسند احمد (7) اور دارقطنی (8) میں یہ روایت دونوں طریقوں سے مروی ہے۔

اعتراض ۳ کا جواب ہے کہ شعبہ ثقہ اور معتمد علیہ راوی ہے جب سند صحیح ہے تو متن حدیث کی غلطی کا اعتراض سوہنظن ہے۔

اعتراض:- شعبہ کو کبھی وہم ہو جاتا ہے ممکن ہے کہ یہاں بھی وہم ہوا ہو۔

جواب:- شعبہ سے غلطی رجال کے اسامی میں ہوتی تھی نہ کہ متن حدیث میں وجہ یہ تھی کہ شعبہ متن حدیث پر زیادہ زور دیتے تھے مبارکپوری صاحب نے خود تسلیم کیا ہے کہ ان سے سند میں غلطی کا احتمال ہے متن میں نہیں۔

اعتراضات ثلاثہ کا مجموعی الزامی جواب یہ ہے کہ ہم کہیں گے کہ سفیان سے تین غلطیاں ہوئی ہیں ایک یہ کہ ابوالعنسیس کی جگہ ابن العنسیس ذکر کیا دوسری یہ کہ انہوں نے اس روایت کو براہ راست ذکر کیا حالانکہ یہ

(3) مس: ۱۴۱: ج: ۱ "باب التامین وراء الامام" (4) سوار والظمان ص: ۴۴۰ رقم حدیث ۴۴۷

(5) مس: ۳۲۸: ج: ۱ رقم حدیث ۱۲۵۳ و ۱۲۵۶ "باب التامین فی الصلوٰۃ بعد فاتحۃ الخ"

(6) مس: ۳۸۱: رقم حدیث ۱۰۲۳ حدیث ۱۸۸۶۰ سے آگے دیکھئے۔ (7) مسند احمد ص: ۴۷۲ و ۴۷۳ ج: ۶

(8) مس: ۳۲۸: ج: ۱ "باب التامین فی الصلوٰۃ بعد فاتحۃ الکتاب والنہج بہا"

بالواسطہ ہے تیسری یہ کہ خفض بہا صوت کی جگہ مد بہا صوت کہا مقصد یہ ہے کہ شعبہ وسفیان دونوں برابر درجے کے
روای ہیں بلکہ شعبہ امیر المؤمنین فی الحدیث ہے تو بجائے سفیان کے فقط شعبہ کی طرف نسبت غلطی کی کیوں ہے؟
اعتراض ۴ کا جواب یہ ہے کہ یہ کہنا کہ علقمہ بن وائل کا اپنے والد سے سماع ثابت نہیں یہ غلط ہے کہ
نسائی (9) کی ایک روایت میں حدیثی ابی کی تصریح ہے اگر یہ کہیں کہ ان کی ولادت وفات والد کے چھ ماہ بعد
ہوئی ہے تو یہ غلط ہے امام ترمذی خود اپنے کلام میں ثبوت سماع کی تصریح کر چکے ہیں۔ ابواب الحد و باب ماجاء فی
المرأة اذا اشکر ہت علی الزماء میں ترمذی نے ایک عبد الجبار بن وائل کی حدیث ذکر کی ہے۔ دوسری علقمہ بن وائل
کی۔ عبد الجبار کی حدیث کے متعلق لکھتے ہیں۔

هذا حديث غريب وليس اسنادہ بم متصل سمعت محمداً يقول عبد الجبار بن

وائل لم يسمع عن ابيه ولا اذكره يقال انه ولد بعد موته باسهر

علقمہ کی حدیث کے بعد لکھتے ہیں۔

هذا حديث حسن غريب صحيح وعلقمة بن وائل بن حجر سمع عن ابيه

(ص: ۳۶۹ ج: ۱)

وهو اكبر من عبد الجبار بن وائل

لہذا ترمذی کے علل کبریٰ کے کلام اور یہاں کے کلام میں تداخل ہے جب نسائی میں حدیثی ابی کی تصریح
ہے تو سماع ثابت ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ عبد الجبار کا سماع بھی اپنے والد سے ثابت ہے اور ترمذی نے جو بخاری کا
قول نقل کیا ہے یہ صحیح نہیں اس لئے کہ بخاری خود لکھتے ہیں یتال معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی یہ قول ”مریض“
ہے۔

اعتراض ۵ کا جواب یہ ہے کہ پہلی (10) میں جو مروی ہے یہ شاذ ہے کہ علقمہ کے درجنوں شاگردوں

نے خفض ذکر کیا ہے اور صرف پہلی میں رفع ہے لہذا یہ شاذ ہے۔

ان اعتراضات کے علاوہ شافعیہ سفیان کی روایت کے لئے کچھ وجوہ ترجیح ذکر کرتے ہیں۔

(9) ص: ۱۶۱ ج: ۱ ”باب رفع الیدین عند الرفع من الركوع“

(10) سنن کبریٰ للبیہقی ص: ۵۷ ج: ۱ ”باب جبر الامام بالتأیید“

۱۔ سفیان کے متابع موجود ہیں جس کی ترمذی دہشتی (11) نے تخریج کی ہے۔

جواب :- متابع میں راوی علاء بن صالح اسدی موجود ہے جو بالاتفاق ضعیف ہے لہذا یہ معتبر نہیں۔

دوسری وجہ تریج یہ ہے کہ سفیان کی متابعت محمد بن سلمہ بن کہیل نے کی ہے جو دہشتی میں ہے اسی طرح

علی بن صالح بھی متابعت کرتے ہیں جو ابوداؤد (12) میں ہے۔

جواب :- محمد بن سلمہ کی متابعت ناقابل التفات ہے کہ یہ نہایت ہی ضعیف ہے قال الذہبی ناقل عن

الجوز جانی داعی الحدیث۔ علی بن صالح ثقہ ہے لیکن یہ روایت کاتب کی غلطی کی بناء پر علی بن صالح کی طرف

منسوب ہے حالانکہ یہ علی بن صالح نہیں بلکہ علاء بن صالح ہے ابن حجر نے التلخیص الحصر (13) میں اعتراف

کیا ہے کہ یہ نسبت راوی یا کاتب کی غلطی ہے دلیل یہ ہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ (14) میں یہی روایت عبد اللہ

بن نمیر عن علاء بن صالح ترمذی میں بھی عبد اللہ بن نمیر عن علاء بن صالح سے ہے ابوداؤد میں عبد اللہ بن نمیر عن علی

بن صالح ہے لیکن ابن حجر نے تسلیم کیا ہے کہ ابوداؤد کی روایت بھی علاء بن صالح سے ہے کیونکہ ابن نمیر مدار ہے تو

ابوداؤد کی روایت باقی دو روایتوں پر محمول ہوگی۔

دلیل ثانی :- دہشتی نے سفیان کی متابعت نکالنے کی پوری کوشش کی ہے مگر انہوں نے فقط علاء بن

صالح کا ذکر کیا ہے علی بن صالح کا نہیں کیا۔

وجہ تریج ۳ :- یہ ہے کہ ابو ہریرہ سے ابن ماجہ (15) میں مروی ہے۔

ترك الناس التامين وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا قال غير المصوب

عليهم ولا الضالين قال آمين حتى يسمعها اهل الصف الاول فيرتج بها المسعد

معلوم ہوا کہ وائل بن حجر کے علاوہ یہ روایت ابو ہریرہ سے بھی مروی ہے۔

جواب :- اس میں بشر بن رافع راوی ہے جو ضعیف ہے۔

(11) حوالہ بالا (12) ص ۱۳۴ ج ۱: "باب التامين ورا ما لا نام"

(13) التلخیص الحصر ص ۵۸۱ ج ۱: تحت حدیث رقم ۳۵۲ (14) ملاحظہ ہو تہذیب الاحوذی ص ۸۶ ج ۲:

(15) ص ۶۱: "باب الجهر آمین"

وجہ ترجیح ۴:- خود شعبہ کہتے ہیں سفیان احفظ منی معلوم ہوا کہ سفیان کی حدیث زیادہ قابل اعتبار ہے۔

جواب:- قال سفیان شعبۃ امیر العلمین فی الحدیث۔

(کتاب العلل الصغریٰ للترمذی ص: ۲۳۶ ج: ۲)

ہماری وجوہ ترجیحات میں پہلی وجہ ترجیح یہ ہے کہ سفیان ثوری باوجود جلالت شان کے تدلیس کرتے تھے جبکہ شعبہ تدلیس کو اشد من الزمنا سمجھتے تھے وقال شعبۃ لان اخر من السماء احب الی من ان ادلس۔

دوسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ سفیان جبراً آمین کے راوی ہیں مگر ان کا مسلک سرآمین کا ہے۔

وجہ ترجیح ۳:- ادعوا ربکم تضرعاً و خفیۃ اور آمین بھی دعا ہے قال تعالیٰ قد احییٰ دعوتکمما موسیٰ علیہ السلام دعا کر رہے تھے اور ہارون علیہ السلام آمین کہتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے دونوں کے فعل کو دعا کہا معلوم ہوا کہ آمین بھی دعا ہے۔

وجہ ترجیح ۴:- بخاری (16) میں ابو ہریرہ کی روایت ہے اذ قال الامام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا امین یہاں امام کے آمین کا محل ولا الضالین کے بعد بتایا اگر آمین جبراً کہا ہوتا تو یہ کہتے کہ جب امام آمین کہے تو تم آمین کہو معلوم ہوا کہ آمین سرآمین ہے۔

اگلے باب سے پوستہ باب میں سرہ فرماتے ہیں سکتان حفظتہما عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمران بن حصین نے انکار کیا ابی بن کعب کو خط لکھا گیا جواب میں لکھا "ان حفظ السمرۃ" کہ سرہ کی یادداشت صحیح ہے اور دوسرا سکتہ ولا الضالین کے بعد کا ہے۔

البتہ شافعیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ اذا امن الامام فامنوا کمافی الباب لآتی میں نسبت کی گئی ہے آمین کی امام کی طرف معلوم ہوا کہ آمین جبراً مشروع ہے۔ ۵

جواب:- اس سے جبر مقصود نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ امام کے امین کہنے کے ساتھ ہی تم بھی امین کہو۔ فان من وافق تائید تائین الملاکۃ اور موافقت حب ہو سکتی ہے کہ دونوں بہ یک وقت امین کہیں اور اگر امام پہلے کہے تو موافقت فوت ہو جائے گی چنانچہ امین جبر و نووی نے اذ ارادوا یہے۔ کما سیأتی فی الباب لآتی

وجہ ترجیح ۵:- اگر سفیان کی روایت کو معمول بہا بنایا جائے تو سفیان کی روایت پر تو عمل ہو جائے گا لیکن شعبہ کی روایت متروک ہو جائے گی جبکہ شعبہ کی روایت پر عمل کی صورت میں سفیان کی روایت کا ترک لازم نہیں آتا کیونکہ سفیان کی روایت میں اگر مد سے مد ہمزہ و یا ہوتو سر کے منافی نہیں۔

اعتراض:- یحییٰ کی حدیث ہے قال رافعاً بہا صوت۔

جواب ۱:- رفع بمعنی مد ہے۔ جواب ۲:- یہ روایت بالمعنی ہے۔

اعتراض:- عن ابی ہریرۃ حتیٰ یسمعہا اهل الصنف الاول فیترج بہا المسجد رواہ ابن

ماجہ (17)

جواب ۱:- اس میں راوی بشر بن رافع ہے جو ضعیف ہے۔

وجہ ترجیح ۶:- جبراحیانا اور تعلیم پر محمول ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ وائل بن حجر کے علاوہ کسی مقامی صحابی نے جبر کی روایت نہیں کی جو صحیح سند سے ثابت ہو۔ تو ممکن ہے کہ ان کے سامنے جبر تعلیم کیا ہو جیسے کہ کبھی سری نمازوں میں یہ بتانے کے لئے کہ کوئی سورت پڑھ رہا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دو آیات جبر پڑھتے۔ حنفیہ کا استدلال ثانی حضرت عمرو بن ابی اسود کے عمل سے ہے امام طحاوی (18) نے آثار نقل کئے ہیں کہ حضرت عمرو بن ابی اسود نے اپنے صاحب ہدایہ نے ابن مسعود کے عمل سے استدلال کیا ہے مصنف عبدالرزاق (19) میں ابراہیم نخعی کا قول ہے حضرت عمر فرماتے ہیں کہ سات چیزوں میں اخفاء ہوگا ان میں ایک آمین ہے۔

حضرات شافعیہ مرسل عطاء (20) سے استدلال کرتے ہیں کہ میں نے دو صحابہ کو پایا جب امام ولا الضالین کہتا تو دو زور سے آمین کہتے اور مسجد گونج اٹھتی۔

(17) ص: ۶۱ "باب الجہر بآمین"

(18) شرح معانی لا تار: ۱۵۰ ج: ۱ "باب قراءۃ بسم اللہ الرحمن فی السلوة"

(19) ص: ۸۷ ج: ۲ "باب ما یظہر الامام" ویس فی ذکر سبع مل فی رویۃ الاولی ذکر اربعۃ اشیاء و فی الثانیۃ خمسۃ اشیاء رقم حدیث

۲۵۹۶ و ۲۵۹۷ (20) ردوہ النہج فی الکبری ص: ۵۹ ج: ۱ "باب جہر اسماؤم بالآمین"

جواب :- حسن بصری سے عطاء کی عمر کم ہے اس کے باوجود حسن بصری کی ملاقات فقط ۱۲۰ اصحاب سے ہو سکتی ہے تو عطاء کی ۲۰۰ سے کیسے ہوئی؟

جواب ۲ :- سیوطی نے تصریح کی ہے کہ عطاء کی مراد ایل الضعف المراد ایل ہیں۔

دلیل ۳ :- قیاس سے ہے کہ نماز میں دوسرے ادعیہ سراہوتے ہیں جیسے کہ تعوذ ہے یا دیگر اذکار تاکہ قرآن سے متاثر نہ رہے تو جس طرح قرآن میں آمین و تعوذ وغیرہا کے نہ لکھنے پر اجماع ہے تو اس میں جبر بھی مناسب نہیں تاکہ صوت قرآن وغیر قرآن میں خلط نہ ہو۔

باب ماجاء فی فضل التامین

امن الامام کا مطلب یہ نہیں کہ امام امین کہے کیونکہ پھر تو موافقت فوت ہو جائے گی بلکہ نووی وابن حجر نے یہاں اراد الامام (التامین) کا مطلب لیا ہے یعنی موافقت سے مراد موافقت زمانی ہے عند البعض موافقت فی الاخلاص مراد ہے یعنی جس طرح فرشتے اخلاص کے ساتھ پڑھتے ہیں اسی طرح اخلاص کے ساتھ آمین کہو اکثر نے پہلی توجیہ کو پسند کیا ہے ملائکہ سے مراد کون سے ملائکہ ہیں تو ظاہر یہی ہے کہ مطلق ملائکہ مراد ہیں حفظہ یا کرمانا کاتبین کے ساتھ مخصوص نہیں کیونکہ ملائکہ السماء کی تصریح بعض روایات میں آئی ہے۔

اعتراض :- گناہ تو نماز سے معاف ہو جاتے ہیں تو آمین کی طرف نسبت کیسے ہوئی؟

جواب :- اس میں آمین کی خاصیت بتانا مقصود ہے کہ اس کی خاصیت عفو گناہ ہے لہذا اگر گناہ ہو گئے تو وہ معاف ورنہ رفع درجات ہوگا۔

باب ماجاء فی السکتین

رجال :-

عن الحسن البصری ثقہ ہیں مشہور فاضل ہیں۔ کثرت سے ارسال اور تہ لیس کرتے تھے امام بزار کہتے ہیں۔

کان مروی عن جماعة لم یسمع منهم فیتحوز ویقول حدثنا وخطبنا یعنی

قومہ الذین حدثوا او خطبوا بالبصرة

اوساط تابعین میں سے ہیں۔ ✽

انکر عمران ای عن السکتۃ الثانیۃ واذا قرا کولا الفضائلین کو اذا فرغ من القراءة کی تفسیر بتائی ہے پھر دو سکتوں سے مراد ایک قبل القراءت ایک بعد الفاتحہ ہے اور اگر واد استینافیہ ہو تو تین سکتے ہو جائیں گے یہی زیادہ بہتر ہے کہ فراغ سے مراد فراغ من کل قرأۃ مراد ہوگا۔

ابوداؤد (۱) کی ایک روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے اذا فرغ من القراءة کلا تو تین سکات ہونگے تیسرا سکتہ رکوع سے پہلے ہوتا ہے تاکہ سانس درست کر سکیں پہلا سکتہ توجیہ و تسبیح وغیرہ کے لئے یہ سکتہ متفق علیہ ہے ایک روایت امام مالک سے ہے کہ پہلا سکتہ نہیں ہوگا کہ مرتفعیذا۔ دوسرا سکتہ حنفیہ کے نزدیک اس لئے ہوگا تاکہ آمین کہے اور تعین سورت کرے مثلاً ائمہ ثلاثہ خصوصاً عند الشافعیہ سکتہ امام اس لئے ہوگا تاکہ مقتدی سورت فاتحہ پڑھ سکے لیکن عمران بن حصین کا سکتہ ثانیہ سے انکار کرنا دال ہے اس بات پر کہ سکتہ ثانیہ اتنا طویل ثابت نہیں۔

باب ماجاء فی وضع الیمین علی الشمال فی الصلوٰۃ

رجال:-

قیصہ بن حلب یضم الہاء و سکون اللام ہے ہلب لقب ہے نام یزید ہے کما قال الترمذی نزیل کوفہ ہیں۔ قیصہ مقبول من الثالثہ ہیں عجل نے توثیق کی ہے۔

تشریح:-

ہاتھ نماز میں کہاں رکھنا چاہئے تو اس کے بارے میں امام ترمذی فرماتے ہیں فرای بعضهم ان یضعہما فوق السرة و رای بعضهم ان یضعہما تحت السرة و کل ذالک واسع عندهم یعنی گنجائش ہر ایک کی ہر ایک کے نزدیک ہے کہ کوئی روایت صحیحہ یقین میں وارد نہیں ہوئی۔ ترمذی نے دو دفعہ ہوں کا ذکر تو کیا لیکن ذہبین کا ذکر نہیں کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کوئی قابل ذکر اختلاف نہیں۔

مبارکپوری صاحب نے تحفۃ الاحوذی میں رسالہ فوز الکرام للقاظم سندھی اور دراجہم صرۃ المکملہ ہاشم ٹھٹوی کے حوالے سے یہ اختلاف نقل کیا ہے کہ امام مالک کے نزدیک ارسال اولیٰ ہے ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ فوق السرة تحت الصدر تیسرا انہی کا قول یہ ہے کہ اختیار بین الوضع والارسال۔ ابن العربی نے عارضۃ میں ان کا ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے فرض نماز میں ارسال نقل میں وضع اولیٰ ہے تو کل چار قول ہوئے البتہ ان سے مشہور قول ارسال ہی کا ہے۔ امام شافعی سے بھی تین روایات ہیں۔ ۱۔ تحت الصدر فوق السرة یہ روایت کتاب الام میں ہے اور یہ ان کے نزدیک معمول ہے اور زیادہ مشہور ہے اسی کو قاضی شوکانی اور مبارکپوری نے جمہور شوافع کا مذہب قرار دیا ہے دوسرا قول وضع علی الصدر کا ہے تیسرا تحت السرة کا ہے۔

امام احمد سے بھی تین روایات ہیں۔ ۱۔ تحت الصدر ۲۔ تحت السرة یہ زیادہ مشہور و معمول عند جمہور حنابلہ

ہے ۳۔ اختیار پیہما۔

حنفیہ کا مذہب متعین ہے کہ وضع تحت السرۃ ہی ہوگا یہی مذہب امام سفیان ثوری و امام اسحاق اور بعض شافعیہ کا ہے البتہ عند الاحناف عورتیں ہاتھ سینے پر ہی رکھیں۔

پھر باندھنے کی کیفیت کے بارے میں چونکہ متعدد روایات ہیں بعض میں (1) وضع کف علی کف آتا ہے۔ بعض میں (2) وضع علی الریغ آیا ہے۔ بخاری (3) کی روایت میں وضع علی الساعد آیا ہے ایک روایت مسند احمد (4) میں بھی ہے راوی اس میں کہتا ہے ووصف یحییٰ الیمینی علی الیسری فوق الحفصل۔

ان تمام روایات میں تطبیق کا طریقہ عند الحنفیہ یہ ہے کہ انگلیاں ساعد پر آ جائیں ریغ اور کف پر کف رکھ دے۔ تحریر المذہب سے معلوم ہوا کہ علی الصدر کا سوائے ایک روایت شاذہ عن الشافعیہ کے کوئی بھی قائل نہیں ائمہ اربعہ میں کسی کا مذہب نہیں۔ شوکانی نے نیل الاوطار (5) میں اس کی تصریح کی ہے اس سلسلے میں اولاً وائل بن حجر کی روایت پیش کی جاتی ہے جو مرفوع ہے جس سے حنفیہ و شافعیہ دونوں ہی استدلال کرتے ہیں صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوضع یدہ الیمینی علی یدہ الیسری یہاں تک تو متعدد کتابوں میں مروی ہے۔ صحیح ابن خزیمہ (6) میں علی صدرہ کا اضافہ ہے مسند بزار (7) میں عند صدرہ کا ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ (8) میں تحت السرۃ کا اضافہ ہے لہذا جو حضرات فوق الصدر وضع کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ صحیح ابن خزیمہ میں فوق الصدر کی تصریح آئی ہے۔

جواب :- اس سند میں مؤثر بن اسماعیل ہے علامہ مارذینی (9) فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنی کتابیں دفنائی تھیں اپنے حفظ سے روایت کرتے جسکی وجہ سے بہت غلطی کرتے تھے قال البخاری منکر الحدیث قال ابو حاکم و ابو ذرعة کثیر الخطا، اس لئے یہ قابل قبول نہیں۔

باب ماجاء فی وضع الیمین علی الشمال فی الصلوٰۃ

- (1) کما فی ابی داؤد بحوالہ معارف السنن ص ۴۴۳ ج ۱: (2) رواہ الترمذی ص ۱۳۱ ج ۱: "باب وضع الیمین من الشمال فی الصلوٰۃ"
- (3) لم یجدہ فی البخاری لکن رواہ احمد فی مسندہ ص ۷۷ ج ۲: رقم حدیث ۱۸۸۹۲ (4) ص ۲۲۵ ج ۸: رقم حدیث ۲۲۰۲۶
- (5) نیل الاوطار ص ۱۸۶ ج ۲: "باب ماجاء فی وضع الیمین علی الشمال" (6) کما فی تلمیح الخیر ص ۵۳۹ ج ۱: رقم حدیث ۳۳۱
- "باب صفۃ الصلوٰۃ" (7) کما فی مجمع الزوائد ص ۳۲۳ ج ۲: رقم حدیث ۲۸۰۵ (8) بحوالہ معارف السنن ص ۴۴۷ ج ۲: (9) انظر التفصیل آثار السنن ص ۸۳ و ۸۴ ج ۱: "باب فی وضع الیدین علی الصدر"

اعترض:- صحیح ابن خزیمہ میں اس حدیث کا ہونا ہی اس کی صحت کی دلیل ہے۔

جواب:- سیوطی نے تدریب الراوی میں تصریح کی ہے ابن خزیمہ میں کسی حدیث کا آنا اس حدیث کی صحت کی دلیل نہیں کیونکہ آپس میں ضعیف و منکر بھی ہیں۔

اعترض:- قال الشوکانی صحیحہ ابن خزیمہ۔

جواب:- قاضی شوکانی کے وقت صحیح ابن خزیمہ تقریباً معدوم ہو چکی تھی ان کا ظن یہ تھا کہ چونکہ ابن خزیمہ نے صحت کا اہتمام کیا ہے تو ان کا خیال تھا کہ یہ بھی صحیح ہوگی۔

حضرت تقی صاحب نے درس ترمذی میں لکھا ہے کہ ابن خزیمہ اب جو چھپ کر آئی ہے اس میں تصحیح نہیں۔ علاوہ ازیں واکل بن حجر کی یہ حدیث دیگر کتب میں ہے مگر کسی میں علی صدرہ کا لفظ نہیں معلوم ہوا کہ زیادتی کی ساری ذمہ داری مؤمل پر عائد ہوتی ہے نیز شوکانی نے نیل الاوطار میں لکھا ہے کہ اس حدیث کو زبردستی ثابت کرنے میں شوافع کو بھی فائدہ نہیں کہ ان کا مذہب علی الصدر تو نہیں مسند بزار میں عند صدرہ کا اضافہ ہے مگر یہ محمد بن جریر کا اضافہ ہے قال الذہبی رحمہ اللہ مناکیر ان کی دلیل ۲ مسند احمد (10) میں ہلب کی حدیث بھی ہے۔

روایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینصرف عن یمنہ وعن یمارہ و رایتہ یمضع
ہذہ علی صدرہ۔

جواب:- علامہ بیوٹی نے آثار السنن (11) میں لکھا ہے کہ اس میں تخیف ہوئی ہے اصل میں یمضع ہذہ علی ہذہ ہے اور الفاظ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہاتھ نہیں بلکہ دونوں ہاتھ رکھتے ہیں کہ ایک ہاتھ سینے پر رکھنا اور ایک کو چھوڑے رکھنا تو مشروع نہیں۔ اگر بالفرض صحیفہ نہ بھی مانیں تو بھی قابل استدلال نہیں صاحب بذل الجہود نے اس پر کافی بحث کی ہے کہ اس میں ہماک بن حرب ہے جو قابل احتجاج نہیں ضعف ابن المبارک وشعبہ وسفیان الثوری خود سفیان ثوری کا مذہب تحت السرۃ وضع کا ہے قال النسائی کان یلقن فیلقن یعنی اس کو جو کچھ کہا جائے وہی کچھ بولتا اور حافظ ابن حجر نے بھی ایسا ہی کہا ہے امام احمد نے بھی مضطرب الحدیث کہا ہے۔ یہی

(10) ص: ۲۴۵ ج: ۸ رقم حدیث ۲۲۰۲۶

(11) آثار السنن ص: ۸۷ ج: ۱ قول فی الحاشیہ ص: ۱۰۹

جب ہے کہ ترمذی نے اس کو روایت کو فقط حسن کہا ہے صحیح نہیں کہا حالانکہ وضع علی صدرہ کا اضافہ ترمذی میں نہیں۔

جواب ۲:- قال الشوکانی علی صدرہ کے اثبات سے شافعیہ کو کوئی فائدہ نہیں۔

دلیل ۳:- قال البیہقی (12) قال علی فی تفسیر الآية "فصل لربک وانحر" وضع یدہ

الیمنی علی الیسری ثم وضعها علی صدرہ۔

جواب :- ماروینی نے دیا ہے کہ اس کے متن و سند میں شدید اضطراب ہے لہذا قابل حجت نہیں۔

بیہقی نے اس تفسیر کو ابن عباس کی طرف بھی منسوب کیا ہے لیکن حافظ ساعاتی مسند احمد کی تبویب کی شرح (13) میں لکھتے ہیں کہ اس کی نسبت ابن عباس و علی کی طرف صحیح نہیں۔

ابن کثیر نے یہاں اوٹوں کا ذکر مراد لیا ہے نیز ابن عباس کی روایت میں روح بن المسیب ہیں جنہیں ابن حبان نے وضاع کہا ہے۔

دلیل ۵:- ابوداؤد (14) میں مرسل روایت طاؤس سے ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یضع یمینہ علی شمالہ فی الصلوٰۃ ثم یشدہما علی صدرہ۔

جواب ۱:- یہ معارض ہے حنفیہ کے متدلالات کے ساتھ۔

جواب ۲:- مرسل آپ کے ہاں حجت نہیں نیز اس کے اثبات میں شوافع کا فائدہ نہیں کما قال

الشوکانی۔

حنفیہ کے استدلالات :-

۱۔ روایت علیؑ جو ابوداؤد کے ابن الاعرابی کے نسخے میں ہے من السنة وضع الکف علی الکف

(12) سنن کبریٰ للبیہقی ص: ۳۰ ج: ۲ "باب وضع الیدین علی الصدر فی الصلوٰۃ الخ"

(13) فتح البانی ص: ۴۳ ج: ۳ "بحوالہ درس ترمذی"

(14) مرسل ابی داؤد ص: ۶

فی الصلوٰۃ تحت السرة۔

اعتراض :- اس میں عبدالرحمن بن اسحق ضعیف جبکہ زیاد بن زید مجہول ہے۔

صاحب بذل الحجود نے جواب دیا ہے کہ یہ روایت دارقطنی (15) وغیرہ میں تین طریق سے مروی ہے اس میں سے ایک طریق میں زیاد نہیں۔ رہا عبدالرحمن بن اسحق تو اس کا ضعف دیگر متابعات کی وجہ سے دور ہو جائے گا۔

دلیل ۲ :- مصنف ابن ابی شیبہ (16) عن وائل بن حجر قال رایت النبی صلی اللہ علیہ

و مسلم یضع یمینہ علی شمالہ تحت السرة۔

اس اضافے پر مولانا محمد حیات نے رسالہ فتح الغفور میں اعتراض کیا ہے کہ یہ زیادتی صحیح نہیں ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ زیادتی صرف ابن ہمام کے شاگرد قاسم بن قطلوبغا نے اختیار شرح مختار میں نقل کی ہے کسی اور نے اس سے پہلے نقل نہیں کی دوسری وجہ یہ ہے کہ محمد حیات صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ابن ابی شیبہ کی طرف رجوع کیا اس میں تحت السرة کی زیادتی نہ پائی ہاں نیچے سطر میں ابراہیم نخعی کا قول ہے تحت السرة ناقل نے غلطی سے اس کو بھی نسخے کا جز سمجھ کر نقل کر دیا۔

جواب :- مولانا قائم سندھی نے فوز الکرام میں دیا ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ اضافہ دیکھا ہے لہذا ناقل کی تغلط غلط ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ کے نسخے متعدد ہیں بعض میں یہ زیادتی ہے بعض میں نہیں تو جس طرح زیادتی میں غلطی کا احتمال ہے اسی طرح زیادتی کو ترک کرنے میں بھی غلطی کا احتمال ہے۔ بہرحال جو نسخہ چھپا ہے اس میں یہ زیادتی نہیں اور کراچی سے جو چھپا ہے اس میں یہ زیادتی ہے کسی ایک کو قطعاً غلط کہنا غلط ہے کہ دونوں محتمل ہیں۔

دلیل ۳ :- ابراہیم نخعی کا قول ہے جو مصنف ابن ابی شیبہ (17) میں ہے یضع یمینہ علی شمالہ

فی الصلوٰۃ تحت السرة۔

(15) ص: ۲۸۸ ج: ۱ "باب فی اخذ الشمال بالیمین فی الصلوٰۃ" (16) آثار السنن ص: ۹۰ ج: ۱ "باب فی وضع الیدین تحت

السرة" (17) بحوالہ آثار السنن ص: ۹۱ ج: ۱

دلیل ۴:- مصنف ابن ابی شیبہ (18) میں ہے کہ ابو بکرؓ سے پوچھا گیا وضع ید کے بارے میں تو فرمایا

یضع باطن کف یحینه علی ظاہر کف شمالہ ویجعلہما اسفل من السرة۔

دلیل ۵:- مصنف ابن ابی شیبہ (19) عن علی من سنة الصلوٰۃ وضع الایدی علی

الایدی تحت السرر۔

دلیل ۶:- ابو ہریرہؓ کی روایت جو ابوداؤد (20) میں تعلیقاً ہے اخذ الکف علی الکف فی الصلوٰۃ تحت

السرة البتہ اس میں عبد الرحمن بن اُتقی ضعیف ہے۔

دلیل ۷:- ابن حزم نے معلقاً حضرت عائشہؓ و انسؓ کی حدیثیں ذکر کی ہیں۔

قالت عائشہ ثلث من النبوة نعيميل الافطار وتاخير السجود ووضع اليد اليمنی

علی اليسری فی الصلوٰۃ

انسؓ کی باقی روایت یہی ہے صرف تحت السرة کا اضافہ ہے۔

قال ابن المذركہ ہاتھ رکھنے کی جگہ تعیین حدیث سے ثابت نہیں اس لئے ابن ہمام فرماتے ہیں کہ

چونکہ یہ روایات صحیحہ سے ثابت نہیں یا روایت میں تعارض ہے تو قیاساً تحت السرة رائج ہوگا کہ اس میں تواضع ہے اور نماز تواضع کا فعل ہے۔

ابن العربی فرماتے ہیں کہ نفس وضع کا اعتبار احناف نے اس لئے کیا کی روایات صحیحہ سے ثابت ہے

صدر پر وضع کا اعتبار نہیں کیا کہ اس میں تکلف ہے اور فوق السرة تحت الصدر کے بارے میں صاحب تحفہ نے اقرار کیا ہے کہ کسی مرفوع حدیث سے ثابت نہیں۔

(18) حوالہ بالا (19) آثار السنن ص: ۹۰ ج: ۱

(20) رواہ دارقطنی عن علی رضی اللہ عنہ ص: ۲۸۹ ج: ۱ رقم حدیث ۱۰۸۹ نوٹ:- ابوداؤد میں ان الفاظ کے ساتھ روایت نہیں ملی

البتہ دارقطنی اور مصنف ابن ابی شیبہ میں حوالہ بالا ص: ۳۹۱ ج: ۱ پر ان الفاظ سے ملنے والے مضمون کی حدیث منقول ہے۔

باب ماجاء فی التکبیر عند الركوع والسجود

یہ باب تکبیرات انتقال کے بارے میں ہے۔

فی کل خفض و رفع کل خفض تو اپنے ظاہری معنی پر ہے لیکن کل رفع میں تغلیب ہے کیونکہ عند الرفع من الركوع میں تکبیر نہیں بلکہ تسبیح ہے اتفاقاً۔

عند النجھور تکبیر تحریمہ کے علاوہ بھی انتقالات میں تکبیرات مشروع ہیں۔ ابن سید الناس نے نقل کیا ہے کہ ایک جماعت کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے علاوہ کوئی تکبیر مشروع نہیں اور اس کی نسبت حضرت عمرؓ و قتادہؓ سعید بن جبیرؓ عمر بن عبد العزیزؓ حسن بصریؓ ابن سیرینؓ کی طرف کی گئی ہے اور بقول بعض ابن عمرؓ کا قول بھی اسی کے مطابق ہے اسی طرح حضرت عثمانؓ و حضرت معاویہؓ اور دیگر بنو امیہ کی طرف بھی یہی منسوب ہے۔ بعضوں نے فرق کیا ہے جماعت اور انفرادی نماز میں کہ جماعت میں تکبیرات ہوگی انفرادی نماز میں فقط تحریمہ۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ فرض میں تکبیرات ضروری ہیں نقل میں ضروری نہیں عند البعض عند الرفع تکبیر کہے عند البعض نہ کہے۔

انکا متدل مسند احمد (۱) میں ابن ابزی کی روایت ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یتیم التکبیر بعض طرق میں اذا رفع و خفض کا اضافہ ہے بعض میں اذا خفض ہے یہ روایت ابوداؤد میں بھی ہے۔ جمہور کی طرف سے ابوداؤد طیالسی نے جواب دیا ہے کہ وہذا عندی باطل کیونکہ بہت ساری روایات سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تکبیرات انتقال کہا کرتے تھے لہذا اس سے استدلال باطل ہے۔

جواب ۲:۔ کان لا یتیم التکبیر کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ زور سے نہ کہتے فقط تکبیر تحریمہ زور سے کہتے۔

جواب ۳:۔ لا یتیم التکبیر کا مطلب ہے کہ زیادہ مد نہیں کرتے تھے۔

جواب ۴:۔ احیاناً ترک تکبیر بیان جواز کے لئے کیا ہوگا یعنی تکبیر انتقالات واجب نہیں۔

باب ماجاء فی التکبیر عند الركوع والسجود

(۱) ص ۲۳۶ ج ۵ رقم حدیث ۱۵۵۵۲ ایضاً رقم حدیث ۱۵۳۶۹ ایضاً ابوداؤد ص ۱۲۹ ج ۱ "باب تمام التکبیر"

اشکال :- بعض روایات (2) میں ہے کہ اولاً تارک تکبیر عثمان ہیں بعض میں معاویہ اور بعض میں زیاد بن ابی سفیان ہے حالانکہ ان کے اوقات امامت الگ الگ ہیں۔

جواب :- زیاد نے متابعت کی ہے معاویہ کی اور معاویہ نے عثمان کی اور عثمان تارک تکبیرات نہیں تھے بلکہ اخیر عمر میں ضعف کی وجہ سے آہستہ کہنا شروع کر دیا صرف قرسی لوگ سنتے تھے نہ کہ دور والے تو وہم ہوا کہ شاید وہ نہیں کہتے تھے پھر طحاوی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ ابن اثیر کے دور خلافت تک جاری تھا۔ بنو امیہ کے دور میں عید کا خطبہ پہلے ہوتا تھا اور تکبیرات نہیں ہوتی تھیں ابن زبیر نے خطبہ مؤخر کر دیا اور تکبیرات شروع کیں۔

پھر جمہور کا آپس میں اختلاف ہے بعض اہل حدیث کے نزدیک تکبیرات واجب ہیں امام احمد کے نزدیک بھی ایک قول انہی کے مطابق ہے جمہور کے نزدیک تکبیرات انتحال مستحب ہیں۔ قائلین بالوجوب کو جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسی فی الصلوٰۃ کو تکبیرات کی تعلیم نہیں دی اگر واجب ہوتیں تو ضرور حکم کرتے۔

اشکال :- ابو داؤد (3) میں مسی فی الصلوٰۃ کو تکبیرات کی بھی تعلیم دی گئی ہے لہذا کہا جائے گا کہ مسند احمد میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لاینم التکبیر یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کبھی ترک بھی کیا کرتے تھے اگر واجب ہوتیں تو ترک نہ کرتے اب یہ امر متفق علیہ ہے کہ تکبیرات مشروع ہیں من غیر خلاف۔

(2) کنانی عمدة القاری وفتح الباری عمدة القاری ص ۱۹۰ ج ۳

(3) انظر ص ۱۳۱ ج ۱ ابواب صلوٰۃ من التعمیم سلب فی الزکوع والجمہ

باب رفع الیدین عند الركوع

رجال:-

ابن ابی عمر نزیل مکہ ہیں نام محمد بن یحییٰ ہے صاحب مسند ہیں ابن عیینہ کے ساتھ لازم رہا کرتے تھے ابو حاتم فرماتے ہیں کانت فی غفلۃ۔

مسالم هو ابن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔

بیان مذاہب:-

مقدمہ میں گذرا ہے کہ ائمہ کے اختلاف میں صحابہ کے عمل کو دخل ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے بعد صحابہ اطراف میں پھیل گئے بعض کو منسوخ کا علم ہوا نسخ کا نہ ہو سکا نیز بعض صحابہ کا بھی دیگر کے ساتھ اختلاف رہا تو صحابہ جہاں گئے وہاں کے لوگوں نے ان کے اقوال و اعمال کے مطابق عمل کرنا شروع کر دیا اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ ہر کوئی اپنے علم کے مطابق مکلف ہے اور یہ بھی طے شدہ ہے کہ ہدایت و اصلاح بغیر رجال کے ممکن نہیں کما قال المفسرون کہ اہدنا لآیۃ میں سوال ہدایت ہے اور ذالک الکتاب میں جواب سوال ہے الذین یؤمنون لآیۃ میں رجال ہدایت کی طرف اشارہ ہے کتاب پر عمل رجال کتاب کی رہنمائی کے بغیر معدر ہے اس طرح حدیث کے لئے بھی رجال حدیث کا ہونا ضروری ہے حنفیہ کا منبع ثانی حضرت ابن مسعود اور ان کا حلقہ علم ہے جبکہ حضرت علی بھی کوفہ ہی میں تھے مؤرخین کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابو بکر کے اول دور میں ۱۸ ہزار کا لشکر عراق و شام کی طرف بھیجا گیا اور اکثر کا قیام کوفہ اور اس کے مضافات میں تھا اس لحاظ سے کوفہ میں علمی گہما گہمی کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

شافعیہ کا مذہب ابن زبیر و ابن عباس کی روایات و ارشادات پر مبنی ہے جن کا حلقہ مکہ میں تھا امام مالک اہل مدینہ کا عمل دیکھتے ہیں حتیٰ کہ مرفوع روایت پر بھی عمل اہل مدینہ کو ترجیح دیتے ہیں۔

چونکہ اہل مکہ کا عمل ابن عباس و ابن زبیر کے عمل کی وجہ سے رفع یدین کا تھا اس وجہ سے امام شافعی نے

بھی اپنا مذہب رفع یدین کا بنالیا امام مالکؒ سے رفع و ترک دونوں روایتیں ہیں۔ مؤطا (۱) میں انہوں نے رفع کی روایت ذکر کی ہے مگر چونکہ اہل مدینہ کا عمل ترک رفع کا تھا اس لئے اصل مذہب مالکیہ ترک رفع ہی ہے بعد میں بعض مالکیہ نے مؤطا کی روایت رفع کو دیکھ کر رفع کو اپنا مذہب بنالیا۔ میں نے حج کے موقع پر اس بات کا التزام کیا تھا کہ اس بارے میں مالکی علماء سے ملوں گا کہ ان کے یہاں زیادہ تر عمل کس پر ہے اسی جتو میں مغرب کے لوگوں سے میں پوچھا کرتا تھا کسی عالم سے میری ملاقات تو نہ ہو سکی مگر مراکش، تیونس، سوڈان اور الجزائر کے بہت سے لوگوں سے میری علیحدہ علیحدہ بات ہوئی کہ آپ لوگ رفع یدین کیوں نہیں کرتے ہیں حالانکہ مؤطا میں رفع کی حدیث موجود ہے وہ یہی کہا کرتے تھے اس لئے کہ ہمارے بڑے اور علماء نہیں کرتے ہیں صرف ایک آدمی نے کہا کہ ہمارے ہاں ”الشبان یرفعون والکبار لا یرفعون“۔

اس سے معلوم ہوا کہ مغرب میں جہاں مالکیہ کی کثرت ہے اب تک عمل عدم رفع پر رہا ہے۔

امام احمد کا زمانہ چونکہ بعد کا ہے صحابہ اور کبار تابعین کو نہ دیکھ سکے اس لئے اصولاً یہ صحت حدیث کو دیکھتے ہیں اس لئے ان کا مذہب بھی رفع ہی کا ہے۔

کوفہ والے ترک پر مجتمع تھے خود شافعیہ بھی اس کے قائل ہیں ترمذی میں ابن مسعود کی روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی ترک کے قائل تھے۔

دوسری اصولی بات یہ ہے کہ شافعیہ و حنابلہ رفع یدین کو ترجیح اس لئے دیتے ہیں کہ رفع کی روایات سنداً صحیح ہیں اور بظاہر ترک رفع کے مقابلے میں زیادہ ہیں مگر شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ کہنا کہ رفع کی روایات زیادہ ہیں یہ صحیح نہیں کیونکہ بہت سارے صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ نقل کیا ہے انہوں نے رفع یدین نقل نہیں کیا تو وہ بھی ثانی رفع یدین ہیں۔

قال ولكنى ادعى ان احاديث الترك كثيرة فان كثيراً من الصحابة يروون صفة

صلواته عليه السلام ولا يذكر رفع اليدين وانى ادمجهم فى الترك

اشکال :- جن روایات میں رفع کا ذکر نہیں وہ ساکت ہیں اور ساکت کو ناطق (رفع) پر حمل کیا جاسکتا ہے۔ فاقول انہم لیسوا باساکین بل ناطق اور شاہ صاحب نے یہ جواب ابن تیمیہ کے ضابطے سے مستحب کیا ہے ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ جہر بالتسمیہ نادر ہے اور اختفاء کثیر ہے اس لئے کہ اکثر احادیث جہر تسمیہ سے خالی ہیں ان پر بھی یہی اشکال ہوا کہ خالی عن الجہر روایات ساکت ہیں اور ساکت تکمیل علی الناطق تو انہوں نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ ساکت نہیں بلکہ ثانی ہیں اس لئے کہ جو راوی طریقہ نقل کرتا ہے تو وہ ان چیزوں کا اہتمام کرتا ہے جو جو دی ہوتی ہیں عدی فی کی طرف تعرض نہیں کرتا کہ یہ دو وجوہ کی بناء پر معقول نہیں ایک اس لئے کہ عدی کے ذکر میں کوئی فائدہ نہیں دوسرا یہ کہ عدی اشیاء غیر متناعی ہوتی ہیں ان کا ذکر بھی محال ہے اس قاعدے کے مطابق ساکت روایات بھی ثانی رفع ہوگی لہذا ترک رفع کا ذخیرہ کثیر ہوگا بہ نسبت رفع کے ذخیرہ سے۔ کیونکہ رفع یدین کی روایات بعد التحقیق چھ ہیں یا زیادہ سے زیادہ بارہ یا چودہ ہیں پچاس یا دوسو کا قول مبالغہ پر مبنی ہے اگر بالفرض ۲۰۰ صحابہ سے بھی رفع ثابت ہو تو باقی تمام صحابہ سے رفع ثابت نہیں تو ثانی پھر بھی زیادہ رہے۔

تیسری اصولی بات یہ ہے کہ رفع یدین احادیث سے ثابت ہے اصل مذہب حنفیہ میں مکروہ نہیں نہ اس سے نماز فاسد ہوتی ہے البتہ ترک رفع اولیٰ ہے اس کی وجہ یہ ہے خود عند الشافعیہ بھی رفع یدین کی جمیع صورتیں عمل نہیں ہو سکتی کیونکہ آپ صرف رکوع میں جاتے وقت اور رفع من الركوع کے وقت رفع یدین کے قائل ہیں حالانکہ احادیث میں دیگر صورتیں بھی ثابت ہے آپ ان کو منسوخ سمجھتے ہیں تو ہم ان کو بھی منسوخ یا متروک سمجھتے ہیں۔ اصل مذہب شافعیہ میں بھی یہ واجب نہیں بعد میں غلو ہوا اور بعض شافعیہ نے اس کو واجب قرار دیا تو بعض احناف کی طرف سے بھی غلو ہوا اور اس کو مکروہ کہا کما قال صاحب مدیۃ المصلیٰ۔

رہا آج کل اہل حدیث کا عمل تو اس پر دو صحابہؓ سے لیکر تمام سلف میں سے کسی کا عمل نہیں رہا یعنی عند قیام الی الثالث۔

حنفیہ کی دلیل :- قال ابن مسعود الاصلیٰ بکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلیٰ فلم یرفع یدہ الا فی اول مرۃ اس پر مخالفین کی طرف سے پانچ اعتراضات کئے گئے ہیں۔ ایک ترمذی نے نقل کیا ہے۔

قال عبد الله بن مبارك قد ثبت حديث من يرفع ولم يثبت حديث ابن مسعود

ان النبي صلى الله عليه وسلم صلى ولم يرفع يديه الا في اول مرة (2)

لہذا حنفیہ کا استدلال کثرتاً ہے۔

جواب :- ابن مسعود سے دو حدیثیں مروی ہیں ایک مرفوع ایک موقوف جو مرفوع کے حکم میں ہے

مرفوع کے حکم میں اس لئے ہے کہ اس میں الاصلیٰ بسکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے جو حکم مرفوع میں ہوتا ہے۔ ابن مبارک کا اعتراض مرفوع پر ہے موقوف پر نہیں دلیل اس کی یہ ہے کہ ترمذی نے ابن مبارک کا اعتراض نقل کیا ہے پھر وحد ثانیہ الگ سے سند بیان کی ہے پھر ایک الگ سند کے ساتھ ابن مسعود کی ایک اور حدیث ذکر کی معلوم ہوا کہ اعتراض مرفوع پر ہے موقوف پر نہیں۔ یہاں ایک مستقل باب ہے ترک رفع یدین کا کیونکہ ترمذی کی عادت یہی ہے کہ وہ مختلف فیہا مسائل میں طرفین کے لئے مستقل باب ذکر کرتے ہیں وہ عام نسخوں سے غلطی سے نکل گیا ہے بعض نسخوں میں جیسے کہ عبد اللہ بن سالم البصری کا قلمی نسخہ جو ہر جہند کے کتب خانے میں ابھی تک موجود ہے یہاں الگ باب کا عنوان ہے۔

ایک اور دلیل یہ ہے کہ اگر ترک رفع یدین کا باب نہ مانیں یہ ترمذی کے صنیع کے خلاف ہے کہ ان کا صنیع یہ ہے کہ اولاً احادیث ذکر کرتے ہیں پھر حکم لگاتے ہیں پھر تحریر مذہب کرتے ہیں اب اگر یہاں ایک ہی باب مانیں تو اس کی خلاف ورزی اس طرح ہوگی کہ پہلی حدیث ذکر کر کے اس پر پوری بحث کی پھر تحریر مذہب کرنے کے بعد دوسری حدیث ذکر کی پھر بحث پھر تحریر مذہب۔ اس صنیع سے معلوم ہوتا ہے کہ دو باب ہیں اور اعتراض ابن مبارک کا مرفوع پر ہے موقوف پر نہیں نیز ابن مبارک نے اعتراض میں یہ تصریح کی ہے۔

ولم يثبت حديث ابن مسعود ان النبي صلى الله عليه وسلم صلى ولم يرفع يديه

الا في اول مرة

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا مورد اعتراض مرفوع حدیث ہے موقوف نہیں۔

عارضۃ الاحوذی لابن العربی کے متن میں ترک کے لئے مستقل باب موجود ہے باب ما جاء ان النبي

صلی اللہ علیہ وسلم لم یرفع یدیه الا فی اول مرۃ اس کے بعد وہ یہ قال حدثنا حماد بن حدیث ذکر کی ہے معلوم ہوا کہ ابن العربی کے زمانے تک یہ باب مستقل طور پر موجود تھا بعد میں معلوم نہیں کہ یہ باب مع الترمذ کیسے ختم ہوا؟ فان الله وانما اليه راجعون۔

عارضہ کے بخشی اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس کو ترمذی نے فقط حسن کہا و ہذا الحدیث صحیح بن حزم (کہ یکنی) وغیرہ من لحاظ و دو حدیث صحیح۔ اس سے اور بھی واضح ہوا کہ ابن مبارک کا اعتراض مرفوع پر ہے نہ کہ موقوف پر۔ اسی طرح یہ حدیث ابوداؤد (3) نے نقل کی ہے اور اس پر سکوت کیا جو ان کے نزدیک حدیث کی صحت کی نشانی ہے اگر بالفرض ابن مبارک کا اعتراض دوسری حدیث پر بھی ہو تو بھی قابل التفات نہیں کہ اس کے روایات ثقہ ہیں اس پر اعتراض کیلئے دلیل کی ضرورت ہے جو پیش نہیں کی۔

اعتراض ثانی:- حدیث ابن مسعود پر یہ ہے کہ اس میں عاصم بن کلیب مفرد ہے۔

جواب:- عاصم ثقہ ہے روایات مسلم میں سے ہے لہذا ان کا تفرد مستثنیٰ ہے۔

اعتراض ۳:- عاصم سے روایت کنندہ سفیان ہے پھر سفیان سے کعب اور یہ دونوں مفرد ہیں۔

جواب:- سفیان جلیل القدر محدث ہیں اگر ان کا تفرد مستثنیٰ حدیث ہو اور ناقابل اعتبار ہو پھر تو کسی کا تفرد بھی قابل اعتبار نہ رہے گا جہاں تک کعب کے تفرد کا تعلق ہے تو یہ صحیح نہیں کہ نسائی و ابوداؤد میں تین یا چار اس کے متابع موجود ہیں۔

اعتراض ۴:- عبد الرحمن بن الاسود کا سماع علاقہ سے ثابت نہیں۔

جواب:- عبد الرحمن بن الاسود ابراہیم نخعی کا معاصر ہے اور ابراہیم کا سماع علاقہ سے بلاشبہ ثابت ہے تو عبد الرحمن کا بھی ہو گا یہاں اگرچہ سماع کی تصریح نہیں مگر شرط سماع شرط بخاری ہے مسلم کی شرط کے مطابق حدیث صحیح ہے۔

ان اعتراضات ثلاثہ اخیرہ کا مجموعی جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ روایت ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم عن الاسود کے طریق سے بھی مروی ہے (4) لہذا عاصم اور سفیان کو بھی متابع ملا اور عبد الرحمن کے سماع پر اعتراض بھی رفع ہوا۔

اعتراض ۵:- جس طرح ابن مسعود کو وضع الیدین علی الرکبتین فی الركوع کا علم نہ ہوا اس لئے وہ تطبیق کیا کرتے تھے تو ممکن ہے رفع یدین کا علم بھی نہ ہوا ہو۔

جواب:- یہ محض تعصب ہے کہ کیونکہ ابن مسعود صحرانامہ میں لہذا ان پر عدم علم کی ایسی بدگمانی خلوص نیت پر مبنی نہیں۔ عبد اللہ بن مسعود تطبیق لا علمی کی وجہ سے نہیں کرتے بلکہ وہ مجتہد تھے اجتہاد کی بنا پر احد النصین کو دوسری پر ترجیح دیتے ایک کو دوسری کے لئے ناسخ نہیں کہتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تطبیق رکوع میں ہوتی ہے جو کہ حالت اخفاء ہے بہ نسبت رفع یدین کے اور حالت علانیہ کو حالت خفیہ پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ابن مسعود صف اول کے رجال میں سے ہیں عمر کے اعتبار سے بھی اور فقہا بھی ان کی حدیث کو لا علمی پر حمل کر کے چھوڑنا اور ابن عمر جو کہ کم سن صحابی ہیں اور صف میں بھی وہ پیچھے کھڑے ہوتے تھے ان کی حدیث کو لیٹنا ناقابل فہم ہے۔

حنفی کی دلیل ۲:- روی ابو داؤد (5) عن براء بن عازب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا فتحت الصلوٰۃ رفع یدیه الی قریب من اذنیہ ثم لا یعود یعنی فقط تحریرہ میں ہاتھ اٹھاتے پھر نہیں اس پر ابو داؤد نے تین اعتراضات کئے ہیں۔

۱۔ قال ابو داؤد هذا الحديث ليس بصحيح۔

جواب:- ابو داؤد نے اس حدیث کی تخریج تین اسانید کے ساتھ کی ہے اعتراض فقط تیسری حدیث پر ہے کیونکہ اس میں محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ ہے اس کی وجہ سے اس کو غیر صحیح کہا پہلی اور دوسری میں یہ راوی نہیں تو ان پر یہ وار نہیں ہوگا۔ جہاں تک تیسری حدیث پر اعتراض کا تعلق ہے تو یہ بھی ان کا خیال ہے کیونکہ محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ کو حافظ نے تقریب میں صدوق کہا ہے۔

ترمذی نے ابواب الطہارات کے آخری باب سے پہلے والے باب میں حضرت علی کی حدیث بواسطہ محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ ذکر کی ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرئنا القرآن علی کل حال مالہ یکن

جنباً قال ابو عیسیٰ حدیث علی حدیث حسن صحیح (ص ۱۳۸ بیچ ایم سعید)

یہاں ابن ابی لیلیٰ سے مراد بقریح صاحب تحفۃ الاحوذی محمد بن عبد الرحمن ابن ابی لیلیٰ ہے اس سے معلوم ہوا کہ ابوداؤد جس راوی کی حدیث کو یس صحیح کہتا ہے ترمذی اسی راوی کی حدیث کو حسن صحیح کہتا ہے لہذا یہ ابوداؤد کا اپنا خیال ہی ہو سکتا ہے پھر جب وہ صدوق راوی ہے یعنی اس کی ویانت قابل اعتماد مگر حفظ میں کمزوری ہے قال احمد فقہمہ احب الیما من حدیث اور حافظ کی کمزوری متابعت سے دور ہو جاتی ہے۔

اعتراض ۲:- ابوداؤد نے یہ کیا ہے پہلی سند پر کہ براء بن عازب کی روایت میں ثم لایعود کی زیادتی میں شریک عن یزید بن ابی زیاد متفرد ہے کیونکہ اس حدیث کو ہشیم و خالد اور ابن اور یس عن یزید روایت کرتے ہیں مگر لایعود کا اصالہ ذکر نہیں کرتے۔

جواب:- جہاں تک ہشیم کا تعلق ہے تو کامل ابن عدی میں انہوں نے یہ زیادتی نقل کی ہے لہذا یہ کہنا کہ ہشیم متابعت شریک نہیں کرتا یہ انکا خیال ہے بلکہ ہشیم کے علاوہ اسرائیل بن یونس نے بھی کامل ابن عدی میں متابعت کی ہے۔ دارقطنی (6) اور معجم اوسط للطبرانی (7) میں حمزہ الزیات نے بھی متابعت کی ہے ابوداؤد کی دوسری سند میں سفیان نے بھی متابعت کی ہے بلکہ تیسری سند بھی کلیہ مرد و نہیں تو وہ بھی متابع شریک ہے۔

اعتراض ۳:- بیہقی (8) نے صراحۃً کہا ہے کہ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ یزید بن ابی زیاد نے یہ حدیث مکہ میں بیان کی تو وہاں ثم لایعود کا اضافہ نہیں کیا کرتے تھے کوفہ میں جب آئے تو ثم لایعود کی زیادتی کرنا شروع کر دی وجہ یہ بیان کی کہ انھن ان اہل الکوفۃ لقوہ فملقن البتہ ابوداؤد میں پہلے مکہ پھر کوفہ کا ذکر نہیں صرف اتنا ہے ثم قال لنا بالکوفۃ بعد ثم لایعود کا فقط ذکر ہے۔

جواب:- شاہ صاحب نے نیل الفرقہ میں دیا ہے کہ بیہقی نے سفیان کی طرف جو نسبت کی ہے اس کی سند میں دور راوی ہیں محمد بن حسین البرہباری، ابراہیم الرمادی قال الذہبی فی تہمتہا کذابان تاریخی اعتبار سے بھی یہ اعتراض صحیح نہیں کہ سفیان بن عیینہ یزید بن ابی زیاد سے عمر میں کافی چھوٹے ہیں دونوں کوئی ہیں سفیان

(6) ص: ۲۹۵ ج: ۱ "باب ذکر التسمیہ و رفع الیدین عند الافتتاح الخ" (7) کذا فی معارف السنن ص: ۳۸۷ ج: ۲

(8) سنن کبریٰ للبیہقی ص: ۶۰ ج: ۲ "باب من لم یذکر الرفع الا عند الافتتاح"

جس وقت مکہ گئے تھے اس سے ۲ سال قبل یزید بن ابی زیاد کی وفات ہوئی تھی تو یہ کیسے ممکن ہے کہ پہلے مکہ میں پھر کوفہ میں حدیث یزید سے سنی ہو جہاں تک ابو داؤد کے اعتراض کا تعلق ہے تو اس میں مکہ و کوفہ کا ذکر نہیں صرف زیادتی کا ذکر ہے اور ایسا ہوتا ہے کہ راوی کبھی مفصل حدیث بیان کرتا ہے کبھی مختصر ذکر کرتا ہے۔

حنفیہ کا تیسرا استدلال ابن عباس کی روایت سے ہے جس کو طبرانی (9) نے مرفوعاً اور مصنف ابن ابی شیبہ (10) میں موقوفاً ذکر ہے عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا ترفع الایدی الا فی سبع مواطن اذا قام الی الصلوٰۃ واذارأ البیت وعلی الصفا والمروة وفی عرفات وفی جمع وعبدالجمار اس میں نماز میں فقط عند آخر یرفع الایدی کا ذکر ہے صاحب ہدایہ نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

اعتراض ۱:- اس کی سند میں حکم روایت کرتے ہیں مقسم سے حالانکہ حکم عن المقسم فقط چار روایات ہیں جن میں مذکورہ حدیث نہیں۔

جواب ۱:- زیلعی نے دیا ہے کہ محدثین کا یہ کہنا کہ حکم کی عن مقسم فقط چار روایات ہیں یہ محدثین کے تتبع کے مطابق ہے ورنہ مسند احمد میں پانچ روایات حکم عن مقسم ہیں ترمذی میں حکم عن مقسم دیگر روایات بھی ہیں اسی طرح زیلعی (11) نے بھی مزید متعدد روایات ذکر کی ہیں۔

اعتراض ۲:- اس میں رفعاً و وقفاً اضطراب ہے طبرانی میں مرفوعاً جبکہ مصنف ابن ابی شیبہ میں موقوفاً ہے۔

جواب ۱:- اس کو اضطراب نہیں کہا جاتا کیونکہ راوی کبھی اس کو مرفوعاً بیان کرتا ہے اور کبھی موقوفاً اور یہ

عام ہے۔

دلیل ۴:- دووی البیہقی (12) فی الخلافیات عن عباد بن زبیر ان رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کان اذا فتحت الصلوٰۃ رفع یدہ فی اول الصلوٰۃ ثم لم یرفعها فی شئ حتی ینزع امین حجر نے اس حدیث کی تخریج الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ میں کی ہے و فسال لیسظہر فی اسنادہ قال الکشمیری نظرت فی اسنادہ ووجدتہ صحیحاً ہاں اتنا ہے کہ عباد تابعی ہے تو حدیث مرسل ہوئی جو عند

(9) بحوالہ مجمع الزوائد ص: ۳۶۹ ج: ۲ رقم حدیث ۲۵۸۱ (10) ص: ۲۳ ج: ۱ "من کان یرفع یدہ فی اول تکبیرۃ ثم لا یوؤد"

(11) نصب الرایہ ص: ۳۶۹ ج: ۲ "والا یرفع یدہ" فی التکبیرۃ "اولی" (12) بحوالہ نصب الرایہ ص: ۳۸۷ ج: ۱

انجہو رجعت ہے۔ اس کے علاوہ طحاوی (13) اور مصنف ابن ابی شیبہ ص: ۲۳۶ پر نے صحابہ کے آثار بھی نقل کئے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ و تابعین کی ایک بڑی جماعت ترک رفع یدین پر عمل پیرا تھی حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ جس کی حدیث ترمذی میں بھی مروی ہے حتیٰ کہ ابن عمرؓ جو راوی رفع یدین ہے ان سے بھی صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ ان کا عمل ترک رفع یدین کا تھا۔ قال مجاہد صلیت خلف ابن عمر فلم یکن یرفع یدیه الا فی التکبیرۃ الاولی من الصلوٰۃ۔ مسند حمیدی میں بھی ابن عمرؓ سے عدم رفع ثابت ہے۔

”حدثنا الحمیدی قال ثنا الزهري قال أخبرني سالم بن عبد الله عن أبيه قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا افتتح الصلوة رفع يديه حذو منكبيه وإذا أراد أن يركع وبعد ما يرفع رأسه من الركوع فلا يرفع ولا بين السجدة“

اس پر محشی لکھتے ہیں۔ ”ولم يحرض احد من المحمدين لرواية الحميدي هذه“ یعنی کسی نے اعتراض اس پر نہیں کیا ہے۔ (ص: ۷۷ رقم حدیث: ۶۱۴۰ المسکتۃ المستفیة المدینۃ المنورة)

طحاوی اور مسند حمیدی کے علاوہ مصنف ابن ابی شیبہ (14) میں بھی ہے یہی نے خلائیات میں اس کو مرفوعاً بھی روایت کیا ہے کہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوٰۃ ثم لا یعود۔ طحاوی کی روایت پر اعتراض ہے کہ اس کی سند میں ابوبکر بن عیاش ہے جن کا حافظہ اخیر عمر میں کمزور ہوا تھا۔ جواب:۔ یہ بخاری کے رجال میں سے ہے اور بالاتفاق ثقہ ہے اگرچہ آخری عمر میں مغلط ہوئے تھے مگر یہ روایت ان سے ان کی جوانی کی ہے کہ اس کا راوی احمد بن یونس ہے جو ان سے ان کی جوانی میں یعنی قبل الاختلاط روایت لیتے تھے۔

اعتراض ۲:۔ طاووس ابن عمر کا فعل رفع یدین نقل کرتا ہے۔ (15) اگرچہ مجاہد ترک کا نقل کرتے ہیں تو تعارض ہوا تو فیصلہ ان کے قول کو دیکھ کر کیا جائیگا۔ اور قول ان کا رفع یدین کا ہے۔

(13) شرح معانی الآثار ص: ۱۶۳ ج: ۱ ”باب التسمیہ للركوع والتسمیہ للسجود والرفع من الركوع الخ“ (14) ص: ۲۳۶ ج: ۱

(15) کنانی شرح معانی الآثار ص: ۱۶۳ ج: ۱ ایضاً ثقہ عبد الرزاق فی مصنف ص: ۲۹ ج: ۲ رقم حدیث: ۲۵۲۵

جواب :- طاؤس نے ابن عمر کی ابتدائی عمر کا عمل نقل کیا ہے جو رفع کا ہے بعد میں جب ابن عمر کو ترک کا اولی ہونا ثابت ہو گیا تو ترک کے قائل ہوئے اور مجاہد نے یہی آخری عمل نقل کیا اور یہ ممکن نہیں کہ اول عمر میں ترک رفع یدین کیا ہو اور اخیر عمر میں رفع یدین کیا کیونکہ امام مالکؒ ترک کے قائل ہیں اس وجہ سے کہ اہل مدینہ نہیں کرتے تھے اور اہل مدینہ اس لئے نہیں کرتے تھے کہ ابن عمر نہیں کرتے تھے۔

ترمذی کے اس صنیع سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر صحابہ و تابعین ترک کے قائل تھے قائلین رفع چونکہ معدود و محصور تھے تو یہ بقول عبد اللہ بن المبارک و الشافعی و احمد و احنق کہہ کر چار گنا دیئے لیکن چونکہ قائلین ترک لا تعد ولا تحصى تھے تو یہ بقول غیر واحد من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم و التابعین و بقول اہل الکوفة کہنے پر ہی اکتفاء کیا۔

محلّی ابن حزم میں تصریح ہے کہ رفع و عدم رفع دونوں ثابت ہیں غیر مقلدین کو چاہیے کہ اپنے پیشوا کی بات مان لیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

”فان قيل فهلا وجبت بهذا الاستدلال نفسه رفع اليدين عند كل رفع وحفظ فرضاً؟ قلنا قد صرح ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يرفع يديه عند كل خفض ورفع وانه لا يرفع‘ حدثنا حمام ثنا عباس بن اصبغ ثنا محمد بن عبد الملك ابن ايمن ثنا محمد بن اسماعيل الصائغ ثنا زهير بن حرب ابو عيشة ثنا وكيع عن سفيان الثوري عن عاصم بن كليب عن عبد الرحمن ابن الاسود عن علقمة عن عبد الله بن مسعود قال: الا اريكم صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فرفع يديه في اول تكبيرة ثم لم يعد“ فلما صرح انه عليه السلام كان يرفع في كل خفض ورفع بعد تكبيرة الاحرام ولا يرفع كان كل ذلك مباحاً لا فرضاً و كان لئان نصلي كذلك فان رفعنا صليتنا كما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي وان لم نرفع فقد صليتنا كما كان عليه السلام يصلي“

(مس. ج. ۳، ص. ۳۳۵، دار الفکر، الطبعة الثامنة)

جہاں تک رفع یدین کے بارے میں روایات کا تعلق ہے تو سند ایہ روایات اگرچہ بعض حکام فیہا ہیں مگر

باب کی ابن عمر کی حدیث سند انہایت مضبوط ہے اور بلاشبہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین کیا ہے اس کے باوجود عند الحنفیہ ترک اولیٰ ہے کیونکہ ایک تو رفع کی احادیث باہم متعارض ہیں کسی میں فقط عند الركوع کسی میں عند الرفع من الركوع کسی میں عند الركوع وعند الرفع من دونوں کا ذکر ہے فی البعض عند السجود کسی میں بین السجدتين کسی میں عند القيام الی الثالث کسی میں عند کل خفض ورفع کا ذکر ہے تو اس پر عمل کیسے کیا جائے۔ (16) حتیٰ کہ ابن عمر کی حدیث میں بھی معنا اضطراب ہے وہ اس طرح کہ یہ حدیث چھ طرق سے مروی ہے ایک طریق جو طحاوی (17) ویتھقی میں ہے رفع یدین فقط تحریمہ کے وقت کیا ہے طحاوی کی حدیث اگرچہ موقوفہ مروی ہے لیکن مرفوع کے حکم میں ہے کہ ابن عمر جب ترک پر عمل پیرا تھے تو لامحالہ حضور علیہ السلام کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہوگا پھر یتھقی میں رفع کی تصریح ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے۔ طریق ثانی مؤطا امام مالک (18) میں ہے جس میں صرف دو جگہ رفع کا ذکر ہے عند التیمم الاولیٰ وعند الرفع عن الركوع۔

تیسرا طریق صحاح ستہ کا ہے جو یہاں ترمذی میں بھی ہے اس میں تین مواضع میں رفع کا ذکر ہے عند الافتتاح عند الركوع اور عند الرفع منہ چوتھا طریق بخاری (19) میں ہے اس میں قیام الی الثالث کے وقت ہی رفع کا ذکر ہے پانچواں طریق بخاری کی جزاء رفع یدین میں ہے جس میں سجدہ جاتے وقت بھی رفع کا ذکر ہے طریق سادس طحاوی (20) میں ہے جس میں عند کل خفض ورفع وركوع وسجود وقيام وقعود اور بین السجدتين کا بھی ذکر ہے اب اگر سب پر عمل کریں تو یہ کسی کا مذہب نہیں اگر بعض پر عمل کریں تو ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی۔

عند الشافعیہ اس روایت پر عمل ہے جس میں تین مواضع پر رفع کا ذکر ہے ایک عند الافتتاح ایک عند الركوع ایک عند الرفع من الركوع اگرچہ عند القيام الی الثالث بھی ثابت ہے شافعیہ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ

(16) چنانچہ تفصیل کے لئے دیکھئے صحیح بخاری ص: ۱۰۲ ج: ۱ "باب رفع الیدین اذا کبر واذا رکع واذا رفع" صحیح مسلم ص: ۱۶۸ ج: ۱ "باب استحباب رفع الیدین عند المسلمین مع تکبیرة الاحرام الخ" سنن نسائی ص: ۱۵۸ ج: ۱ "باب رفع الیدین للركوع عند المسلمین" ابوداؤد ص: ۱۱۱ ج: ۱ "باب رفع الیدین" ابن ماجہ ص: ۶۱ "باب رفع الیدین اذا رکع واذا رفع الخ" مصنف عبد الرزاق ص: ۶۷ ج: ۲ (17) شرح معانی الآثار ص: ۱۶۳ ج: ۱ "باب التیمم للركوع والتیمم للسجود والرفع من الركوع الخ" أخرجه الیتمعی فی الخلائق بحوالہ نصب الرایہ ص: ۷۴ ج: ۱ (18) ص: ۵۹ "افتتاح الصلوٰۃ"

(19) ص: ۱۰۲ ج: ۱ "باب رفع الیدین اذا قام من الركعتین" (20) ص: ۱۶۲ ج: ۱

یہ منسوخ ہے ہم کہتے ہیں کہ عند الکرکوع وعند الرفع من بھی منسوخ یا متروک ہے حالانکہ کوئی ایسی حدیث ہے نہیں جس میں یہ ہو کہ عند القيام الی الثالث منسوخ ہے اور عند الکرکوع والرفع من منسوخ نہیں تو ہم کہتے ہیں عند الکرکوع بھی منسوخ ہے اور اس نسخ کی وجہ یہ ہے کہ نماز میں ابو داؤد (21) کی تصریح کی مطابق کئی تبدیلیاں ہوئی ہیں شروع میں کلام فی الصلوٰۃ جائز تھا پھر عمل کثیر جائز تھا وہ بھی منسوخ ہوا اور صحابہؓ پہلے سلام کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے وہ بھی منسوخ ہوا کافی روایت مسلم (22) اسی طرح وقوف مولیٰ اللہ فانتین کے حکم کی وجہ سے بتدریج رفع یدیں کی تمام صورت منسوخ ہیں صرف عند الافتتاح باقی رہی جس پر اجماع امت ہے البتہ قال الشافعی فی الجواب کہ رفع عند الکرکوع وعند القيام من الکرکوع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل تھا تو منسوخ کیسے ہوا۔ ابن عمر کی حدیث ہے فما زالت تلك صلواته حتى لقى الله تعالى رواه البيهقي في سننه۔ (23)

جواب :- یہ زیادتی موضوعی ہے کہ اس کے ناقلین میں عاصمہ بن محمد انصاری دوسرے عبدالرحمن بن قرش ہیں اور دونوں وضاع ہیں اس کے علاوہ حنفیہ ابن مسعود کی حدیث کو بہ چند وجوہ ترجیح دیتے ہیں۔

۱۔ ترک رفع یدین اوفق بالقرآن ہے قال اللہ تعالیٰ وقوموا للہ فانتین۔

۲۔ ابن مسعود کی حدیث میں کہیں اختلاف عمل نہیں پایا جاتا جبکہ ابن عمر کی حدیث کے متن میں بھی اضطراب ہے اور ان کے عمل میں بھی اور وہ روایت جس میں راوی کا عمل اپنی روایت کے مطابق ہوا دلی ہوئی ہے بہ نسبت اس حدیث کے جس میں راوی کا عمل روایت کے خلاف ہو۔

۳۔ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ جس عمل پر ابن عمر وابن مسعود موافق ہو جائیں تو وہ نہایت قوی ہوتا ہے اور اگر ان میں اختلاف ہو تو ترجیح ابن مسعود کے قول کو دی جائے گی اور ترک رفع پر دونوں متفق ہیں۔

۴۔ مسلم (24) میں ہے کہ صحابہ کا علم چھ میں مجتمع تھا عمرو بن ابی اسود و ابی بن کعب و زید بن ثابت

(21) دیکھئے ص: ۱۴۰، ۱۴۱ ج: ۱ (22) ص: ۱۸۱ ج: ۲ باب الامر بالسکون فی الصلوٰۃ والیسى عن الاشارة بالیدین الخ

(23) تہذیب کبری ص: ۶۷ ج: ۲ باب التکبیر للکرکوع وغیرہ عن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولفظ: لقم ترؤ ملک

صلوٰۃ حتی لقی اللہ عزوجل (24) لم اجدہ فی صحیح مسلم لکن روی بذہ الروایۃ الطامۃ للبخاری فی معارف السنن بحوالہ مستدرک

حاکم و شرح المعیۃ وغیرہ ص: ۳۸۶ ج: ۲

وابوالدرداء اس میں ابن عمر کا نام شامل نہیں جبکہ ابن مسعود کا ہے لہذا انکی روایت راجح ہے۔

۵۔ کوفہ جو علم کا مرکز تھا اسی طرح مدینہ منورہ میں ترک رفع یدین پر عمل تھا بلکہ ترمذی کی تصریح کے مطابق ترک رفع جمہور صحابہ و تابعین کا مذہب ہے۔

۶۔ نماز کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں بتدریج خفی آئی ہے سلام میں ہاتھ اٹھانے سے روکا تو ترک رفع اس کے ساتھ بھی انسب ہے۔

مناظرہ بین امامین :-

ایک مرتبہ (25) امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی مکہ میں جمع ہوئے اوزاعی نے ابوحنیفہ سے پوچھا کہ آپ اہل عراق عند الركوع وعند الرفع من الركوع رفع یدین کیوں نہیں کرتے قال ابوحنیفہ: نہ لم یصح فیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی جو سالم عن المعارض ہو۔

قال الاوزاعی: کیف لا یصح وقد حدثنی الزہری عن سالم عن ابیہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوٰۃ وعند الركوع وعند الرفع منه۔ قال ابوحنیفہ فی جوابہ: وحدثنا حماد عن ابراہیم عن علقمہ عن ابن مسعود ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یرفع یدیه الا عند افتتاح الصلوٰۃ ولا یعود لشیء من ذالک۔ قال اوزاعی: احدثک عن الزہری عن سالم عن ابیہ وتقول حدثنی حماد عن ابراہیم عن علقمہ۔

یعنی میرے اور صحابی کے درمیان دو واسطے ہیں اور آپ کے اور صحابی کے درمیان تین واسطے ہیں۔ گویا زہری عن سالم عن ابیہ کہ تراویحی علوسند کی وجہ سے اپنی روایت کو ترجیح دینا چاہتے ہیں۔

قال ابوحنیفہ کان حماد افقہ من الزہری و ابراہیم افقہ من سالم و علقمہ لیس یلین ابن عمر فی الفقہ وان کانت لابن عمر صحبۃ ولہ فضل و عبد اللہ ہو عبد اللہ

یعنی ابوحنیفہ نے نہ ترجیح کی بنیاد فقہانیت روایت کو نہیں لیا اور یہ فقط ابوحنیفہ کا اصول نہیں بلکہ بہت سارے

(25) اس منظرہ کو امام ابوالخواریہ محمد بن محمود خوارزمی نے جامع المسانید میں ۳۵۲ میں ذکر فرمایا ہے ایسا امام شریعی نے الموطا

ص: ۱۴۱ ج: ۱ مکتبہ دار الفکر بیروت ذکر فرمایا ہے۔

محدثین کا اصول ہے۔

ابونعیم حلیہ میں اور ابن حجر نے تہذیب الہجدیب (26) میں ذکر کیا ہے کہ قابوس بن ابی ظبیان کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ صحابہ کی موجودگی میں آپ علقمہ کے پاس کیوں جاتے ہیں تو والد صاحب نے فرمایا کہ میں نے اصحاب نبی کو اس کے پاس آ کر اور مسائل پوچھتے ہوئے دیکھا ہے اس سے علقمہ کی اعلیٰ فقہیت ظاہر ہوتی ہے ابن ہمام نے ذکر کیا ہے کہ اوزاعی جواب پر خاموش ہوئے۔

تدریب الراوی میں حافظ سیوطی فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ سے کسی نے کہا کہ آپ سفیان بن عیینہؒ کو چھوڑ کر (امام) شافعیؒ کے درس میں کیوں جاتے ہیں؟ امام احمدؒ نے فرمایا: خاموش رہو! تم نہیں سمجھتے ہو کہ وہ سند تو مجھے کسی قدر زول کے ساتھ مل جائے گی جو اتنا بڑا نقصان نہیں لیکن اگر میں اس نوجوان (امام شافعیؒ) کی عقل و فہم سے فائدہ نہ اٹھا سکوں تو اس کا تدارک کسی دوسری جگہ ہرگز نہ ہو سکے گا۔

باب ماجاء فی وضع الیدین علی الرکتین فی الركوع

رجال:-

ابو حصین یفتح الحاء و کسر الصاد نام عثمان بن عاصم الکوفی ہے ثقہ من الرابعہ ہیں کبھی کبھی تدلیس بھی کیا کرتے تھے۔ وفات ۱۲۸ھ ہے۔

ابو عبد الرحمن المسلمی یفتح الهمین واللام یہ کنیت ہے نام عبد اللہ بن حبیب الکوفی ہے مشہور بکینہ ثقہ ولا یمہ صحیحہ۔

تشریح:-

ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ رکوع میں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھا جائے پھر انگلیاں کھول دے تاکہ گھٹنوں کو پکڑ سکے اتنے فاصلہ سے بھی نہ کھولے کہ رخ انگلیوں کا قبلے سے ہٹ جائے یہ بالاتفاق مسنون ہے تطبیق یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر (کاسلجی الی احد) عند البعض وعند البعض بالتشبیہ وعند البعض بغیر التشبیہ

دونوں گھنٹوں کے درمیان کر دے۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں نیل الفرقدين میں کہ بغیر تشبیک والا قول زیادہ اولیٰ ہے کیونکہ تشبیک سے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خارج از صلوٰۃ کہ جب آدمی نماز کے لئے جا رہا ہو منع فرماتے تھے تو صلوٰۃ میں تشبیک کیسے کر سکتے ہیں عند الجمہور تطبیق منسوخ ہے دلیل نسخ قال الترمذی انہم کانوا یطبقون والتطبیق منسوخ۔ اور حضرت سعدی روایت ذکر کی ہے قال سعد بن ابی وقاص کنا نفعل ذالک فنبہنا عنہ وامرنا ان نضع الاکف علی الرکب۔ مصنف عبد الرزاق (۱) میں ہے کہ علقمہ واسود دونوں نے ابن مسعود کے پیچھے نماز پڑھی تو ابن مسعود نے تطبیق کی بعد میں عمر کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے تطبیق سے روکا البتہ اعادہ صلوٰۃ کا حکم نہیں دیا معلوم ہوا کہ وضع الیدین علی الرکبتین واجب نہیں ورنہ اعادے کا حکم دیتے۔ بعض روایات (۲) سے معلوم ہوتا ہے کہ تطبیق شروع میں یہودی وجہ سے کرتے تھے کیونکہ شروع شروع میں جب کسی مسئلہ میں کوئی حکم نہ آتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہودی مشابہت کو پسند فرماتے بعد میں منع کیا گیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ تطبیق میں چونکہ حرج تھا تو اس لئے اس کو منسوخ قرار دیا جیسے کہ سجدے میں صحابہ کو مشقت محسوس ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کہنوں کو فخذین پر رکھ کر قوت حاصل کرو البتہ ابن مسعود تطبیق ہی کیا کرتے تھے مصنف بن ابی شیبہ (۳) میں ہے کہ علی نے تطبیق وترک تطبیق میں اختیار دیا۔

بعض اہل خواہر اس مسئلہ میں ابن مسعود پر تنقید کرتے ہیں کہ ان کو تطبیق کے نسخ کا علم نہ ہو سکا۔

جواب :- یہ ہے کہ ابن مسعود مجتہد تھے چونکہ تطبیق میں مشقت زیادہ ہوتی ہے تو اس کو عزیمت سمجھ کر اس پر عمل چلا رہے اور وضع الیدین علی الرکبتین کو رخصت سمجھتے رہے گویا ان کے نزدیک کوئی حکم منسوخ نہیں۔

جواب ۲ :- یہ ان کی خصوصیت ہے مسند احمد (۴) میں ہے کہ ابن مسعود ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے استبراء کے لئے پتھر وغیرہ منگوائے پھر وضو کر کے نماز پڑھی اور اس میں تطبیق کی تو ابن مسعود نے اس کو اپنا عمل بنادیا جیسے ابو محمد ورہ کی خصوصیت ترجیح فی الاذان یا ان بالوں کا نہ منڈوانا جن

باب ماجاء فی وضع الیدین علی الرکبتین فی الركوع

(۱) مس: ۱۵۲ ج: ۲ رقم حدیث ۲۸۶۶ "باب کیف الركوع والجمود ایضاً ص: ۷۶ ج: ۲ رقم حدیث ۲۹۵۲ (۲) دیکھئے معارف السنن ص: ۳۰ ج: ۳ (۳) مس: ۲۳۵ ج: ۱ "من کان یقول اذا رکعت نفع ید یک علی رکتک" (۴) مس: ۱۳۰ ج: ۲ رقم حدیث ۳۵۸۸

پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ رکھا تھا۔

اگر تسلیم بھی کریں تب بھی اہل ظواہر کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا کیونکہ تطبیق رکوع میں ہوتی ہے جو اخفاء کی حالت ہے اور رفع یدین قیام کی حالت میں ہوتا ہے جو علائقہ ہے لہذا قیاس مع الفارق ہے۔

باب ماجاء فی انه یجافی یدیه عن جنبیه فی الركوع

رجال:-

ابو عامر العقدي، فتح العین والنفائس، نام عبد الملک بن عمر ہے ثقہ ہیں۔

فلیح بضم الفاء مصغر ہے بعض کہتے ہیں کہ لیس لقب ہے نام عبد الملک ہے۔ صدوق کثیر الخطاء من السابغہ وفات ۱۶۸ کو ہوئی۔

عباس بن سہل بن سعد السعدي ثقہ من الرابعۃ۔ ☆

رابط:-

پہلے باب میں ہاتھ رکھنے کی جگہ کا بیان تھا دوسرے باب میں ہاتھ رکھنے کی کیفیت کا بیان ہے۔

ابو حمید راوی ہیں در کمان کا وتر مراد ہے چونکہ حالت رکوع میں بندہ ٹیڑھا ہوتا ہے اور ہاتھ سیدھے ہوتے ہی تو کمان کی طرح ہوتا ہے اور اس ہیئت کا اصل مقصد یہ ہے کہ کمر سیدھی ہوئی چاہیے۔ ابن ماجہ (۱) میں وابصہ بن معبد کی حدیث ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رکوع کرتے ہوئے دیکھا تو کمر اس طرح سیدھی تھی کہ اگر اوپر پانی گرایا جاتا تو وہ نیچے نہ گرتا۔ کنز العمال میں عن علی قال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر اس طرح سیدھی ہوتی کہ اگر پانی سے بھرا ہوا پیالہ کمر پر رکھا جاتا تو پانی نہ گرتا کمر کا سیدھا ہونا ضروری ہے نیز پاؤں کی پشت پر نگاہ جمائے رکھنے تاکہ سر بھی متوازی ہو۔

باب ماجاء انه یجافی یدیه عن جنبیه فی الركوع

(۱) ص ۶۳ "باب الركوع فی الصلوٰۃ" ایضاً رواہ عبد الرزاق فی مصنفہ ص ۱۵۳ ج ۲ عن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ الخ رقم حدیث

باب ماجاء فی التسبیح فی الركوع والسجود

رجال:-

عن ابن ابی ذئب مٹھ فقیہ فاضل نام محمد بن عبدالرحمن بن المغیرہ ہے۔

عن اسحاق بن یزید قال فی التقریب مجہول۔ عن عون الکوفی مٹھ من الرابۃ۔ ۵۴

تنقیح المذاہب:-

ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ رکوع میں ذکر ہے لیکن کیا ہے اور کونسا ہے؟ تو شافعی و احمد کے نزدیک امام کے لئے سبحان ربی العظیم کہنا چاہئے وجہ یہ ہے کہ ابو داؤد (۱) میں عقبہ بن عامر کی حدیث ہے کہ لسانزلت هذه الایۃ فسبح باسم ربک العظیم قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجعلوها فی رکوعکم البتہ اگر آدمی منفرد ہو تو کوئی بھی ذکر کر سکتا ہے فرض نماز ہو یا نفل نماز امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فرض نمازوں میں یہی تسبیح کہے گا امام ہو یا منفرد نفل میں مرضی ہے کوئی بھی ذکر یا ادعیہ ماثورہ کہہ سکتے ہیں کیونکہ امر نوافل موع ہے یہی ایک روایت امام احمد سے بھی ہے امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ رکوع میں تسبیحات پڑھے اور ادعیہ مکروہ ہے بعدے میں اختیار ہے چاہے تسبیحات پڑھے یا ادعیہ ماثورہ۔ پھر رکوع میں تسبیحات کی شرعی حیثیت کیا ہے تو اس میں حنفیہ کے تین اقوال ہیں ایک مشہور ہے کہ تسبیحات مسنون ہیں یہی جمہور کا مذہب ہے (ان کے نزدیک رکوع اور طہائیت فرض ہے جبکہ عند الحنفیہ طہائیت واجب عند الجمہور طہائیت کے بغیر رکوع متحقق نہیں ہوگا) تین سے کم تسبیحات مکروہ ہیں تین ادنیٰ سنت ہے سات اکمل سنت اور پانچ درمیانہ ہے پھر اگر منفرد ہے تو مستحب ہے کی تین سے زیادہ مرتبہ کہے البتہ طاق کا لحاظ رکھے امام کے لئے ایک روایت یہ ہے کہ چار تسبیحات کہے گا تا کہ مقتدی کو تین کہنے کا موقع مل سکے دوسرا قول یہ ہے کہ تین سے زیادہ نہ کہے کہ سبائی۔ دوسری روایت تسبیحات ثلاثہ کے وجوب کی ہے یہی

باب ماجاء فی التسبیح فی الركوع والسجود

(۱) مس ۱۳۳ ج ۱: باب ما یقول الرکع فی رکوعہ و سجودہ

ایک روایت احمد و ترمذی و داؤد ظاہری کی بھی ہے اگر ہوا ترک کرے تو اعادہ نہیں ہوگا اگرچہ سجدہ ہوگا عدا ترک کرنے پر اعادہ واجب ہوگا حنفیہ کا تیسرا اور شاہ قول فریضیت کا ہے کہ تسبیحات فرض ہیں۔

امام احمد اور وہ حنفیہ جو وجوب کے قائل ہیں استدلال باب کی روایت سے کرتے ہیں کہ اس میں رکوع کے تمام کو تسبیحات پر موقوف کیا۔

جواب :- یہ روایت منقطع ہے خود ترمذی فرماتے ہیں قال ابو یسی حدیث ابن مسعود لیس اسنادہ بحصل عون بن عبد اللہ بن عتبہ لم یلق ابن مسعود ابو داؤد نے بھی یہی کہا ہے ہاں اس سے سہیت ثابت ہو سکتی ہے جس کے ہم قائل ہیں۔

جہور کہتے ہیں کہ مسی فی الصلوٰۃ کو رکوع تک کا طریقہ بتایا تسبیحات کا طریقہ نہیں بتلایا معلوم ہوا کہ واجب یا فرض نہیں۔

وروی عن ابن المبارک الخ ابن مبارک فرماتے ہیں کہ امام کو پانچ تسبیح کہنی چاہئے تاکہ مقتدی تین پوری کر سکیں لیکن حنفیہ کی بعض کتب فقہ میں ہے کہ امام کو تخفیف کا حکم ہے لہذا تین سے زیادہ نہ پڑھے رہا یہ کہ مقتدی نہ پڑھ سکے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں ہے لکنک بثلک چونکہ امام پہلے اٹھتا ہے مقتدی بعد میں تو جتنا موقع مقتدی کو ملتا ہے اتنا ہی امام کو یا برعکس۔

عن حذیفۃ الحدیث امام شافعی و احمد کے نزدیک فرائض میں اگر آیت رحمت آجائے تو ٹھہر کر جنت کے حصول کی دعا مانگنی چاہئے اور آیت عذاب آئے تو ٹھہر کر اس سے پناہ مانگنی چاہیے نفل ہو یا فرض منفرد ہو یا امام استدلال اس حدیث سے کرتے ہیں وفيہ و مائتہ علی آیت رحمة الا وقف و مائتہ علی آیت عذاب الا وقف و تعوذ۔ حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک یہ نفل پر محمول ہے۔

شامی میں ہے کہ امام یہ نہیں کرے گا کیونکہ انقطاع تلاوت لازم آئے گا دوسری بات یہ ہے کہ اس کو حکم ہے تخفیف صلوٰۃ کا اور مقتدی کو انصات اور استماع کا حکم ہے اگر دعا یا تعوذ کہے گا تو یہ فوت ہو جائے گا کذا فی الہدایہ۔

تراویح کا بھی یہی حکم ہے کہ اس میں بھی آیت رحمت پر دعا اور آیت عذاب پر تعوذ نہیں کرنا چاہئے

قیاساً علی الفرائض صلوة اللیل میں اگر آدمی منفرد ہے یا ایک دو مقتدی ہیں جو طوالت پر راضی ہیں تو گنجائش ہے۔
 شافعیہ و حنابلہ کے مذکورہ استدلال کا جواب یہ ہے کہ یہ صلوة اللیل پر محمول ہے جیسے کہ مسلم (2) کی روایت میں اس کی تصریح ہے صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ۔

باب ماجاء فی النهی عن القراءة فی الركوع والسجود

باب کے سارے راوی ثقہ ہیں۔ حنین مصغر ہے۔

فسی منسوب ہے قس کی طرف و قیل قس بالکسر کی طرف و قیل منسوب الی القرثم ابدلت الراء بالسين
 نصار قسا قریہ بالمصر وہ کپڑا جو ریشم کی ایک قسم سے بنا ہوا یا ریشم کی ملاوٹ اس میں ہو۔

معصفر جو کہ عصفراً نامی نبات سے رنگا ہو تخم ذب سے مردوں کو روکا گیا ہے عورتوں کے لئے اجازت ہے رکوع میں قرآن پڑھنا بالاتفاق ممنوع یعنی مکروہ ہے قال الترمذی وہ یقول اہل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن بعدہم کراہیۃ عند البعض تحریمی وعند البعض تنزیہی ہے۔ اگر کسی نے رکوع میں قراءت کی تو نماز باطل نہیں ہوتی یہی مختار عند الحنفیہ ہے اور نہ سجدہ ہو واجب ہوگا اگر کراہت سے مراد تنزیہی ہو تو سجدہ ہو کے عدم وجوب کی وجہ ظاہر ہے اور اگر کراہت سے کراہت تحریمی مراد ہو پھر بھی سجدہ نہیں ہوگا کیونکہ ترک قراءت فی الركوع واجبات صلوة میں سے نہیں بلکہ واجبات قرآن میں سے ہے مثلاً ما قال الفقہاء کسی نے قرآن کی سورتوں کی بغیر ترتیب قراءت کی یعنی مثلاً اول رکعت میں سورۃ الناس اور ثانی میں سورۃ الفلق پڑھی تو سجدہ واجب نہیں کیونکہ لزوم ترتیب یہ احکام نظم قرآن میں سے ہے نہ کہ صلوة میں سے پھر رکوع میں قرآن کی کراہت تو عند البعض یہ امر تعبدی ہے شارع نے ہر رکن کے لئے کچھ اذکار متعین کر دیے ہیں عقل اس کی حکمتوں تک رسائی نہیں کر سکتی قیام میں قراءت کو رکھا کہ قیام خدمت کی اعلیٰ ہیئت ہے اور قرآن صفت باری ہے تو اعلیٰ ہیئت خدمت میں اعظم و اعلیٰ الاذکار یعنی قرآن رکھا اور جب قرآن اس کے ساتھ مخصوص ہوا تو باقی ارکان میں قرآن نہیں پڑھا جائے گا عند البعض یہ امر معقول ہے کہ رکوع و سجود کی حالت حالت تدلل ہے اور کلام تعالیٰ اعظیم الشان

(2) صحیح مسلم ص ۶۳ ج ۱: "باب استحباب تطویل القراءة فی صلوة اللیل"

ہے اور عظیم کلام کو تہلیل کی حالت میں تلاوت کرنا خلاف شان ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ فرشتے قرآن سنتے ہیں اور رکوع و سجود میں تسبیح پڑھتے ہیں تو مصلیٰ اگر قرآن پڑھے تو ان کو سننے کا موقع نہیں ملے گا اور اگر قرآن سنیں تو تسبیح نہیں پڑھ سکیں گے۔ چوتھا قول رکوع و سجود میں تسبیحات ہوتی ہیں جو کلام العبد ہے تو قرآن نہ پڑھا جائے تا کہ کلام اللہ اور کلام العبد میں التباس نہ ہو۔

باب ماجاء فی من لا یقیم صلبہ فی الركوع والسجود

رجال:-

عمارہ بن عمر العنسی الکوفی ثقہ ثبت۔ عن ابی معمر یہ بھی کوفی اور ثقہ ہیں نام عبد اللہ بن ظمہ ہے۔

ابی مسعود الانصاری البدری اسمہ عقبہ بن عمرو کما قالہ الترمذی مات قبل الاربعین

وقبل بعدہ۔

کمر اگر سیدھی نہ ہو تو نماز نہ ہونے کا مطلب یا تو یہ ہے کہ نماز اصلاً نہیں ہوتی کما ہو قول الامتہ الثلاث یا نماز کامل نہیں ہوتی کما ہو قول الحنفیہ۔

اس حدیث سے فقہاء نے تعدیل ارکان کا حکم مستحب کیا ہے مشہور یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تعدیل ارکان فرض ہے جبکہ حنفیہ کے نزدیک واجب ہے لیکن دونوں طرف اس میں کچھ تفصیل ہے حنفیہ کا مشہور قول وجوب کا ہے جس کی تخریج کرخی نے کی ہے دوسرا قول اخرجہ البحر جانی تعدیل کی سبب کا ہے یہ غیر مشہور ہے۔ طحاوی (1) کی تخریج یہ ہے کہ تعدیل فرض ہے امام نووی و حافظ ابن حجر کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ شافعیہ کے نزدیک طہائنت جو فرض ہے اس کی مقداریہ ہے کہ رکوع و سجود میں اتنی دیر لگے کہ جانے اور اٹھنے کی حرکت میں فرق واضح ہو جائے یعنی ہر مفصل اپنے مقام تک پہنچ جائے یعنی کی تحقیق کے مطابق حنفیہ کے نزدیک بھی انقطاع

باب ماجاء فی من لا یقیم صلبہ فی الركوع والسجود

(1) ص: ۱۶۷ ج: ۱ "باب مقدار الركوع والسجود والذی لا یجری اقل منه"

الحکمت کے بقدر طمانیہ فرض ہے اور بقدر ایک تسبیح واجب ہے اور بقدر تین تسبیحات سنت ہے اور اس کو امام شافعی و ثوری و مالک و اوزاعی کا مذہب قرار دیا ہے امام احمد و اسحاق بن راہویہ اور داؤد ظاہری کے نزدیک تین تسبیحات کے بقدر ظہر نافرض ہے اس سے معلوم ہوا کہ طمانیہ کی تفسیر ہر امام کے نزدیک الگ ہے۔ بہر حال عند ائمہ ثلاثہ طمانیہ فرض ہے اور حنفیہ کی مشہور روایت کے مطابق واجب ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا استدلال باب کی حدیث سے ہے لا تجزئ صلوٰۃ الحمد یث معلوم ہوا کہ نماز صحیح ہی نہیں۔

دلیل ۲:۔ غلام بن رافع کی روایت (2) ہے کہ انہوں نے نماز میں تخفیف کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رجع فصل فانک لم تصل دو یا تین مرتبہ یہ عمل دہرایا معلوم ہوا کہ طمانیت فرض ہے کیونکہ اعادہ کرایا حنفیہ کے نزدیک طمانیہ واجب ہے اور تارک پر نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے مگر نماز باطل نہ ہوگی۔

دلیل ۱:۔ قرآن میں ”وارکعوا و اجبدوا“ (3) میں سجدة اور رکوع کا حکم ہے اور رکوع انحاء کو کہتے ہیں اور سجده وضع الجہت علی الارض کو کہا جاتا ہے اور حدیث خبر واحد ہے اس سے زیادتی علی کتاب اللہ نہیں کر سکتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اثبات فرض کے لئے نص کا قطعی الثبوت اور قطعی الدالۃ ہونا ضروری ہے جو خبر واحد میں مفقود ہے لہذا اس سے وجوب ثابت ہو سکتا ہے جس کے ہم قائل ہیں۔

دلیل ۲:۔ باب ماجاء فی وصف الصلوٰۃ میں رافع بن رافع کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے ایک آدمی بدوی کی طرح آیا نماز پڑھی فاخف صلوٰۃ نماز پڑھ کر آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا اور فرمایا۔

ارجع فصل فانک لم تصل وفيه اذا فعلت ذالك فقد تم صلوٰتک وان انتقصت

منه شيئا انتقصت عن صلوٰتک قال وکان ذالك اھون علیہم من الاولی۔

(2) اس واقعہ کو امام بخاری نے صحیح بخاری ص: ۱۰۹ ج: ۱ ”باب امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الذی لا یتیم رکوعہ بالا عاده“ کے تحت اور ص: ۹۲۳ ج: ۲ اور ص: ۹۸۶ ج: ۲ ”باب اذا حلف ناسیا“ کے تحت لایا ہے۔ ایضاً امام احمد نے بھی اپنے مسند ص: ۱۹ رقم حدیث ۱۹۰۱۷ اور ۱۹۰۱۹ میں ذکر فرمایا ہے۔ ایضاً امام ترمذی نے بھی ”باب ماجاء فی وصف الصلوٰۃ“ کے تحت یہ حدیث لائی ہے۔

(3) سورۃ الحج آیت: ۷۷

یعنی پہلے بار صحابہؓ یہ سمجھے کہ تعدیل کے تارک کی صلوٰۃ صحیح نہیں ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں نقصان صلوٰۃ ہوگا و لم تذہب کلہا معلوم ہوا کہ فرض نہیں بلکہ واجب ہے ورنہ ساری نمازی ختم ہو جاتی۔
حنفیہ کی طرف سے باب کی حدیث کا جواب بھی یہی ہے کہ لا تجزئ سے مراد نفی کامل نماز ہے گویا صلوٰۃ میں تعوین تعظیم کے لئے ہے کہ نماز کامل نہیں ہوگی نفس فراغ ذمہ ہو جائے گا۔

باب ما يقول الرجل اذا رفع رأسه عن الركوع

رجال:-

الماشون یہ لقب ہے نام عبدالعزیز بن عبداللہ ہے۔ یہ معرب ہے ماہ کون سے ای شبہ القمر مدنی نزیل البغد اد ہیں۔ فقیہ اور ثقہ ہیں خلق کثیر نے ان سے روایات لی ہیں۔
عمی ان کا نام یعقوب بن ابی سلمہ ہے صدوق ہیں۔ عبداللہ بن ابی رافع ثقہ ہیں۔ ☆

تشریح:-

سج کا معنی ہے قبول کیا ربنا و تک الحمد میں واو یا زائد یا عطف کے لئے ہے یہاں پڑھنے کے چار طریقے ہیں۔ (۱) اللہم ربنا و تک الحمد (۲) اللہم ربنا و تک الحمد (۳) ربنا و تک الحمد (۴) ربنا و تک الحمد۔ جسمیں حروف جتنے زیادہ ہو گئے وہ زیادہ افضل ہے۔ ملا السموات والارض ملا یا منصوب علی الجمال ہے اور یا مرفوع صفت للحمد ہے بعض نے اسکا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اگر حمد ذی جسم چیز ہوتی تو اتنی حمد مراد ہے جس سے زمین و آسمان بھر جائے لیکن حمد کے لئے کوئی جسم ہے ہی نہیں تو مقصود مبالغہ ہوگا مگر آج کل کی تحقیق کے مطابق الفاظ فضاء میں پھیل جاتے ہیں کیونکہ ہر ہوا اپنی مجاور ہوا کو اس کیفیت کے ساتھ حکیف کرتی ہے اس کیفیت صوتی کے ساتھ تو پوری فضا بھر جاتی ہے۔ ملا ماشئت من شیء بعد یعنی آسمانوں اور زمینوں کے علاوہ عرش و کرسی مراد ہیں۔

آسمانوں کی ہیئت حکماء کے نزدیک مدور ہے پیاز کی طرح مگر پیاز میں تجویف نہیں ہے اور آسمانوں

میں تجویف ہے اور عبد البغض الاسلامین نصف دائرہ کی مانند ہیں۔ قال الشيخ الاکبر کہ قرآن میں سات آسمانوں کے ذکر سے نفی ماعدا لازم نہیں آتی گیارہ یا نو آسمان ہیں زمینوں میں تجویف ہے یا نہیں تو بعض روایات سے ان کی تجویف بھی معلوم ہوتی ہے۔

امام احمد و شافعی کے نزدیک فرض و نفل دونوں میں مذکورہ دعاء پڑھ سکتا ہے ہمارے نزدیک اس قسم کی ادعیہ محمول علی النوافل ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مسلم (1) کے صنیع سے معلوم ہوتا ہے کہ رہنا تک الحمد پر اضافہ صلوٰۃ اللیل میں فرمایا کیونکہ اس کی تخریج صلوٰۃ اللیل میں کی۔ ہمارے نزدیک امام اسلمی نے پڑھے کہ وہ مامور بالتخفیف ہے اور اس سے تطویل ہوگی منفرد یا مقتدی کہہ سکتا ہے بشرطیکہ مقتدی کو موقع ملتا ہو۔

باب منه آخر

رجال:-

الانصاری سے مراد اٹحق بن موسیٰ ہے کما تقدم منا۔

سعی بن عیسیٰ بن مسیح و فتح المسمی و تشدید الیاء مولیٰ ابی بکر بن عبد الرحمن بن الحارث ثقہ ہیں۔

ابی صالح ان کا نام ذکوان السمان الزیات ہیں ثبت من اوساط التابعین۔ ❦

تنقیح المذاہب:-

ابو حنیفہ و مالک و احمد کے نزدیک امام کا وظیفہ تسمیع مقتدی کا تحمید منفرد کا وظیفہ دونوں ہیں صاحبین کے نزدیک امام دونوں کہے گا البتہ تحمید آہستہ کہے گا و حسنہ بغض مشائخ الحنفیہ۔ شافعی و اٹحق و ابن سیرین کے نزدیک امام و مقتدی دونوں تسمیع و تحمید کہیں گے کما نقل الترمذی قال ابن حجر و لکن لم یصح فی ذاک شیء ای فی الجمع پیہما للما موم۔

باب ما یقول الرجل اذا رفع رأسه عن الركوع

(1) صحیح مسلم ص ۲۶۳ ج ۱: "باب صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ودعائه باللیل"

ائمہ ثلاثہ کا استدلال ابو ہریرہ کی مذکورہ حدیث سے ہے کہ اس میں امام و مقتدی کے درمیان ہر ایک کی ڈیوٹی تقسیم فرمائی ہے کہ امام تسمیع کہے گا لہذا مقتدی نہیں کہے گا اور مقتدی تحمید کہے گا تو امام تحمید نہیں کہے گا کیونکہ شرکت منافی قسمت ہے۔

باب ماجاء فی وضع الیدین قبل الركبتین فی السجود

باب آخر

رجال:-

سلمہ بن شیبہ الحافظ نزہل مکہ ابو حاتم نے کہا صدوق وقال ابو نعیم احمد ثقہ مسلم ترمذی ابو داؤد نسائی اور ابن ماجہ کے راوی ہیں۔ عبد اللہ بن مسیر روی عن البخاری وقال لم ار مثله نسائی نے بھی توثیق کی ہے۔

احمد بن ابراہیم لبقہ اوی ثقہ وحافظ ہیں۔ یزید بن ہارون ثقہ عابد۔ تاہم یہ روایت افراد شریک میں سے ہونے کی وجہ سے کمزور ہے یہی وجہ ہے کہ بعض شراح نے امام ترمذی کی تحسین پر اعتراض کیا ہے۔
اس ترجمہ الباب میں وضع الیدین قبل الركبتین کا ذکر ہے بعض نسخوں میں وضع الركبتین قبل الیدین کا ذکر ہے یہی انسب بالحدیث ہے کہ حدیث میں بھی وضع الركبتین قبل الیدین کا ذکر ہے۔

چونکہ یہ مسئلہ بھی مختلف فیہا ہے اس لئے ترمذی نے اپنے صنیع کے مطابق دو باب قائم کر دیئے اختلاف کی تفصیل یہ ہے کہ امام شافعی و احمد و ابو حنیفہ و ثوری روایت عن مالک اور جمہور کے نزدیک پہلے گھٹنے پھر ہاتھ رکھے جائیں گے فقہاء نے لکھا ہے کہ سجدے میں جاتے وقت زمین سے زیادہ قریب اعضا پہلے رکھے یعنی پہلے گھٹنے پھر یدین پھر انف پھر جبہ اور اٹھتے وقت اس کے برعکس جو عضو زیادہ دور ہو اس کو اٹھانا چاہیے یعنی پہلے جبہ پھر انف پھر یدین پھر رکبتین۔

دوسرا مسلک امام مالک کا ہے جو اس کے برعکس ہے یعنی پہلے ہاتھ اور پھر گھٹنے رکھے۔ ایک روایت احمد کی بھی اسی طرح ہے امام مالک و احمد سے ایک روایت تخمیر کی بھی ہے۔ پھر یہ اختلاف اولیت وعدم اولیت کا

ہے البتہ اگر تنگ کشیں پہنے ہوں اور پہلے گھٹنے رکھنا مشکل ہو تو پہلے ہاتھ رکھ لے پہلے دایاں پھر بایاں ہاتھ رکھ لے اسی طرح اٹھتے وقت سجدے سے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر سیدھا کھڑا ہونا چاہئے۔

جمہور کا استدلال وائل بن حجر کی روایت سے ہے جو باب ہذا میں مذکور ہے۔

روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سجد يضع ركبتيه قبل يديه

واذا نهض رفع يديه قبل ركبتيه

اس کے علاوہ ابن عمر و ابن مسعود کا عمل بھی اسی پر تھا کہ سجدے میں جاتے وقت پہلے گھٹنے رکھتے پھر ہاتھ رکھتے۔

امام مالک کی دلیل آئندہ باب کی حدیث عن ابی ہریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یعمد احدکم فیہ برك فی صلوٰتہ برك الحمل اور اونٹ چونکہ گھٹنے پہلے رکھتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ اس طرح نہیں کرو بلکہ ہاتھ پہلے رکھو بعد میں ہمزہ استفہام لہذا کا محذوف ہے یعنی اس طرح نہ کرو۔ جواب ۱:۔ جانوروں کی اگلی ٹانگیں ہاتھوں کے قائم مقام ہوتی ہیں تو چونکہ اونٹ پہلے اگلی ٹانگیں رکھتا ہے جو کہ اس کے ہاتھ ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ پہلے ہاتھ نہ رکھا کرو۔

جواب ۲:۔ اونٹ کی طرح نہ بیٹھو کہ پہلے ہاتھ رکھو بلکہ گھٹنوں پر رکھ کر سجدے میں جاؤ اس کی تائید بیہقی کی روایت سے ہوتی ہے و یضع یدہ علی ركبتيہ مگر یہ دونوں جوابات ضعیف ہیں کیونکہ ان دونوں پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ ابوداؤد (۱) میں اس کے ساتھ و یضع یدہ قبل ركبتيہ کی زیادتی ہے اگرچہ علی الارض کی تصریح نہیں مگر ظاہر یہ ہے کہ علی الارض ہی مراد ہے لہذا یہ جوابات بہتر نہیں۔

جواب ۳:۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اصل میں ولا یضع یدہ قبل ركبتيہ تھا راوی نے غلطی سے و یضع کہہ دیا مگر یہ جواب بھی ضعیف ہے کہ روایت پر اگر بغیر دلیل کے بدگمانی شروع ہو گئی تو یقین نام کی کوئی چیز نہ رہے گی۔

لہذا بہتر جواب یہ ہے کہ یہ منسوخ ہے تاخیر اسکے لئے صحیح ابن خزمہ (2) کی روایت ہے۔

عن سعد بن ابی وقاص قال کنا نضع الیدین قبل الרכبتین فامرنا بوضع الרכبتون قبل الیدین

جواب ۲:- اگر منسوخ نہ بھی مانیں تو جب بھی ابو ہریرہ کی حدیث واکل بن حجر کی حدیث سے کمزور

ہے۔

باب ماجاء فی السجود علی الجبهة والانف

رجال:-

(ابو عامر) العمدی مراد ہے۔ روایت باب کے سارے راوی ثقہ ہیں اس روایت کی تخریج ابوداؤد اور

ابن خزمہ نے اپنی صحیح میں بھی کی ہے۔ ☆

تنقیح المذاہب:-

اس پر اتفاق ہے کہ سجدہ انف و پیشانی دونوں پر ہونا چاہئے لیکن اگر کسی نے احد ہمارا اکتفاء کیا تو سجدہ ہوگا یا نہیں تو اس میں اختلاف ہے امام احمد اٹحق وابن حبیب مالکی کے نزدیک کسی ایک پر اکتفاء سے سجدہ ادا نہیں ہوگا امام شافعی و مالک و صاحبین اور جمہور کے نزدیک احد ہمارا اکتفاء پر سجدہ کی تفصیل یہ ہے کہ اگر اکتفاء علی الجبہ ہو تو سجدہ ہو جائے گا اور اگر علی الانف ہو تو نہیں ہوگا۔

امام ابو حنیفہ وابن القاسم مالکی کے نزدیک احد ہمارا اکتفاء سے سجدہ ہو جائے گا اگرچہ یہ مکروہ ہے۔ خلاصہ جمہور کے نزدیک اگر فقط انف پر سجدہ کیا تو سجدہ نہیں ہوگا عند ابی حنیفہ ہو جائے گا کراہت کے ساتھ قال ابن ہمام المراد من الکربة کربة التحريم بعض فقهاء احناف کہتے ہیں کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے کہ سجدہ اکتفاء علی الانف کی صورت میں نہیں ہوگا۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ صاحبین کا قول نہ روایتاً مضبوط ہے نہ روایتاً تو اس پر فتویٰ کیسے ہو سکتا ہے؟ البتہ اگر یوں کہا جائے کہ سجدہ علی الجہہ واجب ہے عندہما پھر احد ہما پر اکتفاء عندہما بھی مکروہ ہوگا لہذا کوئی قابل ذکر اختلاف نہیں رہے گا۔

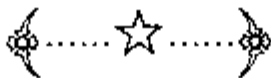
جمہور کا استدلال باب کی حدیث سے ہے۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا سجد امكن انفه وجهه

اور کبھی بھی اکتفاء علی احد ہما ثابت نہیں تو احمد و ابن حبیب کہتے ہیں کہ اکتفاء علی احد ہما سے سجدہ نہیں ہوتا امام مالک وشافعی کے نزدیک اگلے باب سے پوستہ باب کی حدیث کی وجہ سے فقط پیشانی پر اکتفاء بھی کافی ہے اذا سجد العبد سجد مع سبعه ارباب وجہ الحدیث کیونکہ فقط پیشانی پر سجدے کو سجود علی الوجہ کہا جاسکتا ہے لیکن سجود علی الانف کو سجود علی الوجہ نہیں کہا جاسکتا۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ قرآن پاک میں سجدے کا حکم ہے اور سجدہ نام ہے وضع بعض الوجہ علی الارض لا علی وجہ السخریۃ کیونکہ خدین عتین ذنن اور نم کا سجدہ نہ مطلوب ہے نہ ممکن ہے لہذا امر او بعض الوجہ ہے اور انف بھی بعض الوجہ ہے اب اگر انف وجہ دونوں کو سجدے میں لازم قرار دیں تو زیادتی علی کتاب اللہ لازم آئے گی جو کہ صحیح نہیں۔

جمہور کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل پر مداومت سے فرض ثابت نہیں ہوتا وجوب ثابت ہو سکتا ہے جس کے ہم بھی قائل ہیں عند بعض ابو حنیفہ نے جمہور کے قول کی طرف رجوع کیا ہے۔



باب این یضع الرجل وجهه اذا سجد

رجال:-

حجاج بن ارطاة الکوفی احد الفقہاء صدوق ہیں خطا و تدلیس کرتے تھے۔

ابی اسحاق السبئی نام عمرو بن عبداللہ ہے محدث من الثالث البتہ اخیر میں حافظہ کمزور ہو گیا تھا۔ ☆

تنقیح المذاہب:-

سجدے کی حالت میں ہاتھ کہاں رکھے تو امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ ہاتھ کندھوں کے برابر رکھے ابو حنیفہ و احمد کے نزدیک ہاتھوں کے درمیان چہرہ رکھے بالفاظ دیگر ہاتھ کانوں کے برابر رکھنے چاہئیں چونکہ اس بارے میں روایات مختلف (1) ہیں اس لئے جس حیثیت میں بکثیر تحریر میں ہاتھ اٹھائے وہی حیثیت سجدے میں بھی ہونی چاہیے۔

شافعی کی دلیل سابقہ باب کی ابو حمید الساعدی کی حدیث ہے وضع یدہ حد و منکبہ ابو حنیفہ و احمد کی دلیل اس باب کی براء بن عازب کی حدیث ہے جب ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدے کے بارے میں پوچھا گیا کہ این یضع وجہہ اذا سجد فقال بین کفہ۔

اسی طرح مسلم (2) کی روایت جس کی طرف ترمذی نے وفی الباب عن وائل بن حجر میں اشارہ کیا ہے اس میں ہے فوضع وجہہ بین کفہ۔

بعض لوگ سجدے میں بہت لمبے ہو جاتے ہیں اور ہاتھ بہت آگے رکھتے ہیں اس میں دو خرابیاں ہیں ایک یہ کہ اس میں پاؤں کی انگلیاں سیدھی غی رہتی ہیں حالانکہ انگلیاں رخ پہ قبلہ ہونی

باب این یضع الرجل وجهه اذا سجد

(1) دیکھئے نصب الرایۃ للولیع ص: ۳۵۹ ج: ۱

(2) صحیح مسلم ص: ۳۰۷ ج: ۱ "باب وضع یدہ الیمنی علی الیسری بعد بکیرۃ الاحرام تحت صدرہ الخ"

چاہئے دوسری یہ کہ ابو حمید ساعدی کی روایت (3) کے مطابق ہاتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں کے قریب ہوتے تو اگر زیادہ لمبے ہو سکتے تو جمع بین الروایات کی کوئی صورت نہیں ہوگی اور اگر قریب ہی سجدہ ہو تو تطبیق بین الروایات ہو جائیگی۔

باب ماجاء فی السجود علی سبعة اعضاء

رجال:-

بکر بن مضرمہ عن الثامیہ وفات ۱۲۷ھ کو ہوئی۔

ابن الہادی کا نام یزید بن عبد اللہ ہے ثقہ مکلف من الثامیہ۔ محمد بن ابراہیم مختلف فیہ ہے۔

عامر بن سعد ثقہ من الثامیہ مات ۱۰۴ھ۔ ☆

تشریح:-

قدمان سے مراد اطراف قد میں ہے یعنی اصابعہا حنفیہ کی مشہور روایت کے مطابق سات اعضاء پر سجدہ کرنا مسنون ہے بعض نے تفصیل بیان کی ہے پاؤں کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ دونوں پاؤں کا رکھنا فرض ہے ایک یہ کہ فرض نہیں بلکہ واجب یا سنت ہے تیسری یہ ہے کہ ایک پاؤں رکھنا فرض ہے فرضیت کی دلیل یہ ہے کہ سجدہ کرنا فرض ہے اور بغیر پاؤں رکھے سجدہ متحقق نہیں ہوتا۔ پھر تیسری روایت کے مطابق اگر ایک انگلی بھی زمین پر رہے تو سجدہ ہو جائے گا اگر پورے رکن میں پاؤں اٹھے رہیں تو سجدہ نہیں ہوتا کچھ وقت کے لئے اٹھے رہیں تو ہو جائے گا مگر مکروہ ہوگا۔ ابن امیر الحاج نے واجب کے قول کو ترجیح دی ہے کاقلہ الثامی۔

وفیه قدمنا ان فی وضع القدم ثلاث روايات الفرضية والوجوب والسنیة وان

المراد بوضع القدم وضع اصابعها ولو واحدة وان المشهور فی کتب المذهب

الروایة الاولی (ای الفرضیة) وان امیر الحاج رجح فی الحلبة الثانية وصرح هنا

(3) روی بہ الروایة الطحاوی ایضاً فی شرح معانی الاما رس: ۱۸۳ ج: ۱ "باب وضع الیدین فی السجود ان ینحی ان ینحی"

(ص: ۵۰۴ ج: ۱)

بان توجیه الاصابع نحو القبلة سنة

وضع رکعتین سنت ہے ابو الیث کے نزدیک فرض ہے ابن ہمام کے نزدیک واجب ہے یہی زیادہ صحیح ہے کہ فرضیت کی کوئی دلیل نہیں۔ عند البعض ہاتھ اٹھانا چونکہ سجدے میں حریہ ہے لہذا ہاتھ رکھنا فرض ہے لیکن اس میں صحیح یہی ہے کہ ہاتھ رکھنا سنت ہے۔ ہدایہ میں ہے وضع الیدین والرکبتین سہ عندنا لتحق السجود بدونہا۔ دوسری روایت میں امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یسجد الحمد یت یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت نہیں کیونکہ اولاً تو بخاری (۱) میں امرنا آیا ہے دوسرا یہ کہ اکثر احکام میں امت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل ہوتی ہے بشرطیکہ کوئی قرینہ خصوصیت کا نہ ہو اور یہاں بھی کوئی قرینہ خصوصیت کا نہیں تو عام ہے۔

باب ماجاء فی التجافی فی السجود

رجال:-

داؤد بن قیس المدنی ثقة فاضل۔ عبید اللہ الحجازی ثقة۔

عن ابیہ ای عبد اللہ بن افرم صحابی مقبل۔ ☆

نمرہ ایک وادی ہے عرفات کے قریب اس میں ایک مسجد ہے اسکا نام مسجد نمرہ ہے اس کو مسجد آدم بھی کہتے ہیں وجہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام نے جب حج کیا تو یہاں وقوف کیا اور نماز ادا فرمائی۔ عفرتیں وہ سفیدی جس میں زروی یا سیاہی ملی ہوئی ہو آپ کے بغل میں بال تھے تو احرام میں چونکہ بغل کھلا ہوتا ہے تو سجدے میں نظر آگئے۔ عند البعض بغل مبارک میں بال نہیں تھے جیسا کہ بعض روایات میں ہے عند البعض تھے اور اس قول کے مطابق عفرہ کا معنی اظہر ہے تطہیق بن الراویات یہ ہے کہ جس میں ہے کہ نہیں تھے تو نوچے ہوئے اور جس میں ہے کہ تھے تو تھوڑا وقت گزرا ہو گا نوچے ہوئے۔

باب فی السجود علی سبعة اعضاء

(۱) ص: ۱۱۲ ج: ۱ "باب السجود علی سبعة اعضاء"

تجانی فخذین کا مطلب یہ ہے کہ بطن فخذین سے دور ہوں ساقین ایک دوسرے سے دور اور فخذین سے بھی دور رکھے عضدین کو چھین سے دور رکھے اور ساعدین کو زمین سے دور رکھے۔ عورت کو سمٹ کر سجدہ کرنا چاہئے۔

سجدے میں بال باندھنا مکروہ ہے عند ابی حنیفہ و مالک اگر پہلے سے باندھے ہوں تو عند مالک مکروہ ہے عند ابی حنیفہ لا باس بہ۔ قال صاحب التلویح بال باندھنا یا عمامہ میں داخل کرنا آستین چڑھانا اور کپڑے سینہ مکروہ ہے نماز ہو جائے گی مع الکرہۃ التزیہی اور کراہیت اس لئے ہے کہ ایک تو یہ اشیاء بھی سجدہ کرتی ہیں لہذا روکنا نہ چاہیے دوسرے یہ تواضع کے خلاف ہے۔

باب ماجاء فی الاعتدال فی السجود

رجال:-

عن ابی سفیان ان کا نام طلحہ بن نافع الواسطی ہے۔ اکثر نے صدوق کہا ہے ابن معین کہتے ہیں

لا فی۔ ☆

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اعتدال کرے اور ذرا عین کو اس طرح نہ بچائے جس طرح کتابچھا تا ہے۔ اعتدال وہ ہیئت مسنونہ ہے جو متوسط ہو افتراش اور قبض کے درمیان یعنی کفین زمین پر رکھ کر مرفقین زمین سے اٹھائے رکھے تاکہ افتراش نہ ہو اور مرفقین چھین سے بھی دور ہوں تاکہ قبض نہ ہو اور فخذین کو بطن سے دور رکھے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حالت زیادہ اشد ہے تواضع کے ساتھ اور اس میں ادب بھی زیادہ ہے اسی طرح تکبیر چہرہ بھی اس میں اچھی طرح سے ہو جاتی ہے اور یہ سستی سے بھی دور ہے۔

البتہ اگر کوئی سجدہ طویلہ کرنا چاہے صلوٰۃ اللیل میں مثلاً اور مذکورہ ہیئت سجدہ میں مشقت ہو تو دونوں کہیں کو فخذین یا ر کعین پر رکھ کر مدلی جاسکتی ہے بطور استراحت کے۔ دلیل آئندہ باب ماجاء فی الاعتدال فی

الکعبہ میں ابو ہریرہ کی حدیث ہے۔ (۱)

اشتکى اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم الى النبى صلى الله عليه وسلم

مشقة السجود اذا نفر جوا فذل استعبروا بالركب

یعنی مرفقین کو رکعتین پر رکھ رہے وہ اسل ردای طرح ایک آدمی صف میں ہے تو بھی زیادہ تفریق سے دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے تو زیادہ تفریق صف میں نہ کی جائے انفرادی حالت میں تفریق کر سکتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیئت سجود کے بارے میں آتا ہے کہ اگر بکری کا بچہ درمیان سے گذرنا چاہتا تو گذر سکتا۔ نماز میں وہ ہیئت مطلوب ہے جس میں خشوع و ادب ہو اور مشابہت بالملائکہ ہو اس لئے حکم ہے کہ صفوف باندھو اور مل کر کھڑے ہو جس طرح فرشتے صفوف باندھتے ہیں اور مل کر کھڑے ہوتے ہیں اسی طرح فرشتے قیام و قعود رکوع و سجود کرتے ہیں تو ان چار ارکان کو بھی نماز کے بڑے ارکان قرار دیا گیا۔

سجدے دو ہیں باقی ارکان ایک ایک ہیں اس میں آیت قرآن کی طرف عند البعض اشارہ ہے کہ جب پہلے سجدے سے سر اٹھایا تو اشارہ منہا خلقنا کم کی طرف ہوا جب سجدہ ثانیہ میں گئے تو وہیہا نعید کم کی طرف اشارہ ہے اور جب دوسرے سجدے سے سر اٹھایا تو منہا نخرجکم تارۃ اخری کی طرف اشارہ ہوا بعض دو سجدوں کی وجہ میں کہتے ہیں کہ جب فرشتوں کو حکم ہوا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ جب فرشتوں نے سجدے سے سر اٹھایا اور دیکھا کہ ابلیس سجدہ نہیں کر رہا تو بطور شکر کے دوسرا سجدہ کیا تو نماز میں بھی چونکہ فرشتوں کی عبادت کا خیال رکھا گیا ہے تو دو فرض ہوئے اس کے برعکس وہ ہیئت جس میں تہہ بالجہو ان ہو اس سے منع کیا گیا ہے مثلاً تدح یعنی گدھے کی طرح رکوع میں سر جھکانے سے منع کیا گیا ہے کہ سرو پشت میں برابر ہوئی چاہئے۔

اسی طرح سجدے میں جاتے وقت بروک الابل سے روکا یعنی اولاً ہاتھ رکھے پھر گھٹنے رکھے اسی طرح نقرۃ الدیک سے بھی منع کیا گیا ہے اتقاء الکلب یعنی کتے کی نشت سے بھی روکا گیا ثعلب کی طرح ادھر ادھر دیکھنے

باب عاجاء فی الاعتدال فی السجود

(۱) اسی روایت کو امام ابو داؤد نے بھی لایا ہے لیکن اس میں اذا نفر جوا کے الفاظ ہیں دیکھئے ص: ۱۳۷ ج: ۱ "باب الرخصة فی ذالک"

سے بھی منع کیا گیا۔ مسلم کی روایت (2) میں ہے صحابہ عند السلام ہاتھ اٹھاتے نماز میں تو فرمایا مالی اراکم رافعی
ایہ کم کا نہا الاتاب خیل جس اسی طرح مذکورہ روایت میں بھیڑے کی طرح افتراش یا کلب کی طرح افتراش سے
بھی ممانعت آئی ہے۔

باب ماجاء فی وضع الیدین ونصب القدمین فی السجود

رجال:-

عبداللہ بن عبدالرحمن ہوالدارمی الحافظ صاحب المسند۔ وہیب بن القصیر ان کا نام خالد بن عجلان ہے ثقہ
ہیں تاہم اخیر میں حانقہ میں تغیر آ گیا تھا۔
محمد بن عجلان المدنی صدوق ہاں ابو ہریرہ کی احادیث ان پر مختلط ہو گئی تھیں۔
محمد بن ابراہیم المدنی ثقہ ہیں۔ ☆

تشریح:-

عاصر بن سعد سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضع یدین اور نصب القدمین کا حکم فرمایا ہے
نصب القدمین سے مراد یہ ہے کہ انگلیاں قبیلے کی طرف موڑ کر دونوں پاؤں کو کھڑا کر دے پھر کبیری شرح مدنیہ میں
ہے کہ اگر کسی نے پاؤں کی انگلیاں رخ بہ قبلہ نہیں کیں تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ
تو اعد تھمبہ کے خلاف ہے لہذا عدم توجیہ الاصابع نحو القبلة مکروہ تحریمی ہے گویا شاہ صاحب کے نزدیک توجیہ
الاصابع واجب ہے بعض نے اس توجیہ کو مسنون قرار دیا ہے شامی نے اس پر اتفاق نقل کیا ہے تو ان کے یہاں
عدم توجیہ الاصابع نحو القبلة مکروہ تنزیہی ہوگا اور توجیہ الاصابع ہونی چاہئے نہ کہ توجیہ ظہور القدم کما ہی عادیۃ عامۃ
الناس اسی طرح ہاتھوں کے اصابع کو بھی قبلہ کی طرف کرنا چاہئے۔

باب ماجاء فی اقامۃ الصلب اذا رفع رأسه من السجود والركوع

اس روایت میں اتنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رکوع و سجود قومہ و جلسہ تقریباً برابر ہوتے اس روایت کا مطلب واضح ہے کیونکہ اس میں قیام و قعود کا ذکر نہیں کیونکہ قیام و قعود تو لے ہوتے ہیں۔ مسلم (۱) کی روایت جو براء بن عازب سے ہی ہے اس میں قیام و قعود کا بھی ذکر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام قعود رکوع و سجود قومہ جلسہ سب برابر ہوتے۔ اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ یہ سب کیسے برابر ہوتے حالانکہ قیام میں کبھی قراءت بہت لمبی ہوتی ہے۔

جواب ۱:- یہ مبالغہ پر محمول ہے اور لفظ تقریباً اس کی طرف مشیر ہے یعنی تقریباً برابر ہوتے۔
جواب ۲:- نووی نے مجبوراً صرف عن الفاظ ہر دیا ہے کہ یہ محمول ہے بعض احوال پر کہ کبھی یہ سب برابر ہوتے۔

جواب ۳:- براء بن عازب کا مقصد یہ نہیں کہ یہ سب ارکان برابر ہوتے بلکہ مقصد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا اعتدال بیان کرنا ہے کہ اگر قیام میں طول کرتے تو اس کے مناسب سجدہ بھی طویل ہوتا رکوع بھی اسی مناسبت سے طویل ہوتا اور اگر کبھی قیام مختصر ہوتا تو اس کی مناسبت سے سجدہ و رکوع وغیرہ بھی مختصر ہوتے۔

باب ماجاء فی اقامۃ الصلب اذا رفع رأسه من السجود والركوع

(۱) صحیح مسلم ص ۱۸۹ ج ۱: "باب اعتدال ارکان الصلوٰۃ وجمعہا فی تمام" ایضاً رواہ البخاری ص ۱۱۳ ج ۱: "باب الکف ینین السجدتین"

باب ماجاء فی کراہیۃ ان یبادر الامام فی الركوع والسجود

رجال:-

سفیان سے مراد ثوری ہیں۔ ابواسحاق ہوا السبیعی مر ذکرہ۔

عبد اللہ بن یزید صحابی صغیر کان امیراً علی الکوفۃ فی زمن ابن الزہر۔

تشریح:-

براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کرتے تھے اور وہ رکوع سے سر اٹھاتے تو ہم میں سے کوئی بھی اپنی کمر بیڑھی نہ کرتا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے پھر ہم سجدہ کرتے۔ اس حدیث کے ظاہر پر چلتے ہوئے ابن جوزی فرماتے ہیں کہ مقتدی تب سجدہ کرے جب امام سجدہ کرے مگر یہ مطلب صحیح نہیں کیونکہ صحیحین میں حتیٰ یقع ساجداً کے الفاظ ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سبقت ہو جائے یہ اس وقت کی بات تھی کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم متبدن ہو چکے تھے تو آہستہ سے سجدے میں جاتے تو اگر صحابہؓ ساتھ روانہ ہوتے تو سبقت ہوتی اس لئے وہ کھڑے رہتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدے کا انتظار کرتے لہذا اگر امام سجدے میں آہستہ یعنی ذرا دیر سے جاتا ہے تو مقتدی کو تاخیر کرنا چاہئے تاکہ سبقت من الامام لازم نہ ہو۔ شرح منیہ میں ہے کہ ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ارکان فعلیہ میں مقتدی امام کی متابعت کرے گا قرأت یعنی اقوال میں اختلاف ہے حنفیہ کے نزدیک اس میں متابعت ہے شوافع وغیرہ کے نزدیک اس میں متابعت نہیں۔ اگر کسی نے امام سے سبقت کی تو نماز ہو جائے گی البتہ یہ فعل حرام ہے اتفاقاً۔

پھر ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس میں متابعت و صلا ہے یعنی بغیر تاخیر کے متابعت ہے سوائے تکبیر تحریمہ کے کہ اس میں امام کی فراغت کا انتظار کرنا چاہئے کما مرکہ جب امام اللہ اکبر کی راء پر پہنچے تو مقتدی کو اللہ اکبر کہنا چاہئے پھر یہ متابعت فی روائے اشعی واجب ہے حنین لہ رفع رأسہ من الركوع او السجود قبل تسبیح الحمد ترمذی ثلاثاً فالصحيح انه يراى الامام ذكره العی فی المعرفة۔

البتہ دوسری روایت میں متابعت مسنون ہے لہذا مقتدی اپنی تین تہیجات پوری کرے صاحبین کے نزدیک متابعت میں تاخیر ہو مگر تاخیر جہاد نہ ہو بلکہ معمولی تاخیر مراد ہے۔

باب ماجاء فی کراہیۃ الاقواء بین السجدتین

باب فی الرخصة فی الاقواء

رجال:-

عبد اللہ بن دینار هو الدارمی الحافظ صاحب المسند ثقة متقن۔ ۶۱۰

تشریح:-

اقواء کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ التین کو زمین پر رکھ کر دونوں ہاتھوں کو کھڑا کر کے گھٹنے گردن کے برابر کر دے دوسری صورت یہ ہے کہ پاؤں کو پنجوں پہ کھڑا کر کے اس پر بیٹھ جائے۔

اگر ملاء کے نزدیک دونوں قسم کے اقواء مکروہ ہیں بحر الرائق میں ہے کہ دونوں اقواء مکروہ تحریمی ہیں بعض اقواء بمعنی اول کو تحریمی اور بمعنی ثانی کو تنزیہی کہتے ہیں کہ اول صورت میں کلب کے ساتھ تھبہ ہے امام شافعی نے اقواء کی قسم ثانی کو بین السجدتین مستحب قرار دیا ہے۔

جمہور کا استدلال پہلے باب کی حدیث سے ہے باعلیٰ احب الیٰک ما احب لنفسی واکرہ الیٰک ما کرہ لنفسی لا تنفع بین السجدتین لا تقطع نمی ہے جس کا ادنیٰ درجہ کراہت ہے ترمذی نے اگرچہ اس روایت

پر اعتراض کیا ہے مگر یہ متعدد متابعات (۱) کی وجہ سے قابل استدلال ہے اہم بات یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ نے اس کو اپنا مذہب بنایا ہے جو اس کے قابل استدلال ہونے کی علامت ہے۔

دلیل ۲: متعدد صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ نقل کیا ان تمام نے اقواء نقل نہیں کیا بلکہ افتراء نقل کیا معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اقواء نہیں کیا۔

امام شافعی کی دلیل باب فی الرخصة فی الاقواء کی حدیث ہے قال طاؤس بن یسار نے ابن عباس سے اقواء کے بارے میں پوچھا کہ اس کی کیا حیثیت ہے؟ قال ہی السنة فقلنا انما لراہ جفاء بالرجل رجل برون سدر بھی آیا ہے اور رجل برون عضد بھی آیا ہے یعنی پاؤں پر زیادتی ہے یا آدمی پر جفاء ہے قال ہی سنة نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم۔

جواب ۱: خطابی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے لہذا روایت قابل استدلال نہ رہی۔

جواب ۲: مؤطا امام محمد (۲) میں حدیث ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اقواء منسوخ ہے روایت یہ ہے کہ مغیرہ بن حکم فرماتے ہیں:

رايت ابن عمر يجلس على عقبه بين السجدين في الصلوة فذكرت ذلك له فقال انما فعلته منذ اشتكيت قال القاري والمعنى انه خلاف السنة الا انه يفعل له

اب دونوں روایات میں بظاہر تعارض ہے کہ ابن عمر کی حدیث میں اقواء کو خلاف سنت بتایا جا رہا ہے اور ابن عباس کی حدیث میں سنت تو ائمہ ثلاثہ نے ابن عمر کی قول کو ترجیح دی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ابن عمر تابع للسنۃ تھے دوسری وجہ یہ ہے کہ ابن عباس کبھی کبھی اپنے اجتہاد سے کوئی مسئلہ مستحب کر کے اس کو سنت کہہ دیتے تھے جبکہ ابن عمر فتویٰ سے گریز کرتے تھے۔

باب ما جاء في كراهية الاقواء بين السجدين باب الرخصة في الاقواء

(۱) دیکھئے معارف السنن ص: ۶۳، ۶۴ ج: ۳

(۲) مؤطا امام محمد ص: ۶۳ باب الجھوس فی الصلوة

جواب ۳:- ابن عباس کا مقصد بیان جواز ہوگا اور جواز کے ہم بھی قائل ہیں کیونکہ مکروہ تنزیہی جواز کا ایک شعبہ ہے فتویٰ کا ایک قانون ہے وہ یہ کہ اگر مفتی یہ محسوس کرے کہ سائل اس مسئلے میں غلو کر رہا ہے تو جواب میں اپنی رائے شامل کر سکتا ہے تو ابن عباس نے یہاں محسوس کیا کہ سائل اقواء کو ناجائز تصور کرتا ہے تو اس کو جائز قرار دیتا کہ اس کا غلو ختم ہو۔

باب ما یقول بین السجدتین

رجال:-

سلمۃ بن شیبہ النیسابوری نزیل مکتہ ثقہ - مسلم و ترمذی وغیرہما کے شیخ ہیں۔

کامل ابی العلاء الکوفی صدوق یعطی من السابعة۔

تنقیح المذہب:-

پہلے بھی گندہ راہ ہے کہ اس قسم کی ادعیہ حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک نوافل کے ساتھ مختص ہیں امام شافعی احمد اور اہل حق کے نزدیک اسکی عام اجازت ہے فرض و نفل میں قال الترمذی وہ یقول الشافعی و احمد و اہل حق یرون ہذا جائزاً فی المکتوبۃ و المطوع۔

حنفیہ جو اس کو نوافل کے ساتھ مختص مانتے ہیں اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ عموماً اس قسم کی ادعیہ صلوٰۃ اللیل میں منقول ہیں فرائض میں نہیں نیز امام مامور بالتخفیف ہے اب اگر وہ ادعیہ پڑھے گا تو قتل ہوگی اگر منفرد و مقتدی ہو بشرطیکہ مقتدی کو موقع ملتا ہو تو قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور شاہ صاحب نے پڑھنے کو ترجیح دی ہے خصوصاً آج کل کہ لوگ قومہ و جلسہ میں نہایت تخفیف کرتے ہیں لہذا ادعیہ پڑھنی چاہئے۔

اور یہ اصل مذہب کے خلاف بھی نہیں کیونکہ حنفیہ کے نزدیک ادعیہ پڑھنا مسنون نہیں یہ نہیں کہ جائز نہیں اور عدم سنیت سے عدم جواز لازم نہیں آتا۔

باب ماجاء فی الاعتماد فی السجود

رجال:-

سمی مر ذکرہ۔ ابی صالح ہوذکوان۔

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ سجدے میں تفرج سے مشقت ہوتی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا استعینوا بالارکب کہ کہنیوں کو گھٹنوں پر رکھا کرو۔

یہاں ترمذی نے باب ماجاء فی الاعتماد فی السجود کا باندھا ہے اعتماد کی دو صورتیں ہیں ایک یہ ہے کہ سجدے کی حالت میں عند التفرج جب ساجد تھک جائے تو اپنی کہنیوں کو گھٹنوں یا رانوں پر رکھ کر راحت کرے یہ طویل سجدے میں ہی ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اعتماد یعنی الارض دوسری اور چوتھی رکعت میں جانے کے لئے سجدہ ثانی کے بعد زمین پر دونوں ہاتھ لگا کر اٹھے۔

ترمذی کے صنیع سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پہلے والے اعتماد کے لئے باب باندھا ہے یہی ابو داؤد (۱) بیہقی (۲) وحاکم (۳) کا صنیع ہے راوی حدیث ابن عجلان نے بھی اعتماد کی تفسیر اولیٰ سے کی ہے۔ امام طحاوی (۴) نے اس کی تخریج التطبيق فی الركوع میں کی ہے بعض ترمذی کے نسخوں میں باب ماجاء فی الاعتماد اذا قام من السجود کا لفظ ہے اس نسخے کے مطابق حدیث میں اذا تفرجوا کا لفظ نہیں بلکہ عند انہوض من السجود کے الفاظ ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ باب کا ترجمہ مذکورہ نسخوں کے مطابق مناسب ہے۔ وجہ یہ ہے کہ متعدد محدثین نے مطلب یہی لیا ہے کہ اس کا تعلق دوران سجود سے ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اذا تفرجوا کا لفظ اکثر احادیث میں موجود ہے تیسری بات یہ ہے کہ مصنف نے آگے کیف انہوض من السجود کے لئے مستقل دو باب

باب ماجاء فی الاعتماد فی السجود

(۱) دیکھئے ابو داؤد ص: ۱۳۸ و ۱۳۹ ج: ۱ من "باب صلتہ السجود" (۲) بیہقی کبریٰ ص: ۱۱۶ ج: ۲ "باب لا یعتد بمرفقیہ علی رکبہ اذا حال السجود" (۳) مستدرک حاکم ص: ۲۲۹ ج: ۱ نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن تفرج الغراب و انقراض السبع وان یوطن الرجل الکان کما یوطن الجیر والحدیث علی شرط مسلم (۴) شرح معانی ص: ۱۱۳ ج: ۱ "باب التطبيق فی الركوع"

تمام کئے ہیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ سجدے سے قیام کے دوران کونسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے باتھ گھٹنوں پر رکھ کر کھڑا ہونا چاہئے یا زمین پر رکھ کر تو جمہور کے نزدیک سنت یہ ہے کہ باتھ گھٹنوں پر رکھ کر زمین کے سہارے کے بغیر کھڑے ہونا چاہئے امام شافعی کے نزدیک مسنون یہ ہے کہ زمین پر باتھ رکھے، پھر کھڑا ہو جائے۔ نووی نے شرح المہذب میں لکھا ہے کہ آدمی سجدے سے کھڑا ہو یا قعدے سے دونوں صورتوں میں مسنون یہی ہے کہ باتھوں کے سہارے اٹھے یعنی باتھ زمین پر رکھ کر اٹھے۔ اس میں ضعیف قوی جو ان بوڑھے عورت سب برابر ہیں اور اسی کو امام احمد مالک کا مذہب قرار دیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ امام احمد کا مذہب امام ابو حنیفہ کی طرح ہے جیسے کہ مغنی میں ہے بلکہ ابن عبد البر نے تو تنہید میں امام مالک کا مذہب امام ابو حنیفہ کے مطابق بیان کیا ہے اور ابن عبد البر اعلم الناس بمذہب مالک ہے۔ امام شافعی کا استدلال مالک بن حورث کی حدیث مرفوع سے ہے۔

واذا رفع رأسه من السجدة الثانية جلس واعتمد على الارض ثم قام

((رواد البخاری (5)))

جواب :- اعتماد علی الارض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری فعل تھا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا تبادرونی فی الركوع والانی السجود والانی قد بدت اور کسی عمل کا منحنی ثبوت نہایت کی دلیل نہیں جب تک یہ بات ثابت نہ ہو کہ اس عمل کا مقصد اس پر عمل کرنا ہے۔

دلیل ۲ :- باب کی حدیث ہے یعنی وہ نسخہ جس میں اعتماد وقت النهوض من السجدة الثانية آیا ہے۔

جواب :- واضح ہے کہ حدیث کا تعلق نہوض کے ساتھ نہیں علی الصبح بلکہ سجدے کے ساتھ ہے۔

جمہور کی دلیل نہ کی (6) میں داہل بن حجر کی حدیث ہے واذا أبض رفع يده قبل ركعتيه بعض طرق میں ہے واذا أبض نهض علی ركعتيه تو اعتماد علی الارض آئیں کجا؟

دلیل ۳ :- ابو داؤد (7) میں ابن عمر کی روایت ہے۔

(5) مس ۱۱۳۱ باب کیف يعتمد علی الارض اذا قام من الركعة (6) مس ۳۷۱۱ باب رفع يدين عن الارض قبل

الركعتين (7) رواه ابو داؤد بحوالہ معارف السنن ص ۷۲ ج ۳

نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان يعتمد الرجل علی یدیه اذ انھض فی الصلوٰۃ۔

دلیل ۳:- اگلے باب منہ میں ابو ہریرہ کی حدیث ہے کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینھض

فی الصلوٰۃ علی صدور قدمیہ۔

باب کیف النهوض من السجود، باب منہ

رجال:-

خالد بن ایاس پر ترمذی نے کلام کیا ہے۔ صالح صدوق ہیں۔

تشریح:-

یہاں ترمذی نے دو باب باندھے ہیں پہلے باب سے جلسہ استراحت کا ثبوت ہوتا ہے اور دوسرے باب سے اس کی نفی ہوتی ہے جلسہ استراحت یہ ہے کہ جس جگہ کے بعد قیام ہو تو دوسرے جگہ کے بعد تھوڑا بیٹھ جائے پھر کھڑا ہو، امام شافعی کے نزدیک یہ مستنون ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مستنون نہیں ہے البتہ اگر کوئی بیٹھ گیا تو شافعی کی تصریح کے مطابق سجدہ ہو، اسب نہیں ہوگا۔ امام احمد کی طرف یہ بات منسوب ہے کہ انہوں نے امام شافعی کے قول کی طرف رجوع کیا ہے حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ رجوع الی السجۃ نہیں کیا بلکہ من عدم الجواز الی الجواز کیا ہے وہ ترجیح پھر بھی عدم اعتماد علی الارض کو دیتے ہیں کہ اکثر روایات اس پر نااطق ہیں کہ جلسہ استراحت ثابت نہیں اور یہ ایسا ہے کہ جس طرح شاہ صاحب نے ترک رفع یدین اور ابن تیمیہ نے ترک جبر بسم اللہ کی روایات کو اکثر قرار دیا ساکت کو نافی پر حمل کر کے لہذا یہاں بھی جب ساکت روایات کو نافی پر حمل کریں گے تو روایات فنی استراحت اکثر ہو جائیں گی۔ امام شافعی کا استدلال پہلے باب کی حدیث سے ہے۔

عن مالک بن حویرث انه رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصنی فکان

اذا کان فی وتر من صلوٰۃ (یعنی پہلی رکعت یا تیسری رکعت کے بعد) لم ینھض حتیٰ

یستوی حالساً

جواب :- روایات نفی کی روشنی میں اسکو نفی کی آخری عمر پر محمول کیا جائیگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ نماز مشقت والا ٹھل ہے اس میں استراحت چہ معنی دارد؟

جسور کا استدلال بخاری (1) کی روایت سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سعی فی الصلوٰۃ کو نماز کا طریقہ بتایا وصال ثم ارفع حتی تستوی قیاماً ثم افعل ذالک فی صلوٰۃک کلھا اگر جلس استراحت مسنون ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بتا دیتے۔

اعتراض :- بخاری ہی کی روایت میں یہ بھی ہے حتی تطمئن جالساً۔ (2)

جواب :- ابن حجر کا کہنا ہے کہ یہ راوی کا وہیم ہے اصل میں تستوی قیاماً ہے۔

دلیل ۲ :- باب منہ میں ابو ہریرہ کی حدیث ہے۔

قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینہض فی الصلوٰۃ علی صدور قدمیہ

اعتراض :- اس میں خالد بن الیاس یا ایاس ہے جو ضعیف ہے۔

جواب :- ابن ہمام فرماتے ہیں کہ تعامل صحیحہ وانکہ کی وجہ سے یہ حدیث قابل احتجاج ہے قال الترمذی علیہ العمل عند اہل العلم بغض اہل العلم نہیں کہا معنوم ہوا کہ اکثریت اس کی قائل ہے اگرچہ یہ مخصوص طریقہ ضعیف ہے مگر اصل اسکا قوی ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ (3) و بیہقی (4) میں ہے۔

عن ابن مسعود انه کان ینہض فی الصلوٰۃ علی صدور قدمیہ ولم یجلس

مصنف ابن ابی شیبہ (5) میں حضرت عمر ابن عمر اور ابن زبیر کا عمل بھی اسی کے مطابق بتایا ہے۔ ابن

باب کیف التہوض من السجود باب منہ

(1) صحیح بخاری ص ۹۲۳ ج ۲: "باب من روتقال علیک السلام" ایضاً ص ۹۸۶ ج ۲: "باب اذا حثت ناسیاً فی الایمان

الخ" (2) کافی ص ۹۲۳ ج ۲: (3) ص ۹۳۱ ج ۱: "من کان منہض علی صدور قدمیہ" ایضاً رواہ عبد الرزاق فی

مصنفہ ص ۱۷۹ ج ۲: رقم حدیث ۲۹۶۶ "باب کیف التہوض من السجدة الخ" (4) سنن کبری بیہقی

ص ۱۲۳ ج ۲: "باب من قال یرجع علی صدور قدمیہ" (5) ص ۳۹۳ ج ۱:

ابی شیبہ (6) نے شعبی کا قول نقل کیا ہے کہ:

كان عمرو وعلي واصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهضون في
الصلوة على صدور اقدامهم

مصنف ابن ابی شیبہ میں نعمان بن ابی عیاش کا قول نقل کیا ہے۔

قال ادرکت غیر واحد من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فكان
اذا رفع احدہم رأسه من السجدة الثانية في الركعة الاولى والثالثة نهض كما هو
ولم يجلس

کما ہوا کا مطلب یہ ہے کہ اسی بیت میں کھڑے ہو جاتے۔

اسی طرح عبدالرزاق (7) نے ابن عمرؓ وابن عباسؓ وابن مسعودؓ کا عمل بھی یہی نقل کیا ہے اور یہ
سارے صحابہ مالک بن حویرث کے یہ نسبت محبت و سنت کے زیادہ ملتزم تھے لہذا مالک بن حویرث کی حدیث میں
یہی توجیہ کریں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تو نہوض علی صدور تہن پر تھا اخیر عمر میں عذر کی وجہ سے جلسہ
کرتے تھے جو سنت نہیں۔

(6) حوالہ بالا

(7) مس: ۹: ۱۷۲: "باب کیف النهوض من السجدة في الركعة الأولى"

باب ماجاء فی التشہد ، باب منه ایضاً

یہ مسئلہ بھی اختلافیہ ہے کہ تشہد کے الفاظ کونسے ہونے چاہیے تو ترمذی نے یہاں بھی دو باب باندھے ہیں۔ تشہد کے الفاظ ۲۴ صحابہ سے مروی ہیں اور الفاظ کا آپس میں فرق بھی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مختلف صحابہؓ کو مختلف الفاظ کی تعلیم دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں کوئی خاص الفاظ متعین نہیں لہذا اس پر اتفاق ہے کہ تشہد میں کوئی بھی الفاظ کہیں جائیں تو جائز ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ رائج کونسا تشہد ہے تو ابو حنیفہؒ سفیان ثوریؒ ابن مبارکؒ اخیق اور بقول ترمذی احمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ ابن مسعود کا تشہد رائج ہے شرح مؤطا میں ملا علی قاری نے احمد کا قول شافعی کے قول کے ساتھ نقل کیا ہے ممکن ہے کہ یہ غیر مشہور قول ہو۔ امام شافعی کے نزدیک تشہد ابن عباس افضل ہے جس کو ترمذی نے دوسرے باب میں نقل کیا ہے پھر ابن عباس کے تشہد میں سلام علیک اور سلام علینا منکر ہے۔ مسلم (۱) میں معرف ہے شافعیہ کے نزدیک عمل منکر پر ہے۔

امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ اولی تشہد عمر کا ہے جو مؤطا مالک (۲) میں مروی ہے۔

التحیات للہ الزاکیات للہ الطیبات الصلوٰۃ للہ

باقی مشہور تشہد کی طرح ہے۔

تحیات کا مطلب عند البعض سلام ہے عند البعض ملک ہے عند البعض بقاء ہے۔ صلوٰۃ سے مراد صلوٰۃ خمسہ ہے عند البعض مطلق عبادت ہے۔ اور طیبات صلوٰۃ و دعاء و ثناء وغیرہ کے معنی میں ہیں عند البعض التحیات سے مراد عبادات قولیہ صلوٰۃ سے مراد طاعات بدنیہ اور طیبات سے مراد صدقات مالیہ ہیں چاہے واجب ہوں یا نافلہ۔ ابن الملک (۳) نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج میں اللہ سے ملاقی ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلام پیش کیا التحیات للہ و الصلوٰۃ و الطیبات تو اللہ نے فرمایا السلام علیک ایہا

باب ماجاء فی التشہد ، باب منه ایضاً

(۱) دیکھئے صحیح مسلم ص: ۷۳ ج: ۱ "باب التشہد" (۲) مؤطا مالک ص: ۲۰ "التشہد فی الصلوٰۃ"

(۳) کما نقلہ العلامة للہجوری فی معارف السنن ص: ۵۵ ج: ۳

النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلام پیش کیا السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین تاکہ اللہ کے سلام میں امت کے نیک بندے بھی شریک ہوں جبرئیل نے یہ سن کر کہا اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمداً عبده ورسوله پھر نماز میں اس کو رکھا گیا کہ یہ واقعہ معراج میں پیش آیا اور نماز بھی مؤمن کی معراج ہے تو اس کو نماز کا جزء قرار دے دیا۔

مصنف ابن ابی شیبہ (4) میں ہے ابن مسعود فرماتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم حیات تھے تو ہم السلام علیک ایہا النبی کہا کرتے تھے جب وہ فوت ہو گئے تو ہم السلام علی النبی کہنے لگے اس کو بعض اہل ظواہر نے مستدل بنایا ہے کہ چونکہ اب مقام خطاب باقی نہیں تو صیغہ خطاب نہیں کہنا چاہئے۔

جواب :- ابن مسعود سے جو الفاظ مروی ہیں تو اکثر مشہور طریق میں وہ خطاب کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ اس سے بریلویوں نے بھی استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں کیونکہ خطاب کا صیغہ مخاطبہ کے لئے ہوتا ہے اور خطاب حاضر کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ غائب کے ساتھ۔

جواب :- اول تو تشہد کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں مخاطب کا صیغہ اس وقت استعمال ہوا تھا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تھے لہذا اب مخاطب کا صیغہ بطور نقل و حکایت کے مستعمل ہوتا ہے جیسے یا ایہا المرسل اور دیگر خطاب کے صیغے بطور حکایت کے بولے جاتے ہیں اس سے خطاب لازم نہیں آتا۔

جواب :- ہم نہیں مانتے کہ مخاطب کا صیغہ حاضر کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ خطاب کا صیغہ غائب بلکہ نباتات و جمادات کے لئے بھی بولا جاتا ہے جیسے ایا منزلی سلمی سلام علیکما یہاں منزلیں کو مخاطب کیا گیا ہے حالانکہ انہیں سمع کی طاقت کو آپ بھی تسلیم نہیں کرتے اس کی مثال یوں ہے جیسے ایک آدمی کسی کو خط لکھتا ہے اور اس میں خطاب کا صیغہ استعمال کرتا ہے مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ خط جب اس تک پہنچے گا تو وہ سمجھے گا۔ (تدبر)

جواب :- یہ نبی کی حیات میں بھی بطور خطاب استعمال ہوتا تھا اور کسی روایت سے معلوم نہیں ہوتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کا تشہد میں سلام سن کر سلام کا جواب دیا ہو اسی طرح لیلۃ القریس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فخر کی نماز قضاء ہوئی حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو لوگ سفر میں شامل نہیں تھے انہوں نے نماز

پڑھی اور بلاشبہ السلام علیک بھی کہا ہوگا اگر نبی سنتے تو بیدار ہو۔ ۱۰۔ ہر اس وقت اگر اس صیغے کو حاضر ناظر کے عقیدے کے ساتھ استعمال نہیں کیا گیا تو اب بھی تشہد کی وہی حیثیت ہے تو اس صیغے کے لئے حاضر و ناظر ہونا لازمی کیوں؟ لہذا محققین اور جمہور کے یہاں السلام علیک خطاب کے ساتھ ہی ذکر ہوگا مگر بغیر عقیدہ حاضر ناظر کے ابن مسعود کا تشہد بہ نسبت دوسرے تشہد کے رائج ہے۔

وجوہ ترجیحات :-

۱۔ یہ روایت اصح مافی الباب ہے۔

قال الترمذی وهو اصح حدیث (5) عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی التشہد۔

۲۔ صحت کا اعلیٰ درجہ وہ ہوتا ہے جس کی صحت پر شیخین متفق ہوں یعنی جس کی اصل پر شیخین کا اتفاق ہو اور یہاں تو اصل پر صرف نہیں بلکہ لفظ پر بھی شیخین کا اتفاق ہے بلکہ ائمہ ستہ کا اتفاق ہے۔

۳۔ ابن مسعود کے تشہد پر اکثر کا عمل ہے۔

قال الترمذی والعمل علیہ عند اکثر اہل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن بعدهم من التابعین

۴۔ قال محمّد فی مواضع (6) وکان ابن مسعود بکرمہ ان یزاد فیہ حرفاً او ینقص جب کسی پیشی کو ناپسند کرتے تو رد و بدل کو بطریق اولیٰ ناپسند کرتے تھے۔

۵۔ تشہد ابن مسعود کے الفاظ میں اختلاف نہیں دیگر تشہدات کے الفاظ میں اختلاف ہے۔

۶۔ تشہد ابن مسعود مسلسل باخذ الید ہے۔

(5) چنانچہ اس روایت کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں ص ۱۱۵۰ ج ۱ "باب التشہد فی الآخرة" پر اور صحیح مسلم ص ۷۳۰ ج ۱ "باب التشہد فی الصلوٰۃ" سنن نسائی ص ۷۳۰ ج ۱ "کیف التشہد الاول" اور سنن ابی داؤد ص ۶۶۶ "باب التشہد" ابن ماجہ ص ۶۱۳ "باب ماجاء فی التشہد" پر ذکر فرمایا ہے۔

(6) نو طاحند ص ۱۱۱ "باب التشہد فی الصلوٰۃ"

ذکر شیخ ابن ہمام قال ابو حنیفۃ اخذ حماد بیدی و علمنی التَّشَهُّدَ و قال
حماد اخذ ابراہیم بیدی و علمنی التَّشَهُّدَ و قال ابراہیم اخذ علقمۃ بیدی
و علمنی التَّشَهُّدَ و قال علقمۃ اخذ ابن مسعود بیدی و علمنی التَّشَهُّدَ و قال
عبد اللہ اخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدی و علمنی التَّشَهُّدَ
کما یعلمنی سورۃ

اور ہاتھ پکڑ کر تعلیم دینا اس کے اہتمام کی طرف اشارہ ہے۔

۷۔ تشہد ابن مسعود میں جملوں کے درمیان واؤ آیا ہے اس کا فائدہ یہ ہے کہ ہر جملہ مستقل
کلام ہوگا جو زیادتی معنی پر دلالت کرتا ہے۔ شرح السنۃ میں ایک لطیفہ ذکر کیا گیا ہے کہ ایک اعرابی آیا
اور ابو حنیفہؒ اپنے حلقہ درس میں بیٹھے تھے تو اعرابی نے سوال کیا سو او ام بو او یں فقال ابو حنیفۃ
بو او یں فقال باریک اللہ فیک کما باریک فی لاؤ لا حاضرین مجلس اس راز کو سمجھ نہ سکے امام سے
تشریح طلب کی فاجاب کہ اعرابی نے تشہد کے بارے میں پوچھا تھا کہ ایک واؤ والا افضل ہے جو
ابوموسیٰ اشعری کی روایت میں ہے یا دو واؤ والا جو ابن مسعود کی حدیث میں ہے جب میں نے کہا کہ دو
واؤ والا بہتر ہے تو اس نے کہا باریک اللہ فیک کما باریک فی لاؤ لا اس میں اشارہ ہے شجرۃ
مبارکۃ زینونۃ لاشرقیۃ ولا غربیۃ کی طرف۔

باب ماجاء انه يخفى التشهد

رجال:-

یونس بن بکیر بن واصل الشیبانی الکوفی پر آگے کلام آنے والا ہے۔ ☆

تشریح:-

امام نووی نے شرح المہذب میں لکھا ہے کہ یہ بات متفق علیہ ہے کہ اخفاء تشہد مسنون ہے اور جہر مکروہ ہے جہر کرنے پر سجدہ سہواً ثلاثہ کے ہاں نہیں۔ کیونکہ اخفاء مسنون ہے اور سجدہ سہو ترک واجب سے لازم آتا ہے لہذا سجدہ سہو جہری نماز میں اخفاء القراءۃ اور مخفی نماز میں جہر القراءۃ پر واجب ہوتا ہے۔ باقی اذکار کے جہر و اخفاء پر نہیں۔ عند البعض سجدہ سہو قرآن کی خصوصیت ہے باقی اذکار پر نہیں ہے مآل دونوں کا ایک ہے۔ امام مالک سے کوئی روایت مشہورہ نہیں نووی نے ان کی طرف منسوب کیا کہ ہر مسنون بیست کے ترک پر سجدہ سہو لازم آئے گا لہذا جہر بالتشہد میں ان کے نزدیک سجدہ سہو کا اخفاء کی دلیل مذکورہ باب میں ابن مسعود کی حدیث ”من السنة ان یخفی التشہد“ ہے۔

بعض نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اس میں ایک یونس بن بکیر دوسرا محمد بن الخثعم ہے جن کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہے لہذا قابل حجت نہیں اسی طرح ترمذی نے بھی اس کو حسن غریب قرار دیا ہے۔ اس کے برعکس بعض نے اس کو صحیح علی شرط الثمین قرار دیا ہے مگر یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ روایت قابل استدلال ہے ایک وجہ یہ ہے کہ ابوداؤد (۱) نے اس پر سکوت کیا ہے دوسری بات یہ ہے کہ نووی و زیلعی نے ترمذی سے نقل کیا ہے حسن بغیر غریب کے۔ حاکم (۲) نے مستدرک میں اس کو صحیح علی شرط المسلم قرار دیا ہے

باب ماجاء انه يخفى التشهد

(۱) دیکھئے ص: ۱۴۹ ج: ۱ ”باب اخفاء التشہد“ (۲) مستدرک حاکم ص: ۲۳۰ ج: ۱ ”من سبب الصلوٰۃ ان یخفی التشہد“ نوٹ:-

حاکم نے اس حدیث کو صحیح علی شرط الثمین قرار دیا ہے کما قال ہذا حدیث صحیح علی شرط الثمین ولم یخرجاہ۔

معلوم ہوا کہ ترمذی کے بعض نسخوں میں غریب کا لفظ نہیں۔ اگر غریب کا لفظ صحیح بھی ہو تو یہ صحت کے منافی نہیں خصوصاً ایسی روایت جس کے مقابلے میں کوئی روایت نہ ہو کیونکہ جبر بالتشہد کی کوئی روایت نہیں اور امت کا عمل بھی اسی طرح ہے تو تنقیح امت بالقول اس کی حجت کی دلیل ہے۔ اور جس نے ضعف کا حکم کیا ہے وہ بھی غلط ہے کیونکہ ابن کبیر مسلم کے روایت میں سے ہے اور محمد بن اسحاق کی حدیث کم از کم حسن کے درجے کی ہوتی ہے لہذا ضعف کا حکم بھی غلط اور یہ کہنا کہ بخاری کی شرط پر ہے یہ بھی غلط ہے کہ محمد بن اسحاق عن کے ساتھ روایت کرتے ہیں اور اس کا معنی علی شرط البخاری کیسے ہو سکتا ہے؟

باب کیف الجلوس فی التشہد 'باب منہ

رجال:-

عبد اللہ بن ادریس الکوئی محدث فقیہ عابد۔ فلیح مر ذکرہ۔ عباس بن سہل ثقہ ہیں۔ ☆

تشریح:-

یہاں بھی ترمذی نے دو باب باندھے ہیں اشارہ کیا جلوس فی التشہد میں اختلاف کی طرف پہلے باب میں وائل بن حجر کی حدیث کی تخریج کی ہے جس کے متعلق فرمایا (اس میں افتراش کا ذکر ہے) والعمل علیہ عند اکثر اہل العلم افتراش یہ ہے کہ تشہد میں اس طرح بیٹھے کہ دایاں پاؤں کھڑا کر کے بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے۔ تو رک و رک سے ہے یعنی دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر رک پر بیٹھنا دوسرے باب میں اس کے متعلق ابو حمید ساعدی کی حدیث ذکر کی ہے وقال وہو قول بعض اہل العلم۔

تو تو رک کا معنی اگرچہ عام ہے کہ کسی طرف پاؤں نکال کر رک پر بیٹھ جائے مگر معمولی یہ ہے کہ بائیں ورک پر بیٹھ جائے اور دائیں طرف پاؤں نکالے جائیں جیسے حنفیہ عورتیں کرتی ہیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ قعدہ اولیٰ اور اخیرہ میں بیٹھنے کی ہیئت میں فرق ہے یا نہیں تو عند الحنفیہ دونوں میں کوئی فرق نہیں دونوں میں افتراش ہوگا مالکیہ اس کے برعکس کہتے ہیں کہ دونوں میں تو رک ہوگا

امام شافعی کے نزدیک جس قعدے میں سلام ہو اس میں تورک اور جس میں سلام نہ ہو تو اس میں افتراش ہوگا۔
مگر یا دو رکعت والی نماز میں ان کے یہاں تورک متعین ہے اور تین یا چار رکعت والی نماز میں قعدہ اولیٰ میں
افتراش اور ثانیہ میں تورک ہوگا امام احمد کے نزدیک دوسرے قعدے میں تورک ہوگا اور پہلے اور دو رکعت
والی نماز میں افتراش۔

تورک کے لئے ائمہ ثلاثہ کی دلیل ابو حمید ساعدی کی روایت ہے جو اگلے صفحے پر باب ماجاء فی وصف
الصلوٰۃ میں مروی ہے اس روایت کے بخاری والے طریق میں پہلے میں افتراش کا ذکر ہے۔

وفیه حتی اذا کانت الركعة التي ينقضی فیها صلوٰۃ اخر رجله اليسرى وقعد
على شقه متوركاً ثم سلم

حنفی کی دلیل باب کی واکل بن حجر کی حدیث ہے۔

قدمت المدينة قلت لانظر الى صلوٰۃ رسول الله صلى الله عليه وسلم
فلما جلس يعني للشهد افترش رجله اليسرى ووضع يده اليسرى يعني على
فخذ اليسرى ونصب رجله اليمنى۔

دلیل ۲:- نسائی (۱) عن ابن عمر من سنة الصلوٰۃ ان تنصب القدم اليمنى واستقبله
باصابعها القبلة والجلوس على اليسرى۔

اعتراض:- دونوں دلائل پر یہ ہے کہ اس میں قعدہ اولیٰ و اخیرہ کا ذکر نہیں تو ممکن ہے کہ اس میں پہلے
قاعدہ کا بیان ہو۔

جواب:- جہاں تک واکل بن حجر کی حدیث کا تعلق ہے تو انہوں نے اس بات کا التزام کیا ہے کہ میں
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت دیکھوں گا اگر حضور پہلے اور دوسرے قعدے میں بیٹ تبدیل فرماتے تو ضرور
بیان کرتے نہ بیان کرنا عدم فرق کی بین دلیل ہے۔

باب کیف الجلوس فی الشہد باب منہ

(۱) ص: ۷۳، ج: ۱، باب الاستقبال باطراف واصابع القدم اقبليہ عند القعود وللشہد

ربی بات ابن عمر کی حدیث کی توثیق میں اگرچہ مطلق ہے مگر مؤطا مالک (2) میں یہ روایت دو طریق سے مروی ہے۔ ایک عن عبد اللہ بن دینار سے کہ ایک آدمی آیا تو اس نے نماز پڑھی اور تورک کیا چوتھی رکعت میں جب نماز سے فارغ ہوئے تو ابن عمر نے اعتراض کیا کہ تورک نہیں کرنا چاہئے تو اس نے کہا آپ خود کرتے ہیں تو ابن عمر نے کہا انی یشکی۔ دوسرا طریق عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ میں ابن عمر کو دیکھتا تھا کہ وہ تربع کرتے تھے (تربع سے مراد تورک ہے چونکہ دونوں کی ہیئت تقریباً ایک جیسی ہوتی ہے تو اس پر اطلاق ہوا) عبید اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے بھی تورک کیا تو ابن عمر نے اعتراض کیا اور فرمایا انہا سنۃ الصلوٰۃ ان تنصب رجلک الیمنی وتثنیٰ رجلک الیسری میں نے کہا کہ آپ بھی ایسا کرتے ہیں تو فرمایا ان رجلی لاتحملانی۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ سنت افتراش کو قرار دیا اور تورک کو حالت عذر کا عمل قرار دیا اور حالت عذر میں تو ہمارے نزدیک بھی صحیح ہے۔

دلیل ۳:- وفی مسلم (3) عن عائشة فی حدیث وفیہ وکان یفترش رجلہ الیسری

وینصب رجلہ الیمنی۔

ربی ابو حیدر ساعدی کی روایت تو وہ عذر پر محمول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب متہدن ہوئے تو تورک

فرماتے۔ (4)

جواب ۲:- یا بیان جواز پر محمول ہے۔

(2) مؤطا مالک ص: ۷۱، ۷۲ "الصل فی الجلاس فی الصلوٰۃ"

(3) صحیح مسلم ص: ۱۹۳ و ۱۹۵ ج: ۱ "باب ما یجمع صلوٰۃ و ما یفترش بہ و صلوٰۃ الکرکوع والاعتدال منہ والتشہد بعد کل رکعتین

الخ" (4) کتانی روایۃ الی وادو ص: ۱۹۷ ج: ۱ "باب فی صلوٰۃ اللیل"

باب ماجاء فی الاشارة

اشارہ فی التشہد پر عند ائمہ اربعہ اتفاق ہے بلکہ متقدمین سب اس پر متفق تھے کہ اشارہ مسنون ہے وجہ یہ ہے کہ اس کا ثبوت متعدد روایات سے ہوتا ہے۔ دس سے زیادہ صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اشارہ نقل کرتے ہیں البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اشارہ کی کیفیت کیا ہوگی اس طرح اشارہ کس وقت ہوگا اور یہ کہ اشارہ کے بعد ہیئت اشارہ کو باقی رکھے آخر صلوٰۃ تک یا نہیں۔

نفس اشارہ میں کوئی اختلاف نہیں البتہ متاخرین حنفیہ میں سے بعض نے اس اشارہ کو ناپسند کیا ہے اور اس کا انکار کیا ہے ایک صاحب خلاصہ کیدانی اور ایک مجدد الف ثانی نے اگرچہ انکار کسی تاویل کی بناء پر ہے کہ ظاہر الروایۃ میں اشارہ موجود نہیں مثلاً یاروایات میں اضطراب پایا جاتا ہے اس کے باوجود ان کی بات صحیح نہیں کہ ظاہر الروایۃ میں کسی چیز کی عدم موجودگی عدم وجود شے کو مستلزم نہیں کیونکہ اصول یہ ہے کہ ظاہر الروایۃ میں کوئی مسئلہ نہیں ملا تو نوادر سے اخذ کیا جاسکتا ہے یہاں تو ائمہ مذہب سے تصریح ہے مؤطا محمد (۱) میں امام محمد لکھتے ہیں۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس فی الصلوٰۃ وضع کفہ الیمنی علی فخذہ الیمنی وقبض اصابعہ کلہا و اشار باصبعہ الی تلی الابہام ووضع کفہ الیسری علی فخذہ الیسری قال محمد وبصنع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نأخذ وهو قول ابی حنیفۃ

اسی طرح ابو یوسف سے امالی میں تصریح ثابت ہے۔

باقی حضرت مجدد صاحب کا یہ کہنا کہ اضطراب ہے تو شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ اضطراب معترض نہیں کیونکہ ایک راوی سے متناوہ اختلاف نہیں بلکہ روایات مختلف ہیں تو مقوی ہے۔ جہاں تک طریقے مختلف ہونے کی بات ہے تو یہ توسع کیلئے ہیں جیسے تشہد کے الفاظ کا اختلاف یا اذان کے طریقے میں اختلاف وغیرہ۔

باب ماجاء فی الاشارة

(۱) ص: ۱۰۸ "باب المعیت بالمحکم فی الصلوٰۃ وما یکرم من تسویۃ"

اشارے کے بارے میں بعض روایات مطلق ہیں اس میں کیفیت کا ذکر نہیں جیسے ترمذی کی روایت میں ہے ورنہ اصعبہ التی تلی الابہام بعض روایات میں کیفیت کا ذکر ہے۔ مسلم (2) میں ابن عمر کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا اور سب انگلیوں کو قبض کیا۔ وائل بن حجر کی روایت جو نسائی (3) ابوداؤد (4) ابن ماجہ (5) تہجدی (6) اور صحیح ابن خزیمہ (7) میں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خضر و بنصر کو ملایا کف کے ساتھ اور وسطی و ابہام کا حلقہ بنایا اور سبابہ سے اشارہ کیا۔ امام ابو یوسف نے بھی امالی میں یہی کیفیت ذکر کی ہے اسی پر عام عمل ہے عند الحنفیہ۔

حلقہ کی دو صورتیں ہیں پہلی یہ ہے کہ وسطی کا سر ابہام کے سر کے ساتھ ملائے دوسری صورت یہ ہے کہ وسطی کا سر ابہام کے بند کے ساتھ ملائے۔ تیسری روایت عبد اللہ بن زبیر کی مسلم (8) میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سبابہ انگلی سے اشارہ کر دیا اور ابہام کو وسطی کے ساتھ لگایا اس میں پھر دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ابہام کو مسبحہ کے ساتھ ملائے دوسری یہ کہ ابہام کو وسطی کے درمیانی بند پر رکھے یہ دونوں صورتیں قبض کی ہیں۔ پھر ابوداؤد میں ہے ولا سحر کہا امام نووی نے اس کو صحیح کہا ہے اس لئے مرقات میں ہے کہ تحریک والی روایت کے مقابلے میں عدم تحریک والی زیادہ قوی ہے۔ امام مالک کے نزدیک انگلی کو حرکت دے کہا ہوا اب اہل الفکر اہر فی زمانہ۔ جمہور کے نزدیک حرکت نہیں دے گا استدلال جمہور کا ابوداؤد کی مذکورہ روایت سے ہے جو تحریک کی روایت سے اقوی ہے۔

پھر جیسا کہ کتب فقہ میں مصرح ہے کہ چونکہ رفع علامت نفی ہے تو نفی پر اٹھائے اور وضع علامت اثبات ہے تو اثبات پر رکھے یعنی لا کے لام پر اٹھائے اور لا اللہ کے لام پر رکھے تاکہ عمل قول کے موافق ہو۔

پھر ہاتھ کی کیفیت عند البعض اشارہ کرنے کے بعد ختم کر دے کہ اخیر تک باقی رکھنے کا ثبوت کسی حدیث

(2) مس: ۱۸۶ ج: ۱ "باب مفید الجلس فی الصلوٰۃ و کیفیت وضع الیدین علی الخدین"

(3) مس: ۱۸۷ ج: ۱ "باب قبض الاثنین من اصابع الید الیمنی و عقد الوسطی و الابہام"

(4) مس: ۱۳۹ ج: ۱ "باب الاشارة فی التہجد" (5) مس: ۶۵ "باب الاشارة فی التہجد"

(6) سنن کبریٰ للبیہقی مس: ۱۳۱ ج: ۳ "باب ما روی فی تملیق الوسطی بالابہام"

(7)

(8) مس: ۲۶ ج: ۱

میں نہیں ملا علی قاری اور ابن عابدین نے اپنے اپنے رسائل میں لکھا ہے کہ اس کیفیت کو اخیر تک باقی رکھے دلیل اصحاب الحال بناتے ہیں کہ حدیث میں باقی رکھنے یا نہ رکھنے کا ذکر نہیں اور جہاں کوئی روایت موقوف بھی نہ ہو تو اصحاب الحال سے استدلال جائز ہے۔ یعنی جب پہلے یہی حالت تھی تو اخیر تک یہی حالت ہوگی۔

پھر حضرت مکتوبی فرماتے ہیں انگلی پوری طرح نہ رکھے بلکہ انگلی تھوڑی اٹھی ہوئی چاہیے اس کی تائید نسائی (9) کی روایت قد احتاہا بھیجا اور ابوداؤد (10) کی حتاہا بھیجا کہ تھوڑی مائل کر لی تھی سے ہوتی ہے۔ ابوداؤد میں یہ بھی ہے لایجاد بصرہ اشارتہ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ اشارے کے وقت آسمان کی طرف نہ دیکھے کہا ہوداب عامۃ الناس کہ اس سے وہم ہوتا ہے مکان باری کا آسمان میں ہونے کا تعالیٰ عن ذالک علواً کبیراً دوسرا مطلب یہ ہے کہ نظر انگلی پر جمائے رکھے کہ انگلی کا دل کے ساتھ ربط ہے تو دیکھنے سے دل کا استحضار ہوتا ہے اور خضوع میں مدد ملتی ہے۔

پھر اشارہ سیدھے ہاتھ سے اس لئے ہوتا ہے کہ یمنین یمن سے ہے بمعنی برکت اور نیک فالی کے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نیک فالی کو پسند فرماتے تھے۔

قبض اصابع میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ نماز کی برکت کو گویا مٹھی میں محفوظ کر دیا جیسے دعا کے بعد ہاتھوں کا چہرے پر ملنا اس میں بھی اس برکت کا حصول ہے جو عند الدعاء بندے کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔

بعد عوبہا ای بشیر بہا بعض روایات میں (11) توحید کا لفظ بھی آتا ہے اور دعا کا لغوی معنی لینا بھی صحیح ہے کہ دعا کا اطلاق چار معنوں پر ہوتا ہے۔ (۱) دعائے رغبتہ (۲) دعائے رہبتہ (۳) دعائے تضرع (۴) دعائے خفیہ۔

دعائے رغبتہ یہ ہے کہ ہاتھ اٹھاتے وقت باطن کفین چہرے کی طرف ہوں۔ دعائے رہبتہ میں باطن کفین زمین کی طرف رہتے ہیں۔ دعائے تضرع میں یہ ہے کہ خضر نصر کو موڑ دے اور حلقہ بنائے ابہام اور وسطی کا اور سبابہ سے اشارہ کرے اور یہ دعا ویدعو بہا سے مراد ہے جبکہ دعائے خفیہ یہ ہے کہ دل میں دعا کریں۔

(9) ص ۱۸۷: ۱ باب احتاہا، سبابہ فی الاشارة، ولفظہ: احتاہا یعنی باب الافعال (10) ص ۱۳۹: ۱ اول لفظہ: قد احتاہا بھیجا

(11) مکافی للہجۃ ص ۱۳۱: ۲ عن ابی صالح ان التی صلی اللہ علیہ وسلم راٰ سیدایہ عوبہا صیغہ فی الصلوٰۃ فقال ادا حد

باب ماجاء فی التسليم فی الصلوٰۃ باب منه ایضاً

زہیر پر ترمذی نے بحث کی ہے کما سیاقی۔

ابن مسعود سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دائیں بائیں دونوں طرف سلام پھیرتے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر اس حدیث کے متعلق ایک مسئلہ گذر چکا حدیث تحریر یہاں التسلیم کے تحت کہ لفظ سلام کی کیا حیثیت ہے عند الخنفیہ واجب ہے جبکہ عند غیر ہم فرض کما مر۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ نماز میں سلام کتنے ہیں ایک یا زیادہ تیسرا سلام کی حیثیت اور چوتھا مسئلہ کہ سلام کی کیفیت کیا ہے۔

تو دوسرے مسئلے میں اختلاف ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دو سلام ہونگے خواہ مصلی امام ہو یا مقتدی ومنفرد یہی ابو بکرؓ علیؓ وابن مسعودؓ اور عمار بن یاسرؓ سے مروی ہے بلکہ جمہور صحابہ و تابعین کا یہی مذہب ہے قال الترمذی وعلیہ اکثر اہل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین ومن بعدہم اس کے برعکس امام مالک کے نزدیک امام کے لئے ایک سلام ہے مقتدی اگر امام کے پیچھے محاذات میں ہے تو تین سلام کہے ایک امام پر (آگے) دوسرا یمن پر تیسرا اہل بیار پر یعنی عند السلام یہ نیت کرے اور اگر وہ مقتدی امام کے یمن یا شمال میں بیٹھا ہے تو دو سلام کرے کیونکہ امام یا یمن یا شمالاً مستقل تیسرے سلام کی ضرورت نہیں۔

جمہور کی دلیل ابن مسعود کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو دو سلاموں پر ختم کرتے تھے قال ابو یحییٰ حدیث ابن مسعود حدیث حسن صحیح۔

استدلال مالک دوسرے باب کی حدیث سے ہے۔

عن عائشة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یسلم فی الصلوٰۃ تسلیمة

واحدة

جواب :- یہ ہے کہ اولاً یہ روایت ضعیف ہے کما نقل الترمذی قول البخاری کہ زہیر بن محمد سے اہل شام کی روایات مناکیر ہوتی ہیں وجہ یہ ہے کہ زہیر شام آ کر اپنے حفظ سے روایات بیان کرتے تھے تو غلطی ہو جاتی

تھی اور مذکورہ روایت بھی شامین کی ہے۔

جواب ۲:- اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو حضرت عائشہ کا مقصد بیان عدد نہیں بلکہ بیان کیفیت ہے کہ سلام اس وقت کہتے کہ چہرہ ابھی سامنے ہی ہوتا پھر یمن کی طرف موڑ لیتے۔

اعتراض:- اس میں واحدہ کی تصریح ہے جو آپ کی توجیہ کی نفی کرتی ہے۔

جواب:- امام احمد نے دیا ہے کہ ہشام کے الفاظ مختلف ہیں تسلیمہ۔ بمعنا بھی آیا ہے جسمیں واحدہ کی قید نہیں۔

اعتراض:- تسلیمہ میں تا واحدہ کے لئے ہے معلوم ہوا کہ سلام ایک تھا۔

جواب:- بمعنا سے معلوم ہوا کہ ایک سلام سناتے تھے دوسرا آہستہ کہتے تھے چونکہ حضرت عائشہ عورتوں کی صف میں ہوتی تھی تو پیچھے تک آواز نہیں پہنچتی تھی۔ اور اگر لفظ تسلیمہ ہو جیسا کہ بعض روایات میں ہے تو اس کا اطلاق واحد و مختصم دونوں پر ہوتا ہے۔

امام مالک کی دلیل ۳:- رواہ ابو داؤد (۱) عن عائشہ فی صلوة اللیل فیہ ثم یسلم تسلیمہ یرفع بها صوته حتی یوقظنا۔ اس میں ایک سلام کا ذکر ہے۔

جواب:- مسلم کی روایت میں دو مسلم تسلیمہ ہے جس کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے کہ اس میں تا وحدت کی نہیں۔

جواب ۲:- تسلیمہ کا مطلب یہ ہے کہ ایک زور سے کہتے یہ مطلب نہیں کہ ایک ہی کہتے تھے۔

دلیل ۳:- نسائی (۲) میں ہے کہ ابن عمر نے دوران سفر نماز پڑھی اور ایک سلام پھیرا وقال قال النبی

صلی اللہ علیہ وسلم اذا حضر احدکم امر بختی فوته فلیصل هذه الصلوة یہ سند اقویٰ بھی ہے۔

باب عاجاء فی التسليم فی الصلوة باب منه ایضاً

(۱) مس: ۱۹۸ ج: ۱ "باب فی صلوة اللیل"

(۲) مس: ۹۹ ج: ۱ "باب الوقت الذی یجمع فیہ المسافرین المغرب والعشاء"

جواب ا:- ممکن ہے کہ حالت عذر پر محمول ہو یا بیان جواز کے لئے ہو البتہ یہ ماننا پڑھے گا کہ سلام ثانی واجب نہیں۔

ابن العربی نے ایک لطیفہ ذکر کیا ہے کہ ایک آدمی عراق سے مدینہ آیا اور دونوں طرف یعنی اتمام صلوٰۃ کے بعد دونوں طرف سلام پھیرا۔ زہری نے اس کو دیکھ کر اعتراض کیا کہ اس طرح تو میں نے کہیں نہیں دیکھا تو پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو آدمی نے کہا کہ کوفہ سے اس پر آدمی نے کہا کہ آپ کو کیا تمام احادیث کا علم ہے؟ زہری نے کہا کہ نہیں تو آدمی نے کہا کہ ٹشین کا؟ کہا نہیں آدمی نے کہا نصف کا؟ کہا نصف یا ثلث کا تقریباً ہوگا تو آدمی نے کہا کہ یہ ان احادیث میں سمجھو کہ جو آپ کو معلوم نہیں تو زہری ہنس پڑے۔ معلوم ہوا کہ اہل مدینہ کا عمل ایک سلام پر تھا اور عند مالک عمل اہل مدینہ بھی حجت ہے۔

جواب :- ابن عمر کا مدینہ میں اثر و رسوخ زیادہ تھا تو ان کے زمانے سے یہ عمل شروع ہوا اور نہ ابو بکر تو تسلیمین پر عمل پیرا تھے۔

تیسرا مسئلہ سلام کی حیثیت میں اختلاف ہے ائمہ ثلاثہ سلام کو فرض کہتے ہیں امام مالک ایک ہی کے قائل ہیں جبکہ شافعی و احمد کے نزدیک ہیں تو دو مگر فرض ایک ہے اور دوسرا سنت ہے۔

نوی نے شرح المہذب میں لکھا ہے کہ عند الشافعی سلام ثانی سنت ہے جبکہ مغنی میں احمد سے سہیت نقل کی ہے۔ حنفیہ کا ایک قول یہ ہے کہ دونوں واجب ہیں دوسرا یہ کہ دوسرا سلام مستنون ہے۔

ابن ہمام کا میلان بھی اسی طرف ہے۔ میرا بھی یہی خیال ہے کہ وجوب پر کوئی دلیل نہیں اور ابن عمر کی صحیح حدیث (3) میں تسلیم واحدہ کا ذکر ہے لہذا وجوب کا قول مشکل ہے۔

چوتھا مسئلہ کیفیت سلام کی یہ ہے کہ پہلے دائیں پھر بائیں سلام کہا جائے گا۔ امام مالک کے نزدیک سلام آگے ہوگا جمہور کی دلیل کان یسلم عن یمنہ عن یسارہ۔

امام مالک کی دلیل دوسرے باب میں ”یسلم تلقاء و جہہ ثم یحیل الی یمینہ شیناً“۔

جواب :- ابن مسعود کی حدیث قوی ہے اور حدیث عائشہ قریب بہ منکر ہے۔

اعتراض :- سلام تو عند الملاقات ہوتا ہے یہاں تو ساتھ ساتھ بیٹھے ہیں تو سلام کا کیا معنی؟

جواب :- اس میں اشارہ ہے کہ نماز شروع کرتے وقت دنیا سے بے خبر ہونا چاہئے کہ تحریر میں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا کی ہر شے گویا حرام ہوئی اور عالم بالا سے تعلق ہو جاتا ہے سلام میں گویا عالم بالا سے عالم مشاہدہ میں اب آئے ہیں تو سلام کرتے ہیں گویا یہ بھی اول الملاقات ہے۔

امام سلام میں تین باتوں کا خیال رکھے مقتدیوں کا فرشتوں کا اور صالحی الجن کا دونوں طرف سلام میں ان کی نیت کرے اگر مقتدی امام کے پیچھے ہے تو امام فرشتوں اور صالحی الجن کی دائیں بائیں دونوں طرف نمازیوں کی نیت کرے اگر مقتدی یمن یا شمال میں ہے تو جس طرف امام ہے فقط اس طرف اس کی نیت کرے۔ شامی میں ہے کہ لوگ سلام کی نیت میں غفلت کرتے ہیں حالانکہ یہ بہت اہم ہے۔

باب ماجاء ان حذف السلام سنة

رجال :-

ہنزل بن زیاد بکسر الہاء وسکون القاف قبل ہو لقب نام محمد یا عبد اللہ ہے۔ امام اوزاعی کے کاتب تھے

ثقفہ ہیں۔ ☆

تشریح :-

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حذف سلام سنت ہے عرف میں حذف یہ ہے کہ کلمے سے حرف کو ساقط کیا جائے۔ لغت میں اس کا اطلاق فک او عام ترک مد اور حذف عرفی پر بھی ہوتا ہے یہاں لغوی مراد ہے ترمذی میں اس کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں ایک قال ابن مبارک لا تمد بالیعنی سلام میں مد نہیں ہوگا۔ دوسرا ابراہیم نخعی کی توجیہ ہے "التسکیر جزم والسلام جزم" یعنی درجۃ اللہ کے ہا پر کسرہ کو ظاہر نہ کیا جائے بلکہ وقف کیا جائے۔

بعض نسخوں میں جزم جاء کے ساتھ ہے جزم کے معنی ہیں جلدی کرنا تو مطلب ہوگا کہ امام کو سلام پھیرتے وقت جلدی کرنی چاہئے تاکہ مقتدی کا سلام امام کے سلام سے پہلے ختم نہ ہو جائے۔

باب مایقول اذا سلم

رجال:-

عبداللہ بن الحارث المصری تابعی ابو زرعہ و نسائی نے توثیق کی ہے۔ ☆

تشریح:-

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سلام کے بعد بقدر اللہم انت السلام الخ کے بیٹھتے تھے نماز سے فراغت کے بعد جہاں جانا چاہے جائز ہے لقولہ تعالیٰ (1) ”واذا قضیت الصلوٰۃ فانثربوا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ“ یہاں امر آیا ہے جس کا ادنیٰ مرتبہ اباحت ہے اگر صلوٰۃ کے بعد سنن ہیں تو فصل کرے گا یوداؤد (2) میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو اتصال نوافل سے روکتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے فرمایا کہ تم سے پہلے اہل کتاب اس لئے ہلاک ہوئے کہ ان کی نماز میں فصل نہیں ہوتا تھا۔ فرغ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بصرہ فقال اصاب اللہ بک ہا این عذاب۔“

حاشیہ مشکوٰۃ پر بحوالہ لغات اس کا طریقہ کچھ یوں بیان کیا ہے۔

”المراد بالفصل امان ینتقدم او یتاخر من مکان صلوٰۃ او یتکلم او یمرح او یرکب

الذکر بعد السلام۔“

باب کی روایت میں ہے کہ اللہم انت السلام الخ دعا پڑھا کرتے تھے بعض روایات میں اس سے زیادہ الفاظ کا ثبوت بھی ہے۔

اعترض:- لا یقع الامقدار الخ میں لا اور لا ادوات حصر میں سے ہیں مطلب یہ ہوگا کہ فقط اللہم

انت السلام الخ کے بقدر ہی بیٹھے تھے زیادہ دیر تک نہیں حالانکہ دیگر روایات میں زیادہ پڑھنا بھی ثابت ہے۔

باب مایقول اذا سلم

(1) سورۃ الحجۃ (2) ص: ۵۱، ج: ۱، باب فی الرجل یطوع فی مکانہ الذی یصلی فیہ المکتوبۃ

جواب :- شاہ ولی اللہ نے تطبیق یوں دی ہے کہ رخ بہ قبلہ مختصر ذکر فرماتے اور جب منہ موڑ لیتے تو اذکار طویلہ فرماتے۔

مخدوم ہاشمی نے تطبیق یوں دی ہے کہ فرائض کے بعد اذکار طویلہ نہیں فرماتے بلکہ مختصر اذکار فرماتے اور سنن کے بعد اذکار طویلہ فرماتے۔

یا جواب یہ ہے کہ مقدار سے مراد تقریباً ہے چاہے اللہم انت السلام ہو یا کوئی اور ذکر جو تقریباً اتنا ہو۔
اعتراف :- جب فرائض کے بعد مختصر ذکر فرماتے تو صحابہ کرام کو طویل ذکر کا علم کیسے ہوا؟ جبکہ سنن کو حجرے میں اداء کرنے کا معمول تھا۔

جواب :- ممکن ہے کہ جاتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہے ہوں یا بواسطہ ازواج مطہرات صحابہ کو معلوم ہوئے ہوں یا اذکار طویلہ کرتے جس نماز کے بعد سنن نہیں۔ مسلم میں ہے کہ صبح کی نماز کے بعد طلوع شمس تک بیٹھے رہتے۔ کبیری میں ہے نماز سے فراغت کے بعد بیٹھنے اور جانے کا اختیار ہے۔ ان نمازوں کے بعد جن کے بعد سنن نہیں بیٹھنے کی صورت میں امام لوگوں کی طرف متوجہ ہو بشرطیکہ محاذات میں کوئی مصلیٰ نماز نہ پڑھ رہا ہو چاہے اگلی صف میں ہو یا اخیر میں اگر محاذات میں کوئی ہے تو یمن یا شمالاً تھوڑا پھر جانا چاہئے کیونکہ اقبال مصلیٰ مکروہ ہے۔ عند البعض اگر دس مقتدی ہوں تو امام ان کی طرف مقبل ہو جائے کہ ان کی عظمت اب کعبہ سے بڑھ گئی تو بجائے کعبہ کے ان کی طرف مڑے اور اگر دس سے کم ہیں تو کعبہ کی طرف ہی متوجہ رہے۔ کبیری نے اس پر رد کیا ہے کہ ایک مسلمان کی عظمت بھی کعبے سے بڑھ کر ہے۔ بقیہ نمازوں میں مقدار اللہم انت السلام الخ سے زیادہ بیٹھنا مکروہ ہے۔

نفس اذکار کے بارے میں تو روایات کثیرہ موجود ہیں لیکن فرائض کے بعد دعا کی کیا حیثیت ہے تو اس کی دو حیثیتیں ہیں ایک انفرادی ایک اجتماعی۔ دونوں میں فرق ہے انفرادی دعا تو احادیث سے ثابت ہے جیسے کہ مصنف ابن ابی شیبہ (3) میں عبد اللہ بن زبیر کی روایت ہے کہ ابن زبیر کے پاس کسی نے نماز پڑھی اور سلام سے پہلے نماز میں ہاتھ اٹھائے تو ابن زبیر نے فرمایا۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یرفع یدہ حتی ینزع من صلوٰتہ
اس کو نور الدین بیہقی نے مجمع الزوائد (4) میں ذکر کیا ہے وقال رجالہ ثقات۔ ابن ابی حاتم نے ابو ہریرہؓ
سے نقل کیا ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدہ بعد ما سلم وهو مستقبل القبلة
فقال اللهم خلص الولید بن الولید
اس میں باقی ثقات ہیں فقط علی بن زید ہے کہ بعض نے اس پر کلام کیا ہے لیکن مسلم نے اس کی روایت
دوسری حدیث کے ساتھ ذکر کی ہے لہذا قابل استدلال ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ (5) میں اسود عامری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔
صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر فلما سلم انحرف ورفع یدہ ودعا
عمل الیوم والیلۃ لابن السنی (6) میں ہے۔
عن انس مرفوعاً ما من عبد یسط کفہ دبر کل صلوٰۃ بقول اللهم الہی والہ
ابراہیم واسحق و یعقوب الا کان حقاً علی اللہ ان لا یرد یدہ محاببتین
یہ اگرچہ ضعیف ہے مگر اس مضمون کی دیگر احادیث ثابت ہیں اور معاملہ بھی فضائل کا ہے تو روایت قابل
استدلال ہے۔

وکذا فی معجم کبیر اوسط للطبرانی (7) عن ابن عباسؓ وابن عمرؓ۔
صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر ثم اقبل علی القوم فقال اللهم بارک
لنا فی مدینتنا وبارک لنا فی مدنا وصاعنا
معلوم ہوا کہ فرائض کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے بلکہ نووی نے شرح مہذب میں اور ہمارے
بعض فقہاء نے جیسا کہ نور الایضاح میں ہے مستحب قرار دیا ہے چاہے امام ہو مقتدی ہو یا منفرد۔

(4) حوالہ بالا (5) حوالہ بالا (6) ص ۱۲۱، نووع آخر ص ۱۳۸، لفظ بسط کفہ الخ یعنی ماضی ہے۔

(7) بحوالہ معارف السنن ص ۱۲۳ ج ۳۔

اجتماعی دعا بعد المکتوبہ ثابت نہیں خاص کر جب نہ کرنے والوں پر طعن کیا جائے۔ البتہ نوافل میں اجتماعی دعا ثابت ہے۔ مسلم (8) میں ہے کہ ام سلیم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اور دعا مانگی۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ عموماً جواز کا روادعیہ کا ذکر احادیث میں آیا ہے عملی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا یہ بہت کم ثابت ہے معلوم ہوا کہ زیادہ تر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بغیر رفع یدین کے دعا پر تھا یا ذکر و اذکار پر تھا۔

امام غزالی نے احیاء العلوم میں اور شہاب الدین الالبیسی نے "المستطرف فی کل فن مستطرف" میں لکھا ہے کہ قرآن میں زیادہ سے زیادہ دعا جو سورہ بقرہ کے اخیر میں ہے سات جملوں پر مشتمل ہے صحابہ کا عمل بھی اسی پر تھا لہذا آج کل کی مروجہ دعا میں اور اس میں تکلف و تصنع سے پرہیز ضروری ہے۔

اس باب کی دوسری روایت میں ہے "ولا ینفع ذالحد منک الحد" حد کا اطلاق غنی ابوالاب اور سنی (بکسر الجیم کی صورت میں) پر ہوتا ہے یہاں تینوں معانی صحیح ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کسی کا غنی یا وادایا سنی بندے کو اللہ سے نہیں چھڑا سکتا صرف ایمان و طاعت آدمی کو اللہ کے غضب سے بچا سکتا ہے۔ اس معنی پر لا ینفع فعل ہے اور الحد مرفوع اس کا فاعل ہوگا اور ذالحد مفعول ہوگا۔ من جار مجرور ینفع سے متعلق ہے۔ دوسری ترکیب یہ ہے کہ لا ینفع معطوف ہے لا معطوف پر اور ذالحد سے آگے نیا جملہ ہے معنی یہ ہے کہ لا ینفع عطاءہ اور ذالحد منادی ہے حرف نداء محذوف ہے اصل میں یا ذالحد ہے۔

(8) صحیح مسلم ص: ۹۱ ج: ۲، ویس فی ذکر الصلوٰۃ ایضاً مسلم ص: ۲۳۳ ج: ۱ "باب جواز الجماعۃ فی الصلوٰۃ النافلۃ والصلوٰۃ علی الخیر

الخ" و فی ذکر الصلوٰۃ

باب ماجاء فی الانصراف عن یمینہ وعن یسارہ

بصرف عن یمینہ وعن یسارہ کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ اگر امام مقتدیوں پر متوجہ ہونا چاہے تو کس طرف سے متوجہ ہو ورنہ یہ کہ امام اگر مصلیٰ سے اٹھ کر جانا چاہے تو کس طرف اٹھے۔

امام بخاری (1) نے دونوں کے لئے باب الانقٹال والانصراف عن الیمین والشمال کے عنوان سے قائم کیا ہے انقٹال کے معنی مقتدیوں پر متوجہ ہونا اور انصراف کا معنی ہے اٹھ کر جانا۔

قال الترمذی والعمل عند اهل العلم انه ينصرف على اى جانبه شاء ان شاء عن یمینہ وان شاء عن یسارہ وصح الامران عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول توجہ الی المقتدیین کا یہ تھا کہ جانب الیمین پر متوجہ ہوتے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ یسار کی طرف اٹھ کر جانے کی وجہ یہ ہے کہ حجرہ یسار کی طرف تھا۔

روی عن ابن مسعود (2) لا یجعل احدکم للشیطان شیئا من صلواتہ یری ان حقا علیہ ان لا ینصرف الا عن یمینہ اخرجه جماعة الا الترمذی۔

یعنی یہ لازم نہیں کرنا چاہیے کہ صرف جانب الیمین کی طرف ہی مڑو گا کہ جانب یسار کی طرف مڑنا بھی رخصت ہے۔

باب ماجاء فی الانصراف عن یمینہ وعن یسارہ

(1) صحیح بخاری ص: ۱۱۸ ج: ۱

(2) رواہ ابو داؤد و بیضاوی ص: ۱۵۶ ج: ۱ "باب کیف الانصراف عن الصلوٰۃ"

باب ماجاء فی وصف الصلوٰۃ

رجال:-

اسماعیل بن جعفر ثقہ ہیں وفات ۱۸۰ھ کو ہوئی۔ یحییٰ بن علی مقبول من السادۃ۔
عن جدہ نسائی کی روایت میں عن ابیہ عن جدہ ہے۔ ابوہ علی بن یحییٰ بن خلاد ثقہ ہیں اور جدہ یحییٰ بن خلاد
بن رافع کو ابن حبان نے ثقات الثابین میں شمار کیا ہے۔
رفاعہ ابن رافع انصاری بدری جلیل القدر صحابی ہیں۔ ☆

تشریح:-

ترمذی کا معمول ہے کہ جب چند مسائل تفصیلاً ذکر کرتا ہے تو اخیر میں بحث کو سمیٹنے کے لئے ایسی حدیث
ذکر کرتے ہیں جس میں اس بحث کے تمام یا اکثر مسائل کی طرف اشارہ ہوتا ہے یہاں بھی تین احادیث ذکر کی
ہیں جن سے ابواب الصلوٰۃ کے تمام مسائل نماز کی طرف اشارہ ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث مسی فی الصلوٰۃ سے مشہور
ہے۔

یینماہو جالس فی المسجد متدرک حاکم (۱) میں ہے کہ جب نماز سے فارغ ہو چکے تھے۔
فی المسجد سے مراد ناحیۃ المسجد ہے کما فی صحیح البخاری والمسلم (۲)۔
اذحاءہ رجل کالبیوی مصنف ابن ابی شیبہ (۳) میں اس کا نام خلاد بن رافع ہے یہ رفاعہ بن رافع
کے بھائی تھے بدوی نہیں لیکن بدویوں کی طرح جلدی جلدی نماز پڑھی تھی۔

باب ماجاء فی وصف الصلوٰۃ

- (۱) متدرک حاکم ص: ۲۳۳ ج: ۱ "الامر بالاطمینان واعتدال الارکان فی الصلوٰۃ"
- (۲) بخاری ص: ۱۰۹ ج: ۱ "باب امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الذی لا یم رکوعہ بالاعادۃ" مسلم ص: ۷۰ ج: ۱ "باب وجوب
قراءۃ الفاتحۃ الخ" (۳) ص: ۲۸۷ ج: ۲ "فی الرجل یقف صلوٰۃ وما ذکر فیہ کیف یصنع"

فصلی نسائی (4) میں ہے کہ دو رکعت نماز پڑھی غالباً تحیۃ المسجد تھی۔ فاحف صلوٰۃ یہاں تخفیف فی القراءة مراد نہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جیسے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب نماز کے دوران بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اس کے رونے پر اس کی ماں کی پریشانی کی وجہ سے نماز میں تخفیف کرتا ہوں لہذا مراد یہاں تخفیف فی تعدیل ارکان ہے۔

اعتراض :- جب اس آدمی نے مکروہ پر عمل کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ صحیح کیوں نہیں فرمائی دوبارہ اس طرح نماز پڑھائی تو تقریر علی الکرہیہ ہے۔

جواب ۱:- نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ نہیں کہ اسی طرح پڑھو بلکہ مقصد یہ تھا کہ صحیح پڑھو۔

جواب ۲:- خلا کو پہلی فرصت میں غلطی کا احساس ہونا چاہیے تھا مگر نہیں ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احساس دلانے کے لئے بار بار لوٹایا اور اس کی اہمیت بتانے کے لئے ذرا مشقت میں ڈالا کہ بعد المسمیۃ حاصل ہونے والی چیز وقوع فی النفس ہوتی ہے۔

جواب ۳:- ابن جوزی نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد تقریر علی الکرہیہ نہ تھا بلکہ یہ جانتا تھا کہ یہ اس کی عادت ہے یا عارضی جب بار بار بغیر کسی تبدیلی کے نماز اسی طرح پڑھی تو معلوم ہوا کہ یہ اس کی عادت ہے تو یہ لوگ تحقیق کے لئے تھا۔

فانک لم تصل میں اشارہ اس بات کی طرف کہ تعدیل ارکان نہ کرنے سے نماز پر اثر پڑتا ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نماز ہی ختم ہو جاتی ہے حنفیہ کے نزدیک نماز ناقص ہوگی جیسا کہ اس حدیث کے آخر میں ہے۔

شیخ الہند فرماتے ہیں کہ ائمہ ثلاثہ نے وہی مطلب لیا جو صحابہ نے اولاً حدیث سے سمجھا اور حنفیہ نے وہ مطلب لیا اور وہی سمجھا جو صحابہ نے بعد میں سمجھا جو کہ انتقص منہ شیئاً سے واضح ہے۔

ثم تشہد فاقم ایضاً کے معنی میں شرح کا اختلاف ہے ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ وضو کے بعد تشہد

(4) دیکھئے سنن نسائی ص ۱۶۱ ج ۱ "باب الرخصة فی ترک الذکر فی الركوع" ص ۷۰ ج ۱ "باب الرخصة فی ترک الذکر فی الركوع" لیکن ان دونوں جگہوں پر دو رکعت والی روایت نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

(اشہد ان الخ) کہو فاقم ای اقم الصلوٰۃ یہ توجیہ ابوداؤد (5) کی روایت میں چل سکتی ہے کہ اس میں ایضاً نہیں لیکن ترمذی میں ایضاً ہے لہذا یہ توجیہ مناسب نہیں۔

اکثر کی رائے یہ ہے کہ تشہد سے مراد اذان ہے تسمیۃ الکل باسم الجز اور اقم سے مراد اقامت ہے۔
اعتراض:- خلا و منفرد ہے اور منفرد کے لئے اذان اور اقامت نہیں یا زیادہ سے زیادہ مستحب ہے اور تشہد و اقم دونوں صیغے امر کے ہیں تو مقتضی وجوب ہیں۔

جواب:- یہ حکم بحیثیت منفرد نہیں دیا بلکہ بحیثیت ایک فرد من الجماعہ دیا ہے۔

فان کان معک قرآن فاقرأ مسند احمد (6) میں سورۃ فاتحہ کا بھی ذکر ہے۔

والا فاسمہ اللہ اس سے فقہاء نے مسئلہ مستحب کیا ہے کہ نو مسلم ہو اور اسکو قرآن پڑھنے کا موقع نہ ملا ہو یا نہ ہو یا بھی پالغ ہو جائے اور اس کو اتنی مقدار یاد نہ ہو جس سے نماز صحیح ہو تو اس کو اتنی قرأت کا یاد ہونا ضروری ہے جس سے نماز صحیح ہو اس وقت تک تسبیح تحمید وغیرہ اذکار سے نماز پڑھنا اس کے لئے جائز ہے اگر تعلیم میں تاخیر کرتا ہے تو گناہ گار ہوگا۔ اگر اخص ہے تو وہ تحریک الشغلیں کرے گا یہ قائم مقام قراءت کے ہوگا۔
واذا انتقصت یعنی تعدیل ارکان نہ کرنے کی وجہ سے نماز میں نقصان ہوگا۔

وکان ذالک اھون علیہم کہ پہلے یہ سمجھے تھے کہ پوری نماز جائے گی اب معلوم ہوا کہ پوری نہیں بلکہ ناقص رہے گی۔

دوسری روایت ابو ہریرہ کی ہے وفیہ وافعل ذالک فی صلوٰۃ تک کلہا اس سے شافعی نے یہ حکم مستحب کیا ہے کہ قراءت چاروں رکعتوں میں فرض ہے حسن بصری و زفر کا مذہب یہ ہے کہ ایک رکعت میں قراءت فرض ہے امام مالک کے نزدیک تین رکعت میں فرض ہے۔ حنفیہ کے نزدیک دو رکعت میں فرض ہے۔ امام احمد کے نزدیک ایک قول حنفیہ کی طرح یعنی دو رکعتوں میں قراءت کی فرضیت کا ایک شافعیہ کی طرح یعنی چاروں رکعتوں میں قراءت کی فرضیت کا ہے۔

(5) ص: ۱۳۱ ج: ۱ 'باب صلوٰۃ من لا یتیم صلیہ فی الزکوع والجمو ذ'

(6) ص: ۱۹ ج: ۷ رقم حدیث: ۱۹۰۱۷

امام شافعی کی دلیل باب کی حدیث ہے وافعل ذالک فی صلوٰتک کلہا۔

جواب :- ذالک سے مراد قراءت نہیں بلکہ تعدیل ارکان ہے اگر مطلق لیا جائے وافعل الخ کو تو بہت ساری چیزیں اس میں ہیں تو ان سب کو فرض ہونا چاہئے حالانکہ اس کے آپ بھی قائل نہیں۔
امام زفر و حسن بصری کا استدلال یہ ہے کہ قراءت کے صیغہ امر سے وجوب ثابت ہے مگر امر مقصی تکرار نہیں ہوتا لہذا صرف ایک رکعت میں قراءت فرض ہے۔

جواب :- قراءت نماز میں فرض ہے اور ایک رکعت نماز میں لہذا کم از کم دو رکعت میں قراءت فرض ہونی چاہئے کہ اس پر نماز کا اطلاق ہوتا ہے۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ قاعدہ یہ ہے کہ لاکثر حکم الکل لہذا تین رکعتوں میں قراءت فرض ہے۔
حنفیہ مصنف ابن ابی شیبہ (7) میں حضرت علی واہن مسعود کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں اقراء فی الاولین وکف فی الاخرین قال محمد قال علقمہ کہ عبد اللہ بن مسعود پہلی دو رکعتوں میں قراءت کرتے تھے نہ کہ اخیرین میں۔ شیخ ابن ہمام نے اعتراض کیا ہے کہ یہ روایت منقطع ہے شیخ کا خود میلان چار رکعتوں میں قراءت کی فرضیت کی طرف ہے۔

محمد بن عطاء ابو حید الساعدی سے روایت کرتے ہیں نقل کرتے وقت دس صحابہ موجود تھے طحاوی (8) میں ہے کہ سارے صحابہ نہیں تھے۔ ابن العربی نے لکھا ہے کہ مخصوص مسئلے میں اعلم ہونے کا دعویٰ صحیح ہے مطلقاً اعلیت کا دعویٰ صحیح نہیں۔

فتح ای لین یعنی قبلے طرف متوجہ کرتے تھے۔ مسجدین ای الرکعتین۔ کسر و رفع بدیہ قیام الی الثالثہ کے وقت رفع یدین شوافع کا مذہب نہیں تو یہ ان کو مفید نہیں۔

(7) مس ۳۷۲ ج ۱: "من کان یقول یشیخ فی الاخرین ولا یقرأ"

(8) شرح معانی ۱۱۶۳ ج ۱: "باب التکبیر للکوع والتکبیر للسجود والرفع من الکرع علی مع الخ"

باب ماجاء فی القراءة فی الصبح

رجال:-

مسعر بکسر الميم وسكون السين وفتح العين ثقفہ ہیں قال ابن القطان ما رایت مثله کان من اثبت الناس - سفیان سے مراد ثوری ہیں - زیاد بن علاقہ بکسر العين ثقفہ ہیں -

عن عمه قطبه بن مالك بضم القاف وسكون الطاء صحابی سكن الكوفة رضى الله

عنه - ☆

تشریح:-

یہاں سے چند ابواب کا سلسلہ ہے ان ابواب سے غرض یہ ہے کہ قراءت مسنونہ کی مقدار نماز میں کتنی ہے یہ بتانا ہے۔ اس پر اتفاق ہے کہ نفس قراءت فی الصلوٰۃ فرض ہے پھر سورت فاتحہ حنفیہ کے نزدیک واجب ہے دیگر کے نزدیک فرض ہے ضم سورت تین آیات قصار یا پھر ایک آیت طویلہ مع الفاتحہ حنفیہ کے نزدیک واجب ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سنت ہے پھر تیسری و چوتھی رکعت میں ضم سورت عند الشافعی سنت ہے دیگر ائمہ کے نزدیک سنت نہیں۔ تیسری و چوتھی رکعت میں اگر ضم سورت کیا تو اس بارے میں حنفیہ کے تین اقوال ہیں۔ (۱) مکروہ ہے مجتہد سہویوگا۔ (۲) مکروہ بلا مجتہد سہو۔ (۳) مباح

مقدار مستحب قراءت ائمہ اربعہ کے نزدیک متفق علیہ ہے حتیٰ کہ اس بارے میں باہم الفاظ بھی متفق ہیں حنفیہ کے نزدیک بعض نے سور کا اعتبار کیا ہے بعض نے تعداد آیات کا وجہ یہ ہے کہ روایات میں دونوں طرح کے الفاظ ہیں مثلاً اس باب میں ترمذی نے دونوں قسم کی روایات ذکر کی ہیں۔ کہ فجر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی والنخل باسقات پڑھ لیتے کبھی الواقعہ۔ حضرت عمر (۱) کا خط جو انہوں نے ابوموسیٰ

باب ماجاء فی القراءة فی الصبح

(۱) رواہ عبد الرزاق فی مصنفہ ج ۱۰ ص ۱۰۳ "باب اقرأ فی الصلوٰۃ" ایضاً ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۵۸ "ابقرأ فی المغرب"

اشعری کی طرف بھیجا تھا اس میں ہے ان اقرأ فی الصبح بالطوال المفصل۔ طوال مفصل عند البعض من سورة محمد الی سورة بروج وقیل من سورة الفتح الی البروج والمشہور انہ من سورة الحجرات الی البروج خط کے باقی حصے میں یہ ہے کہ عصر وعشاء میں اوساط مفصل پڑھو جو سورة بروج سے لم یکن تک ہے واقرأ فی المغرب بالقصار المفصل ہو من لم یکن الی آخر القرآن اس خط کے مطابق ظہر کی نماز میں بھی اوساط مفصل کا حکم ہے۔

دوسری روایت (2) میں ہے انہ یقرأ فی الفجر ستین آية الی مائة یعنی دونوں رکعتوں میں۔ دوسرے باب میں ہے انہ کان یقرأ فی الاولى من الظهر قدر ثلثین آية والثانية قدر خمسة عشرة آية۔

تو اس اختلاف روایات کی وجہ سے بعض نے سورا اور بعض نے عدد آیات کا اعتبار کیا ہے مقدار مستحب قراءت میں عمل زیادہ تر حضرت عمر کے خط کے مطابق ہے۔

شیخین کے نزدیک صبح کی نماز میں پہلی رکعت میں قراءت لمبی ہوگی تاکہ لوگ زیادہ آئیں کہ غفلت کا وقت ہے اور قراءت مطلوب بھی ہے فی نفسہ۔ باقی نمازوں میں رکعات برابر ہوں گی جہاں یہ ہے کہ پہلی رکعت لمبی ہوتی تھی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلی رکعت میں ثناء وتعوذ وغیرہ ہوتی ہیں اس وجہ سے لمبی محسوس ہوتی ہے۔

امام شافعی کی مشہور روایت یہ ہے کہ پہلی رکعت ہر نماز میں لمبی ہوگی مطلقاً دوسری روایت تسویہ کی ہے۔ امام مالک کے نزدیک دوسری رکعت پہلی کی بہ نسبت اقصر ہوگی لیکن زمانہ نہ کہ باعتبار قراءت کے۔ پھر تین سے کم آیات سے قصر و طول پر اثر نہیں پڑے گا کہ قاری اندازہ لگاتا ہے اور قلیل میں غلطی ہو جاتی ہے۔

باب ماجاء فی القراءة فی الظهر والعصر

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کم قراءت کرتے کبھی زیادہ کرتے اگر محسوس فرماتے کہ لوگوں کو شوق ہے تو قرات زیادہ کرتے ورنہ کم کرتے۔ کبھی ارادہ طول کا ہوتا مگر دورانِ صلوٰۃ عارض آتا تو اختصار فرماتے جیسے بچے کا رونا کبھی سفر میں معوذتین پڑھتے کبھی مغرب میں طور و مرسلات پڑھتے اس لئے یہ مسئلہ اس سے اخذ ہوا کہ امام کو بعد تمام القراءۃ الضروریہ یہ خیال رکھنا چاہئے کہ لوگوں پر بوجھ نہ ہو۔

باب فی القراءة فی المغرب

رجال:-

ام الفضل کا نام ابابہ بنت الحارث الہلالیہ ہے حضرت خدیجہؓ کے بعد سب سے پہلے عورتوں میں انہوں نے اسلام قبول کیا۔ ☆

تشریح:-

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مغرب میں بھی قراءت طویلہ ثابت ہے جیسے کہ طور و مرسلات اس روایت میں ہے اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت سننے پر بہت حریص تھے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کو تعلیم دینا مقصد تھا آج یہ دونوں عظیمیں مفقود ہیں تو قصار مفصل ہی پڑھی جائیں گی۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ امام مالک کے نزدیک طور و مرسلات کی قراءت فی المغرب مکروہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ معمول بنانا مکروہ ہے۔ امام شافعی کے اس قول کی اس روایت سے تردید ہوگئی جس میں وہ فرماتے ہیں کہ مغرب کا وقت نہایت مختصر ہے کیونکہ ظاہر ہے طور و مرسلات پر تو کافی وقت لگتا ہے۔

اشکال:- ام فضل کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری نماز مغرب کی پڑھائی حضرت عائشہ کی روایت جو بخاری (۱) میں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری نماز ظہر کی تھی اور دونوں صحیح ہیں تو تعارض ہے۔

جواب:- یعنی نے دیا ہے کہ حضرت عائشہ کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مسجد میں آخری ظہر کی نماز پڑھائی ام فضل کی روایت گھر میں آخری نماز پر محمول ہے کہ آخری نماز مغرب کی گھر میں پڑھائی۔ اور اس روایت میں خرج الیہنا کا مطلب یہ نہیں کہ مسجد کی طرف نکلے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اندر سے باہر حجرے کی طرف تشریف لے آئے۔

نبی کی تحقیق یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وقات میں ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی امام بن کر یہ ہفتہ یا اتوار کا دن تھا پیر کو صبح نکلے مگر نماز ابو بکرؓ نے پڑھائی تو بحیثیت امام نہیں تھے۔

ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں اس پر اعتراض کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وصال سے تین دن پہلے آنے سے قاصر ہوئے تھے تو ہفتہ اتوار اور پیر کے دن نماز میں کیسے آئے؟ اس تحقیق کی روشنی میں گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی آخری نماز بروز جمعرات پڑھائی تھی۔ واللہ اعلم

باب ماجاء فی القراءة خلف الامام

سند پر بحث آگے آئے گی۔ امام ترمذی نے قراءت خلف الامام کے لئے دو باب قائم کئے ہیں پہلا قراءت خلف الامام کے عنوان سے اور اس میں عبادۃ بن صامت کی حدیث ذکر کر کے اس پر حسن کا حکم لگایا دوسرا باب ترک قراءت خلف الامام اذا جبر بالقراءة کے عنوان سے قائم کر کے اس میں جابر بن عبد اللہ کی حدیث ذکر کی اور اس کو حسن صحیح قرار دیا۔

قراءت خلف الامام کے بارے میں ائمہ مذاہب کا اختلاف ہے امام شافعی کے نزدیک مقتدی خلف الامام قراءت کرے گا خواہ امام جبر کرے یا اختفاء یہ امام شافعی کا قول جدید ہے جو وفات سے دو سال پہلے مصر میں اختیار کیا تھا۔ شاہ صاحب نے فیض الباری میں تصریح کی ہے کہ اس سے پہلے امام شافعی سری نمازوں میں تو فاتحہ کے وجوب کے قائل تھے مگر جبری میں نہیں۔

اس کے برعکس حنفیہ کے نزدیک جبری نمازوں میں قراءت خلف الامام ناجائز ہے سری میں حنفیہ کے پانچ اقوال ہیں۔ (۱) واجب ہے۔ (۲) مستحب ہے۔ (۳) مباح ہے۔ (۴) مکروہ تنزیہی۔ (۵) مکروہ تحریمی۔ اکثر متاخرین حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے بعض حنفیہ سری میں گنجائش قراءت کے قائل ہیں۔ امام احمد و مالک کے نزدیک جبری نماز میں قراءت خلف الامام واجب نہیں بلکہ مستحب ہے یا مباح ہے یا مکروہ ہے۔ سری نمازوں میں ان کے تین اقوال ہیں۔ (۱) واجب ہے۔ (۲) مستحب ہے۔ (۳) جائز ہے۔

شافعیہ کا استدلال پہلے باب کی روایت سے ہے۔

عن عبادۃ بن الصامت قال صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصبح فنقلت

علیہ القراءة فلما انصرف قال انی اراکم تقرأون وراء امامکم قال فلنا یارسول

اللہ ای واللہ قال لاتفعلوا الا بام القرآن فانه لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بها

شوافع کا یہی سب سے زیادہ قابل اعتماد استدلال ہے۔

جواب:- یہ روایت ناقابل استدلال ہے جبکہ ترک قراءت والی روایت اقویٰ ہے وجہ یہ ہے کہ یہ

روایت معلول ہے امام احمد ابن عبد البر امام ذہبی شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے تصریح کی ہے کہ یہ روایت معلول ہے اور اس کی کئی وجوہات ہیں جس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ روایت تین طرق سے مروی ہے۔

(۱) بخاری (۱) کا طریق وفقہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب یہ بجائے مکحول کے زہری سے مروی ہے ترمذی نے بھی تعلیقاً نقل کیا ہے۔

(۲) طریق مصنف ابن ابی شیبہ (۲) اور طحاوی نے احکام القرآن (۳) اور ابن تیمیہ نے نقل کیا ہے وفقہ قال تلک عبادۃ بن صامت محمود بن الربیع کہ میں عبادہ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا انہوں نے قراءت فاتحہ کی فقلت له یا ابا الولید الم اسمعک تقرأ بفاتحة الكتاب قال اجل انه لا صلوة الا بها۔ قال ابن تیمیہ فی فتاویٰ کہ یہ واقعہ خلف الامام کا تھا۔

طریق نمبر ۳ ترمذی میں ہے۔

ان طریق میں سے اول اور ثانی بلا شک صحیح ہیں مگر اول سے شافعیہ کا استدلال درست نہیں کہ اس میں خلف الامام کا کوئی تذکرہ نہیں۔

قال احمد فهذا الرجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم تاول قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب ان هذا اذا کان وحده یہ برائے مقتدی نہیں۔ (ترمذی) آج کل کے غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ اس میں لفظ ”من“ لا صلوة لمن عام ہے جو مقتدی و منفرد سب کو شامل ہے تو یہ علم سے نادانیت کی دلیل ہے کیونکہ عموم سے استدلال وہاں درست ہوتا ہے جہاں خصص نہ ہو یہاں تو کئی روایات ہیں مثلاً جابرؓ کی حدیث آتی ہے طریق ثانی بھی صحیح ہے مگر جواب یہ ہے کہ اس میں عبادہ بن صامت کا عمل بتایا گیا ہے جب شاگرد نے پوچھا کہ آپ قراءت خلف الامام کرتے ہیں تو یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لا صلوة الا بفاتحة الكتاب کہا تو عبادہ نے اسکو

باب ما جالی القراءۃ خلف الامام

(۱) مس ۱۰۴ ج ۱: باب وجوب القراءۃ خلف الامام والما مومنی بالصلوات کلہا فی الخضر والسفر الخ ”ایضاً صحیح مسلم ص ۱۶۹ ج ۱:

(۲) مس ۵۷۵ ج ۱: ”من رخص فی القراءۃ خلف الامام“

(۳) بحوالہ معارف السنن ص ۲۰۰ ج ۳:

مطلق سمجھا منفرد و مقتدی دونوں کے لئے۔ تو یہ نہ مرفوع ہے نہ قابل استدلال ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ محمود بن ربیع نے اس کی قراءت پر تعجب کیا جو دلیل ہے اس بات پر کہ دیگر لوگوں کا معمول اس وقت بھی قراءت خلف الامام کا نہیں تھا۔ خود محمود بن ربیع نے بھی قراءت نہیں کی ورنہ تعجب نہ کرتے اور عبادہ نے بھی ان سے یہ نہیں کہا کہ نماز لوٹاؤ نماز نہیں ہوگی بہر حال یہ ان کی اپنی رائے ہے جو مرفوع احادیث کے مقابلے میں حجت نہیں۔

طریق نمبر ۳ صریح ہے علی موقف الشافعیہ مگر صحیح نہیں کیونکہ اس پر چند مضبوط اعتراضات کئے گئے

ہیں۔

ایک اعتراض اس پر یہ ہے کہ محمود بن ربیع کے شاگردوں میں سوائے مکحول کوئی اور اس کو نقل نہیں کرتے پھر مکحول کے شاگردوں میں محمد بن اسحق ہی نقل کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ غلط فہمی کی بناء پر حدیث اس طرح بن گئی ہے۔ غلط فہمی اس طرح ہوئی ہے کہ زہری کی مرفوع اور موقوف یا یوں کہیں کہ پہلی اور دوسری حدیث کو غلط ملط کر کے یہ بنائی گئی ہے اور یہ ذمہ داری مکحول پر عائد ہوتی ہے کہ یہ منفرد ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ علماء جرح و تعدیل نے تصریح کی ہے کہ ان سے وہم ہوتا تھا جس کی وجہ سے غلط ملط کرتا تھا فصلہ ابن تیمیہ فی فتاویٰ پھر تقلید مکحول بھی اتنے با اعتماد نہیں کہ مرفوع روایت کے مقابلے میں اس کی بات کی طرف توجہ کی جائے یہی وجہ ہے کہ ترمذی نے زہری کی حدیث کا حوالہ دیا اور اس میں خلف الامام کا ذکر نہیں و قال ہذا صحیح۔

اعتراض ۲:۔ اس روایت کے متن و سند میں شدید اضطراب ہے آٹھ اسناد سے مروی ہے اور ہر سند

ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

(۱) دارقطنی (۴) میں مکحول عن عبادہ بن صامت آیا ہے اس میں محمود بن ربیع کا واسطہ نہیں۔

(۲) ترمذی مکحول عن محمود بن ربیع عن عبادہ بن صامت۔

(۳) ابوداؤد (۵) میں مکحول عن نافع بن محمود عن عبادہ بن صامت۔

(۴) الاصابہ (۶) میں مکحول عن نافع بن محمود عن محمود بن ربیع عن عبادہ۔

(۴) ص: ۳۱۷ ج: ۱ رقم الحدیث: ۱۲۰۶ (۵) ص: ۱۲۶ ج: ۱ "باب من ترک القراءة فی صلوٰۃ"

(۶) بحوالہ معارف السنن ص: ۲۰۳ ج: ۳

(۵) دارقطنی (۷) میں مکحول عن محمود (بن ریح) عن ابی نعیم اسمع عبادہ بن صامت۔

(۶) مار دینی کا طریق ہے مکحول عن ابن عمر۔

(۷) مار دینی (۸) میں ہے مکحول عن رجاء بن حیوۃ عن عبد اللہ بن عمرو۔

(۸) مار دینی و طحاوی کی روایت ہے مکحول عن رجاء بن حیوۃ عن محمود بن ریح عن عبادہ بن صامت۔ یہ

سوقوف ہے۔

تو ہر ایک سند مختلف ہے جو کہ ایک شدید اضطراب ہے۔

اعتراض ۳:- اس کے متن میں بھی شدید اضطراب ہے صحیحین و نسائی کے طرق کو ملا کر کل ۱۵ طرق

بجئے ہیں سب کے الفاظ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

اعتراض ۴:- مکحول مدلس ہے اور روایت بالعمدہ کرتا ہے اور مدلس کا معنی معتبر نہیں ہوتا۔

اعتراض ۵:- تمیز مکحول محمد بن اسحق بھی مدلس ہے اور یہ کسی روایت میں منفرد ہو یا عن کے ساتھ

روایت کرے تو روایت مشکوک ہو جاتی ہے۔

اعتراض ۶:- ابوداؤد کی روایت میں نافع بن محمود ہے جو مجہول ہے مکحول نے بظاہر ان ہی سے تدلیس

کی ہے۔

اعتراض ۷:- اگر یہ روایت بالفرض مان لیں تو بحر کلام اور صدر کلام میں تعارض آئے گا حالانکہ نبی

صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام تعارض سے خالی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ مسلم (۹) و نسائی (۱۰) کی صحیح روایات

میں فصاعداً کا اضافہ ہے تو صدر کلام کا مطلب یہ ہوگا کہ قراءت نہ کروا خیر میں یہ ہوگا کہ فاتحہ وغیرہ کی قراءت کرو

اور یہ تعارض ہے۔

اعتراض ۸:- حضرت گنگوہی فرماتے ہیں کہ اگر اس کو بالفرض تسلیم بھی کر لیں پھر بھی قراءت خلف

(۷) ص: ۳۱۷ ج: ۱ رقم حدیث: ۱۲۰۴ (۸) بحوالہ معارف السنن ص: ۲۰۳ ج: ۳

(۹) صحیح مسلم ص: ۱۶۹ ج: ۱ "باب وجوب قراءۃ الفاتحہ فی کل رکعۃ الخ"

(۱۰) سنن نسائی ص: ۱۴۵ ج: ۱ "باب قراءۃ فاتحۃ الکتاب فی الصلوٰۃ"

الامام کا وجوب ثابت نہیں ہوتا جب یہ ہے کہ اس میں الامام القرآن استثناء بعد انہی ہے جو اباحت پر دال ہے تفصیل صاحب معارف نے یوں بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو قراءت سے روکا جس کی تفصیل ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے انہی اقوال ممالی انازع القرآن فاتحہ کو مستثنیٰ کر دیا کہ اس کی تلاوت بکثرت ہوتی ہے اور جو زیادہ زبان زد ہو تو زیادہ توجہ کی ضرورت نہیں ہوتی روانی کے ساتھ پڑھ سکتا ہے دوسری وجہ استثناء یہ ہے کہ اس کی انگل شان ہے کہ امام و منفرد کے لئے اس کا پڑھنا ضروری ہے تو اظہار شان کے لئے اس کا ذکر کیا۔

اعتراض :- اس میں تصریح ہے فانہ لا صلوة لمن لم یقرأ بہا معلوم ہوا کہ نماز جائز ہی نہیں۔

جواب :- یہ تعلیل نہیں بلکہ استشہاد ہے فرق یہ ہے کہ علت مدار حکم ہوتی ہے شاید مدار حکم نہیں ہوتا بلکہ

مناسبات و ملازمات میں سے ہوتا ہے۔

یہ بحث ترمذی میں عبادہ بن صامت کی حدیث کے متعلق تھی ترمذی کے علاوہ عبادہ بن صامت کی حدیث ایک بخاری میں ہے جس کے بارے میں امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ منفرد کے بارے میں ہے اسی طرح ان کی حدیث ابوداؤد و مسلم اور نسائی میں ہے جس کا شاہ صاحب نے جواب دیا ہے کہ یہ خفیہ کے خلاف حجت نہیں کیونکہ مسلم و نسائی ابوداؤد (11) میں فصاعداً کا اضافہ ہے پوری حدیث اس طرح ہے لا صلوة الا بفاتحة الكتاب فصاعداً یعنی فاتحہ بمع سورۃ کی قراءت نہ کرے تو اس کی نماز صحیح نہیں کیونکہ نفس قرات رکن ہے اور ترک رکن سے ہمارے ہاں بھی نماز نہیں ہوتی۔ اس سے فقط سورہ فاتحہ کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی بلکہ نفس قراءت کی فرضیت ثابت ہوتی ہے جس کے ہم بھی قائل ہیں۔

اعتراض :- امام بخاری فرماتے ہیں کہ فصاعداً کے اضافے میں معمر منفرد ہے۔

جواب :- یہ تسلیم نہیں کہ معمر منفرد ہے کیونکہ اس کے پانچ اور متابع موجود ہیں اس اضافے میں

ابوداؤد (12) میں سفیان بن عیینہ، بیہقی (13) میں اوزاعی، شعب بن ابی حمزہ، عبد الرحمن بن اخطب مدنی نے متابعت کی ہے۔ عمدۃ القاری (14) میں صالح بن کیسان کی متابعت کی بھی تصریح کی گئی ہے۔

(11) مسلم ص: ۱۶۹، ج: ۱، انسانی ص: ۱۳۵، ج: ۱، ابوداؤد ص: ۱۲۶، ج: ۱، (12) ص: ۱۲۶، ج: ۱، "باب من ترک القراءۃ فی صلاۃ"

(13) دیکھیے کتاب القراءۃ للبیہقی ص: ۱۱، بحوالہ معارف السنن ص: ۲۲۳، ج: ۳، (14) عمدۃ القاری ص: ۶۹، ج: ۳

جواب ۲:- اگر بالفرض معمر کو متفرد بھی مان لیں تب بھی اس حدیث کی حجیت کے لئے معسر نہیں کیونکہ معمر بالاتفاق ثقہ ہے بلکہ اثبت الناس فی الزہری ہے تو اگر اس کا تفرد مقبول نہیں تو پھر تو کسی کا تفرد مقبول نہیں ہوگا۔

اعتراض ۲:- بخاری (15) نے یہ کہا ہے کہ اگر فصاعداً کا اضافہ مان بھی لیں تو بھی فاتحہ و ضم سورت کا حکم ایک ہونا لازم نہیں آتا بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ فاتحہ فرض ہے ضم سورت مستحب ہے۔ دلیل یہ ہے کہ سیبویہ نے لکھا ہے کہ فصاعداً ایجاب ماقبل اور اختیار مابعد کے لئے آتا ہے جیسے کہ بعد بدرہم فصاعداً یعنی ایک درہم میں فروخت کرنا ضروری ہے زائد میں اختیار ہے اسی طرح یہاں بھی فاتحہ فرض اور ضم سورت میں اختیار ہے بہتر ضم ہے۔

جواب :- شاہ صاحبؒ نے فصل الخطاب میں دیا ہے کہ امام بخاری کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے اس کی یہ ہے کہ سیبویہ کا بیان کردہ قاعدہ اس حدیث پر منطبق نہیں اس لئے کہ جو تمثیل سیبویہ نے دی ہے یہ محاورہ ہے اور محاورہ قانون نہیں ہوتا کہ کسی بھی جگہ اس سے حکم منقک نہ ہو بلکہ محاورے میں خبریت و انشائیت اور اثبات و نفی کے اعتبار سے اثر پڑتا ہے مثلاً فصاعداً کی ایک خاصیت بخاری کی بیان کردہ ہے اس کے برعکس فصاعداً کا حکم یہ بھی ہے کہ یہ اذخار مابعد فی ماقبل کے لئے بھی آتا ہے جیسے مشیت میلین فصاعداً یہاں زیادتی بھی میلین کے اندر حتماً داخل ہے۔

تیسرا حکم اس کا یہ ہے کہ یہ تو زیلع کے لئے آتا ہے یعنی تقسیم لاأحاد کے لئے بھی آتا ہے جیسے بعد بدرہم فصاعداً یعنی بعض مبیعہ درہم کا اور بعض درہم سے زیادہ کا بیجا۔ یا قراءت کل یوم جزء فصاعداً یعنی کسی دن پارہ پڑھا کسی دن زیادہ یہاں پر پہلے وجوب اور مابعد میں اختیار کا حکم جاری نہیں۔ معلوم ہوا کہ خبریت و انشائیت اور اثبات و نفی سے اس کا حکم بدلتا ہے۔ لہذا یہاں حدیث میں فصاعداً کا وہ حکم جاری کریں جو یہاں کے مناسب ہے چونکہ اس میں لاصلوٰۃ الحمد یت اخبار ہے تو بعد بدرہم فصاعداً پر قیاس نہیں کریں گے بلکہ مشیت میلین فصاعداً پر

(15) کماتی جزا بخاری بحوالہ معارف السنن ص: ۲۲۸ ج: ۳

قاعدہ :- فصاعداً کے ہم معنی الفاظ جیسے نماز ادا در تیسر بھی مروی ہیں چنانچہ دیکھئے ابوداؤد ص: ۱۲۵ ج: ۱۱ اور تہذیبی ص: ۶۰ ج: ۲

قیاس کریں گے کہ یہ اخبار ہے اول (بجاء) تو انشاء ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ سیبویہ نے یہ جو کہا ہے کہ فصاعدا کے ماقبل میں ایجاب و مابعد میں اختیار ہوتا ہے اس کے لئے مثال انشاء کی دی ہے اور کلام موجب ہے۔ یہاں حدیث میں نہ کلام موجب ہے اور نہ کلام انشائی ہے بلکہ خبری اور منفی ہے لہذا وہ حکم یہاں لگانا درست نہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ فصاعدا منصوب ہے حال ہے فاتحہ الکتاب سے اور فاتحہ الکتاب مفعول ہے لم یقرأ کا اور حال قید ہوتا ہے اور علامہ تفتازانی نے تصریح کی ہے کہ کلام موجب ہو یا منفی مقصود قید ہوتی ہے یا یوں کہیں کہ جب نفی کلام مقید پر وارد ہو جائے تو یا قید کو گرائی ہے یا قید و مقید دونوں کو یہاں فصاعدا اور فاتحہ دونوں کو یا گرائے گی یعنی اگر کوئی نہ فاتحہ پڑھے نہ کوئی سورۃ تو اس کی نماز نہیں تب بھی شوافع کا مدعی ثابت نہیں اور اگر فقط قید یعنی فصاعدا کو گرائے پھر بھی مطلب یہ ہوگا کہ جو فصاعدا نہ پڑھے تو اس کی نماز نہ ہوگی ترک فاتحہ سے نفی صلوٰۃ ثابت نہیں ہوتی تب بھی مدعی شوافع کا ثابت نہیں۔

شافعیہ کی دلیل ۲: ابو ہریرہ کی روایت جو مسلم (16) میں ہے ترمذی نے بھی اگلے باب میں تعلیقاً ذکر کی ہے۔

وروی عن ابو ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال من صلی صلوٰۃ لم

یقرأ فیہا بام القرآن فہی خداج غیر تمام

ابو ہریرہ سے راوی نے پوچھا کہ کبھی میں امام کے پیچھے ہوتا ہوں فقال اقرأ بھا فی نفسک۔

جواب:۔ اس روایت کے دو حصے ہیں ایک مرفوع ایک موقوف۔ مرفوع صرف اتنا ہے من صلی صلوٰۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فہی خداج غیر تمام اور اس کا جواب یہ ہے کہ یہ منفرد کے لئے ہے کیونکہ اسی باب میں جابر کی حدیث ہے من صلی رکعۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فلم یصلی الا ان یکون وراء الامام ان میں تطبیق کی صورت صرف یہی ہے کہ منفرد کے لئے فاتحہ کو ضروری قرار دیں اور امام کے پیچھے نہ پڑھے۔ بلکہ یہ تطبیق خود جابر کی حدیث میں موجود ہے۔

دوسرا حصہ حدیث کا موقوف ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ابو ہریرہ کی اپنی رائے ہے جو مرفوع حدیث کے مقابلے میں حجت نہیں۔

جواب ۲:- اقرأ بھافی نفسک سے مراد یہ ہے کہ دل میں پڑھو یعنی امام کے الفاظ پر غور کرو۔

جواب ۳:- یہ بھی منفرد کے لئے ہے اور نفس کا اطلاق منفرد پر ہوتا ہے۔ جیسے حدیث قدسی (۱۶) میں

ہے۔

فان ذکرنی فی نفسہ ذکرته فی نفسی وان ذکرنی فی ملأ ذکرته فی ملأ غیر

منہم

یہاں نفس کا اطلاق منفرد پر ہوا ہے۔

شوافع کی دلیل ۳:- ابو قتادہ کی حدیث ہے جو مصنف ابن ابی شیبہ (۱۸) میں ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لاصحابہ هل تقرأون خلف امامکم

فقال بعض نعم وقال بعض لا فقال ان کنتم لابد فاعلمین فلیقرأ احدکم فاتحة

الکتاب فی نفسه

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ سیاق حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث خفیہ کی حجت ہے کہ اولاً یہ

سوال کیا کہ هل تقرأون؟ معلوم ہوا کہ اصل نماز میں عدم قراءت خلف الامام ہے اگر اصل قراءت خلف الامام ہوتا تو هل لا تقرأون کہتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کنتم لابد فاعلمین یعنی پڑھنا تو نہیں چاہئے اگر

آپ لوگوں کو شوق ہے تو دل میں پڑھیں۔ نیز امام ترمذی نے خود باب فی الرجل یعطس فی الصلوٰۃ میں حمد فی الصلوٰۃ

(۱۶) رواہ البخاری ص ۱۰۱ ج ۲: باب قول اللہ دحذرکم اللہ نفسه الخ ایضاً صحیح مسلم ص ۳۳۳ ج ۲: باب فضل الذکر والدعاء

والترک الی اللہ تعالیٰ

(۱۸) مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۳ ج ۱: من رخص القراءة خلف الامام ایضاً خرجه عبد الرزاق فی مصنفه ص ۱۲۷ ج ۲ رقم

حدیث ۲۷۶۶ القراءة خلف الامام

کو کتبہ میں فی نفسہ (دل میں) پڑھنے پر محمول کیا ہے 'فی الصلوٰۃ المکتوبۃ انما بحمد اللہ فی نفسہ الخ۔

اعترض: کم از کم جواز تو اس حدیث سے معلوم ہوا۔

جواب:۔ جو حنفیہ سری نمازوں میں قراءت کے قائل ہیں تو وہ اس کو سری نمازوں پر محمول کرتے ہیں اور جو سری میں بھی قراءت کے قائل نہیں وہ اس کو شروع اسلام پر محمول کرتے ہیں کہ پہلے قراءت جائز تھی۔ یہ تین روایات ہیں شافعیہ کی طرف سے جن کے جوابات ہوئے اس کے علاوہ شافعیہ کے پاس کوئی صحیح اور صریح دلیل نہیں۔

ولائل حنفیہ:۔ "واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون" (19) اور چونکہ امام بھی قراءت کرتا ہے لہذا فاستمعوا وانصتوا صیغہ امر ہیں تو استماع وانصات واجب ہے جس پر عمل قراءت مقتدی کی صورت میں نہیں ہو سکتا لہذا مقتدی قراءت نہیں کریگا۔

اعترض:۔ یہ آیت خطبے کے بارے میں ہے نہ کہ قراءت کے بارے میں تو استدلال درست نہیں۔

جواب:۔ شیخ نے لغات میں (20) بیہقی سے نقل کیا ہے کہ امام احمد فرماتے ہیں کہ:

اجمع الناس علی ان هذه الآية فی الصلوٰۃ لما ورد فی الصلوٰۃ حلف الامام

سیوطی نے بھی اجماع نقل کیا ہے کہ یہ آیت قراءت خلف الامام کے بارے میں ہے۔ نیز ابن جریر طبری (21) ابن ابی حاتم اور بیہقی نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ شروع میں قراءت خلف الامام کرتے تھے تو یہ آیت اتری "واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا" لہذا یہ مجاہد کی روایت اگرچہ مرسل ہے مگر ان کی جلالت شان کی وجہ سے قابل استدلال ہے کیونکہ ایک تو ابن عباس رئیس المفسرین کے شاگرد ہیں دوسرا ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ مجاہد کہتے ہیں کہ میں ابن عمر کے پاس جاتا تھا تاکہ ان کی خدمت کر سکوں مگر ابن عمر مجھ سے خدمت لینے کی جگہ میری خدمت کرنے لگتے۔ ایک روایت میں ہے کہ ابن عمر مجاہد کے گھوڑے کی رکاب پکڑ کر

(19) سورۃ اعراف آیہ ۲۰۴

(20) ذکر بیہقی فی کتاب القراءۃ ص ۸۷ رقم ۲۱۶ مطبوعہ دارہ احیاء التراث گوچرانوالہ

(21) دیکھئے تفسیر روح المعانی ص ۱۵۰ ج ۵ آیہ ۲۰۴ سورۃ اعراف کے تحت

چلتے۔ طبری نے ابن مسعود سے نقل کیا ہے۔

صلی ابن مسعود فسمع ناساً یقرأون مع الامام فلما انصرف قال اما ان لكم ان
تفقهوا اما ان لكم ان تعقلوا واذقوا القرآن فاستمعوا له وانصتوا كما امرکم اللہ
ابن مسعود کا اس آیت کی وجہ سے روکنا دلیل ہے اس بات پر کہ یہ قراءت خلف الامام کے بارے میں
ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ آیت مکی ہے اور جمعہ کا وجوب مدینہ میں ہوا ہے تو یہ خطبے کے بارے میں کیسے
ہو سکتی ہے؟

اعترض:- یہی کہتے ہیں کہ مجاہد سے یہ بھی روایت ہے کہ یہ خطبے کے بارے میں ہے۔

جواب:- سیوطی نے اتفاق میں اور شاہ ولی اللہ نے فوز الکبیر (22) میں لکھا ہے کہ صحابہ کبھی کہتے ہیں
کہ یہ آیت اس بارے میں نازل ہوئی تو اس کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ یہی شان نزول ہے بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ
بھی اس آیت کے حکم میں داخل ہے اور اگر مان بھی لیں کہ یہ آیت خطبے کے بارے میں ہے تو یہ قاعدہ مسلمہ ہے
ہے کہ اعموم لا یفاد لخصوص المور وجیسے نماز کا حکم صحابہ کو اولا ہے مگر یہ نہیں کہ ہم پر نماز فرض نہیں یا انفال فقط
بدر کے بارے میں نازل ہوئی تو آج کل تقسیم غنائم نہ ہوگی؟ بلکہ حکم عام ہے تو قراءت قرآن کو بھی شامل ہے۔

جواب ۲:- اگر بالفرض تسلیم ہو کہ خطبے کے بارے میں ہے تو قراءت خلف الامام کے ترک پر بطور
موجب استدلال ہو سکتا ہے کہ خطبے میں صرف قرآن نہیں بلکہ احادیث وعظ وغیرہ کا مجموعہ ہوتا ہے جب اس کے
سننے کا حکم ہے تو امام تو قرآن پڑھتا ہے اس کو سننے کا حکم تو بطریق اولیٰ ہوگا۔

ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ آیت میں عقلاً تین احتمال ہیں۔

(۱) قراءت خلف الامام کے بارے میں ہو تو یہی ہمارا مدعی ہے۔

(۲) خطبہ و قراءت دونوں کے بارے میں ہو تب بھی مدعی ثابت ہے۔

(۳) فقط خطبے کے بارے میں ہو مگر یہ احتمال مردود ہے کہ یہ آیت مکی ہے اور خطبے کا وجوب مدینہ میں

ہو تو مابعد ما قبل کے لئے کیسے شان نزول بن سکتا ہے۔ نیز جب مقتدی بھی پڑھ رہا ہو تو امام کو قراءت کرنے پر مکلف کرنے کی مثال ایسی ہوگی جیسے ایک آدمی آپ کی بات نہیں سن رہا ہو یا نہیں سمجھ رہا ہو اور آپ کو اس سے بات کرنے پر مکلف بنایا جائے چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

ولهذا روی فی السحدیث مثل الذی یتکلم والامام یخطب کمثل الحمار

یحمل اسفارا فہکذا اذا کان یقرأ والامام یقرأ عنہ (ص: ۲۷۹ ج: ۲۳)

ابن العربی نے عارضۃ الاحوذی میں لکھا ہے کہ تعجب ہے شافعی پر کہ مقتدی کو قراءت خلف الامام پر کیسے قادر سمجھتا ہے؟ کیونکہ جب امام پڑھ رہا ہو تو مقتدی یا امام کے ساتھ قرآن کا موازنہ کرائے گا یا سننے سے گریز کرے گا یا شافعیہ کی توجیہ کے مطابق سکات میں پڑھے گا پہلے دو احتمال تو ساقط ہیں تیسرے احتمال کے بارے میں پوچھیں گے کہ اگر امام سنتہ نہ کرے تو مقتدی کیا کرے گا کیونکہ اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ امام کے لئے سکوت واجب نہیں۔

البتہ ایک اعتراض حنفیہ پر ہو سکتا ہے کہ جہری میں انصات کا حکم سمجھ میں آتا ہے مگر سری میں مقتدی کیوں خاموش رہے گا حالانکہ قرآن تو نہیں سن رہا۔

جواب :- وہ لوگ جو سری میں قراءت کے قائل نہیں ہیں جواب یہ دیتے ہیں کہ آیت میں دو حکم ہیں ایک استماع کا یہ جہری نمازوں میں اور ایک انصات کا یہ سری نمازوں کے لئے ہے۔

قرآن پاک کی اس آیت کے علاوہ احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ اور بھاری تعداد حنفیہ کے متادل ہے۔ جو سند نہایت قوی بھی ہیں۔ مسلم (23) میں ابو موسیٰ اشعری کی حدیث ہے۔

وفیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبنا فبین لنا مستننا و علمنا صلواتنا

فقال اذا صلیتم فاقیموا صفوفکم ثم لیومکم احدکم فاذا کبر فکبروا واذ اقرا

فانصتوا واذ اقال غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا آمین

اس مضمون کی حدیث ابو ہریرہؓ سے بھی نسائی (24) میں مروی ہے۔

انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا واذقرا فانصتوا واذقال سمع الله لمن

حمده فقولوا اللهم ربنا لك الحمد

ان دونوں احادیث میں قراءت کے وقت انصات کا حکم دیا ہے خصوصاً مسلم کی روایت اس پر ناطق ہے کہ یہ فاتحہ کے بارے میں ہے کیونکہ اس میں ہے اذقرا فانصتوا واذقال غیر المغضوب الخ اس میں واؤ کے ساتھ عطف کیا گیا ہے جو عند الشواہج ترتیب کے لئے ہے یعنی غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کے بعد آمین کہو اور اس سے پہلے خاموش رہو اور پہلے سورہ فاتحہ ہی ہوتی ہے۔

اعتراض :- واذقرا فانصتوا کی زیادتی صحیح نہیں کیونکہ یہ حدیث چار صحابہ سے مروی ہے۔ ۱۔ ابو موسیٰ اشعری۔ ۲۔ ابو ہریرہ۔ ۳۔ حضرت عائشہ۔ ۴۔ حضرت انس (25) ان میں سے حضرت عائشہ و انس (26) یہ زیادتی نقل نہیں کرتے حضرت انس کی حدیث ترمذی میں اور حضرت عائشہ کی بخاری میں صلوٰۃ القاعد میں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس زیادتی کے نقل کرنے میں تلاویذ قنادہ میں سے سلیمان النہی متفرد ہے۔ جواب :- جہاں تک سلیمان النہی کی بات ہے تو یہ صحیح نہیں کیونکہ ان کے متابع دارقطنی (27) میں عمر بن عامر اور سعید بن ابی عروبہ موجود ہیں۔ اسی طرح صحیح ابوعوانہ میں ابو عبیدہ نے بھی متابعت کی ہے سلیمان کا تفرد کجا است؟

اگر بالفرض تفرد سلیمان تسلیم بھی کر لیں تو اس کا تفرد صحت حدیث کیلئے معزز نہیں وجہ یہ ہے کہ سلیمان ثقہ راوی ہے بلکہ اس زیادتی کی بڑی شان ہے کہ پوری مسلم میں امام مسلم نے فقط اس حدیث کی تصحیح پر تصریح کی ہے۔ ہوا یوں کہ جب امام مسلم املاء کر رہے تھے جب ابو موسیٰ اشعری کی حدیث پر پہنچے تو ان کے شاگرد ابو بکر ابن اخت ابی النضر نے اعتراض کیا کہ اس میں سلیمان النہی ہے جو متفرد ہے تو مسلم نے فرمایا نرسد احفظ من

(25) کافی جامع الترمذی ص: ۴۷ ج: ۱ "باب ما جاء اذا صلى الامام قاعدا الخ" ایضا أخرجه البخاری ص: ۱۵۰ ج: ۱ "باب صلوٰۃ

القاعد الخ" (26) أخرجه البخاری فی صحیح ص: ۱۵۰ ج: ۱ "باب صلوٰۃ القاعد الخ"

(27) ص: ۳۳۳ ج: ۱ رقم حدیث: ۱۳۳۳

سليمان (التمی)؟ کہ کیا اس سے بھی زیادہ قابل اعتماد حافظہ کوئی ہے اور قانون یہ ہے کہ ثقہ کی زیادتی معتبر ہوتی ہے۔ (28)

ابو ہریرہ کی نسائی والی حدیث بھی صحیح ہے اگرچہ مسلم نے اس کی تخریج نہیں کی مگر پوچھے جانے پر فرمایا ہو عندی صحیح۔

رہا یہ اعتراض کہ حضرت عائشہ و انس اس کی روایت نہیں کرتے تو ایک جواب یہ ہے کہ ایسا تو بکثرت ہوتا رہتا ہے کہ ایک راوی حدیث کا ایک کٹاڑ کر کرتا ہے دوسرا دوسرا کٹلا۔ اس سے صحت حدیث پر اثر نہیں پڑتا۔

جواب ۲: حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ دونوں حدیثیں الگ الگ ہیں اگرچہ متن معنی و لفظاً ایک ہیں مگر شان و رد و دونوں کے مختلف ہیں کیونکہ حدیث عائشہ و انس اس وقت کی ہے جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سقوط فرس کا واقعہ ہوا تھا جو بقرہ ۵۷ھ کا ہے اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے تو اس سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (29) کہ انما جعل الامام لیؤتم بہ وفیہ ... واذ اصلی جالساً فصلوا جلوساً اجمعون اس ارشاد کے وقت ابو ہریرہ و ابو موسیٰ اشعری نہیں تھے کیونکہ یہ حضرات تو ۷ھ میں غزوہ خیبر کے موقع پر آئے تھے چونکہ اس مقام پر یہ مقصد تمام احکامات بتانا نہیں تھا بلکہ یہ بتانا تھا کہ امام اگر بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو اس لئے حضرت عائشہ و انس نے یہ روایت ذکر کی ہے۔ دوسرا ارشاد بعد کا ہے جب ابو ہریرہ و ابو موسیٰ اشعری موجود تھے چنانچہ خطبنا رسول اللہ الحدیث لفاظ ان کی موجودگی پر دلالت کرتے ہیں اس میں مقصد قراءت کے احکام بتانے تھے۔ تو فرمایا "واذا قرأوا نضعوا"۔

حنفیہ کی دلیل ۳:۔ باب ثانی میں ابو ہریرہ کی حدیث ہے۔ (30)

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصرف من صلوٰۃ جهر فیہا بالقراءۃ فقال

(28) دیکھیے صحیح مسلم ص ۱۷۴ ج ۱ (29) رواہ ابو داؤد ص ۹۶ ج ۱ "باب الامام یصلی من قعود"

(30) ترمذی کے علاوہ یہ روایت دیکھئے مؤطا مالک ص ۶۹ "ترک القراءۃ خلف الامام" اور نسائی ص ۱۴۶ ج ۱ "ترک القراءۃ

خلف الامام فیما جہر" سنن ابی داؤد ص ۱۷۴ ج ۱ "باب من کرہ القراءۃ خلفہ" کتاب الاجر الامام "سنن ابن ماجہ ص ۶۱ سنن

کبریٰ للبیہقی ص ۱۵۷ ج ۲

هل قرأ معي منكم احد آنفا فقال رجل نعم فقال اني اقول مالي انازع القرآن
قال فانتهى الناس عن القراءة فيما جهر به النبي صلى الله عليه وسلم الخ
اس میں تصریح ہے کہ صحابہ پہلے خلف از رسول قراءت کرتے تھے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس
کیا تو منع فرمایا۔

اعتراض:- اس میں ابن اکیمہ اللیثی مجہول ہے۔ (31)

جواب:- ابن اکیمہ کو مجہول کہنا غلط ہے کے بے شمار محدثین نے ان کی توثیق کی ہے اور ترمذی نے ان
کے نام کی بھی وضاحت کر دی کہ ان کا نام عمار بن ابی عمرو بن اکیمہ ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جس کی توثیق ہو جائے تو وہ
مجہول نہیں رہتا۔ (32)

اعتراض ۲:- اس میں فانتهى الناس عن القراءة مع رسول الله الحديث یہ مرفوع حدیث کا حصہ
نہیں بلکہ مدرج من الزہری ہے جیسے کہ ترمذی نے کہا ہے و ذکر بعض اصحاب الزہری وفيه قال قال الزہری الخ۔
جواب:- ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ یہ قول ابو ہریرہ کانئس بلکہ نہ ہری کا ہے کہ ابو داؤد (33) میں ابن السرح
کی روایت میں تصریح ہے قال ابو ہریرۃ فانتهى الناس اور جنہوں نے اس کو زہری کا مقولہ قرار دیا ہے یہ غلط فہمی پر
مبنی ہے۔ غلط فہمی اس طرح ہوئی کہ ابو داؤد میں سفیان بن عیینہ سے روایت ہے کہ جب ہم زہری کے حلقہ درس
میں حدیث سن رہے تھے اس دوران زہری کا یہ جملہ نہ سن سکا تو معمر سے پوچھا جو ہم درس تھا تو معمر نے کہا قال
الزہری الخ یہاں سے یہ غلط فہمی دور ہوئی کہ قال الزہری کا مقصد یہ نہیں کہ یہ زہری کا مقولہ ہے بلکہ مقصد یہ ہے
کہ معمر نے سفیان کے پوچھنے پر بتایا کہ قال الزہری یعنی زہری نے یہ حدیث بیان کی۔

اگر بالفرض مان لیں کہ یہ زہری کا مقولہ ہے تو بھی استدلالی پر کوئی اثر نہیں پڑتا کہ ایک تو زہری نے
صحابہ کو دیکھا ہوگا کہ وہ قراءت نہیں کرتے ہیں اور جب صحابہ قراءت نہیں کر رہے تو کوئی دلیل ہوگی لامحالہ۔

(31) دیکھئے سنن کبریٰ للبیہقی ص ۱۵۹ ج ۲ "باب من قال بترك المأموم القراءة الخ"

(32) کنز دلیل السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۱۵۸ ج ۲۔ اسی طرح امام مالک نے اپنی نو طائیں ص ۲۹ "ترك القراءة خلف"

الامام فیما جریہ کے تحت ابن اکیمہ کی روایت کی تخریج کی ہے۔

(33) ص ۱۲۷ ج ۱ "باب من كره القراءة بغيره الكتاب الا جهر الامام"

دوسری بات یہ ہے کہ ہمارا استدلال فائض الناس الخ پر موقوف بھی نہیں مالی انازع القرآن پر تام ہے کہ مقتدی کی قراءت کو نماز عذر قرار دیا ہے لہذا ممنوع ہے۔

اعتراض ۳:-

قال الترمذی ولبس فی هذا الحديث ما يدخل علی من رأى قراءة خلف الامام لان اباهريرة هو الذى روى عن النبى صلى الله عليه وسلم هذا الحديث وروى ابو هريرة عن النبى صلى الله عليه وسلم من صلى صلوة لم يقرأ فيها بام القرآن فهي خداج غير تمام فقال له حامل الحديث انى اكون وراء الامام فقال اقرأها فى نفسك۔

حاصل یہ ہے کہ یہاں ابو ہریرہ ترک قراءت کے راوی تو ہیں مگر ان کا فتویٰ ”اقرأ بها فى نفسك“ ہے تو قراءت کے قائلین کے خلاف حجت نہیں۔

جواب :- پہلے گذرا کہ اقرأ بها فى نفسك یہ ابو ہریرہ کی اپنی رائے ہے جو مرفوع کے مقابلے میں حجت نہیں اور خصوصاً شوافع کے لئے یہ جملہ مفید نہیں کہ ان کا قاعدہ ہے العصرۃ بما روى لا بما راي۔

حنفیہ کی دلیل ۴:- جابر بن عبد اللہ کی روایت جو ابن ماجہ (34) نو ط (35) شرح معانی لا تار (36) بیہقی (37) مصنف ابن ابی شیبہ (38) مصنف عبد الرزاق (39) مسند احمد بن منیع مسند عبد بن حمید میں مروی ہے و فیہ من كان له امام فقراءة الامام نه قراءة۔

اس پر بھی شوافع کی طرف سے پہلا اعتراض یہ ہے کہ اس روایت کو اکثر روایات موقوف علی جابر روایت کرتے ہیں۔

جواب :- ابو حنیفہ سفیان ثوری جریر ابو ازییر اور شریک یہ حضرات اس کو مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔

(34) ص ۶۱: ”باب اقرأ الامام فانصوا“ (35) نو ط متحدہ ص ۹۸ و ۹۹: ”باب القراءة فى الصلوٰۃ خلف الامام“

(36) شرح معانی لا تار ص ۵۹: ”باب القراءة خلف الامام“

(37) سنن کبریٰ للبیہقی ص ۱۶۰: ”باب من قال لا يقرأ خلف الامام على الاطلاق“

(38) ص ۳۷: ”من ذكره القراءة خلف الامام“ (39) ص ۱۳۲: ”باب القراءة خلف الامام“ رقم حدیث: ۲۷۹۷

اعترض ۲:- دارقطنی (40) وغیرہ میں جابر بن عبد اللہ سے عبد اللہ بن شداد بن الہاد روایت کرتے ہیں حالانکہ ان کا سماع جابر سے ثابت نہیں۔

جواب:- حافظ نے الاصابہ میں تصریح کی ہے کہ عبد اللہ بن شداد بن الہاد صحابی ہے لہذا سماع ثابت ہوا اگر بالفرض ثابت نہ بھی ہو تو مرسل صحابی ہوگی جو بالا جماع قابل حجت ہے۔

اعترض ۳:- دارقطنی (41) کی روایت میں جابر اور عبد اللہ بن شداد کے درمیان ابو الولید کا واسطہ ہے جو مجہول ہے عن عبد اللہ بن شداد ابن الہاد عن ابی الولید عن جابر۔

جواب:- یہ ہے کہ ابو الولید خود عبد اللہ بن شداد کی کنیت ہے کوئی دوسرا شخص نہیں مگر کاتب کی غلطی کی وجہ سے لفظ عن کے اضافے نے شک پیدا کر دیا۔

اعترض ۴:- دارقطنی میں اس حدیث کا مدار ابو حنیفہ اور حسن بن عمارہ پر ہے دارقطنی نے ان دونوں کو ضعیف قرار دیا ہے اور بیہقی (42) کی سند میں مداریث بن ابی سلیم اور جابر جعفی پر ہے جو ضعیف ہیں۔

جواب:- دارقطنی کا امام ابو حنیفہ کو ضعیف کہنا یہ خود ان کے اعتراض کے ضعف کی دلیل ہے کہ ان کا ورع وتقویٰ اور حفظ و اتقان معروف ہے حسن بن عمارہ اور لیث بن ابی سلیم کی توثیق بھی بعض محدثین نے کی ہے۔ رہا جابر جعفی تو یہ ضعیف ہے مگر اس روایت کا مدار صرف یہ تو نہیں۔

جواب:- مجموعی طور پر ان اعتراضات کا جواب یہ ہے کہ کسی حدیث کا ایک طریق کا ضعیف ہونا یہ تمام طرق کے ضعف کی دلیل نہیں۔ بیہقی اور دارقطنی کے علاوہ مصنف ابن ابی شیبہ مصنف عبد الرزاق (43) مسند عبد بن حمید وغیرہ میں یہ روایت مذکورہ طرق سے خالی ہے لہذا مذکورہ اعتراضات اس پر وارد نہیں ہوتا۔

حضرت جابر کی حدیث پر یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ یہ سورہ فاتحہ کے علاوہ کے ساتھ متعلق ہے۔

جواب:- حضرت جابرؓ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے الحاموم لا یقرأ الفاتحة ابصاً کما فی

(40) مس ۳۲۱: ج ۱ رقم حدیث ۱۲۲۰ و ۱۲۲۱ (41) حوالہ بالا رقم حدیث ۱۲۲۳

(42) کتاب القراءة مس ۳۲۱: ج ۱ رقم حدیث ۳۲۰ و ۳۲۱ و ۳۲۲ حوالہ درس ترمذی (43) چنانچہ دیکھئے من مس ۱۱۴۷: ج ۱ ص ۳

(الموطا۔ (44)

اعتراض:- ممکن ہے کہ یہ جہری نمازوں کے ساتھ متعلق ہو تو سری میں ثابت نہیں۔

جواب:- جابر کی حدیث ظہر یا عصر میں وارد ہوئی ہے جس کی مؤطا میں امام بخاری (45) نے تصریح کی

ہے۔

قال محمد بن اسحاق عن موسى بن ابي عائشة عن عبد الله بن شداد قال
ام رسول الله صلى الله عليه وسلم الناس في العصر قال فقرا رجل خلفه فغمزه
الذي يليه فلما ان صلى قال لم اغمزتني فسمع النبي صلى الله عليه وسلم فقال
من كان له امام فقرأه الامام الخ
معلوم ہوا کہ یہ روایت عصر کے ساتھ متعلق ہے۔

حنفیہ کی دلیل ۵:- صحیحین میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خلاو بن رافعؓ سے فرمایا ”تم
اقراء بما تيسر معك من القرآن“ اس میں فاتحہ کا ذکر نہیں اگر قراءت فاتحہ ضروری ہوتی تو آپؐ اس کو ضرور ذکر
فرماتے و اؤلیس فلیس۔

حنفیہ کی دلیل ۶:- صحابہ کے عمل و آثار (46) سے ہے کہ متعدد صحابہ کرام خاص طور پر خلفائے
راشدین و کبار صحابہ جیسے سعد بن ابی وقاصؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، زید بن ثابتؓ، جابر بن عبداللہؓ اور ابن عمرؓ فاتحہ خلف
الامام نہیں پڑھتے تھے۔

(44) ص: ۱۰۱ ”باب القراءة في الصلوة خلف الامام“

(45) ص: ۱۳۰ ج: ۲ مکتبہ رشیدیہ

(46) خلفائے اربعہ کا اثر دیکھئے مصنف عبد الرزاق ص: ۱۳۹ ج: ۲ رقم حدیث ۲۸۱۰۔ حضرت سعد کا اثر اور حضرت زید کا اثر
دیکھئے مؤطا حد ص: ۱۰۲ اور حضرت عبداللہ بن مسعود کا اثر دیکھئے مجمع الزوائد ص: ۲۸۵ ج: ۲ رقم حدیث ۲۶۳۷۔ حضرت جابر کا اثر دیکھئے
مؤطا مالک ص: ۲۶۰ حضرت ابن عمر کا اثر دیکھئے مؤطا مالک ص: ۶۸ اور حضرت عبداللہ بن عباس کا اثر دیکھئے شرح معانی لا تار
ص: ۱۶۰ ج: ۱ ”باب القراءة خلف الامام“ ایضاً ان سب کے مجموع کے لئے دیکھئے شرح معانی لا تار ص: ۱۶۰ ج: ۱۔ حنفی

قال ابن العربي فی العارضة وقد كان ابن عمر لا یقرأ خلف الامام وكان اعظم الناس اقتداء برسول الله صلى الله عليه وسلم
اس کے باوجود قراءت خلف الامام نہیں کرتے تھے۔

مؤطا میں ابن عمر سے مروی ہے من صلی خلف الامام کفیر قراءت۔ دوسری سند میں ہے کہ جب ان سے قراءت کے بارے میں پوچھا گیا تو جاب تلیفیک قراءۃ الامام۔ جابر بن عبد اللہ کی حدیث ترمذی نے صحیح سند کے ساتھ ذکر کی ہے۔

من صلی رکعة لم یقرأ فیہا بام القرآن فلم یصل الا ان یكون وراء الامام
هذا حديث حسن صحيح

صاحب عمدہ علامہ عینیؒ نے ۸۰ صحابہ سے یہ نقل کیا ہے۔ صاحب ہدایہ (47) نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ ابن کثیر نے لکھا ہے۔

فللهذا قال من قال ان المأموم لا یقرأ لان تامينه على قراءة الفاتحة بمنزلة قراءتها ولهذا جاء في الحديث من كان له امام فقراءة الامام له قراءة رواه احمد في مسنده وكان بلال يقول: لا تسبقني بآمين يا رسول الله فدل هذا المنزع على ان المأموم لا قراءة عليه في الجهرية والله اعلم انتهى
(ص: ۳۲ ج: ۱ مطبع تدبیری کتب خانہ)

سورہ یونس کی آیت ”قد احببت دعوتکم“ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

وقد يحتج بهذه الآية من يقول ان تامين المأموم على قراءة الفاتحة بنزل منزلة قراءتها
(ص: ۳۲۹ ج: ۲)

باب ما یقول عند دخوله المسجد

رجال:-

لیث ان سے مراد لیث بن ابی سلیم ہے صدوق ہیں تاہم اخیراً اختلاف کی وجہ سے تمیز کرنا مشکل ہو گیا تھا۔
عبد اللہ بن الحسن البہاشی المدنی جلیل القدر اور ثقہ ہیں۔ ہو عبد اللہ بن الحسن بن الحسن بن
علی بن ابی طالب ثقہ۔ عن امہ فاطمة بنت الحسین الهاشمية المدنیة زوج الحسن بن الحسن بن
علی بن ابی طالب ثقہ۔

عن حدیثا سے مراد فاطمة الزہراء بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدۃ نساء اہل البیت رضی اللہ
عنہا ہیں۔ حضرت علی کی ان سے سنہ ۲ ہجری میں شادی ہوئی۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چھ ماہ
بعد انتقال فرما گئیں۔ عرب میں سال سے متجاوز تھی۔ ☆

تشریح:-

باب کی حدیث سے معلوم ہوا کہ دخول مسجد کے وقت صلوٰۃ وسلام کہے اور یہ دعا پڑھے اللہم افتح لی
ابواب رحمتک اور جب خارج ہو تو صلوٰۃ وسلام کے بعد اللہم افتح لی ابواب فضلک۔ ابن تیمیہ نے
الجواب الباہر میں لکھا ہے کہ اس کا طریقہ یوں ہونا چاہئے بسم اللہ والصلوة والسلام علی رسول اللہ رب
اغفر لی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک اور نکلنے میں بھی ایسا ہی کرے۔ عند الدخول دایاں پاؤں داخل
کرے اور عند الخروج بائیں پاؤں نکال دے بائیں پاؤں جوتے پر رکھنا لازمی نہیں کما ہوا لمحتاد بلکہ زمین پر رکھے
چاہے جوتے پر پھر دایاں پاؤں جوتے میں داخل کرے۔

ملا علی القاری (۱) نے فرمایا کہ وقت دعا یحتمل قبل الدخول و یحتمل بعده و الاول اولیٰ پھر

داخل ہوتے وقت اللہم افتح لی ابواب رحمک اور عند الخروج ابواب فضلک کہا جائیگا۔ اس کی وجہ ایک نکتے پر مبنی ہے کہ جب آدمی مسجد میں داخل ہوتا ہے تو ایسے اعمال میں مصروف ہوتا ہے کہ جو دخول جنت کا باعث ہیں تو اس کو رحمت سے تعبیر کیا اور خروج کے بعد رزق حلال کے لئے سعی کرتا ہے تو اس کو فضل سے تعبیر کیا کہانی لآیۃ (2) ”فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ“ اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ مسجد چونکہ رحمت کی جگہ ہے تو زیادہ تر وقت مسجد میں گزارنا چاہئے اور چونکہ رزق حلال کے لئے خروج من المسجد صحیح ہے تو عند الخروج نیت رزق حلال کی ہونی چاہئے مگر دل مسجد کے ساتھ ہی معلق رہنا چاہئے کہ اگر باہر کوئی ضرورت نہ ہوتی تو مسجد ہی میں رہتا۔ بعض نے کہا کہ مسجد سوق من اسواق الجہنم ہے اور یہاں معاملہ جنت کے اعمال کا ہوتا ہے تو اس پر رحمت کا اطلاق ہوا اور خروج دنیا کے بازاروں کی طرف ہوتا ہے تو اس پر فضل کا اطلاق ہوا۔ یہ دونوں تو جہات مآلاً ایک ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ الباقیہ میں لکھا ہے کہ مسجد میں نعم روحانیہ ملتے ہیں تو لفظ رحمت استعمال ہوا اور باہر نعم جسمانیہ ملتے ہیں تو لفظ فضل کا استعمال ہوا۔

پھر اس میں کلام ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیوں درود پڑھتے تھے؟ تو عند البعض تعلیم پڑھتے تھے مگر صحیح یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بحیثیت نبی اپنے اوپر ایمان لانا واجب ہوتا ہے یعنی ان کو یہ یقین ہونا چاہئے کہ میں نبی ہوں کہانی شرح العقائد لہذا اس حیثیت سے اپنے اوپر نبی درود پڑھا کرتے تھے پھر شامی وغیرہ میں ہے کہ یہ درود مستحب ہے۔

وفی الباب ابو حمید والیو ہریرہ کی حدیث ابن ماجہ (3) میں ہے۔

اِذَا دَعَلَ اَحَدُكُمْ الْمَسْجِدَ فَلْيَسْلَمْ عَلٰی النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لِيَقُلِ اللّٰهُمَّ

افتح لی ابواب رحمک وَاِذَا خَرَجَ فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ

ابو اسید کی حدیث مسلم (4) میں ہے جس میں فقط دعا کا ذکر ہے سلام کا ذکر نہیں۔

فال ابو عیسیٰ مقصد یہ ہے کہ باب کی روایت منقطع ہے کما قال الترمذی ولبس اسنادہ

(2) سورۃ جمعہ آیت: ۱۰ (3) سنن ابن ماجہ ص: ۵۶ ”باب الدعاء عند دخول المسجد“ ایضاً الحدیث لابی حمیدؓ أخرجه الدارمی ص: ۳۸۶

”باب القول عند دخول المسجد“ (4) ص: ۳۳۸ ج: ۱ ”باب ما یقول اذا دخل المسجد“

بمنصل وفاطمة ابنة الحسين لم تدرك فاطمة الكبرى اس کے باوجود اس کو حسن قرار دیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کبھی محدثین اصول مدونہ سے ہٹ کر اپنے ذوق کے مطابق بھی کسی حدیث پر حکم لگاتے ہیں جس کی یہ حدیث واضح دلیل ہے۔ (5)

باب ماجاء اذا دخل احدكم المسجد فليركع ركعتين

رجال:-

عامر بن عبد اللہ بن الزبیر مثنیٰ عابد۔ عمرو بن سلیم مثنیٰ کبار تابعین میں سے ہیں بعض نے صحابی قرار دیا ہے۔ ☆

تشریح:-

ابوقاوادہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی مسجد آئے تو فلیرکع رکعتین قبل ان یجلس ای فلیصل رکعتین تسمیۃ النکل باسم الجزاء کی بنیاد پر صلوٰۃ پر رکوع کا اطلاق ہوا۔ فلیرکع صیغہ امر کا ہے جو عموماً واجب کے لئے آتا ہے الا یہ کہ قرینہ صارفہ موجود ہو اور یہاں موجود ہے کما یجوز۔ اس وجہ سے عند الجمہور ندب کے لئے ہے البتہ بعض اہل ظواہر اس کو وجوب پر حمل کرتے ہیں جیسے داؤد ظاہری وغیرہ اور بعض جمہور کی طرح ندب پر محمول کرتے ہیں جیسے ابن حزم ظاہری وغیرہ۔ ترمذی نے یہاں کوئی اختلاف ذکر نہیں کیا بلکہ صرف اتنا کہا کہ:

والعمل علی هذا الحديث عند اصحابنا مستحبوا اذا دخل الرجل المسجد ان

لا یجلس حتی یصلی رکعتین

معلوم ہوا کہ اہل ظواہر کا اختلاف قابل ذکر نہیں۔

اہل ظواہر کی دلیل باب کی روایت ہے فلیرکع امر ہے والا مر للوجوب لہذا تحیۃ المسجد واجب ہے۔

جواب:- امر وجوب کے لئے وہاں ہوتا ہے جہاں قرینہ صارفہ عن الوجوب نہ ہو اور یہاں قرینہ صارفہ ہے جیسے مصنف ابن ابی شیبہ (۱) میں زید بن اسلم کی روایت ہے۔

قال كان اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم يدخلون المسجد ثم يخرجون ولا يصلون ورايت ابن عمر يفعله

اعتراض:- مبارکپوری صاحب نے اس پر یہ کہا ہے کہ صحابہ جو نماز (تحیۃ المسجد) نہیں پڑھتے اس وجہ سے کہ وہ مرد فرماتے تحیۃ اس کے لئے ہے جو بیٹھنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

جواب:- نماز کا تعلق بیٹھنے سے نہیں بلکہ اس کا تعلق مسجد کے احترام سے ہے اس وجہ سے اس کا نام تحیۃ المسجد رکھا تحیۃ الجلس نہیں رکھا۔ نیز یہ غلطی ثمر بن جازون کا لفظ صراحتہ دال ہے اس بات پر کہ مرد نہیں کرتے نہ یہ مراد ہے بلکہ مسجد میں داخل ہوتے پھر مسجد سے نکلنے والے مردوں کو کہہ دیتے اگر مرد مراد ہوتا۔

پھر حنفیہ کے نزدیک اگر آدمی داخل ہوا اور وقت مکروہ تھا جیسے طلوع وغروب و زوال کا وقت تو اس میں نماز نہ پڑھے یہی مالکیہ کا بھی مذہب ہے۔ شافعیہ کے مشہور مذہب میں اوقات مکروہ میں بھی تحیۃ المسجد پڑھ سکتا ہے۔ یہ اختلاف مبنی ہے اس پر کہ حنفیہ کے نزدیک نبی عام اور امر خاص ہے جبکہ شوافع کے نزدیک امر عام نبی خاص ہے لہذا ان کے ہاں نوافل ذوات الاسباب مستثنیٰ ہیں لکامر۔

قبل ان مجلس کی قید کی وجہ سے شافعیہ کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر آدمی بیٹھ گیا تو نماز فوت ہوگئی کوئی تدارک نہیں ہو سکتا بعض فقہاء نے تفصیل بیان کی ہے کہ بیٹھنے سے پہلے فضیلت بعد میں جواز یا پہلے اداء بعد میں قضاء ہے بعض روایات میں ہے کہ اگر زیادہ دیر تک بیٹھے تو سقوط متحقق ورنہ نہیں۔ بہر حال حنفیہ کے نزدیک بیٹھنے سے سقوط متحقق نہیں ہوتا ہے چاہے تھوڑی دیر ہو یا زیادہ۔ دلیل مصنف ابن ابی شیبہ (۲) میں ہے۔

باب ماجاء اذا دخل احدكم المسجد فليركع ركعتين

(۱) مس: ج ۱: ۳۲۰ "من ركع ان يركع في المسجد ولا يصلي فيها"

(۲) مس: ج ۱: ۳۲۰ "من كان يقول اذا دخل المسجد فصل ركعتين" عن ابی ذر

دخلت على رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو في المسجد فقال لي يا اباذر

صليت قلت لا قال فقم فصل ركعتين

معلوم ہوا کہ بیٹھنے کے بعد بھی نماز ادا ہو سکتی ہے پھر جو آدمی ایک مسجد میں پانچوں وقت آتا ہے تو اس کو دن میں کم از کم ایک مرتبہ تحیۃ المسجد پڑھ لینی چاہئے اور چونکہ اس کا مقصد تقرب الی اللہ ہے لہذا اگر کوئی دوسری نماز پڑھی فرض یا سنن وغیرہ قضاء ہو یا ادا تو بھی تحیۃ المسجد ادا ہوگی اگر چہ نیت نہ ہو۔

اگر وقت نہ ملے تو اربع کلمات اربع مرات کہے۔ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر بعض نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کا اضافہ کیا ہے۔ (3) اسی طرح اگر مسجد میں کوئی آیا اور جمات کھڑی ہو چکی تھی یا اقامت شروع ہو چکی تو بالافتاح تحیۃ المسجد نہیں اگر مسجد حرام میں کوئی داخل ہو تو اس کا تحیۃ المسجد طواف ہے نماز نہیں۔

باب ماجاء ان الارض کلها مسجد الا المقبرة والحمام

وابوعمار ثقہ ہیں۔ ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے لئے ساری زمین مسجد بنائی گئی ہے سوائے مقبرہ اور حمام کے۔ یہ اس امت کی خصوصیت ہے کہ اہل کتاب پر لازم تھا کہ وہ نماز اپنے معبد میں پڑھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت کی بدولت امت محمدیہ کو ہر جگہ نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ سیاح تھے تو شام کی سرزمین پر جگہ جگہ کلیسا بنائے گئے تھے اس وجہ سے آج بھی شام میں کلیسا بکثرت موجود ہیں۔

اس حدیث میں دو جگہوں کا استثناء ہے ایک مقبرہ ایک حمام دوسری روایت (1) میں دیگر مواضع کا بھی

(3) دیکھئے معارف السنن ص ۲۹۵ ج ۳

باب ماجاء ان الارض کلها مسجد الا المقبرة والحمام

(1) کافی روایت الترمذی "باب ماجاء فی کراہیۃ ما یصلی الیہ وفیہ" ایضاً تفصیل کے لئے دیکھئے تلخیص الخیر ص ۵۳۱ ج ۱ رقم

ذکر ہے مثلاً نجاست کی جگہ یا ذبح کی جگہ یا اونٹوں کا بازو یا ارض منصوبہ وغیرہ۔ ابن العربی (2) نے تقریباً سترہ مواضع کا نام لیا ہے اور تقریباً بارہ ذکر کی ہیں۔

جامع صغیر میں ہے کہ قبر کے چھ نماز پڑھنا مکروہ ہے البتہ اگر کوئی حائل ہو تو صحیح ہے۔ فتح القدیر میں ہے کہ اگر مسجد کے آگے قبر یا حمام یا نجاست ہو تو وہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے البتہ اگر حائل ہو تو صحیح ہے۔ یا پھر اتنے فاصلے پر ہو کہ اگر یہ خاشعین والی نماز پڑھے تو نگاہ اس پر نہ پڑھے۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اگر حمام میں جگہ صاف ہو وہاں تصویر وغیرہ نہ ہو اسی طرح مقبرہ میں جگہ صاف ہو آگے قبر نہ ہو تو نماز پڑھنا جائز ہے۔ (3) یہ صورت وہاں ہے جہاں ایک دو قبریں ہوں جس کو مقبرہ کہتے ہیں اگر قبریں زیادہ ہوں (تو اس کو مقبرہ کہتے ہیں کہ مقطعہ کا وزن دلالت کرتا ہے کثرت پر جیسے مدرسہ جس میں درس کثرت سے ہوتا ہو) تو ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس میں نماز مکروہ ہے یہی ایک روایت امام مالک سے ہے دوسری جواز کی ہے۔

امام احمد و اہل ظواہر کے نزدیک مقبرے میں نماز حرام ہے بلکہ نماز ہوگی ہی نہیں۔ کما ذکرہ الحنفی امام شافعی کے نزدیک تفصیل ہے کہ اگر مقبرے کی مٹی ناپاک ہے کہ اس میں مردوں کا خون یا پیپ یا گوشت کی آمیزش ہو تو نماز صحیح نہیں اور یہ صورت نہ ہو تو جائز ہے۔

باب ماجاء فی فضل بنیان المسجد

رجال:-

ابو بکر الحنفی ان کا نام عبدالکبیر الحمیری ہے ثقہ ہیں کتب ستہ کے رجال میں سے ہیں۔ ✽

تشریح:-

حضرت عثمان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا کہ جس نے اللہ کے لئے مسجد بنائی اللہ اس کے لئے اسی طرح کا گھر جنت میں بنائیں گے۔ اللہ یعنی نیت ثواب کی ہو اخلاص کے ساتھ لہذا

جو غلو ص نیت کے ساتھ نہیں بنائے گا وہ اس کا مستحق نہیں۔ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ جو مسجد پر نام کندہ کرائے یہ اخلاص کے منافی ہے۔ جو مزدور اجرت پر مسجد میں کام کرتا ہے اور وہ اپنے کام سے زائد کام کی کوشش کرتا ہے تو وہ بھی ماجور ہوگا۔

مسجداً میں تین تنکیر کے لئے ہے یعنی چاہے چھوٹی مسجد ہو یا بڑی۔ مثلاً فی الحنة میں ایک توجیہ یہ ہے کہ جنت کا گھر مسجد کے بقدر ہوگا لکنہ نفس منہ لیکن اس میں آسائشیں بہت ہوں گی اور زیادہ مزین ہوگا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ دونوں پر اطلاق بیت کا ہوگا اگرچہ جنت کا گھر بہت بڑا ہوگا۔ تیسرا مطلب یہ ہے کہ وہ گھر جنت کے گھروں میں اس طرح افضل ہوگا جس طرح مسجد دنیا کے گھروں میں ممتاز ہوتی ہے۔

پھر بظاہر نفس تعمیر ابتداء اور مرمت دونوں اس میں شامل ہیں البتہ اصل تعمیر سے زائد کام جیسے نقش و نگار دینا وغیرہ اس میں فقہاء کے تین قول ہیں ایک یہ کہ مکروہ ہے ایک تو اس میں اسراف ہے جو ممنوع ہے دوسرا اس میں تکلف ہے تیسری بات یہ ہے کہ تزئین و آرائش اور اگر آیات قرآنیہ کندہ ہوں تو اس میں نمازی کے خشوع و خضوع پر اثر پڑے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قربت ہے یعنی کار خیر اور کار ثواب ہے۔ قول ثالث یہ ہے کہ مباح ہے۔ پھر جو علماء جواز کے قائل ہیں وہ مقید کرتے ہیں اپنے قول کو اس بات کے ساتھ کہ مینار یا نقش کا خرچہ متولی کے اپنے پیسوں سے ہو۔ اگر وقف مال سے کرے گا تو ضامن ہوگا۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ آج کل لوگوں کو علم ہوتا ہے کہ میرے پیسے اس پر لگیں گے اس کے باوجود دیتے ہیں گویا معطلی اس پر راضی ہے تو متولی کو ضامن نہیں ہونا چاہئے۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر تزئین کی جگہ وہ پیسہ فقراء کو دیا جائے تو یہ افضل ہے بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر فنڈ زیادہ ہے اور ضیاع کا خطرہ ہے تو تزئین پر لگایا جاسکتا ہے۔ علامہ بنوریؒ نے لکھا ہے کہ اگر فنڈ اس قدر زیادہ ہو کہ اگر مسجد کی دوبارہ مرمت کی ضرورت پیش آئے تو پوری ہو سکے اور پھر بھی فنڈ بچ جائے تو زائد مدرسے میں دیا جاسکتا ہے۔

باب ماجاء فی کراہیۃ ان یتخذ علی القبر مسجداً

رجال:-

عبدالوارث ثقہ ہیں۔ محمد بن حمادہ بنضم النجم وتخفف الیاء ثقہ ہیں۔ ۲۱۰

تشریح:-

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زائرات القبور اور اس پر مساجد بنانے والوں اور چرائے جانے والوں پر لعنت فرمائی ہے معلوم ہوا کہ قبر پر مسجد بنانا مکروہ تحریمی ہے۔ ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ اہل کتاب میں دستور تھا کہ وہ انبیاء کی قبروں کو دھن بناتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا اور ان پر لعنت کر دی۔ آج اگر کوئی نیک آدمی کی قبر کے قریب تہر کا مسجد تعمیر کرے اور نیت تعظیم کی نہ ہو اور نہ نیت توجہ الی القبر کی ہو تو جائز ہے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ نہیں عام ہے اور مسجد قبر پر مطلقاً ممنوع ہے کیونکہ اگر قبر پر مسجد کا مقصد قبر کی تعظیم ہو تو شرک جلی ہے اور اگر مقصد توجہ ہے تو شرک خفی ہے اگر دونوں مقصد نہ بھی ہوں تو تشبیہ عبدة الاوثان ہے جو سداً للذرائع مکروہ ہے۔ قبر پر گنبد بنانا یا اس کو پختہ بنانا یا نام کندہ کرنا بالافتاق ائمہ اربعہ مکروہ ہے۔

زائرات القبور قبر کی زیارت (عورتوں کے لئے) کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ سے دو روایتیں ہیں ایک تحریم کی بدلیل حدیث الباب دوسری رخصت کی۔ رخصت والے قول کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع میں ممانعت فرمائی پھر اجازت دی۔ کنت نہینکم عن زیارة القبور الا فزوروا (۱) (۱) میثہ اگرچہ مذکور ہے مگر عورتیں تہجد داخل ہیں اور ایسا بکثرت ہوتا رہتا ہے۔

البتہ رخصت مشروط بشرط ہے کہ عبرت یا تذکر موت کے لئے جایا جائے۔ لیکن اگر مقصد جزع فزع یا استمداد ہو تو ممنوع ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر جانا منکر کو ستر مزہ ہو تو منع ہے۔ بوزھی عورتیں اگر صحیح مقصد کے لئے

باب ماجاء فی کراہیۃ ان یتخذ علی القبر مسجداً

(۱) رواہ مسلم ص ۳۱۳ ج ۱: کتاب الجنائز کے آخر میں۔

جاتی ہیں تو مردوں کے حکم میں ہیں اگر وہ نوحہ یا جزع فزع کرتی ہیں تو ان کے لئے بھی جانا ممنوع ہے جیسے شروع میں عورتیں مسجد جایا کرتی تھیں پھر جوان عورتوں پر پابندی لگی پھر بوزھیوں پر بھی پابندی لگی کی نیت میں خور آنے لگا اگر مردوں کا مقصد بھی غلط ہو جیسے آج کل حشرات پر ہوتا ہے تو ان کے لئے بھی ناجائز ہے۔

سرج جمع سراج کی ہے اگر جلتا اس مقصد کے لئے ہے کہ مردے کو روشنی ہو یا اس کو فائدہ پہنچے تو یہ ناجائز ہے کیونکہ اگر مردہ جنتی ہے تو اس کو اس دنیا کی روشنی کی ضرورت نہیں اگر جہنمی ہے تو اس کو اس روشنی سے کوئی فائدہ نہیں اگر مقصد زائرین کو سہولت دینا ہو کہ ان کو راستہ نظر آئے تو جائز ہے بشرطیکہ میلے کی شکل اختیار نہ کرے۔

باب ماجاء فی النوم فی المسجد

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مسجد میں سویا کرتے تھے اور ہم جوان (شباب) تھے۔ شباب پر وزن فعال کسب شباب کی جمع ہے فاعل کی جمع فعال کے وزن پر صرف اسی مادہ میں آتی ہے۔

اس پر اتفاق ہے کہ مختلف کے لئے مسجد میں سونا جائز ہے اس کے علاوہ جمہور کے نزدیک مسجد میں سونا مکروہ ہے جمہور سے مراد امام ابو حنیفہؒ امام مالک امام احمد امام اوزاعی حضرت مجاہد الملقی بن راہویہ طاہر اور عبد اللہ بن مسعودؓ ہیں۔

امام شافعی کے نزدیک مسجد میں سونا جائز ہے ابن حجر نے اس کو جمہور کا مذہب قرار دیا ہے کیونکہ امام شافعی کے علاوہ سعید بن مسیبؒ عطاء عبد اللہ بن عمر حسن بصری اور محمد بن سیرین بھی مطلقاً جواز کے قائل ہیں۔ ابن عباسؓ سے دونوں قول مروی ہیں ایک ممانعت کا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں۔ "لا تتخذ المسجد مرقداً" یعنی مسجد کو خواب گاہ نہ بناؤ۔ یہاں بھی ترمذی نے ان کا قول یہی نقل کیا ہے۔ قال ابن عباس "لا تتخذہ میناً ومقلاً" یعنی نہ رات کو سوئے نہ دن کو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ "ان کنت تنام فیہ لصلوٰۃ فقل باس" بعض حضرات فرق کرتے ہیں کہ اگر عادت نہ بنائی جائے اور کبھی کبھی سو جائے تو حرج نہیں۔ امام مالک تفصیل کرتے ہیں کہ اگر اپنا گھر ہے یا کسی اور جگہ سونے کا بندوبست ہو سکتا ہے تو مسجد میں سونا نہیں چاہیے اگر کوئی ٹھکانہ نہیں تو

سوسکتا ہے جیسے آدمی مسافر ہو یا مقیم ہو لیکن مگر نہ ہو۔ ابن العربی نے مریض کا بھی اضافہ کیا ہے کہ مریض بھی حضور فی الصلوٰۃ کی نیت سے مسجد میں سوسکتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ کے لئے جب وہ زخمی ہو گئے تھے تو مسجد میں خیمہ لگوا یا تھا حنفیہ کے نزدیک بھی یہ صورتیں جواز کی ہیں۔ البتہ بعضوں نے لکھا ہے کہ آدمی کو سونے کی ضرورت پیش آئے تو اعتکاف کی نیت کرے شامی نے کچھ اضافہ کیا ہے کہ اولاً کچھ عبادت بھی کر لے پھر سو جائے۔

جمہور کی دلیل نمبر ۱:- کہ بلا وجہ مسجد میں سونا نہیں چاہیے ابو ذرؓ کی حدیث ہے (معارف السنن بحوالہ مسند داری) وہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں سورا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے "فضر بنی برجله فقلت غلب عینی النوم" (الحدیث) تو نبی کا پاؤں مارنا نا پسندیدگی کی دلیل ہے اور ابو ذرؓ کا غلب یعنی النوم کے ساتھ عذر بیان کرنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام بھی اس کو اچھا نہ جانتے تھے۔

دلیل ۲:- مسجد عبادت کے لئے متعین ہے اور غینہ میں غفلت عن العبادۃ ہے تو یہ مقصد مسجد کے خلاف ہے امام شافعی کا استدلال جواز نوم پر باب کی حدیث سے ہے اسی طرح اصحاب صفہ اور عرینین وغیرہ کا مسجد میں سونا ثابت ہے۔

جواب :- اصحاب صفہ اور ابن عمر چونکہ معذورین تھے کہ اصحابہ صفہ کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا اور ابن عمر کے بارے میں بخاری (۱) وغیرہ میں تصریح ہے کہ عزب لا امل لہ اور عرینین کا کوئی مکان نہیں تھا بلکہ وہ مسافر تھے لہذا اس سے مطلق جواز پر استدلال صحیح نہیں۔

باب ماجاء فی کراهیة البیع والشراء وانشاد الضالة

والشعر فی المسجد

عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده اس سند کے بارے میں ائمہ حدیث کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ قابل حجت ہے یا نہیں؟ بعض اس کو صحیح کہتے ہیں اور بعض ضعیف امام ترمذی نے دونوں قول نقل کئے ہیں تصحیح میں امام بخاری کا قول نقل کیا ہے "قال محمد بن اسماعیل رايت احمد واسحق و ذکر غیرهما یحتملون بحديث عمرو بن شعيب" اور ناقدین میں سے سبکی بن سعید کا قول نقل کیا ہے "انہ قال بحديث عمرو بن شعيب عندنا واه قول فیصل یہ ہے کہ یہ سند کم از کم درجہ حسن کی ہے جو قابل احتجاج ہے۔ اس اختلاف کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ عمرو بن شعیب کی روایت مرسل ہے یا متصل؟ اس سند میں دو ضمیریں ہیں ایک عن ابيه کی اور ایک عن جده کی ابيه کی ضمیر تو عمرو کی طرف راجع ہے پورا سلسلہ نسب ان کا یوں ہے عمرو بن شعیب بن محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن العاص عبد اللہ اور عمرو (کبیر) دونوں صحابی ہیں محمد جو کہ دادا ہے عمرو صغیر کا یہ تابعی ہے مطلب یہ ہوگا کہ عمرو صغیر اپنے والد شعیب سے روایت کرتے ہیں لیکن عن جده کی ضمیر کے مرجع میں ایک احتمال یہ ہے کہ عمرو کی طرف راجع ہو اور یہ اصول کے مطابق بھی ہے کہ اصول یہ ہے کہ سند کی ضائر راوی کی طرف لوثی ہیں مطلب یہ ہوگا کہ عمرو اپنے والد شعیب سے اور شعیب عمرو کے جد سے روایت کرتے ہیں۔ پھر جد میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ جد ادنیٰ مراد ہو تو وہ محمد ہے لہذا روایت مرسل ہو جائے گی اور اگر جد سے مراد جد اعلیٰ ہو یعنی عبد اللہ بن عمرو ہو تو روایت متصل ہو جائے گی اور چونکہ شعیب کا سماع عبد اللہ بن عمرو سے ثابت ہے لہذا یہ روایت وجاہت نہیں ہوگی سماعاً ہوگی۔ ترمذی ثانی ص: ۷۷ ایچ ایم ابواب صفۃ القیامۃ عمرو بن شعیب کی روایت یوں آئی ہے۔ باب بلا ترجمہ (۱) ہے۔

باب ماجاء فی کراهیة البیع والشراء وانشاد الضالة والشعر فی المسجد

(۱) لکھنؤ اور اڈو ص: ۷۷ ایچ ایم ابوالکسیر فی العیدین پر بھی اسی طرح سند مذکور ہے۔

عن عمرو بن شعيب عن جده عبدالله بن عمرو قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول حصلتان من كانتا فيه كتب الله شاكراً صابراً

یہاں ترمذی نے تصریح کی ہے کہ عمرو بن شعیب کی روایت عبد اللہ بن عمرو سے ہے۔ اسباب میں بھی ترمذی نے تصریح کی ہے قال محمد وقد سمع شعيب بن محمد من عبدالله بن عمرو۔ جده کی ضمیر میں دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ راجع ہو شعیب کی طرف علامہ گنگوہی نے الکوٰۃ الدری میں اسی پر جزم کیا ہے اور اس کا ارجاع عمرو کی طرف غلط قرار دیا ہے اس میں اگرچہ انتشار ضرر ہے مگر وہ فرماتے ہیں کہ یہ سند عام طریقہ معروفہ کے خلاف ہے (کہ ضمیر راوی کی طرف لٹنی چاہئے) دلیل اس کی یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک جب جد سے مراد محمد ہو تو وہ عن جدہ کی جگہ عن ابیہ کہتے ہیں یعنی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ ثن ابیہ لہذا یہاں جد سے مراد جد شعیب یعنی عبد اللہ بن عمرو ہی ہوئے۔

ترمذی نے اس باب میں تین حکم بیان فرمائے ہیں۔ ایک مسجد میں بیع و شراء کا مکروہ ہونا انشاء ضالہ اور شعر گوئی حدیث میں اگرچہ انشاء ضالہ کا ذکر نہیں لیکن یہ بات پہلے بھی گذری ہے کہ ترمذی اشارہ کرتے ہیں ترجمہ میں باقی احادیث کی طرف اگرچہ باب کی حدیث میں وہ لفظ نہیں ہوتا۔ یا یوں کہیں کہ انشاء ضالہ کا حکم بطور قیاس مستحب کیا ہے تو عبد اللہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تا شد اشعار سے ممانعت فرمائی ہے۔ نحدۃ صوت اور نشید رفع الصوت کو کہتے ہیں۔ شعر کی دو حیثیتیں ہیں اگر اس میں غلط مضمون یا عشقیہ اشعار ہیں تو مسجد میں پڑھنا اور سننا ممنوع ہے اور اگر صحیح مضمون کے اشعار ہیں تو اس کا پڑھنا اور سننا ثابت ہے جیسے کہ حسان بن ثابت (2) کے لئے منبر رکھا جاتا اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں اشعار پڑھتے۔ اسی طرح مسند احمد (3) و ترمذی میں جابر بن سمرہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسجد میں سو مرتبہ سے زیادہ حاضر ہوا ہوں تو نبی صحابہ کے اشعار سنتے یا زمانہ جاہلیت کی باتوں کو سنتے تو قسم فرماتے۔ اسی طرح کعب بن زہیر (4) کا قصیدہ بردہ پڑھنا بھی ثابت ہے کہ انہوں نے قصیدہ مدح النبی پڑھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر

(2) چنانچہ دیکھئے سنن نسائی ص: ۷۱۱ ج: ۱ "الرخصة في انشاء اشعار الحسن الخ"

(3) مسند احمد ص: ۳۱۴ ج: ۷ مسند جابر بن سمرہ رقم حدیث ۲۰۸۹۷ (4) عارضة الاحوذی ص: ۱۰۳ ج: ۲

(برودہ) عنایت فرمائی۔ اسی وجہ سے قصیدہ بردہ کہلانے لگا۔ حضرت مدنی فرماتے ہیں کہ دلائل الخیرات کا قصیدہ بعد کا ہے جب صاحب دلائل الخیرات بیمار ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح میں قصیدہ لکھا تو شفاء ہوئی جو قصیدہ البراءت کے نام سے موسوم ہے۔ ابن العربیؒ نے عارضۃ الاخوذی میں لکھا ہے کہ جن اشعار کا مجموعی مضمون حمایت دین کا ہو تو اگرچہ بعض اشعار میں ذکر خیر وغیرہ کا ہو تو ممنوع نہیں ہوگا۔

البتہ علم ادب کے اشعار جو مسجد میں کہے جائیں بطور درس و تکرار کے تو بعض نے فرق کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت کے اشعار سے مقصد چونکہ عربی پر عبور ہے تو پڑھنا پڑھانا صحیح ہے البتہ فلسفہ وغیرہ کے بارے میں شاہ صاحب لکھتے ہیں اتول من هذا اگر الفلسفۃ فی المساجد کما ہو دابطلہ العصر یقال له لا علمک اللہ۔

وعن البیع والشراء مسجد میں بیع و شراء اس لئے ممنوع ہے کہ یہاں آخرت کا سودا ہوتا ہے یہاں دنیا کے بازاروں کا کام نہیں کرنا چاہئے دوسری بات یہ ہے کہ مسجد میں آنے کا مقصد فوت ہو جانا ہے۔ البتہ اگر معکف بیع و شراء کرتا ہے چونکہ اس کے لئے باہر جانا ممنوع ہے تو بغیر احضار بیع کے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے۔ امام احمد کے نزدیک معکف کے لئے یہ بھی مکروہ ہے پھر فقہاء نے معکف کے لئے لا باس ہے کے الفاظ استعمال کئے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ترک بیع اس کے لئے بھی اولیٰ ہے کیونکہ بیع و شراء سے انابت پر اثر پڑتا ہے پھر معکف کے لئے بھی اجازت محدود ہے کہ فقط ضروریات زندگی مثلاً کھانے پینے کے چیزوں کے بیع کر سکتا ہے دیگر اشیاء کی مکروہ ہے۔

بعض نامعلوم افراد کے نزدیک مسجد میں بیع و شراء جائز ہے۔ قال الترمذی وقد روی عن بعض اهل العلم من التابعین رخصة فی البیع والشراء فی المسجد مگر باب کی حدیث ان کے خلاف جمہور کے لئے شاہد عدل ہے۔ پھر اس پر اجماع ہے کہ مسجد میں اگر بیع و شراء ہوئی تو منعقد ہوگی واجب انقضائے نہیں ہوگی۔

وان یتحلق الناس یوم الجمعة جمعہ کے دن مسجد میں حلقہ بنانا بھی مکروہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر یہ حلقہ مذکورہ علم و ذکر کے لئے ہو تو جائز ہے اگر گپ بازی کے لئے ہو تو مکروہ ہوگا۔ بعض کے نزدیک مطلقاً مکروہ ہے پھر کراہیہ کی وجہ عند بعض یہ ہے کہ یہ ہیئت اجتماع صلوٰۃ کے منافی ہے کہ ہیئت جمعہ کی یہ ہے کہ لوگ آ کر خطبہ سنیں اور حلقہ استماع کے منافی ہے اور اس میں رکاوٹ ہے اور عند بعض یہ مقصد کے منافی ہے کہ یہ وقت

انصات واستماع کا ہے اور حلقہ اس کے منافی ہے۔

قبل الصلوة کی قید سے معلوم ہوا کہ یہ نقطہ جمعہ کے ساتھ مخصوص ہے اگر جمعہ کے بعد حلقہ بنا میں تو جائز ہے جیسے کہ ترمذی میں حدیث ہے کہ تین آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آئے ایک مجلس میں فرجہ پا کر بیٹھ گیا دوسرا اخیر میں بیٹھا تیسرا وہاں ہوا۔ معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں حلقہ بنا کر بیٹھتے تھے لہذا مطلقاً ممنوع نہیں۔

انشاد الضالۃ یہ چوتھا حکم ہے باب کی حدیث میں اس کا ذکر نہیں ترمذی نے ترجمۃ الباب میں اس کو لیا ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ انشاء الضالۃ کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ چیز باہر گم ہوئی اور اعلان مسجد میں کرے تو یہ اشع ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جو چیز مسجد میں گم ہوئی اس کا اعلان مسجد میں کرے تو یہ بھی مکروہ ہے مگر اخف ہے بعض کہتے ہیں کہ اگر مسجد میں شروع نہ ہو تو اس صورت میں جائز ہے۔ مسلم (5) میں ہے کہ گم شدہ چیز کا اعلان کرتے ہوئے اگر کسی کو سنے تو کہے لا ردھا للہ علیک۔ نسائی کی عمل الیوم واللیلۃ (6) میں ہے کہ مسجد میں تجارت کرنے والے کو لا یربح اللہ نہ حار نک کہے۔ کبیری شرح مدیہ میں مسجد کے احکام کے لئے ایک ضابطہ لکھا ہے کہ جس عمل میں عبادت کا پہلو موجود ہو اور اس سے مسجد کی توہین اور کلوٹ نہ ہوتی ہو تو مسجد میں جائز ہے ورنہ مکروہ ہے۔ لہذا مال غنیمت کی تقسیم مسجد میں جائز ہے کہ اس میں عبادت کا پہلو ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بحرین سے آیا ہوا مال مسجد میں تقسیم کیا تھا۔

ابن العربی نے لکھا ہے کہ مسجد میں صدقہ بھی دیا جاسکتا ہے اور جس چیز سے مسجد کی توہین یا کلوٹ ہوتی ہو یا اس میں عبادت کا پہلو نہ ہو تو یہ سارے امور مکروہ ہیں پھر اس ضابطے پر چند مسائل مرتب کئے ہیں کہ فضول باتیں مسجد میں مکروہ ہیں بلکہ لغو کلام مسجد میں نیکیوں کو اس طرح کھاتا ہے جس طرح جانور گھاس کو یا آگ لکڑیوں کو۔ اسی طرح رفع الصوت فی المسجد بھی مکروہ ہے۔ حدود کا اجرا پاگلوں کا مسجد میں لانا چھوٹے بچوں کو بغیر الصلوة لانا اسی طرح بغیر ضرورت چھوٹے بچوں کو مسجد میں تعلیم دینا پانی کا کنواں مسجد میں بنانا کیونکہ پانی لینے کے لئے اس میں عورتیں اور بچے آئیں گے جس سے مسجد کی توہین ہوگی اگر پرانا کنواں ہو مسجد میں جیسے بیروز مزم تو اس کو باقی رکھا جائے اسی طرح درخت لگانا بھی مکروہ ہے کیونکہ درخت لگانے سے وہ جگہ ناقابل استعمال

ہو جائے گی نماز کے لئے الایہ کہ درخت لگانے کی ضرورت ہو کہ مسجد کی مٹی نرم ہو اس پر ستون نہ لگے یا زمین میں نمی ہو تو اس کو دور کرنے کے لئے ناریل وغیرہ کا درخت لگانا جائز ہے اسی طرح مسجد میں گذرنا بغیر ضرورت کے یہ بھی مکروہ ہے اگر گذرنے کے دوران یاد آ جائے تو واپس ہونا چاہیے مسجد میں وضو بھی مکروہ ہے البتہ اگر کوئی جگہ وضو کے لئے مختص ہو تو جائز ہے کیونکہ وہ جگہ خارج از مسجد ہوگی۔

مسجد میں تھوکنہ فرش یا دیواروں پر مکروہ ہے بلکہ ضرورت پڑنے پر پکڑے میں تھو کے پھر پکڑے کو رگڑے کماورونی الحدیث البزاق فی مسجد حطیۃ و کفار تھا دفنھا متفق علیہ فن سے مراد عند البعض اخراج ہے کہ تھوک کو باہر نکال دے کیونکہ مسجد کی مٹی محترم ہے اور عند البعض باری (دریوں) کے اوپر مٹی وغیرہ ڈال دے فرش پر نہ تھو کے بلکہ عند الضرورت دریوں پر تھو کے کیونکہ فرش مسجد کا حصہ ہے جبکہ دریاں مسجد کا حصہ نہیں۔ اسی طرح بعد الوضوء ہاتھ پاؤں اور داڑھی کا پانی مسجد میں جھاننا مکروہ ہے کیونکہ یہ ماء مستعمل ہے اسی طرح دیوار یا ستون یا مسجد کے فرش کے ساتھ پاؤں پونچھنا منع ہے البتہ اگر کوئی پائیدان یا کپڑہ وغیرہ ایسا ہے کہ اس پر نماز نہیں پڑھی جاتی تو اس سے پاؤں پونچھنا جائز ہے اگرچہ ترک افضل ہے۔ پیاز، لہسن وغیرہ کھا کر مسجد میں آنا مکروہ ہے کہ اس سے لوگوں اور فرشتوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ صحیحین (7) میں ہے فان الملائکۃ تنادی مہم ابشادی منہ بنو آدم اسی طرح ایسی بیماری والا شخص کہ لوگوں کو اس کی شرکت سے ناگواری ہو تو اس کو بھی مسجد میں نہیں آنا چاہئے۔ قیسا علیہ بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ اخراج ریح فی المسجد بھی مکروہ ہے بعض نے مختلف کے لئے اجازت دی ہے اور بعض نے ضرورت کو کراہت سے مستثنیٰ کیا ہے احتیاط بہر حال اولیٰ ہے۔

مسجد میں سوال کرنا حرام ہے سائل کو دینا مکروہ ہے کیونکہ یہ ترغیب علی السؤال کے مترادف ہے بعض نے کہا کہ سائل کے سوال سے کسی کو اگر تکلیف نہ ہوتی ہو تو جائز ہے۔ بغیر نماز کے مسجد میں بیٹھنا یعنی بلا انتظار صلوٰۃ جائز ہے تعزیت کے لئے بیٹھنا مکروہ ہے۔ مسجد میں ایسا مکروہ بنانا کہ اس میں مسجد کا سامان رکھا جائے یہ جائز ہے کہ اس پر امت کا تعامل ہے۔ اسی طرح اصل میں تو مسجد کے دروازے بند کرنا مکروہ ہے لیکن صاحب

(7) صحیح البخاری ص: ۱۱۸ ج: ۱ باب ماجاء فی الثوم الخ ص: ۸۲ ج: ۲ باب ما یکرہ من الثوم صحیح مسلم ص: ۲۰۹ ج: ۱ باب

نہی من اکل ثوما ووصلوا کو کرنا و نحو الخ

کبیری نے لکھا ہے کہ ضرورت کے بناء پر یہ جائز ہے کہ مثلاً چوری کا خدشہ ہو۔ اسی طرح مکروہ ہے اسلحہ دکھانا اور نکال کرنا، کچا گوشت بھی لانا، گزارنا مکروہ ہے اس طرح جو کچھ پھینکنا مسجد میں مکروہ ہے اگر زندہ ہو تو بھوک کی تعذیب کی بنا پر اگر مری ہوئی ہوں تو نجاست اور تقدیر کی وجہ سے منع ہے۔ بعض نے اس کو کبیرہ قرار دیا ہے نیز اس سے نسیان بڑھتا ہے۔ جتنے کام مسجد کے اندر مکروہ ہیں وہ سب مسجد کے اوپر بھی ممنوع ہیں۔

باب ماجاء فی المسجد الذی اسس علی التقویٰ

رجال:-

انیس بن ابی یحییٰ انیس بضم الهمزہ مصغر ہے الاسلمی اور ثقہ ہیں۔ ابی یحییٰ کا نام سمعان المدنی ہے لہذا البیہ سے مراد یہی سمعان ہے۔ ☆

تشریح:-

ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ دو آدمیوں نے (امتراء) مباحث کیا کہ مسجد اس علی التقویٰ کونسی ہے ایک آدمی بنی خدرہ کا تھا دوسرا بنی عمرو بن عوف کا خدری نے کہا کہ یہ مسجد نبوی ہے دوسرے نے کہا کہ یہ مسجد قبا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو ہذا یعنی وہ میری مسجد ہے۔

یہاں دو اشکال ہیں ایک یہ کہ تقریباً اس پر اتفاق ہے کہ "المسجد اسس علی التقویٰ" اور "فیہ رجال یحبون ان ینظہروا" یہ قباء کے بارے میں تازل ہوئی اور حدیث میں ہے کہ مسجد نبوی کے بارے میں ہے تو حدیث و قرآن میں تعارض ہوا۔

اشکال نمبر ۲ یہ ہے کہ جب یہ آیت قباء کے بارے میں مشہور ہے تو خدری نے کیوں کہا کہ ہو مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟

اشکال اول کے جواب میں متعدد توجیہات کی گئیں ہیں۔ ایک یہ کہ آیت کو ترجیح دی جائے گی حدیث پر کہ آیت قطعی ہے۔

جواب ۲:- ممکن ہے کہ یہ آیت دو دفعہ نازل ہوئی ہو سورت فاتحہ کی طرح ایک دفعہ قباء کے بارے میں اور دوسری دفعہ مسجد نبوی کے بارے میں لیکن چونکہ اس پر کوئی دلیل نہیں تو یہ جواب مردود ہے۔

جواب ۳:- ”مسجد اس علی التقویٰ“ مسجد نبوی کے بارے میں ہے جبکہ ”فیہ رجال یحبون ان یتطہروا“ یہ قباء کے بارے میں ہے۔ اس پر اعتراض یہ ہے کہ اس صورت میں تفسیر ضائر لازم آئے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب مراجع متعین ہوں تو تفسیر جائز ہے جیسے وقعر وہ و تو قر وہ کی ضائر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہیں و تسبیحہ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے لیکن چونکہ مراجع متعین ہیں تو جائز ہے محققین کے ہاں یہ تینوں جواب ناپسندیدہ ہیں۔ اس لئے صحیح جواب یہ ہے کہ یہاں تعارض نہیں اور یہی بعینہ دوسرے اشکال کا جواب بھی ہے کہ خداری نے دیکھا کہ اوصاف قباء تو مسجد نبوی میں بدرجہ اتم موجود ہیں تو اس لئے کہا کہ مسجد نبوی مراد ہے اس آیت سے اور دوسرے نے خصوص مورد کو دیکھا تو مسجد قباء کہا۔ حاصل یہ ہوا کہ دونوں حضرات نزول آیت فی قباء پر متفق تھے اختلاف یہ ہوا کہ قباء کے ساتھ خاص ہے یہ آیت یا مسجد نبوی کو بھی شامل ہے؟ تو خداری نے معنی کو دیکھا تو دونوں کو شامل جانا اور دوسرے نے مورد کو دیکھا تو قباء کے ساتھ خاص کر دیا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ میری مسجد ہے یعنی آیت دونوں کو شامل ہے۔

ہو ہذا میں ادوات حصر نہیں ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ قباء کی طرح مسجد نبوی کو بھی یہ فضیلت حاصل ہے کہ دونوں کی بنیاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے رکھی ہے اور دونوں تقویٰ پر ہیں یا جواب کا مطلب یہ ہے کہ آیت ”مسجد اس علی التقویٰ“ اس کا حکم حصر تخصیص نہیں بلکہ اضافی ہے یعنی بہ نسبت مسجد ضرار کے تقویٰ اس کی بنیاد ہے۔

اس کا شان نزول یہ ہے کہ ابو عامر مروی ایک منافق تھا اس نے بعض لوگوں کو آمادہ کیا کہ ایک اور مسجد بنائی جائے تاکہ لوگوں کو مسجد قباء میں آنے سے روکا جائے اور یہاں یہ بنایا کہ بارش اندھیرے وغیرہ میں آنا چونکہ مشکل ہوتا ہے تو ہم اس مسجد میں ہی نماز پڑھ لیا کریں گے جب مسجد تیار ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو افتتاح کی دعوت دی گئی کہ آپ برکت کے لئے اس میں نماز کی ابتداء فرمائیں لیکن چونکہ غزوہ تبوک کا موقع تھا اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ سے واپسی پر افتتاح کی یقین دہانی کرائی۔ واپسی پر یہ آیت اتری کی یہ مسجد ضرار ہے

اس میں نماز نہ پڑھیں۔ لہذا آیت میں حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے اگر بالفرض حصر مانا جائے کیونکہ ہو ہذا میں مبتداء و خبر معرفتین ہیں جو مفید حصر ہیں ابواب التفسیر ترمذی میں ہے ہو مسجدی ہذا تو یہ بھی صحیح ہے کہ مسجد نبوی میں صحابہ جن انوار سے فیضیاب ہوئے تھے یا اس میں جتنی کثرت سے نمازیں ہوئی تھیں اس لئے یہ زیادہ قابل ہے اس بات کے کہ اس کو مؤسس علی التقویٰ کہا جائے اور یہ ہو سکتا ہے کہ ایک سو رو کے بارے میں حکم نازل ہو مگر دوسری چیز اس حکم میں اس کے برابر یا اعلیٰ ہو لہذا ایہا آیت اگر چہ قباء کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن مسجد نبوی بناء و تاسیس علی التقویٰ کے حکم میں اس سے اعلیٰ ہے۔

باب ماجاء فی الصلوٰۃ فی قباء

رجال:-

ابوالا بر مقبول ہیں ترمذی فرماتے ہیں و ابوالا بر داسمہ زیاد مدینی۔ اسید بن ظہیر دونوں تصغیر کے ساتھ ہیں۔ ☆

تشریح:-

قباء بضم القاف ممدود اور مقصور مذکر مؤنث منصرف اور غیر منصرف ہر طرح استعمال ہوتا ہے بعض کہتے ہیں کہ اگر مؤنث ہوگا تو غیر منصرف اور اگر تانیث کا اعتبار نہیں کریں گے تو منصرف کہا جائے گا۔ مدینہ کے عوامی میں دو یا تین میل کے فاصلے پر کے کی طرف جاتے ہوئے بائیں ہاتھ پر واقع ہے۔

الصلوٰۃ فی مسجد القباء کعصرۃ اس حدیث کو بعض نے ضعیف قرار دیا ہے فہی نے میزان الاعتدال (۱) میں منکر قرار دیا ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ روایت منکر نہیں اگرچہ سفیان بن وکیع اور ابوالا بر دکی وجہ سے ضعیف ہے مگر اس مضمون کی دیگر روایات (۲) موجود ہیں لہذا روایت قابل احتجاج ہے خصوصاً فضائل میں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ قباء میں نماز کا عمرے کے برابر ہونے کا حکم اضافی ہے یعنی بالنسبۃ الی المسجد

باب ماجاء فی الصلوٰۃ فی قباء

(۱) میزان الاعتدال ص: ۶۰ ج: ۱ بحوالہ معارف السنن (۲) دیکھئے معارف السنن ص: ۳۱ ج: ۳

النبوی اور مسجد نبوی میں نماز حج کے برابر ہے۔ اس کی مثال یوں ہے جیسے کہ حدیث (3) میں آتا ہے کہ جب آدمی صبح کی نماز پڑھے پھر طلوع شمس تک بیٹھا رہے پھر دو رکعت پڑھے یہ حج و عمرہ کی طرح ہے یعنی جس طرح حج و عمرے میں جتنا فرق ہے ثواب کا اسی طرح صبح کی نماز اور اشراق میں فرق ہے۔ یہاں بھی مطلب یہ ہے کہ جو فرق حج و عمرے میں ہے اسی طرح کافر حج اور مسجد نبوی اور مسجد قباء میں ہے ثواب۔

باب ماجاء فی ای المساجد افضل

رجال:-

زید بن رباح المدنی ثقہ ہیں۔ عبید اللہ ثقہ ہیں۔ ابی عبد اللہ الاغر کا نام سلمان ہے کما صرح بہ الترمذی یہ بھی مدنی اور ثقہ ہیں۔ ✽

تشریح:-

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری مسجد میں نماز باقی مسجدوں کے بہ نسبت ایک ہزار گنا اولیٰ ہے سوائے مسجد حرام کے۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ سوائے مسجد حرام کے کہ وہ مسجد نبوی کے برابر ہے دوسرا مطلب یہ ہے کہ سوائے مسجد حرام کے کہ اس کا ثواب مسجد نبوی سے زیادہ ہے اور یہی مطلب صحیح ہے۔ اس کی تائید مستند احمد (1) و ابن ماجہ (2) کی روایت سے ہوتی ہے کہ مسجد حرام میں نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہوتی ہے جبکہ مسجد نبوی میں ہزار کے برابر۔ بعض روایات (3) میں ہے کہ مسجد نبوی میں ایک کا ثواب پچاس ہزار کے برابر ہوتا ہے مگر باب کی روایت اصح ہے نسبتاً۔ امام نووی وغیرہ کے

(3) رواہ الترمذی ص: ۲۰ ج: ۱ "باب ما ذکر من استحباب من الجلس فی المسجد بعد صلوٰۃ الصبح الخ"

باب ماجاء فی ای المساجد افضل

(1) رواہ احمد وابن حبان والظہری کذا فی معارف السنن ص: ۳۲۳ ج: ۲ ص: ۱۰۱ "باب ماجاء فی فضل الصلوٰۃ فی المسجد"

الحرام الخ" (3) کما فی ردیہ ابن ماجہ ص: ۱۰۲ "باب ماجاء فی الصلوٰۃ فی المسجد الخ"

نزدیک یہ فضیلت صرف اس بقعہ کو حاصل ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں مسجد کا حصہ تھا۔ جمہور کے نزدیک حرام تر زیادتی کو بھی یہ فضیلت حاصل ہے۔ اسکی وجہ یعنی نے یہ لکھی ہے کہ مسجدی ہذا میں اشارہ اور تسمیہ دونوں جمع ہو گئے ہیں تو اعتبار تسمیہ کا ہوگا اور مسجد کا اطلاق زیادتی پر بھی ہوتا ہے۔ اس کی تائید بعض روایت سے ہوتی ہے کہ اگر اس مسجد کی توسیع ذوالخلیفہ تک جیسے کہ حضرت عمر کی روایت (4) میں ہے یا اصناف تک جیسے کہ ابو ہریرہ کی روایت (5) میں ہے ہو جائے تب بھی مسجد نبوی ہی ہوگی۔ یہ دونوں روایتیں وفاء الوفاء باخبار دارالمصطفیٰ میں ہیں اگرچہ سنداً کمزور ہیں۔ (از حاشیہ درس ترمذی)

امام مالک فرماتے ہیں کہ تمام بقاع میں سے افضل ترین بقعہ وہ مٹی ہے جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد تماس کر رہا ہے یہاں تک کہ کعبہ و عرش و کرسی سے بھی افضل ہے۔ پھر کعبہ پھر مسجد نبوی پھر مسجد حرام پھر مدینہ پھر مکہ۔ لیکن جمہور کے نزدیک مسجد حرام کا ثواب مسجد نبوی سے زیادہ ہے۔

اس پر اتفاق ہے کہ تین مساجد مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ جس کو بیت المقدس بھی کہتے ہیں دوسری مساجد کے بہ نسبت افضل ہیں۔ مسجد حرام میں نماز ایک لاکھ نمازوں سے اولیٰ ہے مسجد نبوی میں نماز ایک ہزار نمازوں سے افضل ہے اور مسجد اقصیٰ میں پانچ سو کے برابر ہے۔ کبیری میں ہے کہ تین مساجد کے بعد پھر قباء ہے ثم الاقدم فالأقدم ثم الاظم فالأظم البتہ اگر نبی مسجد گھر کے قریب بن گئی ہے تو وہ اولیٰ ہے بہ نسبت دور کی مسجد کے اگرچہ وہ اقدم ہو۔ اگر دونوں مسجدیں مسافت و فاصلت میں مساوی ہوں تو اگر آدمی فقیہ اور ایسا عالم ہے کہ جس کی شرکت کی وجہ سے لوگ شمولیت کرتے ہیں تو اس کو ایسی مسجد میں جانا چاہئے جہاں لوگ کم آتے ہوں تاکہ اسکی وجہ سے تکثیر جماعت ہو اگر عام آدمی ہے تو اس کو اختیار ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اس مسجد میں جائے کہ جس کا امام متقی ہو۔ اس پر اتفاق ہے کہ استاد کی مسجد میں استفادے کے لئے جانا بہر حال اولیٰ ہے اگر قرعی مسجد میں جماعت ہو چکی ہو اور دوسری مسجد میں جماعت ملنے کی امید ہو تو وہاں جانا اولیٰ ہے سوائے مساجد ثلاثہ مذکورہ کے اگر تکبیر تحریر ہو فوت ہو جائے یا ایک دو رکعتیں چھوٹ جائیں تو دور والی مسجد میں نہیں جانا چاہئے کیونکہ جماعت کا ثواب تو مل گیا اور قریب کا حق مقدم ہے البتہ اگر قریب والی مسجد کا امام زانی سود خور یا ان امور کا مرتکب ہو جن

سے نماز مکروہ ہوتی ہو تو دور والی مسجد میں جانا اولیٰ ہے۔

حدیث لاتشد الرحال رحال جمع رحل کی ہے بمعنی کجاوہ شد بمعنی کسنا باندھنا۔ ترجمہ یہ ہے کہ کجاوے نہ باندھے جائیں مگر تین مسجدوں کی طرف یہ کنایہ ہے سفر سے یعنی رخت سفر نہ باندھو مگر تین مسجدوں کی طرف۔ الا الی ثلاثہ مساجد مستثنیٰ ہے مستثنیٰ منہ مقدر ہے مستثنیٰ منہ کیا ہے؟ تو اس میں اختلاف ہے گویا اس میں دو باتیں قابل ذکر ہیں ایک یہ کہ لاتشد الرحال کی نہی تحریمی ہے یا تنزیہی؟ دوسری بات یہ ہے کہ مستثنیٰ منہ عام ہے یا خاص؟ تو جمہور کے نزدیک خاص ہے تقدیریوں ہوگی لاتشد الرحال الی مسجد الا الی ثلاثہ مساجد اور نہی شفعہ ہے تحریم کے لئے نہیں کہ ان تین کے علاوہ کسی اور مسجد میں نماز پڑھے گا تو سفر کی مشقت برداشت کی اور وہاں جانے سے کوئی خاطر خواہ فائدہ بھی نہ ہوا کہ ان تین کے علاوہ باقی مساجد تو ثواب میں برابر ہیں۔ اور بے فائدہ کام شان عاقل کے خلاف ہے یہی وجہ ہے کہ مسجد قباء کا ذکر نہیں کیا حالانکہ وہاں نماز عمرے کے برابر ہے لیکن قباء جا کر عمرے کا ثواب حاصل ہوگا اور یہ ثواب تو فجر کی نماز پڑھ کر اشراق تک بیٹھ کر دو رکعت پڑھ کر اپنی مسجد میں بھی حاصل ہو سکتا ہے۔

ان تین کا استثناء اس لئے فرمایا ہے کہ اگر تکلیف برداشت کر کے وہاں جائے گا تو شمرہ بھی ملے گا کہ مسجد حرام میں ایک لاکھ نمازوں کا ثواب اور مسجد نبوی میں ہزار سے زیادہ کا ثواب اور مسجد اقصیٰ میں پانچ سو کے برابر کا ثواب ملے گا۔ تو جو کام مہینوں میں نہیں کر سکتا تھا وہ ایک نماز میں مل گیا۔ دوسرا مطلب جمہور یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی اعتکاف کے لئے کسی دوسری مسجد میں جانے کی نذر مانتا ہے تو حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہاں جانے کی ضرورت نہیں حتیٰ کہ اگر اس نے اپنی مسجد میں اعتکاف کیا تو نذر پوری ہو جائیگی۔

اور اگر تین مساجد میں سے کسی مسجد کا تعین کرتا ہے تو جاسکتا ہے اگر قرہی مسجد میں اس حال میں بھی ادا کی تب بھی پوری ہو جائے گی۔

جمہور کی پہلی دلیل مسند احمد (6) کی روایت ہے لایغنی للعطیٰ ان یشد رحالہ الی مسجد الخ اس میں ایک تو لایغنی سے معلوم ہوتا ہے کہ نہی تحریم کی نہیں بلکہ تنزیہ کی ہے دوسرا مستثنیٰ منہ کی تصریح ہے کہ مسجد ہے بعض اہل

(6) مسند احمد ج: ۱۲۸ ص: ۳۴۱ رقم حدیث ۱۱۶۰۹ ایضاً مسند احمد ج: ۱۸۵ ص: ۳۴۱ ولفظ لاتشد الرحال الی ثلاثہ مساجد المسجداً والحرام ومسجد

المدینۃ و بیت المقدس ایضاً مجمع الزوائد ج: ۶۶۹ ص: ۳۴۱ رقم الحدیث ۵۸۵۰

ظواہر نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اس میں شہر بن حوشب ضعیف ہے۔

جواب یہ ہے کہ شہر بن حوشب مختلف ذی راوی ہے بعض نے اگرچہ اس کی تضعیف کی ہے مگر بہت نے صحیح و وثیق بھی کی ہے دوسری بات یہ ہے کہ یہ مسلم کے روایت میں سے ہے۔

دلیل ۲:- اگر مستثنیٰ منہ عام مانا جائے کما ہورای البعض لانتہد الرحال الی موضع یا الی مکان (المحدث) ہو تو سفر تجارت جہاد علم زیارت والدین و اساتذہ کے عدم جواز کا قول کرنا پڑیگا۔ حالانکہ یہ جائز ہے چونکہ جمہور کے نزدیک نبی برائے تحریم نہیں بلکہ حقیقت ہے تو اگر کسی نے مزار یا مسجد کا قصد کیا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا یعنی محض سفر کرنے کا گناہ نہیں ہوگا۔

اعتراض :- نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قباء کی طرف راجلہ را کبنا جانا ثابت ہے حالانکہ وہ مساجد ثلاثہ کے علاوہ ہے۔

جواب :- مراد اس سے سفر کی نفی ہے جو کم از کم تین دن کی مسافت کا نام ہے اور قباء و ذیابین میل پر واقع ہے۔

جواب ۲:- قباء عام مخصوص منہ البعض ہے کہ حکم لانتہد کا عام ہے مگر قباء مستثنیٰ ہے مساجد ثلاثہ کی طرح۔ مذہب ۲:- قاضی عیاض امام حرمین کے والد ابو محمد الجونی ابن تیمیہ اور ابن قیم کا ہے شاہ ولی اللہ کی رائے بھی اسی کے مطابق ہے اس کو مولانا رشید احمد گنگوہی نے پسند کیا ہے کہ فہمی تحریم کے لئے ہے اور مستثنیٰ منہ مخصوص نہیں بلکہ عام ہے تقدیر یوں ہوگی لانتہد الرحال الی مکان یا الی موضع الخ اس پر ایک دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ قاعدہ مستثنیٰ مفرغ میں یہ ہے کہ مستثنیٰ منہ عام ہونا چاہئے۔ جواب یہ ہے کہ مسجد بھی تو عام ہے اگر اسکو خاص بھی مانیں تو مسند احمد کی حدیث کی تصریح کی وجہ سے مانتے ہیں یا یوں کہیں کہ مستثنیٰ منہ وہاں عام ہوتا ہے جہاں تخصیص کی دلیل نہ ہو یا تعلیم سے مانع نہ ہو اور یہاں اگر عام مانیں پھر اسفار جائزہ کو ناجائز کہنا پڑے گا۔

دلیل ۲:- اصحاب سنن (7) نے روایت کی ہے کہ ابو ہریرہؓ جب کوہ طور پر تشریف لے گئے تو نضرۃ الغفاری نے کہا لو کنت اور کنت قل ان تخرج لم تخرج یعنی میں آپ کو وہاں جانے نہ دیتا اگر مجھے آپ کے جانے

کے ارادے کا علم ہوتا اور استدلال اس روایت سے کیا اور ابو ہریرہؓ نے بھی اس کی بات تسلیم کر لی۔

مؤطا مالک (8) میں ہے کہ کعب الاحبار کو وہ طور گئے واپسی پر اس روایت سے بعض صحابہ نے تنقید کی معلوم ہوا کہ مستثنیٰ منہ عام ہے۔

جمہور کی طرف سے جواب یہی ہے کہ اگر عموم کا قول کریں تو اسفار جائزہ کے عدم جواز کا قول کرنا پڑیگا کا بھہاؤ و اعظم وغیرہما۔ پھر ان حضرات کا آپس میں اختلاف ہے بعد اس کے کہ مستثنیٰ صورتیں جائز ہیں اتفاقاً مثلاً زیارت روضۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سفر کرنا جائز ہے یا نہیں تو مذکور الصدر چار حضرات کے نزدیک جائز نہیں۔ شاہ ولی اللہ ونگوہی کے نزدیک جائز ہے باقی مقابر کے لئے سب کے نزدیک ناجائز ہے۔ قال گنگوہی یہ قول اس لئے اختیار کیا کہ اس زمانہ میں شرک و بدعت کا زور ہے تو سد باب کے لئے اس کو اختیار کرنا ضروری ہے۔

حضرت مدنی فرماتے ہیں کہ ہندوستان کے اہل حدیث نے بھی اربعہ کے قول کو اختیار کیا ہے اس لئے وہ حج کر کے زیارت کئے بغیر واپس آتے ہیں حالانکہ یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ ابن تیمیہ وغیرہ کا مقصد یہ ہے کہ نیت زیارت کی نہ ہو بلکہ مسجد نبویؐ کی ہو اگر وہاں پہنچے تو بالا جماع زیارت جائز ہے۔ ابن تیمیہ نے استدلال حدیث باب سے اپنے رسالہ الجواب الباہر فی زیارة المقابر میں کیا ہے اس رسالے کا رد ابن سبکی نے لکھا ہے پھر ابن تیمیہ کے شاگردوں نے اس کے جوابات دیئے ہیں۔ جمہور کے پاس ایک مضبوط دلیل ہے جس کے جواب سے ابن تیمیہ کے شاگرد قاصر ہیں وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے لے کر آج تک تعامل امت ہے کہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے کی زیارت کرنے جاتے ہیں اور فقہاء اس کو مستحب کہتے ہیں بلکہ بعض نے تو مستطیع کے لئے واجب لکھا ہے۔ (9)

وہ حضرات یہ توجیہ کرتے ہیں کہ لوگ مسجد نبویؐ کی نیت کر کے جاتے ہوئے مگر یہ توجیہ رکیک ہے کہ اول یہ کہنا کہ کسی کی نیت روضے کی نہیں مستبعد ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ توجیہ ان لوگوں کے بابت ممکن ہے جو مدینہ کے آس پاس یا شمال میں رہتے ہیں مگر جو مکہ یا مکہ کے جنوب میں یمن وغیرہ کے علاقوں میں رہتے ہیں تو وہ جب مسجد (8) مؤطا مالک میں تلاش کے باوجود بندہ کو یہ مطلوبہ روایت نہ مل سکی۔ واللہ اعلم

(9) اس مضمون کے متعلق احادیث کے لئے دیکھئے آثار السنن ص ۳۳۹ باب فی زیارة قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی آخر الکتاب

حرام میں لاکھ نمازوں کا ثواب حاصل کر رہے ہیں تو وہ ایک ہزار کے لئے کیوں آئیں گے۔

باب ماجاء فی المشی الی المسجد

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب جماعت کھڑی ہو تو دوڑ کر مت آؤ بلکہ سیکھ دو قار کے ساتھ آؤ جو ملے وہ پڑھو جو رہ جائے تو بعد میں ادا کرو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ان آیات کی تفسیر ہے جن میں مساعت مسابقت وغیرہ کا تذکرہ ہے کقولہ تعالیٰ (1) ”واذا نودی للمصلوة من يوم الجمعة فاسعوا الی ذکر اللہ“ الآية وقوله تعالیٰ (2) ”فاستبقوا الخیرات“ و کقولہ تعالیٰ (3) ”سابقوا الی مغفرة“ تو حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ان آیات سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ نماز کی طرف بھی بھاگو بلکہ آیات کا مقصد یہ ہے کہ کام کاج چھوڑ کر نماز کی تیاری کرنی چاہئے جب جماعت کھڑی ہو تو بھاگ کر نہیں آنا چاہئے ایک وجہ یہ ہے کہ یہ وقار کے خلاف ہے اور آداب مسجد کے منافی ہے اس میں گرنے کا بھی خطرہ ہے جو مزید تاخیر کا باعث ہے اس سے سانس پھول جائے گی تو ثناء وغیرہ پر قادر نہیں ہوگا۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ وضو نوٹنے کا بھی خطرہ ہے مگر یہ وجہ تار ہے بنیادی وجہ یہ ہے کہ جب گھر سے نماز کی تیاری کر کے نکلا تو یہ نماز ہی میں ہے اس کو ثواب مل رہا ہے تو بھاگنے کا کیا معنی؟ پھر گھر سے نماز کی تیاری کر کے آنے والا نماز میں کیسے ہوتا ہے تو قبل حکماً نماز میں ہوتا ہے گو کہ نماز کے کل احکام اس پر جاری نہیں کہ وہ چل پھر رہا ہے استقبال قبلہ اس میں ضروری نہیں وغیرہ یا پھر نماز میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نماز کا ثواب برابر اس کو ملے گا۔

حضرت گنگوہی الکوہ الدری میں فرماتے ہیں کہ ترمذی نے یہ جو اقوال نقل کئے ہیں کہ تحریمہ کے فوت کے خوف کی وجہ سے سعی کر سکتا ہے تو یہ اگرچہ بظاہر اس حدیث کے منافی ہے مگر اس کی توجیہ یہ ہے کہ ان حضرات نے یہ خیال کیا کہ نبی اگرچہ ہے مگر تحریمہ کی فضیلت بھی بہت ہے تو نبی سے جو کرہیت ہوگی وہ ادراک تحریمہ سے ختم ہو جائے گی بلکہ زیادہ فضیلت حاصل ہوگی۔ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ اگرچہ فوت تحریمہ کا

باب ماجاء فی المشی الی المسجد

(1) سورۃ جعدہ رقم آیت: 9 (2) سورۃ بقرہ رقم آیت: 138 (3) سورۃ حدید رقم آیت: 21

اندیشہ ہو پھر بھی نہ دوڑے۔ کیونکہ ایک طرف نہیں ہے دوسری طرف فضیلت اور قاعدہ یہ ہے کہ امر و نہی متعارض ہوں تو اعتبار نہی کا ہوگا تو نہی اور افضلیت میں بطریق اولی اعتبار نہی کا ہوگا۔ پھر جب آدمی کو نماز مل جائے کچھ رکعت کے فوات کے بعد تو یہ آخری نماز اس کی شمار ہوگی یا پہلی نماز؟ تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک امام کے ساتھ والی نماز آخری نماز ہے اور ماہی نماز اس طرح پڑھے گا جس طرح ابتداء سے نماز پڑھتا ہے تو ثناء تعوذ و تسمیہ و ضم سورت کرے گا وہی روایت عن احمد وقال الشافعی علی عکس ما قال الامام کہ امام کے ساتھ والی نماز اس کی ابتدائی نماز ہے بعد والی آخری ہوگی یہی ایک روایت امام احمد و مالک سے بھی ہے۔ شرہ اختلاف کوئی خاص نہیں کیونکہ قراءت عند شافعی ہر رکعت میں فرض ہے تو ماہی میں بھی کریگا کما عند ابی حنیفۃ البتہ عند الشافعی ثناء یا تو جہ نہیں پڑھیگا۔

بعض اہل ظواہر کے نزدیک آخری رکعتوں میں ضم سورت واجب نہیں یہ ان کے نزدیک ہے جن کے نزدیک عام نمازوں میں فی الاخرین بھی ضم واجب نہیں۔ امام مالک کے نزدیک امام کے ساتھ جو ملے وہ اول ہے باعتبار افعال کے کہ باقی نماز کی بناء اس پر کرے گا آخر ہے باعتبار اقوال کے کہ قراءت کریگا۔ امام محمد سے مروی ہے کہ اس کی ماہی نماز اول ہے باعتبار قراءۃ کے اور آخری ہے باعتبار تشہد کے۔

امام شافعی کا استدلال باب کی روایت سے ہے و ما فاکم فاکموا مطلب یہ ہے کہ ابتدائی نماز امام کے ساتھ والی ہوگی اور ماہی کا اتمام کرے جبکہ امام ابوحنیفہؒ کا استدلال و ما فاکم فاکموا کے الفاظ حدیث سے ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اتموا کا اطلاق قضاء پر بھی ہوتا ہے لہذا اس روایت سے استدلال صحیح نہیں یعنی معنی یہ ہوگا کہ امام والی نماز آخری ہے اور پہلی رکعات کی قضاء کروو بالعکس لہذا یہ روایت کسی فریق کا استدلال نہیں ہو سکتی۔

حنفی کی دلیل ابو داؤد (4) کی روایت ہے کہ شروع میں جب صحابہ نماز کے لئے آتے تو پہلے شروع کی رکعات فاتحہ پڑھتے پھر امام کے ساتھ شریک ہوتے ایک دفعہ حضرت معاذ آئے صحابہ نے اشارہ کیا کہ پہلی رکعت نہیں تو معاذ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس رکعت میں ہو گئے میں بھی اسی میں ہونگا نبی صلی اللہ علیہ

وسلم نے تحسین فرمائی اور صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم بھی ایسا کرو۔ حاصل یہ کہ امام ابوحنیفہؒ نے امام کی نماز کا اعتبار کیا ہے کہ امام کی آخری نماز ہے تو مقتدی کی بھی آخری نماز ہے امام شافعی نے مقتدی کا اعتبار کیا ہے کہ مقتدی پہلے اول نماز پڑھے گا پھر آخری پڑھے گا۔

باب ماجاء فی القعود فی المسجد وانتظار الصلوٰۃ من الفضل

رجال:-

ہمام بن منبہ بضم المیم وفتح النون وکسر الموحدة المشددة یہ وہب بن منبہ کے بھائی

ہیں تھے من الرابعہ - ☆

تشریح:-

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ایک آدمی برابر نماز میں رہتا ہے جب تک نماز کا انتظار کرے اور فرشتے برابر دعا کرتے رہتے ہیں تم میں سے ایک پر جب تک وہ مسجد میں رہتا ہے اللھم اغفر لہ اللھم ارحمہ جب تک وہ بے وضو نہ ہو جائے حضرموت کے ایک آدمی نے کہا کہ محدث ہونا کیا ہے تو ابو ہریرہؓ نے فرمایا فساء او ضراط فساء ریح بلا صوت اور ضراط ریح بلا صوت کو کہتے ہیں۔ پہلے گزرا ہے کہ نماز میں رہنے کا مطلب بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ حکم نماز میں ہوتا ہے۔ تھیک جو ممنوع ہے وہ استحباب پر محمول ہے منافات اس میں نہیں۔ اس حدیث کے مطلب کی شرح میں شراح کے متعدد اقوال ہیں۔

ایک یہ کہ آدمی مسجد میں آیا اور نماز کا وقت نہیں ہوا کقبل الزوال یا ہو گیا لیکن ابھی جماعت میں دیر ہے تو وہ نماز کا انتظار کرتا ہے تو فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ ایک نماز سے فارغ ہوا اور دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھ گیا مدام فی المسجد میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

شاہ صاحب نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اگر یہ مطلب ہوتا تو اسلاف اس پر عمل کرتے نیز اس سے ذرائع معاش کا قفل لازم آئے گا۔

جواب یہ ہے کہ انتظار کا مطلب یہ ہے کہ کسی نہ کسی وقت میں دوسری نماز کا انتظار کرتا رہے تو ثواب ملے گا اور متقارب اوقات میں اسلاف سے انتظار الصلوٰۃ منقول ہے جیسے عصر و مغرب و عشاء۔ دوسری بات یہ ہے کہ ابو ہریرہؓ نے حدیث کی تفصیل فساء و ضراط سے کی ہے یہ بھی قرینہ ہے مسجد میں انتظار کا کیونکہ یہی چیزیں عموماً مسجد میں حدیث کی متصور ہیں۔

اشکال:- بخاری (۱) کی روایت میں ہے کہ مادام فی مصلاہ الذی صلی فیہ تو ترمذی اور بخاری کی روایات میں تعارض ہے کیونکہ ترمذی کی روایت میں فی المسجد آتا ہے اور مسجد عام ہے مصلیٰ خاص ہے۔

جواب:- بخاری کی روایت میں مراد اسی شخص کی جگہ گاہ نہیں بلکہ الموضع الذی اُعد للصلوٰۃ مراد ہے چاہے کسی کی بھی جگہ گاہ ہو اور ظاہر ہے کہ یہ مفہوم مسجد پر بھی صادق ہے۔

تیسرا احتمال یہ ہے کہ آدمی باہر جائے مگردل میں ارادہ صلوٰۃ ہو اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں ہے وقلبہ معلق بالمسجد وہ بھی فضیلت پائے گا۔

لانسزال الملائکۃ میں الف لام یا عہد کے لئے ہے مراد حفظ ہیں یا کرانا کا تہین یا ملائکہ یا صحن فی الارض یا استغراق کے لئے ہے اور مراد استغراق اضافی ہے یعنی سارے وہ فرشتے جو مسجد میں ہوتے ہیں۔

تصلیٰ علی احدکم سے محدثین کی تائید ہوتی ہے کہ غیر نبی پر درود جائز ہے فقہاء منع کرتے ہیں وجہ یہ ہے کہ درود صلوٰۃ یہ رحمت کاملہ کا ایک حصہ ہے جو انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے۔

مسالم یحدث حدیث کا اطلاق بدعت و جنابت دونوں پر بھی ہوتا ہے اس لئے راوی کو تفسیر پوچھنے کی

باب ماجاء فی القعود فی المسجد وانتظار الصلوٰۃ من الفضل

(۱) صحیح بخاری ص: ۹۰ ج: ۱ باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلوٰۃ وفضل الساجد ایضاً صحیح مسلم ص: ۲۳۳ ج: ۱ باب فضل صلوٰۃ

المکتوبۃ الخ ولفظہ ما کان فی مصلاہ

ضرورت پیش آئی کہ یہاں کیا مراد ہے؟

قال ففساء او ضراط مراد حدث ہے لیکن چونکہ مسجد میں عموماً یہی دو صورتیں متصور ہیں اس لئے خاص طور پر اس کو ذکر کر دیا حصر مراد نہیں یا تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ مراد وہ حدث ہے جو فرشتوں کی تکلیف کا سبب بنے اس وجہ سے حضرت گنگوہی فرماتے ہیں وہ کام جس سے فرشتے نفرت کرتے ہیں اس کے سبب سے بھی فرشتوں کی دعا منقطع ہو جائے گی مثلاً غیبت یا غلط باتیں کرنا کہ حدیث میں ہے کہ غلط بات سے فناء بد بودار ہو جاتی ہے۔

باب ماجاء فی الصلوٰۃ علی الخمرۃ.

باب ماجاء فی الصلوٰۃ علی الحصیر.

باب ماجاء فی الصلوٰۃ علی البسط.

ترمذی نے یہاں تین باب باندھے ہیں مطلب تینوں کا ایک ہے لیکن چونکہ احادیث میں متعدد عنوانات سے ذکر کیا گیا ہے اس لئے تین مختلف ابواب میں ذکر کیا۔ پہلے باب میں ابن عباس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمرہ پر نماز پڑھی۔ خمرہ میں ایک قول یہ ہے کہ چٹائی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا جس کو سجدے میں ہاتھ اور چہرے کے لئے استعمال کیا جائے اس کو خمرہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں دھاگے چھپے ہوئے ہوتے ہیں کہ خمرہ کا معنی چھپانا ہے یا اس لئے کہ اس کی پٹیاں ایک دوسرے کے اندر چھپائی جاتی ہیں یا اس لئے کہ چہرے اور ہاتھوں کو زمین کی حرارت و برودت سے بچالیتی ہے۔ ترمذی نے بھی یہی مطلب لیا ہے۔ قال ابو یوسفی والخمرۃ ہو حصیر صغیر۔

دوسرا قول یہ ہے کہ خمرہ مطلق چٹائی کو کہتے ہیں اس کی تائید ابن عباس کے قول سے ہوتی ہے۔

ان الفارة حرت الفتيلة فالقاهاعلى لخمرة كان رسول الله صلى الله عليه وسلم

قاعداً عليها فاحرقت موضع درهم

معلوم ہوا کہ بڑی چٹائی پر بھی نمرہ کا اطلاق ہوتا ہے۔

دوسرے باب میں ابوسعید خدری کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حصر پر نماز پڑھی۔ حصر بڑی چٹائی کو کہتے ہیں قبل جو انسان کے قدم کے برابر ہو۔

تیسرے باب میں لفظ بسط آیا ہے جمع بساط بکسر الباء مایسط علی الارض بفتح الباء الارض الموسعة یعنی ہموار زمین گویا پہلے باب میں چھوٹی چٹائی دوسرے میں بڑی اور تیسرے میں مطلق بساط چاہے وہ جنس ارض میں سے ہو یا نہ ہو مذکور ہے۔ مقصد ترمذی کا یہ ہے کہ مصلی اور زمین کے درمیان اگر کوئی حائل آئے خواہ وہ جنس ارض میں سے ہو یا نہ ہو اس پر نماز صحیح ہے یہی جمہور کا مذہب ہے فقہاء نے اس میں تنقید کی ہے کہ وہ ایسی چیز ہو کہ اس پر سر نکلے قوم وغیرہ نہ ہو۔ ابن العربی نے عارضہ میں لکھا ہے کہ بساط کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جو جنس ارض میں سے ہو اور اس میں کوئی تغیر بھی نہ ہو اور دوسرا یہ کہ وہ جنس ارض میں سے ہو مگر اس میں صنعت کی وجہ سے تبدیلی آئی ہو جیسے کاشن کہ روئی زمین کی پیداوار ہے مگر اس میں تغیر کر کے کاشن بنایا۔ تیسری وہ جو جنس ارض میں سے نہ ہو جیسے اون۔ امام مالک کے نزدیک جو جنس ارض میں سے نہ ہو یا ہو لیکن اس میں تغیر آیا ہو تو اس پر نماز مکروہ ہے کہ یہ تشبیہ بالمتر فین ہے دوسرا قول امام مالک کا یہ ہے جس کو گنگوہی نے کوب اور بخوری نے معارف میں نقل کیا ہے کہ اس پر نماز ناجائز ہے مگر اس کو ابن العربی نے نہیں لیا شاید یہ ان کا شاذ قول ہوگا۔

تیسرے قول کے مطابق اس میں تفصیل ہے کہ اگر فرض ہے تو براہ راست زمین پر پڑھنی چاہئے اور اگر نفل ہے تو معجناش ہے کیونکہ نوافل میں نماز چٹائی پر ثابت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جبکہ فرض میں ثابت نہیں۔ مگر جواب نمبر ایہ ہے کہ نماز کے احکام علی السو یہ ہیں۔

جواب ۲:- بعض احادیث میں اطلاق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چٹائی پر نماز پڑھی ہے جیسے پہلی دونوں روایتوں میں ہے اور المطلق بکری علی اطلاق تو فرض و نفل دونوں کو شامل ہوا۔

عمر بن عبدالعزیز سے مروی ہے کہ وہ نماز کے وقت سجدے کی جگہ چٹائی پر مٹی ڈالتے۔ عروہ بن زبیر سے مصنف ابن ابی شیبہ (۱) میں مروی ہے کہ وہ چٹائی پر نماز کو مکروہ سمجھتے تھے۔ مگر کراہت سے مراد شاید تنزیہی

باب ماجاء فی الصلوة علی الخمرۃ باب ماجاء فی الصلوة علی الحصر باب ماجاء فی الصلوة علی البسط

(۱) بحوالہ نیل الاوطار ص: ۱۷۷ ج: ۲ "باب الصلوة علی الفراء والبسط وغیرہما من المفارش"

ہوگی۔ طبرانی (2) میں ہے کہ ابن مسعود چٹائی پر نماز نہیں پڑھتے تھے۔ ابراہیم نخعی چٹائی پر کھڑے ہوتے اور سجدہ زمین پر لگاتے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ مسند احمد (3) میں ام سلمہ کی روایت ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا فلح ترب وجہک گویا انہوں نے پیشانی کے گرد آلود ہونے کو ضروری سمجھا۔

جواب اس حدیث کا یہ ہے کہ ترب سے مراد یہ ہے کہ سجدے میں پھونک مت مارا کرو یا تمکین جبہ کرو اس لئے جمہور کے نزدیک کسی بھی چیز پر نماز پڑھنا صحیح ہے۔

نیل الاوطار (4) میں ہے کہ بعض صحابہ و تابعین مثلاً زید بن ثابت، ابوذر جابر بن عبد اللہ، ابن عمر، سعید بن المسیب اور کھول وغیرہ حیر پر نماز کو مستحب سمجھتے تھے۔

قول ۴:- مصنف ابن ابی شیبہ (5) میں ہے محمد بن سیرین کا ہے کہ بساط پر نماز بدعت ہے سعید بن مسیب کا قول بھی انہی کے ساتھ نقل کیا ہے ممکن ہے کہ ان کے دو قول ہوں۔ ۱۔ چٹائی پر مستون۔ ۲۔ اور بساط (قالین دری) پر بدعت۔

تیسرے باب میں حضرت انس کی روایت ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخالطنا ای یمازحنا یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ کھل مل کر رہتے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کیونکہ دوسرے ملوک و سلاطین کمزور لوگوں خصوصاً بچوں کے ساتھ بے تکلفی نہیں کرتے کہ وہ ہمہ وقت رعب جمانے کے چکر میں پڑے ہوتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم خالطت بھی فرماتے پھر بھی لوگ ڈرتے۔ ایک مرتبہ ایک عورت نے دیکھا تو کانپنے لگی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے کیوں بیت ناک سمجھتی ہو میں تو قدید یعنی سوکھا گوشت کھانیا والی ماں کا بیٹا ہوں، وئی روایت مجھے ایک مہینے کے بقدر رعب دیا گیا ہے۔

یا ابا عمیر ما فعل تغیر یا تغیر کی تغیر ہے یا تغیر بالغیر کی تغیر ہے غرچہ یا کی طرح ایک چھوٹا پرندہ ہے اس کی چونچ سرخ ہوتی ہے۔ صاحب تہذیب نے صاحب قاموس سے نقل کیا ہے کہ اہل مدینہ اس کو بلبل کہتے

(2) کفائی نیل الاوطار ص: ۱۲۸ ج: ۱۲ ایضاً ابن ابی شیبہ رواہ ص: ۴۰۰ فی الصلوٰۃ علی المسح (3) دیکھئے مسند احمد ص: ۱۹۳ ج: ۱۰

رقم حدیث ۲۶۶۳۴ ولفظ مسند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لغلام یتال یسار ولفظ ترب وجہک اللہ ایضاً ص: ۲۲۸ ج: ۱۰ رقم

حدیث ۲۶۸۰۶ (4) ص: ۱۲۸ ج: ۱ (5) ص: ۴۰۱ ج: ۱ "من کرہ الصلوٰۃ علی اطفال نیس الخ"

ہیں۔ یہ حنفیہ کی دلیل ہے اس بات میں کہ مدینہ کا شکار کھیلنا جائز ہے اس کا حکم مکے کی طرح نہیں۔ جمہور نے یہ جواب دینے کی کوشش کی ہے کہ ممکن ہے کہ باہر سے پکڑ کر لائے ہوں۔

گنگوہی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ جواب مفید نہیں کہ باہر کا شکار حرم میں حرم کا حکم رکھتا ہے اس سے یہ بھی مستحب ہوا کہ بچہ اگر پرندے سے کھیلے اور اس کو تکلیف نہ پہنچائے تو یہ جائز ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ولد کے نہ ہونے کے باوجود بھی کنیت جائز ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ بچوں کے ساتھ ایسی بے تکلفی جس میں خلاف واقع بات نہ ہو تو جائز ہے کہ حضور کا مذاق ایسا ہی ہوتا تھا۔

والعسل علیٰ هذا الخ والطنفة بمعنی قائلین درمی وغیرہ یعنی قائلین پر نماز میں کوئی حرج نہیں لم یرد باسنا میں اشارہ ہے کہ خلاف اولیٰ ہے کیونکہ براہ راست زمین پر نماز پڑھنے میں تو اضیع زیادہ ہے۔

باب ماجاء فی الصلوٰۃ فی الحیطان

رجال:-

حسن بن ابی جعفر ترمذی میں ان سے نقطہ یہی ایک روایت مروی ہے۔ اپنے والد کی کنیت کی طرف نسبت سے مشہور ہیں والد کا نام عجلان ہے وقیل عمرو۔ حسن کے بارے میں امام ترمذی فرماتے ہیں قد ضعفہ۔ یحییٰ بن سعید وغیرہ ابو الزبیر اسمہ محمد بن مسلم بن تدرس یہ صدوق و مدلس ہیں۔ وابو الطغیل اسمہ عامر بن وائل۔

تشریح:-

حیطان جمع حائط کی ہے بمعنی دیوار چونکہ مدینہ منورہ میں باغات کے گرد دیواریں ہوتی تھیں تو دیوار بول کر باغات مراد ہیں۔ قال ابوداؤد یعنی یسائین میں اسی کا بیان ہے۔

کان يستحب الصلوٰۃ فی الحیطان اس کی وجہ یہ ہے کہ باغات میں خاموشی ہوتی ہے تو توجہ زیادہ ہوتی ہے یا اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تبرک کے لئے نماز پڑھتے تھے کہ نماز سے برکت ہوتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ صلوٰۃ تحیۃ الکان ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی جگہ میں نزول کے وقت نماز

پڑھتے تھے۔ برکت فی الحیطان کے لئے نماز کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ مدینہ مسلمانوں کا مرکز اور مرجع ہے اور مسلمانوں کا دار و مدار اکل و شرب کا باغات پر تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا فرمائی اور اس کے لئے نماز پڑھی تاکہ آنے والوں کے لئے خوراک کا بندوبست ہو اور اس لئے فرمایا اللہم بارک لسانی مدنا وصاعنا۔ (۱) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ صلوٰۃ تودیع ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی جگہ سے روانگی کے وقت وہاں کے لوگوں کے لئے دعا فرماتے اور نماز پڑھتے۔

اس باب میں اس مسئلے کی طرف اشارہ ہے کہ اگر زمین ناپاک ہو جائے اور سوکھ جائے اور نجاست مٹی میں تبدیل ہو جائے تو وہاں نماز پڑھی جاسکتی ہے کیونکہ باغات میں گو بر وغیرہ ڈالتے ہیں تو یہ تو ہم ممکن تھا کہ باغات میں نماز نہیں ہوتی کیونکہ زمین ناپاک ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دفع توہم کے لئے نماز پڑھی کہ قلب حقیقت کے بعد اشیاء کا حکم تبدیل ہو جاتا ہے جیسے انگور کا رس ہے تو وہ پاک ہے شراب اس سے بنتی ہے جو ناپاک ہے پھر مرکہ پاک ہے جو شراب سے بنایا جاسکتا ہے۔ اسی طرح نطفہ ناپاک گوشت وغیرہ جو اس سے بنے وہ پاک ہے۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ اگر گدھا نمک کی کان میں گر کر نمک بن جائے تو یہ پاک ہے اور یہ جو مشہور ہے کہ قلب حقائق محال ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ عناصر میں انقلاب محال ہے بلکہ مفہومات ثلاثہ (واجب، ممکن، مستغنی) میں انقلاب نہیں ہو سکتا عناصر میں انقلاب کے تو فلاسفہ قائل ہیں جیسے کہ معبدی وغیرہ میں ہوا کا پانی بننا ثابت ہے۔

قال الکتکوبی قلب حقیقت کے لئے مادہ و صورت دونوں کی تبدیلی ضروری ہے صرف صورت کی تبدیلی سے حکم میں تبدیلی نہیں آئے گی لہذا اگر کسی نے پیشاب سے آنا گوندھا اور روٹی پکائی تو اگرچہ صورت تبدیل ہوئی مگر مادہ وہی ہے تو ناپاک رہے گا۔ معلوم ہوا کہ خلط سے شئی ناپاک ہی رہے گی جیسے ایک دو قطرے خون کلو دودھ میں ڈالا جائے تو ناپاک ہی رہے گا کیونکہ اگرچہ صورت تبدیل ہوئی مگر مادہ وہی ہے۔

اشکال :- امام محمد نے فرمایا کہ طین بخارا پاک ہے معلوم ہوا کہ خلط سے چیز پاک ہوتی ہے کیونکہ گو بر

وغیرہ بھی مٹی میں خلط ہوتے ہیں۔

جواب:- یہ فتویٰ خلط کی وجہ سے نہیں بلکہ عموم بلوی کی وجہ سے ہے کہ اس میں تعذر ہے اور مجتہد کو حالات کی بناء پر فتویٰ کی تبدیلی کا اختیار ہوتا ہے۔

حسین بن جعفر کی وجہ سے حدیث ضعیف ہے مگر چونکہ مسئلہ فضائل کا ہے کہ باغات میں نماز مستحب ہے اور خطیب نے امام احمد کا قول نقل کیا ہے کہ تحریم و تحلیل میں ہم سختی کرتے ہیں جبکہ فضائل میں تسامح کرتے ہیں لہذا حدیث قابل حجت ہے اگر بالفرض نہ بھی ہو تو بھی یہ مضمون دوسری روایت سے ثابت ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جعلت لی الارض مسجداً و طہوراً (2) لہذا باغات میں نماز پڑھنا صحیح ہوا۔

باب ماجاء فی سترۃ المصلی

حضرت طلحہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ایک اپنے آگے کجاوے کی پچھلی لکڑی کی طرح کوئی چیز رکھ دے اور نماز پڑھے تو یہ پرواہ نہ کرے کہ آگے کون گذرتا ہے۔

مؤخرۃ مؤخرۃ بغیر البزہ اور مؤخرۃ بالمشدید یہ لغات اس میں ہیں رحل کجاوے کو کہتے ہیں مطلب یہ ہوگا کہ کجاوے کی پچھلی لکڑی (پالان) کی طرح سترہ ہوتا چاہئے اگر صحرا ہے یا بڑی مسجد ہے تو امام احمد سے ابن العربی نے یہ قول نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک سترہ واجب ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فقط مستحب ہے صاحب معارف نے امام احمد کا قول جمہور کی طرح نقل کیا ہے ممکن ہے کہ ان سے دو قول ہوں پھر سترہ کی مقدار کیا ہونی چاہیے؟ تو حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ذراع لمبا ہوانگی کے بقدر مونا ہو کیونکہ مؤخرۃ الرحل ایک ذراع سے لے کر تین ذراع تک ہوتا ہے تو ایک کم از کم متعین ہے اور اگر ایسی جگہ ہو جہاں سترہ کو رکھایا گاڑھا نہیں جاسکتا مثلاً پختہ فرش ہے تو امام احمد کے ہاں خط کھینچا جائے حنفیہ میں سے ابن ہمام وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں پھر لاٹھی رکھنے اور خط کھینچنے کے دو طریقے ہیں ایک یہ ہے کہ طولاً رکھی جائے ایک یہ عرضاً ہو مثل البطلال۔ اس کے برعکس صاحب ہدایہ وغیرہ نے اس کا اعتبار نہیں کیا کہ اس میں فائدہ نہیں۔ ابن ہمام کی جانب

(2) رواہ البخاری ص: ۶۲ ج: ۱ "باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم جعلت لی الارض مسجداً و طہوراً"

سے کہا جاسکتا ہے کہ ابو داؤد (۱) میں روایت ہے جس میں خط کی تصریح ہے۔

اعتراف:۔ اس کو ابن عیینہ نے ضعیف قرار دیا ہے شافعی سے بھی تضعیف منقول ہے۔

جواب:۔ یہ ہے کہ ضعیف حدیث بھی فضائل میں کارآمد ہے۔ دوسری وجہ ابن ہمام یہ بیان کرتے ہیں

کہ اس میں فائدہ ہے کہ اس سے مصلی کے افکار مجتمع ہو جاتے ہیں۔

پھر جس ستون یا لانچی وغیرہ کو سترہ بنایا ہے اس کی طرف سیدھا کھڑا نہ ہونا چاہئے بلکہ اس کو ایک طرف

کی آنکھ کے برابر کرنا چاہئے جیسا کہ ابو داؤد کی روایت میں تصریح ہے۔

اگر کسی نے سترہ نہیں رکھا تو وہاں سے گزرنے والے کا کیا حکم ہے؟ اگر صحراء یا بڑی مسجد یا بڑا گھر ہو تو

اس میں صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ سجدے کی جگہ چھوڑ کر گزر جائے تو جائز ہے۔ بعض نے تین گز بعض نے پانچ

گز بعض نے چالیس گز بعض نے دو صف بعض نے تین صف کی تحدید کی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اگر نمازی کی نظر

سجدے کی جگہ پر ہو اور جہاں نگاہ جاتی ہے تو وہاں سے آگے گزرتا جائز وہاں تک ناجائز ہے۔ یہ مقدار تقریباً

تین صفیں ہے۔

اگر مسجد چھوٹی ہو تو جہاں بھی نماز پڑھے اس کی آگے گزنا ممنوع ہے۔ بعض مسجد صغیر و کبیر میں فرق نہیں

کرتے ہیں۔ جو فرق کرتے ہیں وہ کبیر کو بمنزلہ صحرا قرار دیتے ہیں مسجد کبیر کی حد عند بعض یہ ہے کہ جو مسجد حرام

جنتی ہو قبل مایادی جامع مسجد دمشق قبل ستون ذراعاً وعند اکثر اربعون ذراعاً قبل اربعون قدماً مگر یہ قول قریب

قریب ہیں کہ ذراع و قدم میں کوئی خاص فرق نہیں۔ تاہم نہایت مسجد کی کوئی قید نہیں ہے۔ والاصح انہ

لوصلی صلوۃ الخاشعین بان یکون بصرہ حال قیامہ الی موضع سجودہ لایقع بصرہ علی المار

لایمکرہ و هو مختار فعر الاسلام و ریح ابن الہمام ما ذکرہ فی النہایۃ من غیر تفصیل بین المسجد

وغیرہ۔ (کذا فی المرقاۃ علی مشکوٰۃ)

پھر ائمہ ثلاثہ کے نزدیک امام کا سترہ مقتدی کا سترہ ہے لہذا اگر امام نے آگے سترہ رکھا تو مقتدیوں کو

رکھنے کی ضرورت نہیں امام مالک کے نزدیک بھی حکم یہی ہے وہ فرق یہ کرتے ہیں کہ امام بذات خود مقتدیوں کا سترہ ہے لہذا سترے کا حکم امام منفرد کے لئے ہے نہ کہ مقتدیوں کے لئے۔ (2)

باب ماجاء فی کراہیۃ المرور بین یدی المصلی

بسر بن سعید سے روایت ہے کہ زید بن خالد جہنی نے ابو جہیم کے پاس بھیجا بخاری (1) اور مؤطا (2) سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مرسل الیہ ابو جہیم ہے۔ مسند بزار (3) میں ابن عیینہ کی روایت ہے کہ مرسل الیہ زید بن خالد ہے یعنی بالکل برعکس حل اس کا یہ ہے کہ بخاری و مؤطا کی روایت راجح ہے مسند بزار کی روایت سے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خبر واحد حجت ہے کیونکہ مرسل یہاں واحد ہے اور مرسل صحابی تھے معلوم ہوا کہ صحابہ بھی خبر واحد کو حجت مانتے تھے۔

ماذاعلیہ ما عبارت ہے اثم سے۔ خیر کا ایک مطلب بہتر ہے یعنی اس کے لئے چالیس سال کھڑا رہنا بہتر ہوتا یا بمعنی آسان یعنی چالیس سال تک کھڑا رہنا آسان ہوتا اس مشقت و تکلیف کے بدلے جو اس کو ملے گی اس فعل کی وجہ سے اگر چہ فی نفسہ چالیس سال قیام مشکل ہے۔ بعض روایات میں اربعین (4) خریفہ ہے بعض میں (5) مانہ عام ہے۔

اشکال یہ ہوتا ہے کہ مانہ اور اربعین میں تعارض ہے۔

جواب:- یہ ہے کہ مراد کثرت ہے کہ مانہ و اربعین دونوں سے تحدید مقصد نہیں ہوتی بلکہ برائے کثرت آتے ہیں۔

(2) راجع للتفصیل معارف السنن ص: ۳۵۱، ۳۵۲ ج: ۳

باب ماجاء فی کراہیۃ المرور بین یدی المصلی

(1) دیکھئے ص: ۷۳ ج: ۱ "باب یرو المصلی من مرین یدیہ الخ" (2) مؤطا مالک ص: ۱۳۸ "لتنقذ یدنی ان یرا حدین یدی

المصلی" ایضاً صحیح مسلم ص: ۱۹۷ ج: ۱ "باب سترۃ المصلی الخ" (3) دیکھئے مجمع الزوائد ص: ۲۰۲ ج: ۲ رقم حدیث ۲۳۰۲

(4) کما فی مسند طبرانی بحوالہ بالا (5) کما فی روایۃ ابن ماجہ ص: ۶۷ "باب المرور بین یدی المصلی"

جواب ۲:- یہ حالت مار پر محمول ہے اس کی چار صورتیں ہیں۔

- (۱) مصلی ایسی جگہ نماز پڑھ رہا ہو کہ وہاں لوگوں کا آنا جانا ہو اور دوسری جگہ مل رہی تھی مگر قصد ایہاں نماز پڑھی اور مار کے لئے کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا تو نمازی گناہ گار ہوگا مار نہیں۔
- (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ نمازی کو دوسری جگہ نہیں ملتی اور مار جان بوجھ کر بلا عذر مذکور گذرتا ہے تو یہ گناہ گار ہوگا۔

(۳) نمازی کو جگہ نہیں مل رہی تھی اور مار کو راستہ نہیں مل رہا تھا تو دونوں معذور ہیں۔

(۴) دونوں کو دوسری صورت مل رہی تھی پھر بھی کوتاہی کرتے ہیں تو دونوں گناہ گار ہونگے۔

حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ گزرتا نہیں چاہئے پھر اگر یمنینا و شمالا مرور ہو تو ناجائز ہے۔ قبلے کی طرف ہو تو جائز ہے۔ پھر اگر گزرنے کی ضرورت ہو تو رومال یا لانگی جو کم از کم ایک ذراع کے بقدر ہو اس کو کھڑا کر کے گذر سکتا ہے اور اگر دو آدمیوں کے یمنینا و شمالا گزرنے کی ضرورت ہے تو ایک نمازی کے آگے کھڑا رہے یا بیٹھ جائے اور پشت مصلی کی طرف کرے دوسرا گزر جائے پھر جو گذر رہا ہے یہ مصلی اور رجل آخر کے درمیان کھڑے ہو کر رجل آخر کو جانے کا موقع دے پھر خود ہٹ جائے یہ بحالت ضرورت شدیدہ حیلہ ہے ورنہ انتظار بہر حال اولی ہے۔

باب ماجاء لا یقطع الصلوٰۃ شیء۔ باب ماجاء انه لا یقطع

الصلوٰۃ الا الکلب والحمار والمرأة

دونوں بابوں کی حدیثیں صحیح ہیں روایات ثقات ہیں تاہم پہلی حدیث متفق علیہ ہے جبکہ دوسری کی تخریج جماعت مصنفین نے تو کی ہے مگر بخاری میں نہیں۔

ترمذی نے یہاں دو باب قائم کئے ہیں پہلے میں یہ حکم لگایا ہے لا یقطع الصلوٰۃ ہی یہ ظاہر پر محمول نہیں کیونکہ ظاہر پر حمل کی صورت میں شی عام ہے حدیث کو بھی شامل ہے حالانکہ حدیث اتفاقاً مفسد صلوٰۃ ہے لہذا یہاں

مراد مرد مرضی شے ہے۔ دوسرے باب میں شی سے استثناء کلب حمار اور مرأۃ کا ہے ابو داؤد (1) میں خنزیر و کافر اور بعض روایات (2) میں مجوسی کا بھی استثناء آیا ہے۔ پہلے باب میں ابن عباس کی روایت ہے کہ اتان پر سوار ہو کر آیا اتان بفتح الهمزہ مادہ خر کو کہا جاتا ہے بکسر الهمزہ بھی صحیح ہے یہ موقعہ حجۃ الوداع کا تھا۔

اشکال:- حدیث میں مرد و اتان سے عدم قطع صلوٰۃ کا حکم ہے جبکہ باب میں مرد مرضی سے عدم قطع کا حکم ہے ایں چیست؟

جواب:- کبھی ترمذی ایک دوسری روایت سے ترجمہ لے کر باب باندھتے ہیں یہاں بھی اس طرح ہے کہ ابو داؤد (3) اور مصنف ابن ابی شیبہ (4) میں ابوسعید خدری کی روایت ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقطع الصلوٰۃ شیء اسی کو بعینہ ترجمہ الباب بنایا ہے۔

جواب ۲:- جب اتان قاطع صلوٰۃ نہیں تو معلوم ہوا کہ آئندہ باب میں استثنائی صورتیں منسوخ ہیں تو حکم عام رہ گیا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جدار کے علاوہ کوئی سترہ تھا یا نہیں؟ تو بخاری (5) وجود سترہ اور بیہقی (6) عدم سترہ کے قائل ہیں۔

اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ مرد مرضی سے نماز ٹوٹتی ہے یا نہیں؟ بعض اہل ظواہر کے نزدیک مذکورہ تین چیزوں کے مرد سے نماز ٹوٹتی ہے یہی ایک قول احمد کا ہے ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ کلب اسو نماز توڑ دیتا ہے۔ یہی احناف کا بھی مذہب ہے حمار والمرأۃ کے بارے میں امام احمد فرماتے ہیں ولی نفسی من الحمار والمرأۃ ہی اس تردد کی وجہ یہ ہے کہ اس بارے میں مختلف روایات موجود ہیں کما سمعنی۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مرد مرضی سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

ظاہر یہ کہ استدلال باب ثانی کی حدیث سے ہے کہ بغیر سترہ نماز کی صورت میں کلب حمار اور مرأۃ نماز توڑ دیتے ہیں۔

باب ماجاء لا یقطع الصلوٰۃ شیء. باب ماجاء انه لا یقطع الصلوٰۃ الخ

(1) ص ۱۰۹ ج ۱: "باب لا یقطع الصلوٰۃ" (2) حوالہ بالا (3) ص ۱۱۱ ج ۱: "باب من قال لا یقطع الصلوٰۃ شیء"

(4) ص ۲۸۰ ج ۱: "من قال لا یقطع الصلوٰۃ شیء وادراؤنا منقطعاً" (5) صحیح بخاری ص ۱۱۱ ج ۱: "باب سترہ الامام سترہ من

خلع" (6) دیکھئے بیہقی کبری ص ۲۷۳: "باب من سلی الی غیر سترہ"

جواب ۱:- اگر قطع سے مراد فساد ہو تو یہ منسوخ ہے وجہ یہ ہے کہ ہمارے بارے میں سابقہ روایت میں تصریح ہے کہ اس کے گزرنے سے نماز نہیں ٹوٹی اور عورت کے بارے میں بخاری (7) و نسائی (8) کی روایت عائشہ ہے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز پڑھتے اور میں آگے جنازے کی طرح سوئی رہتی۔ یعنی فرماتے ہیں کہ جب عورت کا آگے سوئے رہنا خصوصاً حائضہ کا مفید صلوٰۃ نہیں تو مرد بطریق اولیٰ مفید صلوٰۃ نہیں ہوگا۔ کلب اسود کے بارے میں صریح روایت نہیں مگر وہ اس پر قیاس ہے۔ البتہ نفس کلب کے بارے میں روایت ہے کہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے اور کتا اور اتان دونوں آپ کے آگے کھیل رہے تھے۔ مصنف عبد الرزاق (9) میں دوسری بات یہ ہے کہ ان اشیاء میں سبب قطع شیطانی مادہ ہے اور جب نفس شیطان کے مرد سے نماز نہیں ٹوٹی جیسے کہ صلوٰۃ کسوف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے ہٹے تو وجہ پوچھے جانے پر یہ بیان کی کہ شیطان آگ کا شعلہ لایا تھا تو جب شیطان کے پیش آنے سے نماز ختم نہیں ہوتی تو مسبب کی وجہ سے نماز کیسے ختم ہوگی؟

جواب ۲:- قطع سے مراد فساد نہیں بلکہ قطع وصلہ اور رابطہ ہے کیونکہ حدیث میں لفظ قطع آیا ہے جو وصلہ کو چاہتا ہے اور وصلہ رابطہ کا ہوتا ہے ورنہ فساد کہہ دیتے اگر فساد مراد ہوتا۔

اعترض: تشریش ہر چیز سے لاحق ہوتی ہے ان تین کی تخصیص کیوں؟

جواب:- کلب اسود شیطان ہے یعنی شیطان کا لے کئے کی شکل میں آتا ہے یا مطلب یہ ہے کہ کالا کتا شیطان کی طرح زیادہ مضر ہوتا ہے۔ ہمارے بارے میں آتا ہے کہ اس کی بہت شیطان کو دیکھنے کی وجہ سے ہوتی ہے اور مرآۃ کے بارے میں آتا ہے النساء جائل الشیطان الہذا ان تینوں کی تخصیص اس شیطانی اثر کی وجہ سے ہے۔ دوسری وجہ شیخ الہندؒ نے ورد اللہی میں لکھی ہے کہ تخصیص مراد نہیں بلکہ ضابطے کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ جو چیز مرغوب یا مہغوض ہو تو اس کی وجہ سے نماز سے توجہ ہٹ جاتی ہے مرآۃ مرغوب ہے اور ہمارے کلب اور کافر وغیرہ مہغوض ہیں۔ اسی طرح ابوداؤد (10) کی روایت کے مطابق خنزیر اور نجوس بھی اس قسم ثانی میں داخل ہیں۔

(7) صحیح بخاری ص: ۳۷ ج: ۱ "باب الصلوٰۃ خلف النائم" و بعدہ ایضاً (8) سنن نسائی ص: ۳۸ ج: ۱ "باب ترک الوضوء من مس الرجل امرأۃ من غیر شوۃ" (9) ص: ۲۸ ج: ۱ رقم حدیث ۲۴۵۸ (10) ابوداؤد کے علاوہ دیکھئے مصنف عبد الرزاق ص: ۲۷ رقم حدیث ۲۳۵۲

یہاں بعض حنا بلہ کی طرف سے یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ باب کی حدیث قوی ہے اور جمہور کے مستدلات فعلی ہیں لہذا ترجیح قوی کو ہونی چاہئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ترجیح کہ بات تب ہوتی ہے جب تطبیق ممکن نہ ہو اور یہاں تو تطبیق ہو سکتی ہے کما مر یعنی قطع سے مراد قطع الوصلہ ہے۔

باب ماجاء فی الصلوٰۃ فی الثوب الواحد

عمر بن ابی سلمہؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ام سلمہ کے گھر ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ اشتغال کو الخاف بھی کہتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنا درست ہے۔ یہی جمہور کا مذہب ہے۔ امام احمد سے مروی ہے کہ اگر آدمی کے پاس دو کپڑے ہوں تو ایک کپڑے میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ معارف السنن (۱) میں مغنی کے حوالہ سے منقول ہے کہ آدمی کے کندھے اگر کھل جائیں اور چھپانے کا انتظام ہو تو عند احمد نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

جمہور کے نزدیک ایک کپڑے میں نماز پڑھنا بشرطیکہ پورا بدن ڈھک جائے بلا کراہت جائز ہے صحیحین (۲) کی روایت ہے لایصلین احدکم فی الثوب الواحد لیس علی عاتقہ منہ شیء اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر چادر بڑی ہے تو پورے بدن کو ڈھانپ لینا چاہئے اس کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ اگر چادر وسیع ہے تو اس میں الخاف کرے چادر سینے پر باندھے۔

۲۔ اگر چادر درمیانہ ہو یعنی وسیع ہو ادنیٰ نہ ہو تو عاتق پر باندھے۔

۳۔ اگر چھوٹی ہو تو ازار باندھے لیکن سینے یا گردن پر باندھنے میں یہ ضروری ہے کہ ہاتھ بند نہ

باب ماجاء فی الصلوٰۃ فی الثوب الواحد

(۱) معارف السنن ص: ۳۶۳ ج: ۳

(۲) صحیح بخاری ص: ۵۴ ج: ۱ "باب اذا صلی فی الثوب الواحد لتصل علی عاتقہ" ولم اجدہ فی صحیح المسلم وکن رواہ ابو داؤد والنسائی

بحوالہ المجموع المسمر ص: ۳۰۹ ج: ۱

رہیں کہ باہر نکالنا مشکل ہو کہ یہ مکروہ ہے اور علامت یہود ہے۔ کبیری میں خلاصے کے حوالے سے لکھا ہے کہ اگر ایک عورت سمندر سے لٹکے اور اس کے پاس اتنا کپڑا ہے کہ وہ کھڑی ہو کر نماز پڑھنا چاہے تو ساق کا اتنا حصہ کھل جاتا ہے کہ وہ مانع عن الصلوٰۃ ہے تو وہ قعوداً نماز پڑھے گی اگر اتنی چادر ہے کہ باقی بدن اور رربع رأس کو چھپا سکتی ہے اور سر پر نہ ڈالے تو سر نہ چھپانے کی صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر رربع رأس سے کم کے لئے کافی ہے تو سر پر ڈالنا ضروری نہیں پھر مستحب یہ ہے کہ آدی تین کپڑوں میں نماز پڑھے شلوار قمیض اور عمامہ۔

اگر بغیر عمامہ کے نماز پڑھی تب بھی بلا کراہت نماز جائز ہے۔ فتاویٰ امینہ میں جو یہ ہے کہ امام کے لئے بغیر عمامہ نماز مکروہ ہے بخاری صاحب فرماتے ہیں کہ شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ روایت اصل مذہب میں نہیں عمدۃ الرعایہ میں لکھنوی صاحب نے بھی یہی کہا ہے کہ یہ عوام کی روایت ہے اصل مذہب یہ نہیں۔

باب ماجاء فی ابتداء القبلة

ترمذی نے باب ابتداء القبلة کا باندھا ہے اور حدیث مشیر ہے تحویل قبلہ کی طرف تو عنوان اور معنون میں مطابقت نہیں۔

جواب یہ ہے کہ کلام میں تقدیر ہے اصل میں ترجمہ یہ ہے فی ابتداء القبلة بعد الجہۃ فی المذہب یہ تو موافقت پیدا ہو گئی۔

قبلہ مقابل کی ہیئت و حالت کو کہتے ہیں یا سامنے کی جہت کو عرف شرع میں قبلہ نام ہے اس مکان کا جس کی طرف مصلیٰ نماز پڑھ رہا ہو چاہے عین کعبہ ہو یا جہت کعبہ۔ یہ براء بن عازب کی روایت ہے۔

صلیٰ نحو بیت المقدس سولہ یا سترہ مہینے تک نماز پڑھی بیت المقدس میں ترکیب اضافی تو صلیٰ دونوں صحیح ہیں وجہ یہ ہے کہ مقدس میں دو قراءت ہیں ضابطہ یہ ہے کہ اگر میم مفتوحہ ہو تو دال مخلفہ مکسورہ ہوگی اور ترکیب اضافی ہوگی اور یہ من قبیل اضافۃ الموصوف الی الصفہ ہوگی مسجد الجامع کی طرح اگر میم پر ضمہ ہو تو دال مشدودہ مفتوحہ ہوگی مقدس۔ پھر اس کی ترکیب اضافی بیت المقدس اور ترکیب توصیفی البیت المقدس دونوں صحیح

ہیں اگر بیت مجرد عن الالف واللام ہو تو یہ ترکیب لفظاً اضافی معنی توصلیٰ اور اگر بیت معرفہ ہو تو لفظاً و معنی دونوں توصلیٰ ہے۔

اس میں کلام ہے کہ تحویل قبلہ کتنی مرتبہ ہوئی ہے؟ اس میں تین قول ہیں۔

ایک یہ ہے کہ دو دفعہ تحویل ہوئی ہے۔ ابن العربی نے عارضہ میں لکھا ہے کہ تحویل قبلہ تحریم متعہ اور تحریم لحوم حمر دو دفعہ ہوئی ہے وہ کہتے ہیں کہ چوتھی چیز بھول گیا ہوں و بحوالہ اللہ مایشاء اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابتداء میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے ان کو کعبے کی طرف نماز پڑھنے کا حکم تھا پھر مدینہ آنے کے بعد یہ حکم منسوخ ہوا اور بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ملا پھر ۱۶ مہینے بعد یہ بھی منسوخ ہوا اور کعبۃ اللہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ملا یہ دوسرا نسخ ہوا۔

قول ثانی یہ ہے کہ نسخ ایک دفعہ ہوا ہے یعنی ہجرت کے سولہ یا سترہ مہینے بعد اس سے پہلے مدنی دور اور پورے مکی دور میں قبلہ بیت المقدس تھا البتہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے تو رکعتیں یرمانین کے درمیان نماز پڑھتے تو مواجہت الی کعبۃ و بیت المقدس لکھتا ہوتا تھا۔

قول ثالث یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع میں اختیار تھا "لله المشرق والمغرب فانما تولوا فہم وجہ اللہ" مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم رکعتیں یرمانین کے درمیان نماز پڑھتے کما ہو مصرح فی روایۃ ابن عباس فی مسند احمد و ہزار (۱) والمراجح ہوا القول الاول۔ یعنی نسخ دو دفعہ ہوا ہے۔ اس کی دو دلیلیں ہیں۔

ایک یہ کہ جبرائیل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز جو پڑھائی تھی وہ بتدریج روایت عند باب الکعبۃ تھی اور باب کعبۃ کعبے کے مشرق میں ہے جب دروازے کی طرف کھڑے ہوئے تو دروازہ مغرب کی طرف ہوا جبکہ بیت المقدس شمال کی طرف ہے لہذا بیت المقدس کو قبلہ قرار دینا سکے میں صحیح نہیں ہوا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں کعبے کی طرف اس لئے نماز پڑھی ہوگی کہ اگر وہاں بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے اور میزاب پیچھے آ جاتا تو مخالفت مشرکین میں اضافہ ہوتا کیونکہ کعبے کی

تخلیم وہ بھی کرتے تھے تو کعبے کی طرف نماز میں مشرکین کی تالیف قلبی تھی جب مدینہ آئے تو یہود کی کثرت تھی اور ان کا قبلہ بیت المقدس تھا تو مدینہ میں یہود کی تالیف قلبی کی خاطر بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنا شروع کیا بالنتیجہ (کیونکہ آیت للنع نہیں اتری) (2)۔

ابن العربی فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس پر عمل کرتے رہے یہاں تک کہ یہود کی مخالفت بڑھ گئی۔ تو قبیلے کی طرف نماز کی خواہش ہوئی اور یہ حکم عام اشیاء کا بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شروع میں یہود کی مشابہت کو اختیار کرتے پھر ان کی مخالفت بڑھنے کی وجہ سے ان کی مخالفت کرنے لگے۔

ستہ او سبعة عشر شہر آنبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت ربیع الاول کے وسط میں ہوئی اور تحویل قبلہ آئندہ سال رجب میں ہوئی کما فی روایۃ ابن شعبان یا شعبان کے وسط میں کما فی روایۃ الواقدی۔ مؤطا (3) میں ہے کہ تحویل قبلہ غزوہ بدر سے دو مہینے پہلے ہوئی اس سے ابن شعبان کی روایت کی تصدیق ہوتی ہے اگر کسر شمار کریں تو سترہ مہینے ورنہ سولہ مہینے بنتے ہیں۔

وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحب ان يوجه الى الكعبة ايك وجاں كى يه ھے
كه يه آباى قبله تها دوسرى يه ھے كه اس سے يهودى مخالفت هوتى تھى فانزل الله تعالى "قد نرى قلب
وجھك فى السماء"۔

اعتراض:- مسلم (4) میں ہے کہ فی الصلوٰۃ آسمان کی طرف نظر ممنوع ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں دیکھا؟

جواب:۔ یہ دورانِ صلوات نہیں تھا۔

جواب ۲:- منع بلا ضرورت ہے اور اجازت للضرورت ہے یعنی آپ کا دیکھنا انتظارِ روحی کے لئے تھا۔

(2) اسکی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابتداءً اہل کتاب کی موافقت کو پسند فرماتے تھے

(3) {ص: ١٨٣} "ما جاء في القليلة"

(4) صحیح مسلم ص: ۱۸۱ ج: ۱ "باب النہی عن رفع الہر الى السماء فی الصلوٰۃ"

فصلی رجل معه العصر اس رجل کا نام عباد بن بشر ہے وقل عباد بن نہیک۔ اس پر پانچ اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔

ایک یہ کہ بعض روایات (5) سے معلوم ہوتا ہے کہ تحویل قبلہ کا واقعہ مسجد نبوی میں پیش آیا اور بعض (6) میں ہے کہ مسجد قبلین میں یہ تعارض ہے۔

جواب :- شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ مسجد قبلین میں پیش آیا ہے ظہر کے وقت مگر چونکہ وہ تیسری رکعت کے رکوع میں پیش آیا تھا تو بعض نے پوری نماز کا اعتبار کر کے مسجد نبوی کہا اور پوری نماز عصر کی مسجد نبوی میں ادا کی گئی اور بعض نے اصل کو دیکھتے ہوئے مسجد قبلین کہا۔

اعتراض ۲ :- بعض روایات (7) میں ہے کہ واقعہ مذکورہ ظہر کی نماز میں پیش آیا بعض (8) میں عصر کی نماز کا ذکر ہے۔

جواب :- اصل حکم ظہر میں آیا تھا مگر وہ نماز پوری ہوئے کو تھی اس لئے بعض نے عصر کا ذکر کیا ہے کہ وہ پوری کعبے کی طرف پڑھی گئی۔

ثم مر على قوم من الانصار وهم ركوع في صلاة العصر نحو بيت المقدس فقال الخ

اعتراض ۳ :- آدمی جب خبر لے کر دوسری مسجد میں پہنچا تو وہ حالت رکوع میں تھے عصر کی نماز میں اور اس باب کی ابن عمر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صلوٰۃ صبح میں تھے۔

جواب :- جس مسجد میں اطلاع دوران صلوٰۃ عصر پہنچی وہ مسجد نبوی عبد اللہ شہل تھی اور جس میں صلوٰۃ صبح کے وقت پہنچی وہ مسجد بقاء تھی۔

فانصرفوا وهم ركوع چونکہ مدینہ منورہ قبلین کے درمیان واقع ہے تو ایک طرف رخ کرنا مستلزم

(5) کما فی مجمع الزوائد ص ۱۱۹ ج ۲ "باب ما جاء في القبلة" (6) دیکھیے فتح الباری ص ۹۰ ج ۱: بحوالہ معارف السنن

(7) کما فی روایہ ابن کثیر ایضاً معارف السنن ص ۳۶۶ ج ۳

(8) کما فی روایہ البخاری ص ۶۳۳ ج ۲ "باب قوله ستقول السعدياء"

ہے دوسری طرف پشت کرنے کو تو انحراف کی صورت یہ ہوئی کہ امام جو کہ دیوار شمالی کے پاس کھڑا تھا وہ جنوبی کے پاس چلا گیا عورتیں مردوں اور مرد عورتوں کی جگہ چلے گئے۔ امام اس لئے گیا کہ اگر وہ اپنی جگہ پھرتا تو چھپے دیوار ہوتی تو مردوں پر عورتوں کا اور مردوں کا امام پر تقدم لازم آتا جو قلب موضوع ہے۔ اور عمل کثیر فی الصلوٰۃ اس وقت جائز تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اثنائے صلوٰۃ میں اگر غیر قبلے کی طرف ہوتا معلوم ہو جائے تو قبلے کی طرف ہو جانا چاہئے یہ بھی معلوم ہوا کہ سابقہ نماز صحیح ہے اور بقایا نماز کی بناء اس پر صحیح ہے بشرطیکہ ابتدائے صلوٰۃ میں اطمینان قبلہ کر چکا ہو کہ لمشتبه علیہ القبلة۔

اعتراض ۴:- یہ خبر واحد ہے اور بیت المقدس کی طرف نماز قطعی تھی خصوصاً عند الحنفیہ خبر واحد سے قطعی کا نسخ کیسے ہوا؟

جواب ۱:- خبر واحد کا قابل نسخ نہ ہونا یہ بعد کی اصطلاح ہے تو اس وقت کی خبر واحد قطعی تھی بعد میں احتمالات کی وجہ سے اس میں غلطی پیدا ہو گئی۔

جواب ۲:- جو اصح ہے وہ یہ کہ خبر واحد جو مختلف بالقرائن ہو تو وہ بھی قطعی ہوتی ہے۔ کما فی شرح العقائد و شرح النخبة کالحبر بقدم الزید عند تسارع الناس الی دارہ ویموتہ عند بکاء اہلہ و تنہاء الحجازہ مثلاً تو یہاں بھی لوگوں کو معلوم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش ہے توجہ الی الکعبۃ کی تو وحی کے آنے کا پہلے سے انتظار ہو رہا تھا۔

اشکال ۵:- یہ اشکال مبنی ہے ایک تمہید پر وہ یہ کہ نسخ پر عمل کب ضروری ہوتا ہے؟ تو اس میں تین قول ہیں۔

ایک یہ کہ نسخ کی خبر ایک مکلف تک بھی پہنچے تو نسخ پر عمل لازم ہوگا۔

قول ثانی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک نسخ کی خبر پہنچے تو عمل ضروری ہوگا۔

قول ثالث جمہور کا ہے کہ جس جس مکلف کو خبر نسخ کی پہنچی تو اس کے لئے عمل ضروری ہوگا۔

اس دوسرے اور پہلے قول پر اعتراض ہے کہ بقول ابن العربی منکل کے دن بوقت ظہر بیت المقدس کا قبلہ ہونا منسوخ ہوا تو مسجد بنی عبدالاسہل میں ظہر کی نماز منسوخ قبلے کی طرف پڑھی قباء والوں نے بھی بدھ کی صبح

تک منسوخ پر عمل کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعادے کا حکم بھی نہیں دیا ان کی طرف سے دو جواب ممکن ہیں۔
جواب ۱:- یہ قاعدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے لئے نہیں بعد کا ہے۔

جواب ۲:- یہ جب ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم از خود خبر پہنچانے کا اہتمام نہ کریں اگر کریں تو ناخ پر عمل اس وقت ضروری ہوگا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچے گا۔ اور دارقطنی (۹) کی روایت ہے کہ اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا لہذا اس پر جس وقت اطلاع ہوگی اس وقت سے مکلف ہوگا پہلے کی نمازیں صحیح ہیں۔

باب ماجاء ان ما بین المشرق والمغرب قبلہ

رجال:-

محمد بن ابی معشر السندی ابو معشر کا نام نجیح ہے۔ محمد خود صدوق ہیں مگر ان کے والد ضعیف ہیں کما ضعیف۔
الترمذی۔ محمد بن عمرو صدوق لہ اداہام۔

ابی سلمۃ ان کا نام عبد اللہ ہے وقیل اسماعیل مراد ان سے ابن عبد الرحمن بن عوف الزہری المدنی ہے
ثقة اور مکمل من الثالث ہیں۔ ☆

تشریح:-

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے
یہ حکم باتفاق محدثین و فقہاء ان لوگوں کے لئے ہے جو کعبہ کے جنوب یا شمال میں رہتے ہیں چونکہ مدینہ منورہ کعبہ
کے شمال پر واقع ہے اس لئے انکا قبلہ مشرق و مغرب کے درمیان واقع ہے جب رخ جنوب یعنی کعبہ کی طرف
ہو۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فلا تستقبلوا القبلة بغائط ولا بول ولا تستدبروها
ولکن شرقوا او غربوا جیسا کہ یہ حکم مدینہ اور اس کے محاذات میں واقع شہروں کے لئے ہے تو یہ حکم بھی اس خط

(۹) دارقطنی ص: ۲۸۱ ج: ۱ رقم حدیث ۲۸۱ ولفظ الحدیث جاء منادی رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ان القبلة قد حلت الى الكعبة
الخ۔ خلی

والوں کے لئے ہے جو مشرق کعبہ یا مغرب کعبہ میں رہتے ہیں ان کا قبلہ جنوب و شمال کے درمیان ہوگا بشرطیکہ رخ قبلہ کی طرف رہے جیسے ہندوستان و پاکستان کا قبلہ۔ اس میں ضابطہ یہ ہے کہ جو مسجد حرم میں نماز پڑھتا ہو وہ اپنے مخالف جہت کی طرف منہ کرے گا مثلاً جو مشرق میں ہوگا وہ مغرب کی طرف و بالعکس اور جو شمال میں ہوگا وہ جنوب کی طرف منہ کرے و بالعکس بشرطیکہ قبلہ یعنی کعبہ سامنے ہو۔ علیٰ ہذا القیاس جب اس دائرہ کو وسعت دی جائے گی تو بھی یہی حکم ہوگا کہ جہت معتبر ہوگی لہذا جو آدمی جنوب مشرق میں واقع ہے تو اس کو مغرب کی طرف مائل ہونا چاہئے اور جو جنوب مغرب میں واقع ہو تو وہ مشرق کی طرف مائل ہوگا جو شمال مشرق کی طرف ہو تو اس کے قبلہ کا میلان مغرب کی طرف ہوگا جو شمال مغرب میں واقع ہے اس کے قبلہ کا میلان مشرق کی طرف ہوگا۔

جو آدمی مسجد الحرام کے اندر ہے اس کے لئے مواجہت الی عین الکعبہ ضروری ہے باہر والوں کے لئے جہت ضروری ہے نہ کی عین کہ یہ ممکن نہیں مگر اس میں تھوڑی بہت غلطی واقع ہو جائے تو ۴۵ درجے زاویے تک گنجائش ہے زیادہ کی نہیں ورنہ نماز فاسد ہوگی۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ قبلہ ڈھونڈنے میں آلات جدیدہ کے بارے میں غلو سے کام نہیں لینا چاہیے کہ بعض مساجد کے بارے میں ظن بد ہوگا کہ ان کا قبلہ غلط تھا تو اسلاف کے بارے میں سوء ظن پیدا ہوگا۔

قال ابن عمر الخ اس کا مقصد یہ ہے کہ مواجہت الی عین الکعبہ ضروری نہیں بلکہ استقبال الی جہۃ الکعبہ ضروری ہے۔ اذ استقبال القبۃ اس لئے کہا کہ اگر قبلہ کی طرف پشت ہو جائے پھر مواجہت نہیں ہوگی۔

وقال ابن المبارک الخ یعنی یہ جو حکم ہے کہ قبلہ مشرق و مغرب کے درمیان ہے یہ اہل مشرق کے لئے ہے۔ اس قول کے مطلب میں شراح پریشان ہیں۔ ظاہر مطلب یہ ہے کہ یہ حکم مشرق میں رہنے والوں کے لئے ہے حالانکہ یہ حکم غلط ہے کیونکہ اہل مشرق کا قبلہ بین الشمال والجنوب ہے۔

تو اس کی ایک توجیہ یہ ممکن ہے کہ ان کا قبلہ مشرق و مغرب کے خط پر واقع ہے مگر یہ خلاف ظاہر ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ مشرق سے مراد لغوی نہیں اور جغرافیائی بھی نہیں بلکہ عربی عند الحمد ثین ہے جس کا اطلاق عراق کو نہ بصرہ پر ہوتا ہے پھر مطلب صحیح ہوگا۔

تیسرا مطلب یہ ہے کہ اہل مشرق سے مراد وہ بلاد ہیں جو مروہ کے مشرق میں ہیں جیسے بلخ، سمرقند و بخارا

اور اہل مروہ ان بلاد کے مغرب میں واقع ہے۔ تو ان کے لئے قبلہ مابین المشرق والمغرب ہے لیکن مائل الی المشرق کہ مروہ شمال مغرب میں واقع ہے۔

باب ماجاء فی الرجل یصلی لغير القبلة فی الغیم

رجال:-

اشعث بن سعید السمان متروک ہیں ترمذی میں ان سے صرف یہی ایک روایت ہے۔ عاصم بن عبید اللہ بن عاصم بن عمر بن الخطاب العدوی المدنی ضعیف ہیں۔ عبد اللہ بن عامر الغزالی کبار تابعین میں سے ہیں ثقہ ہیں۔ عس ابیہ یعنی عامر بن ربیعہ بن کعب بن مالک مہاجرین اولین میں سے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے ایمان لا چکے ہیں۔ دو ہجرتیں کر چکے ہیں اور بدری بھی ہیں رضی اللہ عنہ۔

تشریح:-

عامر بن ربیعہ سے روایت ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں اندھیری رات میں تھے تو ہم قبلہ کی سمت معلوم نہ کر سکے تو ہر آدمی نے اپنے خیال کے مطابق (تلقاء وجہ) یعنی اپنے آگے کی طرف نماز پڑھی۔ یا یہ واقعہ جہد کا ہے کیونکہ عشاء کی نماز صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھتے تھے۔ پھر تہجد بالجماہ وفرادی دونوں احتمال ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ عشاء کی نماز ہو کہ سخت اندھیری رات میں یا بارش وغیرہ کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم متادی کراتے الاصلو فی الرجال کی جب صبح ہوئی تو ہم نے یہ بات ذکر کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تو یہ آیت اتری "فاینبغونوا فتم وجہ اللہ" اس سے معلوم ہوا کہ اسکا شان نزول یہ واقعہ ہے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس کے متعلق ہے جس پر قبلہ مشتبہ ہو جائے اندھیرا ہو یا نہ ہو۔

تیسرا قول یہ ہے کہ یہ سواری پر نفل نماز کے بارے میں ہے۔

چوتھا یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے اور بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنا شروع کیا تو بعض صحابہ کو تشویش ہوئی کہ آہائی قبلہ کو چھوڑ دیا۔

پانچواں قول یہ ہے کہ یہود نے تحویل قبلہ پر اعتراضات شروع کر دیئے کہ یہ کیسا نبی ہے کہ قبلہ کا بھی علم نہیں کبھی ایک طرف تو کبھی دوسری طرف منہ کرتے ہیں تو یہ آیت اتری۔ مگر پہلے گنہگار ہے کہ سیوطی اور شاہ ولی اللہ نے تصریح کی ہے کہ صحابہ کبھی کہتے ہیں کہ یہ آیت اس کے بارے میں اتری ہے تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بھی اس کا مصداق بن سکتا ہے تاہم سیوطی نے اتفاق میں دوسرے اصول کی وجہ سے پانچویں قول کو ترجیح دی ہے کیونکہ اس کی سند سب روایات سے قوی ہے۔ (انظر الزوائد البیہ فی مقدمۃ التفسیر)

اگر کسی پر قبلہ مشتبہ ہو اور نماز پڑھی بعد میں علم ہوا کہ غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھی ہے تو معارف میں مغنی کے حوالے سے ہے کہ اگر بعد اس پر متفق ہیں کہ نماز ہو گئی۔ نووی نے شرح مہذب میں امام شافعی کا قول نقل کیا ہے کہ غیر قبلہ کی طرف نماز کا اعادہ واجب ہے۔ قرطبی نے احکام القرآن میں امام مالک کا قول نقل کیا ہے کہ اگر وقت باقی ہو اور علم ہوا کہ نماز غیر قبلہ کی طرف پڑھی گئی ہے تو اعادہ مستحب ہے۔

جمہور کا مذہب یہی ہے کہ اعادہ ضروری نہیں مگر شرط یہ ہے کہ جس پر قبلہ مشتبہ ہوا اول تو وہ کسی سے پوچھے اگر کوئی واقف نہ ہو تو مصلیٰ تحریر کرے گا اگر بعد اتحری اثناء صلوٰۃ میں اول تحریر کی غلطی معلوم ہو گئی تو جس طرف کا علم ہو اس طرف انحراف کرے اور چونکہ سابقہ نماز صحیح ہے تو باقی نماز کی بناء بھی اس پر صحیح ہے۔ نماز کے بعد اگر علم غلطی تحریر کا ہو جائے تو اعادہ ضروری نہیں کما مر۔ البتہ اگر وہ شک نہیں قبلہ کے بارے میں یا اشتباہ ہے مگر کسی سے سوال اور تحریر نہیں کرتا اور بغیر تحقیق کے نماز پڑھتا ہے تو بالاتفاق وہ نماز باطل ہے۔ یہ منفرد کا حکم ہے اگر لوگ امام کے ساتھ نماز پڑھنا چاہیں تو اگر سب نے ایک جہت میں تحریر کر کے نماز پڑھی تو ان کی نمازیں صحیح ہیں اور اگر جہات مختلف ہوں تو جس آدمی کو دوران نماز علم ہو گا کہ وہ امام سے آگے نکلا ہے یا اس کی جہت امام کی جہت سے مختلف ہے تو اسکی نماز فاسد ہو جائے گی اگر بعد از نماز علم ہو تو نماز صحیح ہے اعادہ عند الجمہور نہیں۔

دلیل باب کی روایت ہے اگرچہ یہ اشعث بن سعید اور عاصم بن عبید اللہ کی وجہ سے ضعیف ہے مگر مؤیدات (۱) موجود ہیں تو قابل استدلال ہے اور شافعیہ کے خلاف جمہور کی حجت ہے۔

باب ماجاء فی الوجع یصلیٰ لغیر القبلة فی الغیم

(۱) چنانچہ مؤیدات کے لئے دیکھیے مسند طحاوی ص ۱۵۶ ج ۵ اور سنن بیہقی ص ۱۱ ج ۲ باب احیان الخطاء بعد الاجتہاد وار قطنی ص ۲۲۸ ج ۱ رقم حدیث ۵۰۰ باب الاجتہاد فی القبلة وجواز اتحری فی ذالک و مجمع الزوائد ص ۱۲۳ ج ۲ رقم حدیث ۱۸۸۱

باب ماجاء فی کراہیۃ ما یصلی الیہ وفیہ

رجال:-

مقری اقراء سے ہے۔ یہ عبد اللہ بن یزید ابو عبد الرحمن مقری ہے امام بخاری کے اکابر شیوخ میں سے ہیں ان کو مقری اس لئے کہتے ہیں کہ انہوں نے مکہ میں ۳۵ سال اور بصرہ میں ۳۶ سال قرآن پڑھایا ہے۔ (۱) قال الحافظ اس نسبت کے کافی راوی موجود ہیں مگر یہاں مراد ابو عبد الرحمن ہے۔

نحی بن ایوب المصری اہل مصر کے مفتی و عالم تھے صدوق ربما انطأ۔

زید بن جبیرہ شقیح النجم و کسر الباء متردک ہیں ترمذی میں ان سے سوائے اس روایت کے کوئی اور حدیث

مروی نہیں۔ ☆

تشریح:-

یہ باب ان مواضع کے بیان میں ہے کہ جن کی طرف نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اگر ان سات مواضع ممنوعہ میں (جیسا کہ روایت میں ہے) نماز پڑھی تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نماز ہو جائے گی امام احمد سے مغنی میں ایک روایت کراہیت اور ایک عدم صحت کی ہے مزلہ زبل سے ہے بمعنی سر قین یعنی گوبر مراد گندگی۔ مجزرہ جزارت سے ہے جہاں اونٹ نحر اور دیگر جانور ذبح کئے جاتے ہوں۔ مقبرہ یعنی قبرستان قارعة الطریق میں اضافت الصفة الی الموصوف ہے ای الطریق المقروءۃ یعنی وہ راستہ جو یادہ آنے جانے کی وجہ سے بختار ہے مراد شارع عام ہے وقیل وسط الطریق وقیل نفس الطریق۔

معاطن الابل جمع معطن کی ہے لفظ وہ جگہ جہاں اونٹوں کو پانی پلانے کے بعد لا کر رکھا جاتا ہے تاکہ دوبارہ پانی پیں کیونکہ وہ ہنختے بھر کا اشاک کرتا ہے۔ مراد یہاں مطلق اونٹ ٹھہرانے کی جگہ ہے۔

باب ماجاء فی کراہیۃ ما یصلی الیہ

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب التجہیب ص ۸۳ و ۸۴ ج ۶۔

سات مواضع میں نماز کی کراہیت کی وجہ عند البعض معطل بعلت نہیں۔ عند اکثر معطل بعلت ہے کیونکہ مزید میں گندگی کی وجہ سے نماز مکروہ ہے وہاں بد بو بھی ہوتی ہے جبکہ نماز کے لئے صاف جگہ ہونی چاہیے۔ اگر کسی نے گندی جگہ میں نماز پڑھی بغیر حائل کے تو نماز نہیں ہوگی اگر حائل ہو تو نماز صحیح مع انکراہیت ہوگی مگر وہ میں بھی علت ہے۔ مقبرہ میں گندگی کے ساتھ ساتھ شبہ بعدۃ الاوثان بھی ہے کما قرعۃ الطریق میں نماز سے لوگوں کو تکلیف ہوگی گویا یہ راستہ بند کرنے کے مترادف ہے۔ حمام میں ایک وجہ یہ ہے کہ لوگوں کا مستعمل پانی ٹپکتا ہے جس سے جگہ ناپاک ہوتی ہے اگر کسی نے پاک جگہ بنائی یا مصلیٰ پر نماز پڑھے تو نماز صحیح ہوگی۔ اگر وہاں کشف عورت ہو یا شورہ شغب ہو تو بھی مکروہ ہے۔ قیل چونکہ وہ موارد شیطین ہیں اس لئے بھی مکروہ ہے۔ اس علت کی بناء پر نماز ہر صورت میں مکروہ ہوگی چاہے پاک جگہ ہو یا نہ ہو۔ معاطن میں ایذا اہل کا بھی اندیشہ ہے۔ فوق ظہر بیت اللہ حنفیہ کے ہاں اس کی کراہیت کی وجہ سوء ادب ہے کہ تقدیس برقرار نہیں رہتی۔ امام شافعی کے ہاں نماز ہوگی بشرطیکہ چھت کے ایسے حصے پر نماز پڑھے کہ دیوار تک کا فاصلہ کم از کم تین گز کا ہو۔ حنفیہ کے ہاں یہ شرط نہیں کیونکہ قبلہ عرصے کا نام ہے۔ امام احمد کے نزدیک فرائض علی سقف البیت صحیح نہیں نوافل صحیح ہیں۔

امام مالک کے نزدیک فرائض وتر کعتی الطواف اور سنن فجر درست نہیں باقی نمازیں صحیح ہیں اور تقریباً یہی اختلاف جوف کعبہ میں نماز پڑھنے میں ہے۔ ان کا استدلال ”فولوا وجہکم شطرہ“ (2) سے ہے جبکہ حنفیہ و شافعیہ کا استدلال ”وطہر بیتی للطائفین والعاکفین والرحح السجد“ (3) سے ہے۔ تدبر

ابن العربی وغیرہ نے کچھ اور مواضع ذکر کئے ہیں جن میں نماز مکروہ ہے مثلاً یہود و نصاریٰ کا معبد یا سامنے تصویر ہو بیت الخلاء کی چھت پر یا ایسی دیوار کی طرف جس پر گندگی موجود ہو مقبرے کی طرف رخ کر کے بعض نے کہا ہے کہ بغیر ضرورت مسجد کے چھت پر نماز بھی مکروہ ہے۔ جیسے اس پر بلا وجہ چڑھنا مکروہ ہے معارف میں ہے کہ شاید یہ قیاس علی بیت اللہ ہے جو صحیح نہیں۔

(2) سورت بقرہ رقم آیت ۱۴۴

(3) سورت بقرہ رقم آیت ۱۲۵

باب ماجاء فی الصلوٰۃ فی مراتب الغنم واعطان الابل

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ غنم کے باڑے میں نماز پڑھو اونٹوں کے باڑے میں مت پڑھو۔ مراتب جمع مراتب ہے بکریوں کا باڑہ کتب میں غنم معز شاة ضان کے الفاظ آتے ہیں غنم جنس ہے بھیڑ بکری سب پر اطلاق ہوتا ہے۔ ضان ذات البکر یعنی اون والا جانور (میشی) معز بکری کو کہتے ہیں شاة میں ایک قول یہ ہے کہ غنم کی طرح عام ہے دھرا یہ کہ شاة ضان کو کہتے ہیں۔ اعطان عطین سے ہے عطین یا معطین لہذا اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں اونٹ پانی پی کر کچھ دیر کے لئے ٹھہرے رہیں بڑے جانوروں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ ایک مرتبہ سے سیر نہیں ہوتے۔ بلکہ دو دفعہ پیتے ہیں۔ مراد یہاں مطلق باڑہ ہے یہ امر وجوبی نہیں کہ اصل میں سائل کے ایک سوال کے جواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ سکتے ہو یا مقصد بیان فرق ہے اونٹوں اور بکریوں کے باڑے میں تو وہاں فرض یا واجب نہیں۔

اس کی علت کیا ہے؟ تو بقول ابن حزم یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب تعمیر مسجد نبوی نہیں ہوئی تھی اور مسجد میں نماز کا انتظام نہیں تھا چونکہ بکریوں کے باڑے ہموار ہوتے ہیں تو اجازت دی جمہور کے نزدیک یہ حکم موقت بوقت نہیں۔ پھر اس کی علت امام شافعی نے یہ بیان کی ہے کہ بکریوں کے باڑے عموماً صاف ہوتے ہیں بخلاف اونٹوں کے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بکریوں کے چرواہے باڑے میں پیشاب وغیرہ نہیں کرتے اونٹوں والے اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ امام مالک نے علت یہ بیان کی کہ بکری ضعیف جانور ہے خدشہ نہیں نقصان کا اونٹ شریر و مضر ہے فی بعض الراویۃ (۱) اس پر شیطان کا اثر ہوتا ہے اس علت کے بیان کی وجہ یہ ہے کہ بول مایکل لحمہ پاک ہے تو ان کو فرق کرنا مشکل ہے۔ حنفیہ کے نزدیک یہ ناپاک ہے تو نجاست میں دونوں برابر ہیں البتہ اگر کسی نے نماز پڑھ لی جگہ صاف تھی یا کی گئی کپڑا اٹل کر اور رطوبت نہ پہنچے تو عند الجمہور نماز صحیح ہو جائے گی۔

باب ماجاء فی الصلوٰۃ فی مراتب الغنم واعطان الابل

(۱) کما فی ردیۃ الی وادوس: ۷۷ ج: ۱ "باب البی عن الصلوٰۃ فی مبارک الاصل"

عند احمد فی الروایۃ المشہورۃ عند اہل الظواہر اعطان الاصل میں نہیں ہوگی بکریوں کے بازے میں ہو جائے گی۔ حسن بصری اٹھن ابو ثور کے نزدیک نماز مکروہ ہوگی۔ قیل اونٹ جب پیشاب کرتا ہے تو ہتھیں پڑنے کا ظن غالب ہوتا ہے بخلاف بکری کے اور یہ علت عند الحنفیہ ہو سکتی ہے کہ ان کے نزدیک بول مایوکل رحمہ تاپاک ہے۔ قیل اونٹوں کے بازے میں تعفن و بدبو ہوتی ہے صفائی کا انتظام نہیں ہوتا اور ان کے پیشاب میں تعفن بھی ہوتا ہے بخلاف بکری کے۔ بعض نے کہا کہ بکریوں کا بازہ ہموار ہوتا ہے بخلاف اونٹوں کے بازے کے قیل اونٹوں کے بازے میں تشویش ہوگی کچلنے کی بخلاف بکری کے قیل بکری کو جنت کا جانور قرار دیا ہے فی روایۃ (2) تو اس کی قربت سے اطمینان اور اچھا تاثر پڑتا ہے یہ ہے بھی ضعیف جو نماز میں خشوع کے ساتھ مناسب ہے بخلاف اونٹوں کے کہ یہ سخت مزاج ہوتے ہیں اسلئے بکریوں کے پالنے والے بہ نسبت اونٹوں کے پالنے والوں کے خوش اخلاق ہوتے ہیں۔ گائے کو ابن منذر نے عظم کے ساتھ اور مسند احمد کی ابن ابیہ والی روایت میں اہل کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے۔

باب ماجاء فی الصلوٰۃ علی الدابة حیث ماتوجہت بہ

رجال:-

یحییٰ بن آدم الکوفی ثقہ اور حافظ ہیں۔ سفیان سے مراد ثوری ہیں۔ ☆

تشریح:-

جابر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسی کام سے بھیجا تھا جب واپس آیا تو دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم راحلہ پر مشرق کی طرف رخ کرتے ہوئے نماز پڑھتے ہیں (غیر قبلے کی طرف) اور سجدہ رکوع کی بہ نسبت نیچا ہوتا۔

(2) کمافی مؤطا محمد ص ۱۲۳ "باب الصلوٰۃ فی مرائب النعم" ایضاً رواہ ابن حبان ص ۲۱۹ ج ۱: رقم حدیث ۲۸۰ ولفظ قال اسح

رعابہ واصل فی مراد جہاں انہا من دو اب ابوت

راحلہ وہ اونٹ جس میں نجابت و عمدگی ہو کہ دوسروں میں پہچانا جائے۔ ہر اونٹ پر راحلہ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ جیسے بخاری کی روایت میں ہے کہ انسان کی مثال اونٹوں کی طرح ہے کہ سو میں ایک بمشکل سواری کے قابل ہوتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے راحلہ کا نام قصویٰ تھا امام ترمذی نے اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ سواری پر نفل نماز بلا اختلاف جائز ہے۔

وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ عَامَةِ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا نَعْلَمُ بَيْنَهُمْ اخْتِلَافًا لِأَيُّوْنَ بِأَمَّا أَنْ يَصْلِيَ
الرَّحْلَ عَلَى رَاحِلَتِهِ نَطْوَعًا

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ایسا کرنا مطلق سفر میں جائز ہے یا اس سفر میں جس میں قصر جائز ہو یا کسی سفر کی قید نہیں تو چار اقوال ہیں۔

امام شافعی و احمد کے نزدیک مطلق سفر کے دوران چاہے وہ حد شرعی تک پہنچے یا نہ نفل نماز سواری پر جائز ہے۔

دوسرا قول امام ابو حنیفہؒ کا ہے یہ بھی مطلق سفر میں جواز کے قائل ہیں بشرطیکہ سواری آبادی سے اتنی دور چلی جائے جہاں آدمی قصر پڑھ سکے۔

قول ۳:- امام مالک کا ہے سواری پر نفل اس وقت جائز ہے جب وہ سفر میں قصر ہو۔

قول ۴:- امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ سفر و حضر کی کوئی قید نہیں یہی قول شافعیہ میں سے ابو سعید اصطخری اور اہل نطاہر کا ہے۔

پھر امام شافعیؒ کے ایک قول کے مطابق مصلی کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ تحریرہ کے وقت قبلہ کی طرف توجہ کرے عند الحنفیہ یہ مستحب ہے۔

دوسرا قول امام شافعی کا عدم وجوب کا ہے استقبال قبلہ عند تحریرہ ضروری نہیں۔

قول ۳:- اگر آسانی سے ہو سکے تو واجب ہے ورنہ واجب نہیں۔

امام احمدؒ سے بھی دو قول ہیں پھر نقلی نماز کے لئے جس طرح استقبال قبلہ ضروری نہیں تو سجدہ میں وضع

الجہہ بھی ضروری نہیں ہاں انھض من الركوع ہونا چاہئے۔ اسی طرح زین اور سیٹ کا پاک ہونا بھی شرط نہیں۔
قال شیخ الہندی واللہ شہدی آج کل وہ سواری جو دو پہیوں والی ہو اس کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ اس میں سواری کی مجبوری یہ ہوتی ہے کہ اس کا رخ وجہہ دابے کی طرف ہونا ضروری ہوتا ہے۔ دوسری سواریوں میں استقبال قبلہ ممکن ہے تو وہاں استقبال قبلہ ضروری ہے۔

یہ مسئلہ تو نوافل کا ہے فرائض و واجبات عند الحفیہ سواری پر جائز نہیں ہاں اگر ضرورت شدیدہ ہو مثلاً کوئی مطلوب ہو کہ نماز پڑھنے پر اسے پکڑا جائے گا یا زمین پر کچھڑا تھی ہے کہ اگر اتر بھی جائے تب بھی زمین پر نماز نہ پڑھ سکے یہی ایک قول امام شافعی کا ہے دوسرا قول ان کا یہ ہے کہ مطلوب کی طرح طالب کو بھی دابہ پر نماز پڑھنا جائز ہے یہی جمہور کا مذہب ہے۔

آج کل ریل گاڑی کشتی پر بھی قیاس ہے اس میں استقبال قبلہ و قیام دونوں ضروری ہونگے اگر کسی کا سر چکرائے یا سلی آئے تو اولاً تو یہ چاہیے کہ نماز مؤخر کر کے کسی اسٹیشن پر پڑھ لے اگر فوجی کا اندیشہ ہو تو بیٹھ کر پڑھ لے اگر گاڑی میں ازدحام و رش ہو اور نماز پڑھنے کے لئے جگہ میسر نہ ہو تو اولاً لوگوں سے جگہ مانگے جیسے کہ کسی کے پاس اگر پانی نہ ہو تو مانگنا چاہئے اگر نہ دے تب تیمم کی اجازت ہے بعض نے دونوں میں فرق کیا ہے کہ پانی نہ دینے کی وجہ تو یہ ہے کہ سفر میں پانی مشکل سے ملتا ہے لہذا عند البعض اگر ظن غالب ہو کہ دیدے گا تو مانگے ورنہ نہیں جگہ تو ہر کوئی دیتا ہے یہ ہر صورت میں مانگنا ضروری ہے اگر نہیں مانگی اور بیٹھ کر نماز پڑھ لی تو واجب الاعادہ ہوگی۔ بس وغیرہ بھی اسی پر قیاس ہے اگرچہ بس میں قیام مشکل ہوتا ہے لہذا اسٹاپ پر اتر کر پڑھ لے یا ڈرائیور سے رکنے کو کہے اگر نہ ہو سکے تو بیٹھ کر پڑھے۔

مولانا تھانوی نے بوادر النوار میں لکھا ہے کہ جہاز میں نماز نہیں ہوگی کیونکہ نہ وہ زمین ہے نہ زمین پر قائم بلکہ معلق ہے بنوری نے اولاً جواز کا فتویٰ دیا بعد میں تھانویؒ کے قول کی طرف رجوع کیا البتہ عذر کو مستثنیٰ کیا ہے۔ میرے خیال میں سجدہ کی تعریف میں ارض سے مراد اگر ”ما تمسک علیہ“ ہو تو پھر جہاز میں نماز صحیح ہوگی مگر احتیاطاً اعادہ کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم

باب ماجاء فی الصلوٰۃ الی الراحلۃ

یہ روایت صحیحین میں بھی ہے۔ اس روایت سے یہ شہد دفع ہوا کہ کسی جانور کی طرف نماز پڑھنا جائز نہیں ہوگا کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ جانور کی طرف نماز پڑھنا جائز ہے البتہ جس جانور کی عبادت (جیسے گائے) ہوتی تھی یا ہوتی ہے اس کی طرف نماز پڑھنا مکروہ ہوگا۔ جیسے فقہاء لکھتے ہیں ہر وہ چیز جس کی طرف نماز میں مظنہ تعظیم و عبادت ہو اس کی طرف نماز پڑھنا مکروہ ہے جیسے قرآن یا آگ کی طرف۔

اعتراض:- نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاطن الابل میں نماز سے ممانعت فرمائی ہے اور یہاں خود اہل کو سترہ بنایا۔

جواب ۱:- ممانعت علت نجاست کی وجہ سے ہے اور وہ یہاں نہیں تھی۔

جواب ۲:- ممانعت اونٹ کے شر کے ذریعہ سے ہے اور یہاں اونٹ ساکن تھا۔

جواب ۳:- ممانعت کی علت شیطان کا اثر ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے یہاں نہیں تھا۔

پھر امام شافعی کے نزدیک راحلہ کو سترہ بنانا وہاں جائز ہوگا جہاں کوئی اور سترہ نہ ہو۔ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ راحلہ کو سترہ بنایا جاسکتا ہے جب اس پر کجاوے کی لکڑی موجود ہو کیونکہ اس سے اونٹ ساکن رہتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کی طرف اس لئے نماز پڑھی ہو کہ عرب ریگستانی خطہ ہے وہاں دیگر کسی چیز کا سترہ بنانا یا ملنا مشکل ہے۔ نیز راحلہ کو آگے رکھنے میں اونٹ کے بھاگنے اور اس کے گم ہونے کا احتمال نہیں رہتا جس سے نماز میں دلجمعی پیدا ہوتی ہے اس وجہ سے فقہاء نے لکھا ہے کہ سامان اور جوتے وغیرہ سامنے رکھے جائیں۔

باب ماجاء اذا حضر العشاء واقیمت الصلوٰۃ

فابدأوا بالعشاء

یبلغ به النبی صلی اللہ علیہ وسلم ای یرفعہ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

عشاء بالفتح رات کے کھانے کو کہتے ہیں چونکہ عرب والے غروب کے وقت کھانا کھاتے تھے اس لئے مراد عشاء سے مغرب کی نماز کے وقت کا کھانا ہے۔

فسابدأوا امر ہے اہل ظاہر کے نزدیک وجوب پر محمول ہے لہذا جب کھانا حاضر ہو تو نماز پڑھنا صحیح نہیں اگر نماز پڑھی تو نماز نہیں ہوگی۔ علامہ شوکانی نے امام احمد کی طرف بھی یہی نسبت کی ہے مگر ابن قدامہ نے معنی (۱) میں ان سے جواز کی روایت نقل کی ہے ممکن ہے کہ ان سے دو قول ہوں۔ جمہور کے نزدیک اگر کسی نے اس صورت میں نماز پڑھ لی تو جائز ہے لہذا امر برائے عیب ہے۔

پھر اولاً نماز نہ پڑھنے کی اور کھانا کھانے کی علت کیا ہے؟ تو گفتگو ہی صاحب فرماتے ہیں کہ (عرب میں خصوصاً صحابہ کو کھانا دو وقت کا عموماً میسر نہ تھا اسی طرح عموماً وہ حضرات روزے بھی رکھتے تھے) اور صحابہ کم بھی کھاتے تو کھانے میں بے حد اشتہاء ہوتی تھی لہذا حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ بھوک ہو یا نہ ہو ہر حالت میں اولاً طعام پھر صلوٰۃ۔ ترمذی نے اسکی علت میں متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔ قال وکیع یقول فی ہذا الحدیث اذا کان طعاماً یخاف فسادہ۔ یہی روایت امام غزالی سے بھی ہے بعض شافعیہ سے منقول ہے کہ یہ اس وقت ہے جب شدید خواہش ہو اور بعد میں کھانا ملنے کا زیادہ امکان نہ ہو۔ جبکہ مالکیہ سے منقول ہے کہ کھانا قلیل ہو اور بچنے کی امید نہ ہو بعد میں تو پہلے کھانا کھائے۔

امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے لان یمکون اکلہ صلوٰۃ احب الی من ان یمکون صلوٰۃ

کھانا کھانا اس کا مطلب یہ ہے کہ بھوک کی حالت میں اگر نماز پڑھے گا تو دل کھانے میں لگا رہے گا اس سے یہ اچھا ہے کہ کھانے میں نماز کا دھیان رہے اور اس میں دل معلق رہے۔

ابن عباس کا قول ترمذی نے نقل کیا ہے اس سے حنفیہ کے موقف کی تائید ہوتی ہے ابن عمر سے بھی پہلے کھانا پھر نماز منقول ہے۔

وہو یسمع قراءة الامام تنگویی فرماتے ہیں کہ یہ روزے رکھتے تھے اس لئے طعام قبل الصلوٰۃ فرماتے۔ طحاوی مشکل لا حار (2) میں انس کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ارشاد روزے دار کے لئے ہے اگرچہ عند الجہور اس کی علت روزہ نہیں۔ بخاری (3) نے ابوالدرداء سے نقل کیا ہے کہ آدمی کی فقاہت کی علامت یہ ہے کہ فارغ البال ہو کر نماز پڑھے۔ یہ اعذار ترک جماعت میں سے تو ہے مگر اعذار قضاء صلوٰۃ میں سے نہیں لہذا کھانے سے نماز قضاء نہیں کی جاسکتی۔

باب ماجاء فی الصلوٰۃ عند النعاس

نعاس اور سہ میں اکثر اہل لغت فرق نہیں کرتے بعض نے فرق کیا ہے۔ معارف (1) میں عرف اللغوی کے حوالے سے لکھا ہے کہ نعاس جس کا اثر دماغ پر ہو اور سہ جس کا اثر آنکھوں پر ہو اور نوم جس کا اثر قلب پر ہو۔ قرطبی (2) نے بعض اہل لغت سے نقل کیا ہے کہ نعاس کا اثر آنکھوں میں سہ کا سر میں اور نوم کا قلب میں ہوتا ہے یہ شاہ صاحب کی تعریف کے برعکس ہے۔ بخاری صاحب فرماتے ہیں ممکن ہے کہ عرف اللغوی میں تاخیر کی غلطی ہو۔

فلیر قدم میں امر تدب کے لئے ہے لہذا اس حال میں نماز پڑھنا مکروہ ہوگی۔ پھر اس میں کلام ہوا ہے کہ اس کا تعلق لوافل و فرائض دونوں کے ساتھ ہے یا صرف صلوٰۃ اللیل کے ساتھ نووی نے نقل کیا ہے منہجنا

(2) مشکل لا حار ص ۳۰۲ ج ۲ بحوالہ معارف (3) صحیح بخاری ص ۹۲ ج ۱ باب اذا حضر الطعام و اقيمت الصلوٰۃ

ومذهب الجمهور انه عام في صلاة الفرض والنفل في الليل والنهار۔

حافظ فرماتے ہیں کہ یہ اشارہ ہے حدیث عائشہ کی طرف۔
وضاحت کی کہ یہ اشارہ ہے حدیث عائشہ کی طرف۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حوالہ بنت تویت کے بارے میں ذکر کیا گیا کہ یہ رات کو نماز پڑھتی ہے نیند کے وقت رسی سے نیند دور کرنے کے لئے خود کو باندھ لیتی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب نیند آ جائے تو سونا چاہئے۔ (3)

لیکن نووی وابن حجر کے قول کا یہ مطلب نہیں کہ نماز قضاء ہو جائے پھر بھی سونا چاہئے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر وقت میں توسیع ہو جب۔ اس کے مقابل ایک جماعت کہتی ہے کہ تعلق صلوٰۃ اللیل کے ساتھ ہے فرائض کے ساتھ تعلق نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ نوافل کا وقت زیادہ ہوتا ہے اور رات کو پڑھے جاتے ہیں جو نیند کا وقت ہے فرائض کے اوقات مختصر ہیں اور سونے کے اوقات بھی نہیں لہذا فرائض کے ساتھ تعلق نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ صحابہ عشاء کی نماز میں بیٹھے بیٹھے سو جاتے مگر یہ مروی نہیں کہ نماز چھوڑ کر کوئی سو گیا ہو۔ حدیث میں یہ وجہ بیان کی ہے فان احدکم ارح یعنی اگر وہ نماز اوگھ کی حالت میں پڑھتا رہے تو مقصد تو یہ ہوگا کہ گناہوں کی بخشش کرائے لیکن فی سب نفسہ اس جملہ کا مقصد ملا علی قاری کے نزدیک ظاہر پر ہے یعنی جب وہ تھک جائے گا تو تھکاوٹ کے وقت غصے میں آ کر اپنے آپ کو بھی برا بھلا کہہ دیتا ہے۔ دوسرے حضرات یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ یہ ایسا جملہ کہہ دے گا جو کہنا نہیں چاہتا مثلاً اللہم اغفر لی کی جگہ اعفر کہہ دے یعنی خاک دے دیں یا لا تقفر لی کہہ دے۔

اعتراض:- قلب لای کی دعا یا بدعا تو قبول نہیں تو یہاں کیوں؟

جواب:- بعض اوقات ایسے ہوتے ہیں کہ ہر بات قبول ہو جاتی ہے چاہے دل لای ہو یا خاضع۔

جواب ۲:- جب اپنی بات کا پتہ نہیں ہوگا تو اس بلا وجہ تکلیف کا کیا معنی تو سونا چاہئے۔

(3) رواہ البخاری ص: ۵۴۱ ج: ۱۰ لفظ المسلم ص: ۲۶۷ ج: ۱۰ باب فضیلة العمل الدائم الخ "ایضاً رواہ ابوداؤد ص: ۱۹۳ ج: ۱۰ ایضاً نسائی "باب اللیل"

جواب ۳:- ایذاق تکلیف اپنے نفس کو دینی چاہئے جب وہ سو رہا ہو تو اتنی طاقت نہیں تو آئندہ کا شوق نہیں رہے گا جیسے خطیب کو تقریر اس وقت منقطع کرنی چاہئے جب وہ محسوس کرے کہ لوگ تھک گئے ہیں تاکہ شوق برقرار رہے۔

باب ماجاء من زار قوماً فلا یصل بہم

رجال:-

بدیل بالتصغیر ہے۔ العقلمی بضم العین ثقہ ہیں۔ ابی عطیہ مبدل منہ رجل بالجر بدل ہے اور منہم کی ضمیر بنو عقیل کی طرف عائد ہے۔ ذہبی نے میزان میں ابو عطیہ کو مجہول قرار دیا ہے جبکہ حافظ نے تقریب میں لکھا ہے ”ابو عطیہ مولیٰ بنی عقیل مقبول من الثقات“۔ ۶۱

تشریح:-

ابو عطیہ فرماتے ہیں کہ مالک بن حویرث ہماری مسجد میں تشریف لاتے تھے اور احادیث بیان کرتے تھے ایک دن جماعت تیار ہوئی تو ہم نے ان کو کہا کہ آگے ہو جائے تو انہوں نے کہا کہ آپ میں سے کوئی آگے ہو جائے حتیٰ احدکم فی ابی داؤد۔ ما حدیثکم (۶) کہ میں کیوں آگے نہیں ہوتا پھر نماز کے بعد حدیث بیان فرمائی کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا ہے کہ جس نے کسی قوم کی زیارت کی تو وہ امامت نہ کرے۔

اس پر اتفاق ہے کہ زائر کو بغیر اجازت کے نماز پڑھانے کا حق نہیں بشرطیکہ امام راتب یا صاحب منزل امامت کا اہل ہو عورت یا بچہ یا امی محض نہ ہو۔

البتہ ابن العربی نے عارضہ میں لکھا ہے کہ زائر اعلم اور افضل ہو مزدور سے تو مزدور کے لئے بہتر یہ ہے کہ زائر کو آگے کر دے اگر دونوں مساوی ہوں پھر حسن ادب یہ ہے کہ وہ زائر کو آگے ہونے کے لئے کہے۔ لہذا اگر مزدور زائر کو اجازت دے تو عند الجمہور بلا کراہت جائز ہے۔ البتہ مالک بن حویرث نے حدیث کے ظاہر پر عمل

باب ماجاء من زار قوماً فلا یصل بہم

(۱) ص: ۹۵ ج: ۱ ”باب المدة الزائر“

کرتے ہوئے باوجود اجازت کے تقدّم سے انکار کیا ہے۔ یہی مذہب امام اسحاق کا ہے کما ذکرہ الترمذی وشدنی
ان لا یصلی احد بصاحب المنزل وان اذن له صاحب المنزل الخ استدلال مذکورہ روایت سے کرتے ہیں کہ
مالک بن حویرث اجازت کے باوجود آگے نہیں بڑھے۔

شیخ الہند الوراء شذی میں فرماتے ہیں کہ امام اسحاق کا استدلال صحیح نہیں اگرچہ بڑوں کی تخطیہ نہیں کرنی
چاہئے کیونکہ حدیث کا مقصد یہ ہے کہ لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ صحابی ہیں اور ہم تابعی ہیں تو ان کے ہوتے ہوئے
ہمیں نماز پڑھانے کا حق نہیں پہنچتا۔ تو اس زعم کو دور کر دیا کہ اگرچہ میں صحابی ہوں مگر زائر ہوں اس میں عام
ترتیب ملحوظ نہیں ہوگی بلکہ مزور ادنیٰ بالاملتہ ہے۔ چونکہ ان لوگوں کو اس حدیث کا یہ نہیں تھا لہذا امام اسحاق کا
استدلال درست نہیں۔ جیسے ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اپنے دابہ پر اگلی نشست خالی کر دی تو نبی
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگلی نشست کا حق صاحب دابہ کا ہوتا ہے لایہ کہ اجازت دے تو یہاں بھی اس آدمی
کا خیال تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے میں آگے نہیں بیٹھ سکتا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے
زعم کو رد کر دیا کہ سواری تمہاری ہے حق تمہارا بنتا ہے اگر اجازت دیں تو میں بیٹھ سکتا ہوں اسی طرح امامت مع
الاجازت صحیح ہے۔ دلیل یہ ہے کہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یوم الرجل فی سلطانہ ولا یتجلس علی عکرمۃ الا باذنہ۔

ابن العربی (۲) نے عارفہ میں ابوداؤد کے حوالے سے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان کی
زیارت کی اور نماز بھی پڑھائی معلوم ہوا کہ عند الاجازت نماز پڑھانا صحیح ہے بغیر اجازت کے نہ پڑھائے ایک اس
لئے کہ بد نظمی پیدا ہوگی دوسری وجہ یہ ہے کہ امام راتب کی دل شکنی ہوگی تیسری وجہ یہ کہ یازائر کی قراءت اچھی ہوگی
یا مزور کی تو جس کی اچھی نہیں ہوگی تو لوگ اس سے بدظن ہو جائیں گے۔

باب ماجاء فی کراہیۃ ان یخص الامام نفسه بالدعاء

رجال:-

اسماعیل بن عیاش الحمصی: اپنے اہل بلد سے روایت کرنے میں صدوق ہیں مگر دوسروں سے روایت کرنے میں ان سے خلط ہو جاتا ہے۔ تاہم امام احمد ابن حنبل، بخاری اور ابن عدی نے اہل شام سے روایت کرنے میں توثیق کی ہے اور حجازین سے اخذ کی تضعیف کی ہے چونکہ مذکور روایت حبیب ابن ابی صالح سے ہے اور حبیب بھی حمصی اور ثقہ ہیں اس لئے امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے اور ابوداؤد نے اس پر سکوت کیا ہے۔

یزید بن شریح بھی حمصی ہیں حافظ نے متبول اور ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے۔

ابی جی المؤذن اسے شداد بن جی صدوق ہیں۔ جی یضم الجاء وشذ الیاء المستوح۔ سیوطی نے قوت المستذی میں لکھا ہے کہ ترمذی میں ان تینوں یعنی حبیب و یزید اور ابو جی سے سوائے اس حدیث کے دیگر کوئی حدیث نہیں ہے۔

ثوبان حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں التزام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھامے ہوئے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو شام تشریف لے گئے اور بالآخر حمص میں سنہ ۵۴ھ میں انتقال فرما گئے۔ رضی اللہ عنہما

تشریح:-

اس حدیث میں تین حکم بیان کئے ہیں ایک یہ کہ کسی کو کسی کے گھر میں بغیر اجازت کے جھانکنا صحیح نہیں کیونکہ پردے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دوسرا آدمی گھر کے حالات و عورات پر مطلع نہ ہو اور دیکھنے سے یہ مقصد فوت ہو جاتا ہے اور کبھی آدمی ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ وہ نہیں چاہتا کہ کوئی اس کو دیکھے یا عورتیں ہوتی ہیں جن کو دیکھنا نہیں چاہئے فان نظر فقد دخل کیونکہ دخول سے بھی مقصد آگاہی ہوتی ہے وہ باہر سے حاصل کر لی لہذا دروازے

سے ہٹ کر کھڑا رہنا چاہئے یا نگاہ کو نیچے رکھے۔ اگر دروازہ کھلا ہے، اچانک نظر پڑ گئی تو غلطی صاحب خانہ کی ہے اگرچہ دیکھنے والا اس کا پابند ہے کہ نظر فوراً لوٹا دے۔ اگر اجازت مل گئی پھر دیکھ سکتا ہے پھر بھی عورتیں اس اجازت میں داخل نہیں کہ شرعاً دیکھنے سے ممانعت ہے۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ امام اپنے لئے بغیر مقتدیوں کے دعا نہ کرے فان فعل فقد خان وجہ یہ ہے کہ جماعت کا مقصد یہ ہے کہ امام ان کا سفیر ہو تو ایسا عمل و قول اختیار کرنا چاہیے جو سب کی نمائندگی کرے اب اگر یہ خود کو مخصوص کرتا ہے تو یہ مقصد امامت کے خلاف ہے۔ اس جملے کے مقصد میں مختلف اقوال ہیں۔

قیل واحد متکلم کا صیغہ استعمال نہیں کرنا چاہئے مگر اس پر اعتراض ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ادعیہ میں مفرد کے صیغہ استعمال ہوئے ہیں۔

وقیل کہ اپنے علاوہ غیر کی نفی نہ کرے کقول الاعرابی (۱) اللهم ارحمني ومحمد اولاً ثم معنا اعداء۔

وقیل رکوع و سجود کے مواضع میں دعائیں نہ پڑھے کہ مقتدی تسبیحات پڑھتا ہے۔ یہ شاہ صاحب کی رائے ہے یعنی ایسے مواضع میں امام کو دعائیں مانگنی چاہئے جو دعا کے مواضع نہیں ہیں۔

قال اتقی عثمانی کہ بہتر صورت یہ ہے کہ ایسی دعائیں کرنی چاہئے جو آدمی کی ذات کے ساتھ متعلق ہو مثلاً اللهم زدنی۔

مگر زیادہ بہتر تو جیہ یہ ہے کہ امام دعا کے وقت سب کی طرف سے نیت کرے یہ اجتماعی دعا کہلائے گی چاہے صیغہ جمع ہو یا مفرد اگر اپنی نیت کرے گا تو انفرادی دعا کہلائے گی اگرچہ صیغہ جمع کا ہو۔

قال المدنی کہ مفرد کے ساتھ جمع کا صیغہ استعمال کرنا چاہیے۔

تیسرا حکم یہ ہے کہ حقن ہو جس کو پیشاب آیا ہو ایک حائض ہے جس کو بڑا پیشاب آیا ہو مگر اکثر یہ فرق نہیں کرتے یعنی جس کو قضاے حاجت کا تقاضا ہو چاہے چھوٹا پیشاب ہو یا بڑا پیشاب باقی اگر کسی نے اسی حالت میں نماز پڑھ لی تو اس کا حکم گزر چکا ہے۔ (۲)

باب ماجاء من أم قوماً وهم له کارهون

رجال:-

محمد بن القاسم پر امام ترمذی نے کلام کیا ہے ان سے ترمذی میں یہی ایک حدیث مروی ہے امام احمد ان کی احادیث کو موضوعی قرار دیتے ہیں۔

فضل بن دہلم بفتح الدال وسكون اللام بوزن جعفر ہے ان میں یقین اور اعتزال ہے۔ الحسن یعنی البصری۔ ☆

تشریح:-

انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین آدمیوں پر لعنت کی ہے پہلا وہ شخص جو امام ہو اور لوگ اسے ناپسند کرتے ہوں دوسرا وہ عورت جو رات (تہا) گزارے اور اسکا شوہر اس سے ناراض ہو تیسرا وہ شخص جو اذان سنے اور مسجد میں نہ جائے۔

اس حدیث میں تین آدمیوں کو ملعون قرار دیا ہے آخر الباب میں ابو امامہ کی روایت میں عبد اللہ بن ابی کا بھی ذکر ہے۔ فرماتے ہیں کہ تین آدمی ایسے ہیں کہ جن کی نماز ان کے کانوں سے تجاوز نہیں کرے گی مراد لا ترفع الی السماء ہے کافی روایت ابن عباس لا ترفع فوق رؤسہم شبرا (۱) جیسے کہ طبرانی (۲) میں ابن عباس کی روایت ہے لا تقبل لہم صلوٰۃ مراد ترتب ثواب ہے اگرچہ ذمہ فارغ ہو جائے گا۔

(۱) وہ غلام جو بھاگ جائے۔ (۲) وہ عورت جو شوہر کی ناراضگی کے ساتھ رات گزارے۔

باب ماجاء من أم قوماً وهم له کارهون

(۱) رواہ ابن ماجہ: ۶۸۰ "باب من أم قوماً وهم له کارهون"

(۲) بحوالہ مسارف السنن ص: ۳۱۳ ج: ۳ لیکن معجم کبیر للطبرانی ص: ۱۱۵ ج: ۱ رقم حدیث ۲۱۰ میں تصریح ہے کہ وہ امام جس کو لوگ ناپسند کرتے ہوں تو اس کی نماز جائز نہیں ہے۔

(۳) وہ امام جس کو لوگ ناپسند کرتے ہوں۔ امام سے مراد یہاں حاکم ہے یا امام مسجد ہے دونوں کو یہ روایت شامل ہے۔ لیکن اس میں یہ بات ہے کہ اہل سنت کو اہل بدعت ناپسند کرتے ہیں اہل نعم کو غیر اہل نعم ناپسند کرتے ہیں اور ارباب اقتدار کو عموماً رعایا ناپسند کرتی ہے تو بظاہر اگرچہ اس کا حکم عام ہے مگر مقصد یہ ہے کہ امام کے دین میں خامی ہو جس کی وجہ سے لوگ ناپسند کرتے ہیں تو اس صورت میں یہ امام اس وعید میں آتا ہے تو یا اپنی اصلاح کرے یا استعفاء دے۔ وجہ یہ ہے کہ اگر اس میں دینی خامی موجود ہو تو اگر کل یا بعض لوگ نماز نہ پڑھیں تو جماعت میں رخنہ پڑتا ہے اگر پڑھیں تو ان کی نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔ اس آدمی کو امامت پر باقی رہنا مکروہ تحریمی ہے کما فی معارف السنن (3)

اس کے برعکس اگر وہ امام متدین ہے اہل بدعت اس کو پسند نہیں کرتے یا امام عادل ہے وہ شرعی سزائیں دیتا ہے تو جرائم پیشہ نولہ اس کو ناپسند کرتا ہے تو گناہ امام پر نہیں بلکہ ناپسند کرنے والوں پر ہے۔ اگر یہ اختلاف امر دنیوی میں ہے تو اگر امام حق بجانب ہے اور لوگ ناپسند کرتے ہیں تو امام ماخوذ نہیں ہوگا امام احمد کا قول ترمذی نے نقل کیا ہے۔

قال احمدوا سحق في هذا اذا كره واحد او اثنان او ثلاثة فلا باس ان يصلى بهم

حتیٰ یکرهہ اکثر القوم۔

یہ مجمل ہے مطلب گزر گیا ہے کہ مراد امر دینی ہے اتنا معلوم ہوا کہ ان کے ہاں اعتبار اکثر کا ہے۔

بعض نے کہا کہ اگر اقل اہل علم ہے تو ان کا اعتبار ہے اگرچہ اکثر اختلاف کرتے ہوں۔

دوسرا حکم کہ وہ عورت جو شوہر کی ناراضگی کی حالت میں رات گزارے یہ حکم بھی اپنے عموم پر نہیں بلکہ اس وقت ہے کہ عورت شوہر کو بد اخلاقی بے ادبی کی وجہ سے ناراض کرتی ہو۔ ترمذی میں ایک روایت آئے گی کہ اگر عورت کو شوہر اپنے بستر پر بلائے وہ نہ آئے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اگر مرد ظالم ہے یا معصیت کا حکم کرتا ہے مثلاً حالت حیض میں وطی کا حکم کرتا ہے پھر حکم برعکس ہوگا کیونکہ لا طائۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ تیسرا حکم جو اذان سننے ثم لم یجب اجابت کی ایک قسم قوی ہے جس کا بیان باب الاذان میں گزر گیا۔

دوسری اجابت فعلی یہاں یہی مراد ہے کہ اجابت قولی مستحب ہے جو موجب لعنت نہیں۔

باب ماجاء اذا صلى الامام قعوداً فصلوا قعوداً. باب منه

رجال:-

پہلے باب کے سب راوی ثقہ اور معروف ہیں۔ دوسرے باب میں شہاب بن سوار مدائنی اصلاً خراسانی ہیں ثقہ حافظ رمی بالار جاء و یقال احمد مروان۔

نعیم مصری ہے۔ ابی ہند کا نام نعمان ہے ثقہ ہیں۔ ابی وائل کا نام شقیق بن سلمہ الکوفی ہے ثقہ ہیں۔ ✽

تشریح:-

انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے سے گر گئے فحش جھش کھال کا چھل جانا بعض روایت (۱) میں تصریح ہے کہ داہنا پہلو چھل گیا تھا۔

امام ترمذی نے یہاں دو باب باندھے ہیں پہلے باب میں انسؓ کی حدیث ہے کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدیوں کو بھی بیٹھنا چاہیے۔ دوسرے باب میں مرض و فاقات کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور لوگ کھڑے تھے اشارہ ہے پہلے باب کی منسوخیت یا کم از کم اقد میت کی طرف۔

ابن حبان (۲) کی تصریح کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے سے گرنے کا واقعہ ۵ ہجری میں پیش آیا تھا جس میں داہنا پہلو چھل گیا تھا ان دنوں میں بھی مسجد نبوی میں آنے سے قاصر تھے اور عائشہ کے مشربہ میں نماز پڑھتے تھے اور بعض صحابہ وہیں آ کر نماز پڑھتے۔

دوسرے باب کی حدیث پر پہلا اعتراض یہ ہے کہ عائشہ فرماتی ہیں کہ لوگ ابو بکر کی اقداء کرتے تھے

باب ماجاء اذا صلى الامام قعوداً فصلوا قعوداً. باب منه

(۱) کذا فی ابی داؤد ص: ۹۶ ج: ۱ 'باب الامام صلی من قعوداً' بیضا صحیح بخاری ص: ۹۶ ج: ۱

(۲) مولد العلماء ان الزوائد ابن حبان ص: ۸۰ رقم: ۲۶۵ بحوالہ نصب الراية

اور ابوبکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تود و امام ہوئے اور دو امام جائز نہیں۔

جواب :- قال الشيخ فی الورد للہذی کہ اصل امام نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن ضعف کی وجہ سے تکبیر اتنی اونچی نہیں تھی کہ لوگ سن سکیں اس لئے ابوبکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے تھے تو ابوبکر زور سے تکبیر کہتے تو لوگ اس کو سنتے تھے گویا مکمل تھے نہ کہ امام۔

اعتراض ۲ :- حدیث عائشہ سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم امام اور ابوبکر مقتدی تھے (3) اور دوسری روایت انہی کی اور انس کی روایت میں ہے ان السبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی خلف ابی بکر وهو قاعد تو روایات میں تعارض ہوا۔

جواب :- قال شیخ البند ایک جواب یہ ہے کہ مرض و فاق میں کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم امام ہوتے تھے اور کبھی ابوبکر امام ہوتے تھے تو یہ متعدد واقعات ہیں۔

جواب ۳ :- جو زیادہ تحقیق ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ابوبکر کے پاس بیٹھ گئے اور مقصد یہی تھا کہ ابوبکر بدستور امام رہے مگر جب ابوبکر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ بھی فرمایا کہ اپنی جگہ پر رہو مگر وہ پیچھے ہوئے ایک وجہ اس کی یہ ہے کہ جو عائشہ نے کہا تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیں ابوبکر نرم دل آدمی ہے یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان سے پیچھے ہٹنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ ابن ابی قحافہ کے لئے یہ مناسب نہیں کہ آپ کے ہوتے ہوئے نماز پڑھائے۔ (4)

دوسری وجہ یہ ہے کہ ابوبکر حصر عن القراءة کی وجہ سے پیچھے ہو گئے یا رعب کی وجہ سے یا بکاء کی وجہ سے تو جس نے پہلی حالت کو دیکھا تو ابوبکر کو امام قرار دیا جس نے آخری حالت کو دیکھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو امام قرار دیا۔

ابن العربیؒ عارضہ (5) میں لکھتے ہیں کہ اس مسئلے میں تین قول ہیں۔

(3) کاظم من روایۃ البخاری ص: ۹۵ ج: ۱ "باب انما جعل الامام ابو تمیم"

(4) دیکھئے صحیح بخاری ص: ۹۴ ج: ۱ (5) عارضۃ الاحوذی ص: ۱۳۳ ج: ۲

ایک یہ کہ امام کے بیٹھنے کی صورت میں مقتدی کھڑے رہیں یہ امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ ابو ثورؒ اور ولید بن مسلم کی روایت میں امام مالک کا مذہب ہے گویا یہ جمہور کا مذہب ہے۔

دوسرا مذہب امام احمد و حنفی و غلہ ہر یہ کا ہے کہ اگر امام بیٹھے عذر کی وجہ سے تو مقتدیوں کو بھی بیٹھنا چاہئے پھر حافظ عراقی اور ابن قدامہؒ نے کچھ تنقیدات کی ہیں ایک یہ کہ امام راتب ہو۔ ۲۔ عذر انشاء صلوٰۃ میں پیش نہ آیا ہو بلکہ شروع سے ہو۔ ۳۔ عذر مر جو الزوال ہو لہذا اگر ان تین شرائط میں سے ایک بھی مفقود ہوئی تو بیٹھنا جائز نہیں ہوگا یعنی مقتدیوں پر قیام لازم ہوگا۔

تیسرا قول امام مالک کی طرف منسوب مشہور روایت ہے کہ امام قاعد کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے ہی نہیں چاہے بیٹھ کر ہو یا کھڑے ہو کر امام محمد کی طرف بھی یہ منسوب ہے۔ بعض مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر مقتدی بھی معذور ہو تو بیٹھ کر قاعد امام کے پیچھے پڑھ سکتا ہے۔ امام مالک کا استدلال مصنف عبدالرزاق (6) اور سنن دارقطنی (7) کی روایت سے ہے لایؤمن رجل بعدی جالساً معلوم ہوا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی۔

جواب :- اس میں جابر جعفی ہے جو ضعیف ہے لہذا استدلال صحیح نہیں۔

جمہور کا استدلال اس آیت سے ”وقوموا للہ فانتین“ (8) الامر للوجوب لہذا بغیر عذر کے قیام ساقط نہیں ہو سکتا۔

دلیل ۲:- عن عمران بن حصین فی ابی داؤد (9) کان بسی الناس سور فسالت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال صل قائماً فان لم تستطع فقاعداً فان لم تستطع فعلى جنب طریق استدلال یہ ہے کہ باوجود عذر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت نہیں دی جب تک کہ عذر مانع عن القيام نہ ہو۔

دلیل ۳:- نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز قاعدہ پڑھائی اور لوگ قائم تھے اور یہ آخر الامرین ہے خود ابن العربی فرماتے ہیں کہ امام مالک اور امام احمد وغیرہ کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں کیونکہ آخر الامرین الحق

(6) مصنف عبدالرزاق ص: ۳۶۳ ج: ۲ رقم حدیث: ۴۸۷۱

(7) دارقطنی ص: ۳۸۳ ج: ۱ رقم حدیث: ۱۲۷۰ باب صلاة المريض جالساً بالما مومن ایضاً أخرجه المعجمی ص: ۸۰ ج: ۳ باب

ماروی فی الہی عن الامام (8) سورة بقرہ آیت رقم: ۲۲۸ (9) ص: ۱۳۳ ج: ۱ باب صلوٰۃ القاعد

بالاجماع ہوتا ہے۔

امام احمد وغیرہ کی دلیل :- واذا صلی قاعداً فصلوا قعوداً جمعون روایت باب ہے۔

جواب :- یہ سنہ ۵۵ ہجری کا واقعہ ہے جبکہ باب ثانی کا واقعہ اخیر کا ہے تو یہ ناخ ہے وہ منسوخ۔

امام احمد کی طرف سے جمہور پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات کے واقعہ کو ناخ قرار دینا صحیح نہیں وجہ یہ ہے کہ مصنف عبدالرزاق (10) میں عطاء بن ابی رباح کی مرسل روایت ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد فرمایا تھا وان صلی قاعداً فصلوا قعوداً معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز بیٹھ کر پڑھائی لیکن صحابہ کی نماز قائمنا پر خوش نہیں تھے۔

جواب :- یہ ہے کہ عطاء کی مرسل نا قابل استدلال ہوتی ہے کہ ضعیف ہوتی ہے۔

اعتراض ۲ :- امام احمد و اہل نواہر کی طرف سے یہ ہے کہ ابوداؤد (11) میں ہے کہ:

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی الامام جالساً فصلوا جلوساً واذا صلی

قائماً فصلوا قائماً ولا تنفلوا کما یفعل اهل فارس بعظمتائہا

اس روایت میں نہ صرف یہ کہ امام کے بیٹھنے کی صورت میں مقتدیوں کو بیٹھنے کا حکم دیا بلکہ اس کی علت کی طرف بھی اشارہ کیا کہ یہ تشبیہ اہل فارس کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ علت آج بھی ہے تو مقتدیوں کو امام کے بیٹھنے کی صورت میں بیٹھنا چاہیے۔

جواب :- شاہ ولی اللہ نے الفوز الکبیر میں ایک مسئلے کے ضمن میں دیا کہ شروع میں چونکہ لوگوں کے

عقائد راسخ نہیں ہوئے تھے اور اسلامی ضابطے پوری طرح ممتاز نہیں ہوئے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹی چھوٹی جزئیات میں بھی دیگر اہل مل کے ساتھ تشبیہ سے منع کرتے۔ اور اہل فارس کا دستور یہ تھا کہ ان کا سردار بیٹھا رہتا دیگر عوام تعظیم میں کھڑے رہتے لیکن بعد میں عقائد پختہ ہوئے تو یہ حکم منسوخ ہوا چنانچہ مرض الوفات کا قصہ ناخ ہے بلکہ اس سے پہلے یہ بات منسوخ ہوئی تھی کہ صحابہ کا کھڑا رہنا باوجودیکہ سنہ ۵۵ ہجری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا کہ بیٹھ جایا کرو معلوم ہوا کہ پہلے کوئی ناخ آیا تھا اسی طرح حضرت سعد کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا تھا تو موالیدکم۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور فاطمہؓ ایک دوسرے کی آمد پر اکراماً کھڑے ہو جاتے۔

جواب ۲:- یہ واقعہ نفل سے متعلق ہے نہ کہ فرائض کے ساتھ اور نفل میں بغیر عذر کے بھی بیٹھنا جائز ہے۔ لہذا اگر امام بیٹھ کر پڑھائے تو مقتدی بھی بیٹھ جائے فرض میں بغیر عذر کے قیام ساقد نہیں ہوگا۔

اعتراض:- ابو داؤد (12) میں جابر کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے سے گرنے کے دنوں میں جب آپ مشربہ عائشہ میں قیام پذیر تھے ہم آتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا کرتے ہم نے ایک دن نماز کھڑے ہو کر پڑھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار کی۔ دوسری دفعہ فصلی المکتوبہ جاسا غرنا خلدہ فاشار الینا فقعدنا اس میں تصریح ہے کہ یہ فرائض کا واقعہ ہے۔

جواب:- نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فرض نماز تھی صحابہ کی نفل تھی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زخمی ہونے کے ایام میں آپ کئی دن تک گھر میں نماز پڑھتے رہے تو اول تو پورے ایام میں ممکن نہیں کہ مسجد نبوی میں جماعت نہ ہوگی ہو دوسری بات یہ ہے کہ عائشہ کا مشربہ اتنا نہیں تھا کہ اس میں سارے آسکیں۔ ظاہر یہ ہے کہ مسجد میں نماز پڑھ کر صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیمار پرسی کے لئے آئے تھے اور بظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم جماعت سے پہلے نماز نہ پڑھتے ہوئے نہ جماعت کے دوران بلکہ مسجد میں جماعت ہو جانے کے بعد ہی پڑھتے ہوئے اس لئے آپ کی نماز فرض اور صحابہ کی نفل تھی۔

جواب ۳:- شاہ صاحب نے دیا ہے کہ اس حدیث کا تعلق مسبوق کی نماز سے ہے اور یہ اس لئے کہ شروع میں صحابہ آپ کو پہلے اپنی نماز جو رکعتیں ان سے چھوٹ گئیں ہوتی وہ پڑھتے پھر امام کے ساتھ پہنچ کر امام کے ساتھ اس رکن میں شریک ہو جاتے تو عبد اللہ بن مسعود آئے کافی مصنف عبد الرزاق (13) اور کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام و قعود کی متابعت کروں گا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے آپ کے لئے طریقہ منتخب کیا ہے اسی پر عمل کو۔

جواب ۴:- یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے دلیل کنز العمال (14) بحوالہ مصنف عبد الرزاق

(12) حوالہ بالا (13) مصنف عبد الرزاق ص: ۲۲۹ ج: ۲ رقم حدیث: ۳۱۷۶ "باب الذی یكون له وللا مام شفيع"

(14) کنز العمال ص: ۲۵۸ ج: ۴ بحوالہ معارف ص: ۲۲۳ ج: ۳

میں عروہ یا ابو عروہ کی روایت (15) ہے کہ بلغنی انه لا یبلغنی لاحد غیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیرہما کے لئے اس طرح مناسب نہیں۔ مصنف کی روایت میں اگر عروہ ہے تو فقہاء سیدہ میں سے ہے اور اگر ابو عروہ ہے تو وہ شیخ عبدالرزاق ہے یہ بھی ثقہ ہے۔

باقی حوالہ نے یہ جو تنقید کی ہے شروط ملاء کے ساتھ تو ان سے کہا جائے گا کہ اس کی کوئی دلیل نہیں خود ساختہ ہیں۔

باب ماجاء فی الامام ینہض فی الرکعتین ناسیاً

جیسے کہ پیچھے گزرا ہے کہ ابن ابی لیلیٰ کا اطلاق چار راویوں پر ہوتا ہے یہاں مراد محمد بن عبدالرحمن ابن ابی لیلیٰ ہے جو صدوق ہے دیانہ صحیح ہے مگر حافظہ کمزور ہے۔ فتعی سے روایت کرتے ہیں کہ مغیرہ نے نماز پڑھائی تو دو رکعتوں کے بعد بیٹھنے کے بجائے کھڑے ہوئے تو قوم نے تذکیر کے لئے تسبیح کی۔ لنگوئی فرماتے ہیں کہ تذکیر کے لئے سبحان اللہ ضروری نہیں کوئی بھی اللہ کا نام ہو تو صحیح ہے تو انہوں نے بھی تسبیح کی۔ مقصد یہ تھا کہ اب تو کھڑا رہنا ضروری ہے فراغت کے وقت دو جہدے سہو کے کئے۔

دو ہو جالس تو ہم یہ تھا کہ سجدہ سہو کے لئے بھی قیام ضروری ہوگا جیسا کہ سجدہ تلاوت کے لئے ہے تو دفع کر دیا کہ کھڑا ہونا نہیں پھر دلیل پیش کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی قعدہ اولیٰ چھوڑ کر کھڑا ہو جائے تو قیام جاری رکھے۔

یہاں ایک مسئلہ یہ ہے کہ وہ اگر اقرب الی القعود ہے تو بیٹھ جائے اور سجدہ سہو نہیں ہوگا اور اگر اقرب الی التیام ہے تو کھڑا رہے اور نہ بیٹھے پھر اقرب الی القعود میں اختلاف ہے۔ قیل گھٹنے زمین پر ہوں اور ارتفاع الیقین متحقق ہوا ہو۔ قیل رکوع کی حالت تک نہ پہنچا ہو تو اقرب الی القعود ہوگا۔ قیل نصف اسفل سیدھا نہ ہو مگر ان دونوں قولوں کا مآل ایک ہے کہ رکوع کی حالت میں نصف اسفل سیدھا رہتا ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر وہ بیٹھ گیا کھڑے ہونے کے بعد تو مشہور یہ ہے کہ اس کی نماز فاسد ہوئی کیونکہ

اس نے واجب کے لئے فرض ترک کر دیا کہ قیام فرض اور قعدہ اولیٰ واجب ہے۔ مگر محققین کے نزدیک نماز نہیں ٹوٹی البتہ سجدہ سہو کرے۔ بہتر یہ ہے کہ وہ واپس نہ آئے قیام جاری رکھے اور اخیر میں سجدہ سہو کرے۔ نظیرہ ایک آدمی وتر میں قنوت بھول کر رکوع کرے تو وہ اخیر میں سجدہ سہو کرے لیکن اگر وہ رکوع ترک کر کے واپس آئے قنوت کے لئے تو محققین کا قول یہ ہے کہ نماز نہیں ٹوٹے گی البتہ سجدہ سہو کرے۔ یہ مسئلہ فرض رباعی یا ثلاثی میں ہے۔ نقل رباعی میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر وہ سیدھا کھڑا بھی ہو جائے تب بھی بیٹھنا لازمی ہوگا کہ ہر شفع مستقل ہے تو قعدہ بھی فرض ہی ہو نہ کہ واجب۔

امام ترمذی نے ضمناً ایک مسئلہ ذکر کیا ہے کہ سجدہ سہو قبل التسليم ہے یا بعد التسليم عمر آگے مستقل باب آرہے ہیں تو وہاں تفصیل آئے گی۔

باب ماجاء فی مقدار القعود فی الرکعتین الاولیین

رجال:-

سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف ولی قضاء المدینة وکان ثقة فاضلاً عابداً۔
ابا عبیدہ کا تعارف پہلے گزرا ہے تاہم اگر ان کا سماع اپنے والد سے ثابت نہ بھی ہو تب بھی امام منذری فرماتے ہیں ”وقد احتج البخاری و مسلم بحديثه فی صحیحہما“ ☆

تشریح:-

ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب پہلی دو رکعتوں پر بیٹھ جاتے تو یوں لگتا جیسے آپ گرم پتھر پر بیٹھے ہیں۔ رصف گرم پتھر جس کو آگ پر تپایا ہو کنا یہ ہے جلدی اٹھنے سے۔ بعض شارحین کہتے ہیں کہ رکعتین اولیین سے مراد پہلی اور تیسری رکعت ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے بلکہ سیدھے کھڑے ہوتے تو جلسہ استراحت کی نفی ہوئی۔ جمہور کے نزدیک پہلی اور دوسری رکعت مراد ہے ثانی کو اول یا تغلیباً کہا یا وہ بھی بہ نسب ثالث کے اول ہے۔ ظاہری حدیث سے بھی یہی

معلوم ہوتا ہے "اذا جلس فی الركعتین الاولیین" مطلب یہ ہوگا کہ جب قعدہ اولیٰ میں بیٹھتے تو اتنی جلدی کھڑے ہوتے جیسے گرم پتھر پر بیٹھے ہوں۔

قال شعبۃ ثم حرك شفتیه بشئ یعنی شیخ سعد بن ابراہیم نے رصف کے بعد ہونٹ ہلائے لفظ ظاہر کرنے کیلئے مگر کہا نہیں تھا تو میں نے دل میں کہا کہ اب حتیٰ یقوم کہیں گے تو انہوں نے بھی ایسا ہی کہا۔ امام ترمذی نے اسی کو جمہور کا مذہب قرار دیا ہے۔

والعمل علیٰ هذا الی ان قال ولا یزید علی التشہد شیئاً فی الاولیین وقالوا ان

زاد فی التشہد فعلیہ سجدتی السہو

البتہ امام شافعی سے خلاف مروی ہے وما ذکرہ الترمذی امام شافعی فرماتے ہیں کہ دونوں قعدوں میں درود پڑھنا فرض ہے۔ امام شافعی کی دلیل "یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماً"۔
جواب ۱:- امر متقنی تکرار نہیں ہوتا۔

جواب ۲:- تشہد میں سلام مذکور ہے۔ السلام علیک الخ لہذا دیگر درود کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ جمہور کے نزدیک پہلے قعدے میں درود نہیں اگر کسی نے عمداً کہا تو نماز مکروہ ہوگی اگر نسیاناً کہا تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔ پھر سجدہ سہو کتنی قراءت درود سے واجب ہوگا تو اس کی مقدار میں اقوال مختلف ہیں۔ (۱) اللہم (۲) اللہم صل علی محمد پر (۳) علی آل محمد تک (۴) ایک جمید مجید پر سجدہ سہو واجب ہوگا۔ اعدل الاقوال یہ کہ علی محمد تک کہنے سے سجدہ سہو ہوگا کہ فی نفسہ درود موجب سہو نہیں بلکہ مقصد تاخیر ہے یعنی اتنی تاخیر کہ اس میں مختصر رکن ادا کیا جاسکتا ہے تو احتیاط اسی میں ہے کہ علی محمد پر سجدہ سہو ہوگا۔

دوسرے قعدے میں بھی امام شافعی کے نزدیک درود فرض ہے ہمارے نزدیک دوسرے میں سنت ہے نماز کے باہر عمر میں ایک دفعہ فرض ہے کسی مجلس میں ذکر ہو تو مرۃ واجب ہے بار بار مستحب ہے۔

باب ماجاء فی الاشارة فی الصلوٰۃ

رجال:-

تامل مقبول ہیں۔ صہیب بن سنان الرومی یقال اسمہ عبدالملک وصہیب لقب مشہور صحابی ہیں یہ اصلاً رومی تھے مگر رومی ان کو قیدی بنا کر روم لے گئے تھے تو وہیں پرورش پائی۔ ☆

وكان منزله بارض الموصل بين دجلة والفرات فاعطرت الروم على تلك الناحية فسبته وهو غلام فنشاء بالروم فابتناعه منهم كلب ثم قدمت به مكة فاشتراه عبدالله بن جدعان فاعتقه ويقال انه لما كبر في الروم وعقل هرب منهم وقدم مكة فحالف عبدالله بن جدعان واسلم قديماً بمكة وكان من المستضعفين المعذبين في الله بمكة ثم هاجر الى المدينة وفيه نزل "ومن الناس من يشتري نفسه ابتغاء مرضاة الله" كذا في اسماء الرجال لصاحب المشكاة۔ تحفة الاحوذی۔ ☆

تشریح:-

حضرت صہیبؓ سے ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ میرا گزر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا میں نے سلام کیا تو فرد علی اشارۃ ائمہ اربعہ کے نزدیک اگر کسی نے زبانی جواب دیا تو نماز فاسد ہوگی۔ حسن بصری ابن المسیب اور قتادہ کے نزدیک لفظاً بھی جواب جائز ہے اشارۃ جواب ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے بلا استحباب و بلا کراہیۃ جیسے امام احمد و مالک کا قول ہے یا مع الاستحباب کما ہو قول الشافعی وعند ابی حنیفہ ہذا مکروہ ایضاً۔ نماز سے باہر ہاتھ کے ساتھ اشارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر آدمی بہرہ ہو تو جائز اگر آدمی قریب ہو اور بہرہ بھی نہ ہو تو سلام کے وقت یا جواب کے ساتھ ہاتھ اٹھانا مکروہ ہے مشابہت نصاریٰ کی وجہ سے۔

امام طحاوی (۱) کی تحقیق یہ ہے کہ جب کلام فی الصلوٰۃ منسوخ ہوا تو اشارہ فی الصلوٰۃ بھی منسوخ ہوا انہوں نے ابن مسعود کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جب انہوں نے نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو جواب نہیں دیا نہ لفظاً نہ اشارۃً (۲) البتہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد قباء میں تشریف لاتے اور صحابہ سلام کرتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اشارۃً جواب دیتے یہاں ترمذی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

عن ابن عمر قال قلت لبلال کیف کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرد علیہم
حبث کان یسلمون علیہ فی مسجد بنی عمرو بن عوف ای مسجد قباء قال
کان یرد اشارۃً

معلوم ہوا کہ اشارہ منسوخ نہیں مگر یہ نوافل کا واقعہ ہے جس میں گنجائش زیادہ ہوتی ہے تطبیق یوں ہوگی کہ ابن مسعود نے فرض نماز میں سلام کیا تو جواب نہیں ملا اور قباء میں نفل پڑھتے تھے تو اشارۃً جواب دے دیتے۔

شرح معنیہ میں ہے۔

لورد السلام یردہ او یراسہ او طلب منہ شیء فاوما یراسہ او عینہ او قال نعم
اولاً لا تفسد بذالک صلوٰۃ لکنہ یمکرہ

لہذا عند الخفیۃ اشارہ مکروہ ہے اگرچہ مفسد نہیں۔ خطابی نے کہا ہے کہ رد السلام بعد الخروج سے یعنی بعد از فراغ من الصلوٰۃ جواب دے اگر مصافحہ فی الصلوٰۃ کیا تو نماز فاسد ہوگی۔

باب ماجاء ان التسبیح للرجال والتصفیق للنساء

باب کی حدیث تقریباً سب ہی نے روایت کی ہے۔

تسبیح بمعنی سبحان اللہ کہنا اور پہلے گزرا ہے کہ گنگوہی صاحب فرماتے ہیں کہ تہ کیر کے لئے اسم من اسماء اللہ کافی ہوگا۔ تھلیق یا صلفہ ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مارنا چاہے اپنے ہاتھ پر مارے یا دوسرے کے ہاتھ پر۔ فقہاء عقد بیع کو صلفہ اس لئے کہتے ہیں کہ عرب عند العقد ہاتھ ملا تے یا ہاتھ پر ہاتھ مارتے یہ عموماً باطن کف کو باطن کف سے مارنے کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو بائیں ہاتھ کی پتیلی کی پشت پر مارنا ہے۔ مقصد حدیث کا یہ ہے کہ اگر امام سے غلطی ہو جائے تو فتح میں مرد سبحان اللہ کہے اور عورت تھلیق کرے یہی امر خلاشا کا مذہب ہے۔ امام مالک کے نزدیک دونوں کے لئے تسبیح ہے وہ اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ والتصفیق للنساء میں اس فعل کا ذم بیان کرنا ہے مطلب یہ ہے کہ تھلیق تو عورتوں کا کام ہے یہ نہ کریں۔

جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا پہلا حصہ خبر بمعنی امر ہے بلکہ سہل بن سعد کی حدیث جو بخاری (۱) ابوداؤد (۲) وغیرہ میں ہے اس میں التسبیح للرجال یعنی امر ہے لہذا تھلیق بھی بمعنی امر ہوگا بلکہ معارف السنن (۳) میں والتصفیق للنساء صیغہ امر ذکر ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ عورتوں کی آواز بھی عورت ہے اس لئے ان کو اذان دینے اقامت وغیرہ سے روکا ہے تو امام کو قنہ کیسے دیگی؟

باب کی دوسری روایت علیؑ سے ہے کنت اذا استأذنت النبی ہو یصلی صبح معلوم ہوا کہ تسبیح صرف امام کو تہ کیر کے لئے مخصوص نہیں بلکہ اگر یہ بتانا مقصد ہے کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں تو تسبیح

باب ماجاء ان التسبیح للرجال والتصفیق للنساء

(۱) صحیح بخاری ص ۱۰۶۲ ج ۲ "باب الامام یأتی فی الصلح بنیم"

(۲) ص ۱۳۲ ج ۱ "باب التھلیق فی الصلوٰۃ" ایضاً دیکھئے نسائی ص ۱۷۲ ج ۱

(۳) ص ۳۳۶ ج ۳ اسی طرح صحیح بخاری ص ۱۰۶۲ پر صیغہ امر مذکور ہے۔

کہی جاسکتی ہے مثلاً کوئی باہر سے آئے یا آگے سے گزرنے والے کو یا بچہ گر رہا ہے تو فارغ کو اس کی طرف متوجہ کرنے کے لئے تسبیح جائز ہے۔ بعض روایات میں سبح کی جگہ تسبیح ہے۔ فتح القدیر میں ہے کہ اگر کسی نے تنبیہ کے لئے کھانسنے سے آگاہ کیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی (علیٰ الصبح) وکذا قال ابن تیمیہ فی فتاواہ شافعیہ کے اقوال اس میں مختلف ہیں اگر تخیخ کو تفر در راوی پر حمل کریں تو روایت شاذ ہو جائے گی۔

باب ماجاء فی کراہیۃ التأؤب فی الصلوٰۃ

یہ روایت بخاری میں بھی ہے مگر الفاظ ذرا مختلف ہیں۔

اذ تأؤب احدکم فی الصلوٰۃ فلیکظم ما استطاع ولا یقل ہا فانما ذالکم من

الشیطان یضحک منہ

تأؤب کا معنی ہے جمائی لینا ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز میں جمائی شیطان کی طرف سے ہے اگر تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو بقدر طاقت اس کو روکے شریعت میں جن چیزوں کی نسبت شیطان کی طرف کی جاتی ہے تو وجہ یہ ہوتی ہے کہ شیطان اس میں دخیل ہوتا ہے اور جن چیزوں کی نسبت فرشتوں کی طرف کی جاتی ہے تو اس میں فرشتے دخیل ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اچھے کاموں کی نسبت اللہ کی طرف ہوتی ہے کہ اللہ اچھائی کا حکم کرتا ہے اور برے کاموں کی نسبت شیطان کی طرف ہوتی ہے۔ جمائی شیطان کا اثر اس لئے ہے کہ اس کی وجہ یا غفلت یا کسل یا کثرت اکل یا غلبہ نیند ہوتی ہے۔ اور یہ سب چیزیں نماز میں مذموم ہیں خصوصاً اور خارج صلوٰۃ میں عموماً اور ان چیزوں پر شیطان آمادہ کرتا ہے تو اس کی طرف نسبت کی ہے۔

اس کے برعکس چھینک کو من الرحمن قرار دیا ہے کہ اس سے چستی آتی ہے البتہ نماز میں دونوں مذموم ہیں چھینک خارج صلوٰۃ میں مذموم ہے اس لئے الحمد للہ کہا جاتا ہے جمائی خارج صلوٰۃ میں بھی مذموم ہے۔

اشکال :- جمائی جب نماز سے خارج بھی مذموم ہے تو فی الصلوٰۃ کی قید کیوں ہے؟

جواب :- یہ ہے کہ مزید شناعت کی طرف اشارہ ہے کہ مذموم کی مذمت نماز میں بڑھ جاتی ہے پھر جمائی کو حتی الوسع روکنا چاہئے طریقہ یہ ہے کہ آدمی تصور کرے کہ انبیاء کو جمائی نہیں آتی تھی۔ قوت المعتذی (1) میں ہے روی یزید بن اہم سناؤ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الصلوٰۃ قط قلت ولا خارجھا قط۔ حضرت بنوری (2) نے دیگر احادیث ذکر کی ہیں کہ کسی نبی علیہم السلام کو جمائی نہیں آتی تھی کہ یہ شیطان کا اثر ہے جس سے انبیاء محفوظ ہوتے ہیں اس سے اگر نہ رکے تو جہزوں کو ملائے ورنہ دانتوں کے درمیان ہونٹ کو دبائے۔

فقال ابراہیم انی ارد التناؤب بالتنحیح تو یہ تیسرا طریقہ ہوگا اگر آہی جائے تو حالت قیام میں سیدے ہاتھ کو منہ پر رکھے تاکہ منہ نہ کھلے کیونکہ شیطان ہنستا ہے بلکہ فی روایت داخل ہوتا ہے اور قیام میں ہاتھ باندھنے کی بیعت کو دائیں ہاتھ کے استعمال سے بگاڑنے کی زیادہ ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اگر دیگر بیعت میں ہے پھر ظہر الکف رکھے بائیں ہاتھ کا۔ پھر انگیری میں اشارہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی استنباء میں استعمال ہوتی ہے تو اس کو منہ پر نہ رکھے۔ دائیں ہاتھ میں اختیار ہے چاہے ہاتھ کی ہتھیلی استعمال کرے یا اس کی پشت۔

باب ماجاء ان صلوٰۃ القاعد علی النصف من صلوٰۃ القائم

عمران بن حصین کے بارے میں بخاری میں ہے دکان بمسورانی کانت بہ بواسیر یہ روایت بخاری میں بھی ہے۔

عمران بن حصین سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا بیٹھ کر نماز پڑھنے کے بارے میں تو فرمایا کہ کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے بیٹھ کر آدھا ثواب ہوگا جس نے ناخما یعنی مضطجعا پڑھی اس کو قاعد کے نصف ثواب ملے گا۔

اس حدیث کے مصداق میں اختلاف ہے کہ یہ برائے فرائض ہے یا برائے نوافل؟ ترمذی نے حسن بصری کا قول نقل کیا ہے کہ یہ معتدل کے لئے ہے لہذا معتدل کو تینوں حالتوں میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ تو حسن بصری کے مطابق نقل مضطجعا جائز ہے تو اشکال نہیں۔ جمہور کے نزدیک جائز نہیں تو مصداق کے تعین پر اشکال ہے کہ نقل مضطجعا جائز نہیں فرض پر حمل بھی صحیح نہیں کہ اگر مصلی صحیح ہے تو قاعد او مضطجعا نماز صحیح نہیں اگر معذور پر حمل کریں تو پھر قاعد کو پورا ثواب ملتا ہے تو نصف اجر کا کیا مطلب ہے؟

علامہ خطابی نے جواب دیا ہے کہ یہ مفترض کے ساتھ مخصوص ہے لیکن وہ جو معذور ہو اس کی تفصیل ابن حجر اور شاہ صاحب نے یوں بیان کی ہے کہ معذور ایک وہ ہے کہ بالکل قیام پر قادر نہ ہو مع المہنت نہ بلا مشقت دوسرا وہ ہے کہ اتنا عذر ہے کہ قیام ساقط ہے مگر مع المہنت کھڑا ہو سکتا ہے یہاں یہی مراد ہے جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے گا تو اس کو اپنی نماز قیام کی حالت میں کا نصف ملے گا۔ کہ ثواب بقدر مشقت ملتا ہے صحیح کی نماز مراد نہیں۔

اس کی تائید مؤطا مالک (1) و بخاری (2) مسند احمد (3) سیرت ابن ہشام (4) میں ہے محمد بن اخیق کے حوالے سے عمرو بن العاص کی روایت ہے کہ یہ ارشاد اس وقت کا ہے کہ ہجرت کے شروع میں مدینہ کی آب

باب ماجاء ان صلوٰۃ القاعد علی النصف من صلوٰۃ القائم

(1) مؤطا مالک ص ۱۱۹، "فضل صلوٰۃ القائم علی القاعد" (2) رواہ فی مؤطا ص ۱۱۳، "باب صلوٰۃ القاعد"

(3) مسند احمد ص ۶۲۶، ج ۲، رقم حدیث ۶۸۴۲ (4) سیرت ابن ہشام ص ۲۰۲، ج ۲، مکتبہ بیروت

وہو کی ناموافقت کی وجہ سے صحابہؓ بیمار ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو وہ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے تو یہ ارشاد فرمایا پھر سیرت ابن ہشام میں ہے کہ لوگوں نے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا شرع کی معلوم ہوا کہ فرض کے متعلق ہے۔

اگر بیٹھ کر نماز نہ پڑھ سکے تو عندالائتہ ثلاثہ دائیں پہلو پر لیٹ کر نماز پڑھے ابن العربی (5) نے امام محمد سے یہی روایت نقل کی ہے۔

وفال بعضہم یہ حنفیہ کا مذہب ہے امام احمد بھی اس کے جواز کے قائل ہیں مگر اس کو ادلی نہیں سمجھتے کہ مستحق قبلہ کی طرف پاؤں پھیلا کر نماز پڑھے۔

باب فی من يتطوع جالساً

رجال:-

المطرب بن ابی وداعہ صحابی ہیں فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا تھا پھر مدینہ منورہ منتقل ہوئے وہیں انتقال ہوا ان کی والدہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی چچا زاد تھیں۔

تشریح:-

اس باب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نفل نماز کے تین طریقے مذکور ہیں۔

(۱) قیام قائم کرتے رکوع بھی اسی حالت میں۔ (۲) قیام جالساً رکوع جالساً۔

(۳) اولاً قاعدۃ ثانیاً جب تمیں یا چالیس آیات رو جائیں تو کھڑے ہو جاتے۔

(۴) شروع میں کھڑا رہے پھر بیٹھ جائے رکوع حالت قعود میں کرے تو امام محمد کے نزدیک یہ صورت

صحیح نہیں۔ پھر جن نوافل میں بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے تو کسی بھی صورت میں بیٹھ سکتا ہے تربعا بھی جائز ہے البتہ قعدہ

میں تشہد کی صورت اختیار کرے۔ معارف میں ہے کہ عوام میں جو نفل کی حالت میں تشہد کی صورت ہی مروج ہے

یہ امام زفر کا مذہب ہے اور یہی مفتی بہ ہے کمانی الشامیہ وغیرہا۔

حتیٰ تکون اطول من اطول منها یعنی جب ایک سورت ترتیل پڑھتے تو یہ سورت اس سورت سے جو اس مقروءہ سے زیادہ لمبی ہے اس سے بھی لمبی ہو جاتی ہے یعنی غیر مقروءہ میں اگر ترتیل نہ ہو تو اگرچہ وہ لمبی ہو مگر مذکورہ سورت ترتیل کی وجہ سے لمبی ہو جاتی ہے۔

باب ماجاء ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انی لا سمع بکاء الصبی فی الصلوٰۃ فاخفف

یہ روایت ابوداؤد و نسائی کے علاوہ باقی سب میں ہے۔

اس پر اتفاق ہے کہ تطویل فی القراءۃ بہ نیت تکثیر جماعت مستحب ہے کمانی صلوٰۃ الصبح لیکن قراءت کی طرح رکوع کو بھی طول دیا جاسکتا ہے تاکہ شامل ہونے والا پہنچ سکے؟ تو شافعیہ حسن بصری، شعبی، ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک یہ جائز ہے بلکہ کرہیت بلکہ مستحب ہے بعض کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ امام مالک کے نزدیک بھی ایسا نہیں کرنا چاہئے کہ مصلین کو تکلیف ہوگی۔ امام احمد وغیرہ فرماتے ہیں کہ اگر نمازیوں پر بوجھ پڑتا ہو تو تطویل نہ کرے ورنہ تطویل جائز ہے۔

عند الخفیفہ تفصیل ہے اگر جائی تا معلوم نقص ہے اور اس کے پاؤں کی آہٹ سن کر زیادہ تسبیح پڑھتا ہے تو جائز ہے اگر جائی متعین ہے تو مکروہ۔ امام ابو یوسف نے امام ابو حنیفہؒ سے وجہ پوچھی تو فرمایا اخشی ان یکون شرکا۔

اعترض :- امام ابو حنیفہؒ نے اس کو کافر قرار دیکر مباح الدم قرار دیا۔

جواب :- یہ ہے کہ مراد شرک جلی نہیں بلکہ شرک خفی مراد ہے یعنی ریاء۔

بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر جائی شریر ہے تو تحرزا عن شرہ امام کے لئے عجبائش ہے۔ شیخ الہند فرماتے ہیں کہ اگر اس نیت سے رکوع کو طول دے کی نماز میں شامل ہوگا اللہ خوش ہوگا تو جائز ہے مگر فساد زمانہ کی وجہ سے یہ نیت مشکل ہے۔ شافعیہ وغیرہ کا استدلال قیاس سے ہے کہ تخفیف رکوع و صلوٰۃ اس امر عارض کی وجہ سے جائز تو

تطویل بھی جائز ہے۔

جواب ۱:- یہ ہے کہ نماز میں اصل تخفیف ہے تو تخفیف اس کے موافق ہے تطویل منافی ہے۔

جواب ۲:- تخفیف و تطویل دونوں امور مبائن ہیں ایک دوسرے پر قیاس غلط ہے۔ اگر وہ تطویل رکوع کو تطویل قراءت پر قیاس کریں تو یہ بھی مع الفارق ہے کہ طویل قراءت ثابت ہے رکوع نہیں اور قیاس سے عبادت ثابت نہیں ہوتی۔

باب ماجاء لا تقبل صلوٰۃ الحائض الابحمار

حائض سے مراد بالغہ ہے یعنی وہ عورت جو بالقوہ حائض ہے کہ بالفعل حائض پر نماز ہے ہی نہیں دوپٹہ ہو یا نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت کے لئے سر ڈھانپنا ضروری ہے حتیٰ کہ اگر سر کے بال کھلے رہے تو نماز نہیں ہوگی۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ کچھ حصہ بھی ظاہر ہو تو نماز نہیں ہوگی۔ حنفیہ کے نزدیک چند بالوں کے کھلنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی یہاں تک کہ رقع رأس مکشوف نہ ہو یہی حکم باقی بدن کا بھی ہے۔ البتہ چہرہ و کفین عورت میں داخل نہیں اصل مذہب میں۔ اسی طرح اگر فتنے کا خطرہ نہ ہو تو چہرے کو دیکھا جاسکتا ہے فتویٰ عدم جواز پر ہے کہ فساد زمانہ ہے۔

قد مین کے بارے میں امام ابو حنیفہ سے دو قول ہیں امام شافعی کے نزدیک قد مین عورت میں داخل ہیں شرح مہذب میں نووی نے مزنی کا قول نقل کیا ہے کہ قد مین خارج از عورت ہیں۔ امام مالک بھی امام شافعی کی طرح مذہب رکھتے ہیں امام احمد فرماتے ہیں کہ صرف وجہ عورت سے مستثنیٰ ہے۔

پھر حنفیہ کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ عضو کا اگر چوتھائی حصہ کھل جائے تو نماز فاسد ہوگی اس سے کم میں نہیں۔ امام شافعی کا مذہب ترمذی نے نقل کیا ہے لاجوز صلوٰۃ المرأة وشی من جسدہا مکشوف۔

پھر اگر دوپٹہ اتنا باریک ہو کہ بال جھلکتے ہوں تو کشف کے حکم میں ہے یہ حکم ترہ کے لئے ہے امد کا ستر مرد کی طرح ہے۔

باب ماجاء فی کراہیۃ السدل فی الصلوٰۃ

رجال:-

قبیضہ صدوق ہیں۔ عسل بن سفیان بکسر العین و سکون السین و قبل بفتح تین بصری
ضعیف ہیں تاہم ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے۔ عطاء سے مراد ابن ابی رباح ہیں۔ ✽
تشریح:-

سدل کی تعریف میں متعدد اقوال ہیں ایک یہ ہے کہ کوئی چادر رومال وغیرہ سر پر ڈال کر کنارے کھلے
چھوڑ دے۔ دوسرا یہ کہ چادر وغیرہ کندھوں یا ایک کندھے پر ڈال دے اور کنارے لٹکتے رہیں۔ امام احمد کے
نزدیک اگر قمیص کے اوپر یہ کیفیت ہے تو جائز ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ ازار یا شلوار ٹخنوں سے نیچے ہو۔ چوتھی
صورت یہ ہے کہ ایک چادر میں یوں لپیٹے خود کو کہ پورا بدن ڈھک جائے یہ اس لئے مکروہ ہے کہ ان میں سے
چوتھی پہلی دو قسمیں یہود کی مشابہت کی وجہ سے اور تیسری صورت اس میں مشابہت کے علاوہ تکبر بھی ہے اور نماز
خصوصاً کامل ہے۔ قباء وغیرہ میں سدل یہ ہے کہ پہن کر ہاتھ آستینوں میں نہ ڈالے یہ وقار کے خلاف ہے۔ اس
پر قیاس کر کے ہر وہ عمل مکروہ ہوگا جو عادت کے منافی ہو جیسے شیر وانی کے ٹخن کھلے چھوڑ دئے۔ اس میں جو صورتیں
خارج میں مکروہ ہیں اس کی کراہیت نماز میں اور بھی بڑھ جائیگی۔

باب ماجاء فی کراہیۃ مسح الحصى فی الصلوٰۃ

رجال:-

ابی الاوصامامہ نسائی فرماتے ہیں لم نقف علی اسمه ولا نعرفه وقد انفرد الزهري بالرواية عنه
ترمذی میں ان سے فقط یہی روایت ہے منذری نے بھی یہی بات کی ہے تاہم حافظ نے تقریب میں مقبول
قراردیا ہے اور کہا ہے ابوالاوصامامہ سولی بنی لیث وغفار۔

تشریح:-

جب آدمی نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو رحمت باری متوجہ ہوتی ہے تو ہر وہ عمل جو اس مواجہہ کو متاثر کرے وہ
مکروہ ہے۔ اسی طرح نماز میں لہو لعب بھی مکروہ ہے کہ خضوع کے منافی ہے کہ دل کا خضوع جو ارجح پر ظاہر
ہوتا ہے۔ دوسرے اس سے مواجہہ پر اثر پڑتا ہے چونکہ کنکریوں کو ہٹانا یا ہموار کرنا لعب ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے اس سے روکا۔

دوسری حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان كنت لاهد فاعلا فمرة واحدة بعض میں
مرتبین کا ذکر ہے لہذا اگر کنکریاں اس طرح ہوں کہ اس سے پیشانی یا گھٹنوں کے ٹپکنے میں تکلیف ہوتی ہو
یا اتنا حصہ پیشانی کا نہ لگ رہا ہو جس کا لگنا ضروری ہے تو اس ضرورت کے تحت ایک یا دو دفعہ جائز ہے زائد عمل کثیر
ہے جو مفسد للصلوٰۃ ہے۔

اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے پہلا یہ کہ عمل قلیل مفسد صلوٰۃ نہیں اور عمل کثیر مفسد ہے۔ دوسرا یہ کہ
جو عمل اصلاح صلوٰۃ کے لئے ہو اور اس میں عمل کثیر نہ ہو تو فی الصلوٰۃ جائز ہے لہذا اگر شلو اور ٹخنوں سے نیچے مٹی تو
ایک ہاتھ سے اوپر کرنا جائز ہے یا اسودین مارنا جائز ہے بشرطیکہ عمل کثیر تک مٹھی نہ ہو۔ اگر ٹوپی گر جائے تو ایک
ہاتھ سے سر پر رکھنا جائز ہے عمامہ درست کرنا جائز نہیں کہ دونوں ہاتھوں کا استعمال ہوگا اسی طرح اگر چادر اوڑھے
ہوئے ہو تو درست کرنا جائز ہے تاکہ سدل کی صورت نہ بنے۔

باب ماجاء فی کراہیۃ النفخ فی الصلوٰۃ

رجال:-

میمون ابی حمزہ ضعیف ہیں۔ ابوصالح کا نام بعض نے ذکوان اور بعض نے زاذان بتلایا ہے مقبول ہیں ترمذی میں ان سے صرف یہی ایک روایت ہے۔ ☆

تشریحات:-

ام سلمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارا ایک غلام دیکھا جس کا نام الفح تھا بعض (۱) میں رباح نام آیا ہے جب وہ سجدہ کرتے تو موضع سجدہ میں پھونکتے تاکہ جگہ صاف ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چہرے کو گرد آلود کر دوجہ یہ ہے کہ مٹی پیشانی اور ناک پر لگے گی تو تضرع حاصل ہوگا جو موجب ثواب ہے۔

یہ مسئلہ گذر چکا ہے کہ سجدہ براہ راست زمین پر افضل ہے یا کسی حائل پر بھی سجدہ ہو سکتا ہے۔ یہاں ایک اعتراض یہ ہے کہ صلوٰۃ کسوف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نفخ ثابت ہے۔ (۲) اور یہاں ممانعت کیوں فرمائی یہ کیوں؟ دوسرا اعتراض ترمذی نے نقل کیا ہے فقال بعضهم ان نفخ فی الصلوٰۃ استقبال الصلوٰۃ مراد بعض سے حنفیہ اور سفیان ثوری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نفخ سے نماز ٹوٹ جاتی ہے لہذا اول تو یہ قول صلوٰۃ کسوف میں نفخ کے متنافی ہے اور ثانیاً الفح کو بھی اعادہ صلوٰۃ کا حکم نہیں دیا تو نماز فاسد نہیں ہوتی تو یہ قول کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟

جواب:- نفخ ایک وہ ہے جو بغیر صوت مسوع و بغیر احداث حروف جمعی کے ہو اور دوسرا جو صوت مسوع اور حروف جمعی کے ساتھ ہے اول سے نماز نہیں ٹوٹتی دوسری سے فاسد ہو جاتی ہے۔ پھر نووی شرح مہذب میں

باب ماجاء فی کراہیۃ النفخ فی الصلوٰۃ

(۱) کمافی ردایہ مسند احمد ص: ۲۲۸ ج: ۱۰ رقم حدیث: ۲۶۸۰۶

(۲) کذا فی سنن ابی داؤد ص: ۶۰ ج: ۱ "باب من قال یرکع رکعتین" یعنی ارؤہ النساء و احمد کذا فی تحفۃ الاحوذی

فرماتے ہیں کہ اگر دو حروف تہجی کے بن گئے نفع کی وجہ سے تو ائمہ اربعہ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ تو تطبیق یوں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نفس لفظ ثابت ہے بغیر احداث حروف تہجی کے اور حنفیہ اس لفظ سے نقص صلوٰۃ کے قائل ہیں جس سے حروف تہجی بن جاتے ہیں۔

ایک قول حنفیہ کا یہ ہے کہ اگر کوئی معنی خیز حرف بن جائے تو اگرچہ ایک حرف ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی جیسے ”فی“ بمعنی بچاؤ معلوم ہوا کہ اگر جملہ بن جائے کہ معنی بھی ہو اور حروف سے مرکب بھی ہو تو بالاتفاق نماز ٹوٹ جائے گی۔

تصحیح کے بارے میں مفتی بقول یہ ہے کہ احتیاج کے لئے ہو جیسے امام حصر عن القراءة کے وقت یا مار کو تنبیہ کرنے یا امام کو غلطی پر تنبیہ کے لئے ہو مفید صلوٰۃ نہیں بغیر ضرورت کے عند البعض مفید صلوٰۃ ہے۔

باب ماجاء فی النہی عن الاختصار فی الصلوٰۃ

یہ روایت ابن ماجہ کے علاوہ باقی سب میں ہے۔

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی نماز سے ممانعت فرمائی جس میں آدمی مختصر ہوں۔

مختصر اختصار سے ہے اس کے معنی میں ایک قول یہ ہے کہ آدمی مختصر یعنی عصا کا سہارا لے کر نماز پڑھے لیکن ابن العربی نے عارضہ میں اعتراض کیا ہے کہ بعض علماء کے نزدیک عند الضرورت جائز ہے۔ بلکہ ابو داؤد (۱) میں وابصہ بن معبد کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اخیر عمر میں عصا بنو لیا تھا جس پر اعتماد کر کے نماز پڑھتے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ آدمی مختصر نماز پڑھے کہ قراءت مختصر کرے یا تعدیل ارکان چھوڑے تو مکروہ ہے۔ قیل قراءت کے دروان آیت مجدہ چھوڑ کر آگے پیچھے پڑھ لے۔ قیل سورتوں کے آخری آیات پڑھے یا ایک

سورت میں مختلف مقامات سے پڑھے۔ چونکہ سورت ایک حقیقت مجموعی کا نام ہے تو جگہ جگہ سے پڑھنا نہیں چاہیے۔ قل آدمی خاصہ (کو لے) پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھے۔ یہ رائج ہے تاہم زیاد بن صبیح لہجی کے قول سے ہوتی ہے جو ابوداؤد (2) میں مروی ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور اپنا ہاتھ خاصہ پر رکھا تو حضرت ابن عمر نے سمجھایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منع کرتے تھے۔ خاصہ پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھنا جمہور کے نزدیک مکروہ ہے اہل ظواہر کے نزدیک حرام ہے۔

وجہ ایک ترمذی نے ذکر کی ہے وروی ان ابلیس اذا مشی یبشی یبشی مختصراً مضارع بمعنی ماضی ہے جب ابلیس کو جنت سے نکالا گیا تو خاصہ پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہوا تھا تو اس میں تشبہ ہے اس کے ساتھ۔ دوسری وجہ روایت عائشہ میں ہے کہ یہود ایسا کرتے ہیں تو منع فرمایا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ جہنمی تھکان کے وقت ایسا انداز اختیار کرتے ہیں۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ راجز انشاد اشعار کے وقت یوں ایک ہاتھ یا دو ہاتھ کو کو لے کر رکھ کر کھڑا ہوتا ہے۔ پانچویں وجہ اہل مصائب کا انداز یوں ہوتا ہے۔ چھٹی وجہ مشکبرین یوں کھڑے رہتے ہیں (3) ان وجوہات کی بناء پر اختصار نماز میں بھی مکروہ ہے خارج از صلوٰۃ میں بھی مکروہ ہے البتہ نماز میں قباحت مزید بڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح جو وجوہات زیادہ قبح ہیں وہ زیادہ مکروہ ہیں مثلاً ابلیس کی مشابہت زیادہ قبیح ہے یہود کی مشابہت سے۔

(2) مس: ۱۳۷: ۱: باب فی اختصار الاقراء

(3) دیکھئے تہذیب الاذنی مس: ۲۸۸: ۲

باب ماجاء فی کراہیۃ کف الشعر فی الصلوٰۃ

رجال:-

عمران بن موسیٰ مقبول ہیں عند الحافظ اور ثقہ ہیں عند ابن حبان۔ سعید بن ابی سعید المقرئ ثقہ ہیں اخیراً حافظہ متغیر ہوا تھا۔ ابیہ ہوا بسعید ثقہ ہیں۔

ابی رافع مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واسمہ ابراہیم وقیل اسلم اونابت اوہرمز۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے شروع میں وفات پائی ہے۔ ۵۷ھ

تشریح:-

کف الشعر یعنی بال روکنا عند السجدہ باندھنا یا چوٹیاں بنانا یا ایسا طریقہ کہ بال زمین پر لگنے سے بچائے جاسکیں یہ مکروہ ہے وجہ یہ ہے کہ یہ منع عن السجدہ ہے دوسرے اعضاء کی طرح ان کو سجدہ کرنا چاہئے۔

ابورافع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں ان کا گذر حسن بن علی پر ہوا جو نماز پڑھ رہے تھے وقتہ عقص ضررہ عقص کا معنی ہے کہ بالوں کو سر کے گرد باندھنا عمامہ کی طرح دوسرا معنی یہ ہے کہ روس الشعر کو اصول الشعر میں داخل کرنا مراد کوئی بھی ایسا طریقہ ہے کہ جس سے بال رک جائے تو ابورافع نے بالوں کو کھول دیا حضرت حسن غضبناک ہو کر متوجہ ہوئے فرمایا کہ نماز پڑھتے رہو غصہ نہ کرو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ذالک کفل الشیطان کفل سے مراد یا تو حصہ ہے گویا اس فعل سے شیطان حصہ پالیتا ہے۔ قیل کفل سے شیطان کے بیٹھنے کی جگہ مراد ہے کہ اس عمل سے شیطان خوش ہوتا ہے تو جلوس کی جگہ قرار دیا یہ معلوم ہوا کہ بالوں اور کپڑوں کو گرد و غبار سے روکنا نہیں چاہئے۔

کف الشعر مکروہ ہے امام مالک کے نزدیک اگر بال پہلے سے بندھے ہوئے ہوں اور یہ نیت نہ ہو کہ

میں نماز پڑھو گا اس لئے باندھتا ہوں تو مکروہ نہیں۔ نماز کے اندر باندھنا مفسد صلوٰۃ ہے۔ ابوداؤد (۱) کے اندر ابن عباس کی روایت ہے کہ انہوں نے نماز میں عبد اللہ بن حارث کے بال کھولے تو پوچھا کہ آپ کو میرے بالوں سے کیا کام تھا تو فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اس طرح نماز پڑھنے والے کی مثال مکتوف کی طرح ہے۔ مکتوف وہ ہے کہ جس کے ہاتھ کر کے ساتھ باندھے ہوئے ہوں یعنی ہاتھوں کی طرح بالوں کو بھی آگے ہونا چاہئے۔

ابوداؤد (۲) کے معنی نے لکھا ہے کہ مکروہ سے روکنا بھی اسی طرح ہے جس طرح حرام سے روکنا ہے دوسرا یہ معلوم ہوا کہ منکر کو دیکھتے ہی ختم کرنا چاہئے کیونکہ ابودافع اور ابن عباس نے نماز کے ختم ہونے کا انتظار نہیں کیا اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت ہو تو روک لینا چاہئے۔

باب ماجاء فی التخصع فی الصلوٰۃ

رجال:-

عبد ربیع ثقہ ہیں۔ عبد اللہ بن نافع بن العمیاء مجهول ہیں قال البخاری لا یصح حدیثہ۔

تشریح:-

خشوع کی نسبت قرآن میں دل کی طرف بھی ہوئی ہے اور جوارح کی طرف بھی اس لئے دل میں خشوع عبارت ہے خشیت سے اللہ کے خوف سے بدن میں خشوع تمسک سے عبارت ہے آنکھوں کا خشوع نیچے دیکھنا ہے البتہ آنکھیں بند کرنا مکروہ ہے اگر صورت حال ایسی ہے کہ کھلی رکھنے سے توجہ پر اثر پڑتا ہے تو بحر الریق میں ہے کہ آنکھیں بند کرنا اولیٰ ہے۔

باب ماجاء فی کواہیۃ کف الشعر فی الصلوٰۃ

(۱) ص ۱۰۲ ج ۱: "باب الرجل یصلی عاقصاً شعره"

(۲) ابوداؤد ص ۹۵ حاشیہ: مکتبہ میر محمد کراچی

پھر حنفیہ کی کتابوں میں ہے کہ قیام میں نظر سجدے کی جگہ رکوع میں پاؤں کی پشت پر سجدہ میں ناک کے جانبین پر رکھے قعدے میں گود پر اور سلام میں کندھوں پر رکھے کہ اس میں خشوع ہے۔ پھر امام احمد نے روایت نقل کی ہے کہ کان صلی اللہ علیہ وسلم اذ اقام فی الصلوٰۃ طأطأ راسہ اتنا بھی نہیں جھکانا چاہئے کہ غموڑی سینے کے ساتھ لگ جائے۔ اسی طرح عند التکبیرۃ بھی نہیں جھکانا چاہئے خفیع مستحب ہے بلکہ نووی نے اس کے عدم وجوب پر اجماع نقل کیا ہے۔

اعتراض:- ”وقوموا للہ قانتین“ قال معاہدا یحاشعین متوخشعون واجب ہونا چاہیے۔

جواب:- علماء نے وجوب کا قول اس لئے نہیں کیا کہ عوام کی رعایت احکام میں ہوتی ہے اور اکثر عوام اس پر قادر نہیں ہوتے۔ البتہ اختیار فرض ہے یعنی یہ معلوم ہونا چاہیے کہ کس وقت کی نماز ہے کوئی نماز ہے رکوع سجدہ کا علم ہونا چاہئے حتیٰ کہ اگر نوم کی حالت میں رکن ادا کیا اور علم نہ ہوا تو نماز نہ ہوئی۔
تقصیع یعنی اٹھانا صاحب معارف لکھتے ہیں کہ اس سے دعاء بعد الفرائض بیہضہ اجتماعیہ پر استدلال نہیں ہو سکتا۔ اعدل الاقوال یہ ہے کہ دعاء بعد الفرائض ثابت ہے ہاں بیہضہ الاجتماع التزام بدعت ہے نفس منفرد کے لئے ثابت ہے کما مر۔

باب ماجاء فی کراهیۃ التشبیک بین الاصابع فی الصلوٰۃ

رجال:-

عن رجل چونکہ یہ روایت مسند احمد، سنن ابی داؤد، نسائی اور دارمی میں بھی ہے اس لئے رجل کی مجہولیت
مستزیدیں۔

قال ميرك: كلهم من حديث سعيد المقبري عن رجل غير مسمى عن كعب بن
عجرة لم يذكر الرجل لكن له شاهد عند احمد من حديث ابي سعيد
ابوداؤد نے اس کی کنیت ابو ثمامہ الخياط بتلائی ہے۔ ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے اور اپنی صحیح میں
ان سے روایت لی ہے۔ ✽

تشریح:-

تہبیک قبکۃ سے ہے جبکہ جال کو کہتے ہیں یعنی ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں
ڈالنا جس سے جال کی شکل بن جاتی ہے۔

اس پر اجماع ہے کہ نماز میں تہبیک مکروہ ہے اور بظاہر کراہیت تحریمی ہے کہ اصل نبی میں تحریم
ہے پھر یہاں تاکید بھی ہے نماز کے علاوہ اگر انتظار صلوٰۃ میں ہو یا عند لمشی الی الصلوٰۃ بھی تہبیک مکروہ
ہے۔

اس کراہیت کی وجہ یا تو یہ ہے کہ نماز میں اتحاد کا مظاہرہ ہوتا ہے اور عبادت کے ساتھ ساتھ ایک نوع
وحدت پیدا کرنا ہے تہبیک میں اشارہ تفریق کی طرف ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ تہبیک لعب ہے اور نماز میں یہ
مکروہ ہے تو مقدمات صلوٰۃ میں بھی مکروہ ہوئی۔ تیسری وجہ یہ سستی کی وجہ سے ہوتی ہے اور نماز میں سستی نہیں کرنی

چاہئے ”واذا قاموا الى الصلوٰۃ قاموا كسالى“ (1) تو جیسے شاؤب سستی کی وجہ سے مکروہ ہے تو یہ بھی مکروہ ہے۔ چونکہ وجہ کہ تشہیک عند الاحباء ہوتی ہے جس سے نیند آ جاتی ہے۔ پانچویں وجہ کہ تشہیک کبھی مستلزم ہوتی ہے انگلیوں کے ہٹانے کو جو کہ مشابہت قوم لوط کی وجہ سے مکروہ ہے۔

اعتراض:- بخاری (2) وغیرہ میں ذوالیدین کی روایت ہے کہ وہ نماز جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سہوا تھا اس میں تشہیک فرمائی تھی تو تعارض ہوا۔

جواب ۱:- تشہیک اگر لعب کی بناء پر ہو تو مکروہ ہے اگر تمثیل کی بناء پر ہو تو جائز ہے تو نفی کا محمل الگ اور اثبات کا الگ ہے۔

جواب ۲:- نبی کی روایت کے لئے محمل یہ ہے کہ مشی الی الصلوٰۃ یا انتظار صلوٰۃ یا فی الصلوٰۃ ہونہ کہ عام حالات میں۔

باب ماجاء فی طول القيام فی الصلوٰۃ

باب ماجاء فی کثرة الركوع والسجود

ابوعمار کا نام حسین ہے نسائی نے توثیق کی ہے۔ معدان ثقہ ہیں۔ یہ دونوں روایتیں مسلم و مسند احمد وغیرہ میں ہیں۔ ☆

تشریح:-

ترمذی نے اس مسئلے کے لئے کہ طول قیام اور کثرت الركوع والسجود میں سے کونسی چیز افضل ہے۔ پہلے باب میں جابر کی روایت لی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کونسی نماز افضل ہے فرمایا طول بالقنوت قال ابن العربي القنوت له عشرة معان۔ ۱۔ خشوع۔ ۲۔ طاعت۔ ۳۔ مطلق صلوٰۃ۔ ۴۔ دعا۔ ۵۔ عبادت۔ ۶۔ قیام۔ ۷۔ طول قیام۔ ۸۔ اور سکون وغیرہ یہاں اتفاق ہے کہ مراد یہاں طول قیام ہے مطلب یہ ہوگا کہ زیادتی

باب ماجاء فی کراهية التشيک بین الاصاب فی الصلوٰۃ

(1) سورة نساء رقم آیه ۱۳۲ (2) صحیح بخاری ص: ۶۹ ج: ۱ ”باب تشہیک الاصاب فی المسجد وغیرہ“

قراءت کی وجہ سے طول قیام افضل ہے۔

دوسرے باب میں ہے فسکت عنی ملیا یعنی لمبی گھڑی یعنی دن کا اکثر حصہ حدیث جبریل میں تین دن پر بھی ملیا کا اطلاق ہوا ہے یعنی ثوبان نے سوچ کر فرمایا کہ سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بندہ سجدہ نہیں کرتا مگر اللہ اس کے بدلے میں گناہ مٹاتا ہے اور درجہ بڑھاتا ہے پھر ابوالدرداء نے بھی یہی کہایا پھر مسائل کا شوق دیکھنے کے لئے جواب میں تاخیر فرمائی۔ اس مسئلہ میں کل چار اقوال ہیں۔

اس میں ایک مذہب امام ابوحنیفہؒ کا ہے کہ طول قیام کثرت رکوع و سجود سے افضل ہے یہی ایک روایت امام شافعی سے بھی ہے نقلہ النووی فی شرح المہذب و شرح المسلم بعض فقہاء حنفیہ نے ان کا مذہب کثرت رکوع کی افضلیت کا نقل کیا ہے مگر مفتی بہ اول ہے امام ابوحنیفہؒ سے بھی ایک روایت کثرت رکوع کی افضلیت کی منقول ہے۔

دوسرا مذہب ابن عمر اور امام محمدؒ کا ہے کہ دن ہو یا رات دونوں حالات میں کثرت رکوع طول قیام سے اولیٰ ہے امام محمدؒ سے دوسری روایت امام ابوحنیفہؒ کی طرح ہے۔

تیسرا مذہب امام احمدؒ کا ہے کہ اس میں توقف ہوگا کہ روایات میں دونوں کا ثبوت ہے کوئی فیصلہ مشکل ہے۔ کما نقلہ الترمذی و قال اسحق ابایا النہار کثرة الركوع والسمو واور رات کو طول قیام اولیٰ ہے اس کی دلیل ترمذی نقل کرتے ہیں لانه وصف الخ کہ رات کو طول قیام مروی ہے اور دن کو طول قیام رات جتنا ثابت نہیں الا ان یكون رجل له جزء باللیل یعنی اگر کوئی رات کو وظیفہ مقرر کرتا ہے پھر اس میں دو قول ہیں۔ (۱) یا جزء قرآن مراد ہے۔ (۲) یا وقت۔ اس شخص کو کثرت رکوع والسمو د کرنا چاہئے کہ اسکا جزء پورا ہوگا اور کثرت سجود کا ثواب بھی ملے۔ یہ چاروں مذہب ترمذی نے نقل کئے ہیں مگر پہلے اور دوسرے کے ذمہین کا نام نہیں لیا۔ پہلا مذہب امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا ہے اور دوسرا ابن عمر اور امام محمدؒ کا۔ ثمرہ اختلاف یہ ہوگا کہ مفتی سے کوئی پوچھے کہ میں روزانہ ایک گھنٹہ افضل نوافل پڑھوگا تو کیسی نماز پڑھوں تو پہلے قول کے مطابق طول قیام کرے گا اگرچہ رکعات کم ہوں بقول ثانی رکعات زیادہ کرے۔

کثرت الركوع والوں کی دلیل مسلم (1) میں ہے اقرب ما يكون العبد من ربه وهو ساجد كذا في ابی داؤد (2) وابن ماجه (3)۔

دلیل ۲:۔ ایک صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت خدمت کرتے تھے تو ایک دن فرمایا کہ سل تو فرمایا کہ میں آپ کے ساتھ جنت میں رہنا چاہتا ہوں تو فرمایا فاعنسی عليك بکثرت السجود او كما قال عليه السلام (4)۔

دلیل ۳:۔ دوسرے باب کی حدیث حضرت ثوبان و ابوالدرداء سے ہے۔
 حنفیہ و شافعیہ کی دلیل پہلے باب کی حدیث سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طول القنوت والی نماز افضل ہے اسی میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر مضاف الیہ نکرہ ہو تو مقصود یا سوال فرد کا تعین ہوتا ہے اگر معرفہ ہو تو مقصود سوال جزء مضاف الیہ ہوتا ہے نہ کہ فرد یہاں مضاف الیہ معرفہ ہے تو مقصد یہ ہے کہ نماز کے اجزاء میں سے کونسا جزء افضل ہے تو فرمایا طول القیام۔

ادلہ کے جوابات جواب ۱:۔ یہ ہے کہ آپ کی روایت سے فضیلت ثابت ہوتی ہے ہمیں اس سے انکار نہیں مگر ہماری متدل روایت سے افضلیت ثابت ہوتی ہے تو ہماری روایت راجح ہے۔

جواب ۲:۔ کثرت الركوع سے مراد کثرت الصلوٰۃ ہے۔

جواب ۳:۔ قیام میں قراءت ہوتی ہے جو فرض اور رکن ہے جبکہ سجدہ میں تسبیحات ہوتی ہیں جو مسنون

ہیں۔

جواب ۴:۔ قیام میں قرآن پڑھا جاتا ہے جو کلام اللہ ہے اور رکوع و سجود میں تسبیحات جو کلام عبد ہے تو

قیام اولیٰ ہے۔

باب ماجاء فی طول القیام فی الصلوٰۃ الخ

(1) صحیح مسلم ج ۱: ۱۹۱ ج ۱: باب ما یقال فی الركوع والحمد (2) سنن ابی داؤد ص ۱۳۳ ج ۱: باب فی الدعاء فی الركوع والحمد ذ

(3) لم اجدہ فی ابن ماجہ و لکن رواہ النسائی ص ۷۰ ج ۱: اقرب ما يكون العبد من الله عز وجل الفیض رواہ مسلم ص ۱۹۱ ج ۱:

(4) رواہ مسلم ص ۱۹۳ ج ۱: باب فضل السجود والحمد علیہ

جواب ۵:- قیام میں فاتحہ ہے جس میں مناجات ہے کمافی مسلم (5) قسمت الصلوٰۃ بنی و بین عبدی
الرح تو یہ افضل ہے۔ والجواب لا خرمادکرہ الترمذی من کذا وصف الخ۔

باب ماجاء فی قتل الاسودین فی الصلوٰۃ

رجال:-

علی ابن المبارک ثقہ ہیں۔ ضمضم بن جوس یفتح الحکم وسکون الواو ثقہ ہیں۔ ☆

تشریح:-

اسودین سے مراد سانپ اور بچھو ہیں بچھو عموماً سفید ہوتا ہے اگرچہ بعض کالے بھی ہوتے ہیں تو اطلاق
اسودین تغلیباً ہوگا اور یہ مراد نہیں کہ سفید سانپ قتل کرنا جائز نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات سے وعدہ لیا
کہ وہ شکل بدل کر گھروں میں نہیں آئیں گے لہذا قتل پر گناہ نہیں۔ لیکن ان کے ضرر سے بچنے کے لئے مارنا نہیں
چاہئے الا یہ کہ تین مرتبہ ان کو کہہ دے۔ ابراہیم قمی کے نزدیک اسودین کا قتل صحیح نہیں کیونکہ ان فی الصلوٰۃ لہذا مگر
عند الخبیر و جائز ہے۔ پھر جمہور میں بعض کہتے ہیں کہ یہ امر مطلق ہے اگرچہ عمل کثیر لازم آئے کہ جس طرح نماز میں
حدیث کی صورت میں مشی اور تحویل الصدر عن القبلیہ جائز ہے۔ و کمافی الصلوٰۃ الخوف تو یہاں بھی مٹانی نہیں ہوگا۔

اکثر فقہاء کے نزدیک مشروط ہے کہ ضربہ یا ضربتین سے مارا جاسکتا ہو یا دو قدم سے زیادہ قدم کی
ضرورت نہ ہو۔ کما فی شرح المنیۃ (1) وهذا اذا لم یحتج الی المشی الكثير کثلاث خطوات
متوالیات ولا الی المعالجه الكثيره کثلاث ضربات متوالیه واما اذا احتاج فمشی وعالج تفسد
صلوٰۃ۔

(5) صحیح مسلم ص: ۷۰ اج: ۱ "باب وجوب قراۃ الفاتحۃ الخ"

باب ماجاء فی قتل الاسودین فی الصلوٰۃ

(1) توضیح کے لئے رجوع فرمائے معارف السنن ص: ۸۳ ج: ۳

ابن عمر کی بیعتی والی روایت کفالك للحية ضربة اصبتها او اخطأتها (2) سے اس کی تائید ہوتی ہے اگر دو سے نہ ہو سکے اور ضرر کا حدیث ہو تو نماز تو ذکر مارے اور نماز توڑنے کا گناہ نہیں ہوگا کہ دفع مضرت مقدم ہے جلب منفعت پر اسی طرح بچہ کے کنویں میں گرنے یا بچہ کو بچانے کے لئے بھی نماز کو قطع کیا جاسکتا ہے۔ اس کا قیاس حدیث فی الصلوٰۃ یا صلوٰۃ الخوف پر قیاس مع الفارق ہے کیونکہ وہاں عمل کثیر خلاف القیاس ثابت ہے تو اپنے مورد پر بند رہے گا دیگر صورتوں کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

باب ماجاء فی سجدة السهو قبل السلام

عبداللہ بن عسید یہ ان کی والدہ کا نام ہے والد کا نام مالک ہے بحسبہ باء کے ضمہ اور حاء کے فتح کے ساتھ تصغیر کا مینہ ہے۔ ترمذی میں ان سے صرف یہی ایک روایت ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو فقط حسن کہا ہے مگر یہ صحیح بھی ہے کیونکہ شیخین نے اس کی تخریج کی ہے۔

سجدة السهو مستحب یا سنت کے ترک سے لازم نہیں آتے اور نہ ہی ترک فرض سے سجدہ سہو جبرہ بن سکتا ہے بلکہ اس صورت میں اعادہ ضروری ہے البتہ ترک واجب سے سجدہ سہو ضروری ہوگا یہ سجدہ اس نقصان کا جبرہ ہوگا اگر سجدہ سہو نہ کرے تو نماز واجب الاعادہ ہوگی۔

سجدہ سہو قبل از سلام ہے یا بعد از سلام؟ تو ترمذی نے پانچ اقوال نقل کئے ہیں۔ اختلاف کی بنیادی وجہ اختلاف الروایات ہے بعض میں قبل السلام ذکر ہے کما فی روایۃ الباب بعض میں بعد السلام کما فی الباب الاآتی چونکہ یہ بات مقدمہ میں گذری ہے کہ حنفیہ اختلاف روایت کی صورت میں قاعدہ کلیہ کی مبین یا مشیر حدیث کو لیتے ہیں۔ تو حنفیہ کے نزدیک بروایۃ ابو داؤد (1) نکل سہو سجدتان بعد بالمسلم کے قاعدہ پر عمل ہوگا اور بعد السلام دو

(2) بیہقی کبریٰ ص: ۲۶۶ ج: ۲، باب نقل الحیۃ والعقرب فی الصلوٰۃ، لیکن یہ روایت حضرت ابن عمرؓ سے نہیں بلکہ حافظ الحدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے ہے۔ واللہ اعلم

باب فی سجدة السهو قبل السلام

(1) ابو داؤد ص: ۱۵۶ ج: ۱، باب من لی ان یشہد وہو جالس

سجدے ہو گئے پھر فتہاء حنفیہ کے ہاں تین اقوال ہیں ایک یہ کہ آگے کی طرف سلام کہہ کر سجدہ سہو کرے دوسرا قول یہ ہے کہ دونوں طرف سلام پھیر کر سجدہ کرے رجبہ صاحب الہدایۃ۔ اور تیسرا یہ کہ دائیں طرف سلام پھیر کر سجدہ کرے یہ معمول ہے اور بعد اسجد تین چونکہ پہلا تشہد اور سلام رفع ہوا تو دوبارہ تشہد و سلام ہوگا قعود رفع نہیں ہوگا کہ فرض ہے۔ تو سجدہ سہو کے ساتھ تشہد و سلام ہیں مگر اس کو سجدہ سہو اس لئے کہتے ہیں کہ یہ سلام و تشہد دراصل سلام و تشہد مرفوعہ ہیں تو اصل سجد تین کا عمل ہے۔

دوسرا مذہب امام شافعی کا ہے کہ سجدتی السہو قبل السلام ہو گئے۔

تیسرا مذہب امام مالک کا ہے کہ اگر سہو سے نقصان ہوا ہو تو قبل السلام اگر زیادتی کی وجہ سے ہو تو بعد السلام ہوگا اس کی تعبیر اتقاف بالثقاف والدال بالبدال سے ہوتی ہے یعنی قبل السلام لاجل النقصان اور بعد السلام لاجل الزیادۃ۔

چوتھا مذہب امام احمد کا ہے کہ جن صورتوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل السلام مروی ہے وہاں قبل السلام ہوگا مثلاً صلوٰۃ ظہر میں قاعدہ اولیٰ ترک کرنے پر باب کی روایت کے مطابق قبل السلام ہوگا اور جہاں بعد السلام ہے جیسے کہ آدمی دو رکعت پر سہو سلام پھیرے تو حدیث ذوالمیدین (2) کے مطابق وہاں بعد السلام ہوگا اور جو صورت ماثور نہ ہو تو وہاں قول شافعی پر عمل ہوگا۔

پانچواں مذہب امام احنف کا ہے جو امام احمد کے مذہب کی طرح ہے فرق یہ ہے کہ غیر ماثورہ صورت میں قول مالک پر عمل کیا جائے گا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک مطلقاً بعد السلام ہوگا اور جمہور کے نزدیک قبل السلام یا مطلقاً کما عند الشافعی اونی بعض الصور کما ہو عند الخیر۔ یہ اختلاف اولیت کا ہے جواز کا نہیں۔ جمہور کا استدلال باب کی روایت سے ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قام فی صلوٰۃ الظہر وعلیہ جلوس فلما اتم صلوٰۃ

سجد سجدتین یکبر فی کل سجدۃ وهو جالس قبل ان یسلم

حنفیہ کا استدلال باب آئندہ میں ابن مسعود کی روایت سے ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی الظهر عجماً فقیل له ازید فی الصلوٰۃ ام

نسیت فسجد سجدتین بعد ما سلم

دلیل ۲:- اگلے باب میں ابو ہریرہ کی حدیث ہے۔ سجدہما بعد السلام قال ابو عیینہ

ہذا حدیث حسن صحیح پہلی حدیث باب بھی حسن صحیح ہے۔

دلیل ۳:- ترمذی (3) میں ”باب ماجاء فی الرجل یسلم فی الركعتین من الظهر والعصر“ میں ابو ہریرہ کی

حدیث ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم انصرف من اثنتین فقال له ذوالیدین وفیہ فصلی

اثنتین اخریین ثم سلم ثم کبر فسجد مثل سجوده او اطول (الحدیث)

دلیل ۴:- ترمذی (4) میں مغیرہ بن شعبہ کی حدیث گزری ہے ”باب ماجاء فی الامام ینہض فی

الركعتین تاسیاً“، یعنی کی روایت ہے۔

صلی بنا المغیرة بن شعبه فنہض فی الركعتین فسیح بہ القوم وسیح بہم فلما

قضی صلوٰۃ سلم ثم سجد سجدتین السہو وهو جالس ثم حدثهم ان رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعل بہم مثل الذی فعل

ودلیل ۵:- صحیحین (5) وغیرہ میں ابن مسعود کی مرفوع حدیث ہے۔

واذا شک احدکم فی صلوٰۃ فلیتحر العنوب فلتیم علیہ ثم یسلم ثم یسجد

سجدتین

(3) حوالہ بالا (4) ص: ۴۸۰ ج: ۱

(5) صحیح بخاری ص: ۵۷۷ ج: ۱ ”باب التوجہ نحو القبۃ حیث کان“ صحیح مسلم ص: ۴۱۲ ج: ۱ ”باب السہو فی الصلوٰۃ والسجود“ سنن نسائی

ص: ۱۸۴ ج: ۱ ”باب التحری“ سنن ابی داؤد ص: ۱۵۳ ج: ۱ ”باب اذا صلی عجماً“ سنن ابن ماجہ ص: ۸۵ ”باب ماجاء فیمن سجد ۷۰

بعد السلام“

دلیل ۶:- ثوبان کی حدیث ابو داؤد (6) وابن ماجہ (7) وغیرہ میں ہے لکل سہو سجدتان بعد

ما یسلم۔

اس پر شافعیہ وغیرہ کی طرف سے ایک اعتراض یہ ہے کہ اس میں اسماعیل بن عیاش ہے لہذا روایت

مخرج ہے۔

جواب پہلے گزرا کہ عراقین سے ان کی روایت حجت نہیں اور شامیین سے قابل حجت ہے اور یہ روایت

عبداللہ بن عبید اللہ سے ہے جو شامی ہے۔

اعتراض ۲:- یہ ہے کہ لکل سہو میں کل کل افراد ہی ہے یعنی جتنی تعداد میں سہو ہو جائے اس کے لئے

دو سجدے کافی ہیں۔

جواب :- یہ ہے کہ کل کا مضاف الیہ جب نکرہ ہو تو وہاں مراد عدد نفوی ہوتا ہے نہ کہ افرادی کما فی

اسلم (8) ولیس الکل من کل منہما بدیہی تو یہاں کل ثانی کا مضاف الیہ نکرہ ہے تو مقصد یہ ہے کہ ولیس کل فرد من

کل نوع من التصور والتصدیق الخ تو یہاں بھی مقصد یہ ہوگا کہ ہر قسم کے سہو کے لئے دو سجدے ہوتے۔ تاہم

کے لئے حضرت عائشہ کی روایت جو طحاوی (9) میں مروی ہے لکل زیادة نقصان سجدتان للسهو معلوم ہوا کہ لکل

سہو میں مراد قسم و منف ہے۔

دلیل ۷:- نسائی (10) وغیرہ میں عبداللہ بن جعفر کی مرفوع حدیث ہے من شک فی صلوٰۃ فلیسجد

سجدتین بعد ما یسلم۔

دلیل ۸:- آثار صحابہ مثلاً ابن عباس امین مسعود وغیرہم مثل علی وسعد بن ابی وقاص وعمار و عبداللہ بن

الزبیر رضی اللہ عنہم کما فی التختہ (11) کہ وہ بھی سجدہ سہو بعد السلام کرتے تھے۔

(6) مس: ۱۵۶ ج: ۱ (7) مس: ۸۵ ج: ۱ "باب ما جاء فیمن سجد ما بعد السلام" ولفظ فی کل الخ (8) سلم العلوم ص: ۹ قدیمی کتب خانہ

(9) شرح معانی قاری ص: ۲۹۰ ج: ۱ "باب سجود السہو فی الصلوٰۃ قبل ہو قبل السلام او بعدہ" لیکن یہ روایت حضرت عائشہ سے نہیں ہے

۔ واللہ اعلم (10) مس: ۸۳ ج: ۱ "باب التخری" (11) تختہ الاخوان ص: ۳۰۷ ج: ۳۰۷ ایضاً آثار صحابہ کے لئے رجوع فرمائے شرح

معانی قاری ص: ۲۹۰ ج: ۱ اسی طرح دیکھئے معنی ابن ابی شیبہ ص: ۲۹۰ ج: ۳۰۷ ج: ۳۰۷ فی السنن فی سجدتین السہو قبل السلام او بعدہ

دلیل ۹:- ابن العربی نے عارضہ میں کہا ہے کہ سجدہ سہواً استدراک نقصان کے لئے ہے تو نماز سے الگ اور نماز کے بعد ہونا چاہئے۔

دلیل ۱۰:- جیسے کہ سنن و نوافل مکملات ہیں نماز کے لئے تو سجدہ سہو بھی مکمل ہے اور مکمل اشیاء سے خارج ہوتا ہے کمافی السنن والنوافل۔

امام شافعی کا قول امام ترمذی نے نقل کیا ہے کہ ویقول ہذا النسخ لغیرہ من الاحادیث غیرہ یعنی قبل السلام سجدہ ناسخ ہے بعد السلام کے لئے وینذکروا ان آخر فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان علی هذا یہ قول زہری کی طرف اشارہ ہے گویا یہ ناسخ ہے۔

اس کا جواب اولاً یہ ہے کہ خود علامہ حازی شافعی نے الاعتبار میں تسلیم کیا ہے کہ زہری کا یہ قول منقطع و ناقابل اعتبار ہے۔

جواب ۲:- یہ قول زہری مرسل ہے قال۔ مکی بن سعید القحطان مراسیل الزہری شبہ لاشی۔

جواب ۳:- الزامیہ ہے کہ یہ کیسے ناسخ ہے حالانکہ بقول آپ کے واقعہ ذوالحجۃ ۱۰ھ کا ہے حنفیہ اگر ناسخ کہیں تو بات ہے کہ ان کے ہاں یہ واقعہ قبل از بدر ہے۔

حنفیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ لنگوہی نے فرمایا کہ قبل السلام اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا کہ اگر سلام کے بعد فرماتے تو چونکہ لوگوں کو یہ حکم ابھی معلوم نہیں تھا تو لوگ اٹھ جاتے یا باتوں میں مشغول ہو جاتے اسلئے سجدہ قبل السلام فرمایا جو وقتی حکم تھا۔

جواب ۴:- یہ بیان جواز پر محمول ہے۔ جس کے ہم بھی قائل ہیں لیکن دلائل عشرہ مذکورہ کی روشنی میں رائج بعد السلام ہے۔

نیز امام مالک و احمد و اسحاق کو جواب امام ابو یوسف کے الزام سے دیا جائے گا کہ جب انہوں نے امام مالک سے پوچھا کہ اگر آدمی سے کمی و زیادتی دونوں ہو جائے تو پھر کیا کریگا؟ یعنی قبل السلام سجدہ کرے گا یا بعد از سلام؟ تو وہ خاموش ہو گئے۔

باب ماجاء فی سجدة فی السهو بعد السلام والكلام

رجال:-

علم یختصن کوئی ہیں۔ ابراہیم ای ابن النعمی۔ اس روایت کی تخریج سب نے کی ہے۔ ☆

تشریح:-

ابن مسعود سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پانچ رکعت پڑھی تو پوچھا گیا کہ نماز میں زیادتی ہوئی ہے یا آپ بھول گئے تو بعد السلام دو سجدے کئے۔

امام شافعی و احمد و اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ اگر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے چاہے بیٹھا ہو یا نہ ہو سجدہ سو سے اس کی نماز صحیح ہوگی یہی مسلک امام مالک کا بھی ہے۔ چونکہ حنفیہ کے نزدیک ایک رکعت نماز نہیں ہے اس لئے پانچ رکعت والی نماز بھی صحیح نہیں اور شوافع کے نزدیک ایک رکعت بھی نماز ہے جیسا کہ وتر برکعت میں اس لئے چھٹی کی ضرورت عند ہم نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک اگر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے بلا قعود تو سجدے سے پہلے پہلی نماز کی طرف لوٹ جائے اور اخیر میں سجدہ سو کرے۔ وجہ یہ ہے کہ اس میں اس کی نماز کی اصلاح ہے اور پانچویں رکعت قابلِ رخص بھی ہے۔ اور اگر سجدہ ملایا تو اب وہ رکعت پوری ہوگئی یہی وجہ ہے کہ اگر آدمی نے قسم کھائی کہ میں نماز نہیں پڑھوں گا تو بغیر سجدے والی رکعت سے حائث نہیں ہوگا۔ اور سجدے کے بعد حائث ہو جاتا ہے۔

پھر امام ابو یوسف کے نزدیک پیشانی رکھتے ہی رکعت پوری ہو جائیگی امام محمد کے نزدیک سر اٹھانے کا اعتبار ہے۔ ثمرہ خلاف یہ ہے کہ اگر اس صورت میں حدیث لاحق ہو تو امام ابو یوسف کے نزدیک ایک رکعت ہوگئی تو وضو کے بعد دوسری رکعت ملا کر بنا کرے گا جبکہ امام محمد کے نزدیک اس کا اعتبار نہیں۔ پھر ایک رکعت ملا کر یہ نماز نفل ہو جائے گی اور فرض باطل

ہونگے اخیر میں سجدہ سہو نہیں ہوگا۔ اگر وہ بقدر تشہد چوتھی رکعت کے بعد بیٹھ چکا ہو اور پھر کھڑا ہو تو فرض نماز صحیح ہوئی کہ فرائض و ارکان ادا ہو گئے فقط سلام باقی ہے جس کی تاخیر سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

اس میں بھی اگر سجدے سے پہلے یاد آ جائے تو بیٹھ کر سجدہ سہو کرے کھڑے کھڑے سلام نہ پھیرے کہ قیام سلام کا محل نہیں۔ اگر اس نے پانچویں رکعت میں سجدہ کر لیا تو ایک رکعت اور ملائے اور اخیر میں سجدہ سہو کرے چار فرض اور دو نفل ہو جائے گی اگر ظہر کی نماز ہے یہ دو رکعت سنت شمار نہیں ہوگی کہ اس کے لئے الگ تکبیر تحریر نہ کہنا مستقل سنت ہے۔ امام شافعی وغیرہ کی دلیل باب کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھے بغیر پانچ رکعت پڑھ کر سجدہ سہو کیا۔

حنفیہ کے نزدیک قعدہ اخیرہ فرض ہے تو ترک سے نماز ادا نہیں ہوگی لہذا باب کی حدیث حنفیہ کے مسلک پر منطبق نہیں ہوتی۔ دلیل اگلے سے پیوستہ باب میں حدیث ہے کہ شک کی صورت میں بناء علی الاقل کرے اور اخیر میں سجدہ سہو کرے اگر سجدہ سہو ترک فرض کے لئے کافی ہوتا تو بناء علی الاقل کی ضرورت نہیں تھی۔ مذکورہ باب کی حدیث کے عموماً دو جواب دیئے جاتے ہیں۔

جواب ۱: یہ ہے کہ یہ واقعہ حال ہے تو یہ عموماً کے لئے ناسخ نہیں یا معارض نہیں ہو سکتا۔

جواب ۲: ممکن ہے کہ اس وقت قعود فرض نہ ہو۔

باب ماجاء فی التشهد فی سجدة السهو

رجال:-

اشعث بن عبد الملك ثقہ اور فقیہ ہیں۔ ابن سیرین یعنی محمد بن سیرین جلیل القدر عالم عابد اور ثقہ ہیں۔ بصری ہیں روایت بالمعنی کے قائل نہیں تھے۔ ☆

تشریح:-

عمران بن حصین سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دوران نماز سہو ہوا تو دو سجدے کئے پھر تشہد پڑھا آخر میں سلام پھیرا معلوم ہوا کہ سجدہ سہو کے بعد تشہد و سلام ہوگا۔ اگر سجدہ سہو بعد السلام ہو تو یہ جمہور کا مذہب ہے لیکن اگر قبل السلام ہو پھر امام شافعی و احمد و اہل حق کے نزدیک تشہد کی ضرورت نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ سلام رافع ہے تشہد کے لئے تو جب وہ سلام پھیرے گا تو سابقہ تشہد رفع ہوگا تو اب تشہد پڑھنا ضروری ہوگا اور اگر سلام نہیں پھیرتا تو تشہد چونکہ اپنے حال پر باقی ہے تو صرف سلام پھیرے گا۔

مذہب ۲:- ابن سیرین و ابن ابی لیلیٰ کا ہے کہ ان کے ہاں سجدہ سہو کے بعد تشہد نہیں ہوگا صرف سلام ہوگا جمہور کی طرف سے کہا جائے گا کہ تشہد احادیث سے ثابت ہے تو اس کا قول ضروری ہے مثلاً باب کی حدیث میں ثم تشہد کی تصریح ہے۔ نسائی (۱) و ابوداؤد (۲) میں ابن مسعود کی حدیث میں تشہد کی تصریح ہے۔ بیہقی (۳) میں مغیرہ بن شعبہ کی روایت میں تشہد کا ذکر ہے یہ ابن سیرین و ابن ابی لیلیٰ کے خلاف جمہور کی حجت ہیں۔ ان تینوں روایات پر اگرچہ کلام ہوا ہے مگر ان کا مجموعہ اور قدر مشترک حسن ہے لہذا قائل احتجاج ہے۔

مذہب ۳:- انسؓ حسن بصریؒ عطاءؒ اور طاؤسؒ کا ہے ان کے نزدیک سجدہ سہو سے نماز خود بخود ختم ہوتی

باب ماجاء فی التشهد فی سجدة السهو

(۱) ص: ۳۴۲ ج: ۱ "باب التشہد والتسلیم فی صلوۃ الکسوف" (۲) ص: ۱۵۶ ج: ۱ "باب سجدة السهو فیما تشہد وتسلیم"

(۳) بیہقی کبریٰ ص: ۳۵۵ ج: ۲ "باب من قال تشہد بعد سجدة السهو ثم یسلم"

لہذا تشہد و سلام کی ضرورت نہیں۔

جمہور کی طرف سے تشہد کے بارے میں وہی جواب ہوگا جو ابن سیرین کو دیا۔ تسلیم کے بارے میں عمران بن حصین کی روایت باب جو مسلم (4) میں بھی ہے اس میں غم مسلم کی تصریح ہے۔

باب فیمن یشک فی الزیادة والنقصان

اگر کسی کو نماز میں شک لاحق ہو کہ ایک یا دو یا تین کتنی رکعتیں پڑھی ہیں تو اس کو کیا کرنا چاہیے؟ تو امام شععی داؤد زاعی کے نزدیک اگر یقین ہو جائے فیہا ورنہ نماز کا اعادہ کرے گا حسن بصری کے نزدیک شک کی صورت میں اخیر میں سجدہ سہو کرے گا۔ ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہ ہے کہ شک کی صورت میں بناء علی الاقل کر کے اخیر میں سجدہ سہو کرے۔ حنفیہ کے نزدیک اس میں تفصیل ہے ایک صورت یہ ہے کہ شک پہلی بار لاحق ہوا ہو تو اعادہ کرے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ شک بار بار ہوتا ہے لیکن تحری سے حق حاصل کر سکتا ہے تو پہلے وہ تحری کرے۔ اگر ظن غالب ہو جائے تو اس پر اعتماد کرے پھر اگر اس کو تحری میں ایک رکن کے بقدر دیر ہو گئی مثلاً بقدر تین تسبیحات کے تو سجدہ سہو کرے اور شک آتے ہی زائل ہو گیا تو سجدہ سہو کی ضرورت نہیں اور اگر کسی نتیجے پر تحری کی وجہ سے پہنچ نہ سکے تو بناء علی الاقل کرے پھر اس آخری صورت میں جس رکعت میں یہ احتمال ہو کہ یہ آخری رکعت ہو سکتی ہے تو اس پر بیٹھنا ضروری ہوگا مثلاً تین اور چار میں شک ہو تو تین کھنکھنے کی صورت میں اس پر بیٹھ جائے تاکہ اگر نفس الامر میں وہ چوتھی ہو تو ترک قعدہ سے فساد نماز لازم نہ آئے۔

اس اختلاف کی بنیاد بھی روایات کا اختلاف ہے مصنف ابن ابی شیبہ (1) میں ابن عمر کی روایت ہے کہ جس کو تین یا چار میں شک ہو جائے بعید حتیٰ استحفظ۔ صحیحین (2) میں ابن مسعود کی حدیث

(4) مسلم شریف ص ۲۱۳ ج ۱: "باب من ترک رکعتین او نحوہما للیتیم ما فی"

باب فیمن یشک فی الزیادة والنقصان

(1) ص ۲۸ ج ۲: "من قال اذا شک فلم یرکم صلی اعاد"

(2) صحیح بخاری ص ۵۸ ج ۱: "باب التوجہ نحو القبلة حیث کان" صحیح مسلم ص ۲۱۱ ج ۱: "باب السو فی الصلوة والاسجد"

ہے اذا شئت احدکم فی صلوٰتہ فلیتحجر الصواب فلتیم علیہ ثم یسلم ثم یسجد سجدة ین
معلوم ہوا کہ تحری کرے گا۔ بعض روایات (3) سے معلوم ہوتا ہے کہ بناء علی الاقل کرے گا کمانی رولیتہ ابی
سعید الخدری۔ مسلم (4) میں ان سے روایت ہے اذا شئت احدکم فی صلوٰتہ فلم یدر کم صلی
فلین علی الیقین۔ اس باب میں عبدالرحمن بن عوف کی روایت سے بناء علی الاقل کا حکم معلوم
ہوتا ہے۔

چوتھی قسم کی روایات ایسی ہیں کہ جس سے مطلقاً سجدہ سہو کا حکم معلوم ہوا ہے کمانی رولیتہ الباب عن ابی
ہریرۃ کہ شیطان تمہاری نمازوں میں تلویس کرتا ہے فاذا وجد ذلک احدکم فلیسجد سجدتین۔
امام شعبی واوزاعی نے اعادے کی روایات کو لے کر باقی کو ترک کر دیا حسن بصری نے مطلقاً
سجدہ سہو کو لے کر باقی کو نظر انداز کر دیا ائمہ ثلاثہ نے بناء علی الاقل کو لیا باقی کو چھوڑ دیا۔ حنفیہ نے
چاروں پر عمل کیا کہ پہلی مرتبہ شک ہو تو نماز قاسد ہوگی پہلی بار کی تفسیر میں فقہاء کی عبارات مختلف ہیں
بعض کہتے ہیں کہ عمر میں پہلی مرتبہ شک لاحق ہوا ہو دوسرا یہ کہ نماز میں پہلی مرتبہ شک ہوا ہو تیسرا قول
یہ ہے کہ شک اس کی عادت نہ ہو اگر شک عادت ہو تو تحری کی روایت پر عمل ہوگا اگر یقین ہو تو فیہا
ورنہ بناء علی الاقل کی روایت پر عمل ہوگا ابن ہمام فرماتے ہیں کہ ان تمام صورتوں میں سجدہ سہو ہوگا
والوجہ بامر۔

(3) کمانی رولیتہ مسلم عن ابی سعید الخدری ص ۲۱۱ ج ۱:

(4) صحیح مسلم حوالہ بالا۔

باب ماجاء فی الرجل یسلم فی الرکعتین من الظهر والعصر

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت پڑھی اور لوٹ گئے فی روایۃ ظہر اور فی روایۃ عصر کی نماز تھی تو حضرت ذوالیدین (عبید بن عمرو) جن کو ذوالشمالین بھی کہتے ہیں انہوں نے کہا کہ نماز مختصر ہوئی یا آپ بھول گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا ذوالیدین صحیح کہہ رہا ہے لوگوں کے ہاں پر مابقی دو رکعت پڑھ لیں اور سجدہ سہو کیا۔ اس حدیث کی وجہ سے کلام فی الصلوٰۃ کی حیثیت میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔

مذہب ۱:- حنفیہ کے ہاں اور ایک روایت میں امام احمد فی روایۃ امام مالک کے نزدیک مطلقاً مبطل صلوٰۃ ہے یعنی چاہے نسیاً ہو خطاً ہو یا عمدہً عن الحکم ہو یا علماً ہو یا برائے اصلاح صلوٰۃ ہو یا نہ ہو مطلق کلام مفسد صلوٰۃ ہے۔

مذہب ۲:- اوزاعی کے نزدیک اگر کلام لکھل اصلاح صلوٰۃ کے لئے ہو تو مفسد نہیں فی روایۃ امام مالک بھی یہی قول کرتے ہیں۔

مذہب ۳:- اگر کلام نسیاً ہو یا جہلاً عن الحکم تو مفسد نہیں یہ امام شافعی کا مذہب ہے نووی نے اس کو عدم طول کے ساتھ مقید کیا ہے کافی شرح المہذب۔

مذہب ۴:- امام احمد و ائمتہ کا ہے اگر اس گمان کے مطابق بات کی کہ نماز پوری ہو چکی ہے اور جب معلوم ہو تو نماز کی تکمیل کرے تو یہ کلام مفسد نہیں اگر علم ہے کہ نماز ابھی باقی ہے پھر کلام کرے تو نماز فاسد ہوگی چاہے امام ہو یا مقتدی۔ امام احمد سے ایک ایک روایت باقی ائمہ کی طرح بھی ہے تو کل چار روایات ان کی ہو جائیں گی۔

ائمہ ثلاثہ باب کی روایت سے استدلال کرتے ہیں اوزاعی و مالک فرماتے ہیں کہ یہ کلام اصلاح صلوٰۃ کے لئے تھا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نسیاً اور ذوالیدین کا جہلاً عن الحکم تھا۔ امام احمد

فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو مکمل سمجھ کر انصراف کیا اور چونکہ احکام میں تبدیلی آتی رہتی تھی تو ذوالیدین بھی یہ سمجھ گئے کہ نماز دو رکعت ہوگئی۔ تو مقتدی کا کلام زمانہ نبوت کے ساتھ مخصوص تھا کہ آج شیخ کا احتمال نہیں۔ کما نقل الترمذی قول احمد وقال فیہ ولیس ہکذا الیوم لیس لاحد ان یتکلم علی معنی مایتکلم ذوالیدین لان الفرائض الیوم لایزاد فیہا ولا ینقص۔

حنفیہ اس کو منسوخ مانتے ہیں اور اس کو اس وقت پر حمل کرتے ہیں جب کلام فی الصلوٰۃ جائز تھا منسوخیت کی ایک دلیل ”وقوم اللہ قانتین“ (۱) ای سائقین ہے۔

دلیل ۲: زید بن ارقم کی حدیث جو تمام صحاح ستہ (۲) میں موجود ہے۔

عن زید بن ارقم کنا نتکلم علف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الصلوٰۃ یتکلم الرجل صاحبه الی جنبہ حتی نزلت ”وقوم اللہ قانتین“ فامرنا بالسکوت

ونہینا عن الکلام قال ابو عیسیٰ حدیث زید بن ارقم حدیث حسن صحیح

دلیل ۳: روایت مسلم (۳) معاویہ بن الحکم السلمی الانصاری سے ہے وہ اپنا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی کو نماز میں چھینک آئی تو میں نے یرحمک اللہ کہا تو لوگ مجھے گھورتے رہے میں نے کہا وانسکل امیاء ماشانکم تنظرون الی فجعلو یا ضربون بایدیہم علی افخاذہم تو میں خاموش ہو گیا بعد از نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور میں نے آپ سے زیادہ مشفق استاد کبھی بھی نہ دیکھا فواللہ ما کھرنی ولا ضربنی ولا شتمنی فرمایا۔

ان هذه الصلوٰۃ لا یصلح فیہا شی من کلام الناس انما هی التسمیح والتکبیر وقراءۃ القرآن۔

باب ماجاء فی الرجل یسلم فی الرکعتین من الظھر والعصر

(۱) سورہ بقرہ رقم آیت: ۲۳۸

(۲) بخاری ص: ۲۵۰ ج: ۲ مسلم ص: ۲۰۳ ج: ۱۱ ابوداؤد ص: ۱۳۳ ج: ۱۱ سنن نسائی ص: ۱۸۱ باب الکلام فی الصلوٰۃ ص: ۱۲ حنفی

(۳) صحیح مسلم ص: ۲۰۳ ج: ۱ باب تحريم الکلام فی الصلوٰۃ وشیخ ماکان من اباحہ

دلیل ۳:- ابن مسعود کی روایت نسائی (4) میں مروی ہے میں جب حبشہ کی ہجرت سے واپس آیا تو پہلے ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے رہے جواب دیتے اب جب میں نے سلام کیا تو جواب آپ نے نہیں دیا تو مجھے تشویش ہوئی اور میں سوچنے لگا کہ مجھ سے کیا قصور ہوا ہے آپ نے بعد از نماز فرمایا۔

ان الله يحدث من امره ما يشاء وانه قد احدث من امره ان لا يتكلم في الصلوٰۃ
اس پر شافعیہ کی طرف سے اعتراض ہے کہ یہ واقعہ نسخ کے بعد کا ہے کہ نسخ الکلام فی الصلوٰۃ مکہ میں ہوا تھا اور یہ واقعہ کلام فی الصلوٰۃ مدینہ کا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ ابن مسعود کی واپسی مکہ میں حبشہ سے ہوئی ہے معلوم ہوا کہ کلام فی الصلوٰۃ مکہ میں منسوخ ہوا ہے لہذا مطلق کلام مفید نہیں بلکہ وہ مفید ہوگا جو ہماری عائد کردہ شرائط سے باہر ہو۔

جواب:- ہم نے ابن مسعود کی جس حدیث سے استدلال کیا ہے یہ مدینہ سے متعلق ہے تفصیل یہ ہے کہ ابن مسعود کی حبشہ سے واپسی دو دفعہ ہوئی ہے ایک دفعہ ۵ھ نبوی میں جب حبشہ میں افواہ پھیلی کہ سارے قریش مسلمان ہوئے تو ابن مسعود آئے مگر یہ افواہ غلط تھی تو پھر واپس گئے۔ پھر ۲ھ ہجری میں آئے جب بدر کی تیاری ہو رہی تھی ابن حجر و ابن اثیر بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ (5)

دلیل اس بات کی کہ کلام کی تنسیخ مدینہ میں ہوئی ہے یہ ہے کہ معاویہ بن الحکم الانصاری کی حدیث اس پر شاہد ہے کہ اول ہجرت میں صحابہ کلام کرتے تھے فی الصلوٰۃ کہ یہ انصاری صحابی ہے معارف میں ہے کہ بہت سارے مدنی صحابہ سے کلام فی الصلوٰۃ مروی ہے مثلاً معاذ بن جبل ابی امامہ جابر ابو سعید خدری۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس آیت کے بارے میں اتفاق ہے کہ یہ مدنی ہے و تو مو اللہ قاسمیں اور بروایت زید بن ارقم اس کا شان نزول یہی کلام فی الصلوٰۃ ہے۔

اعتراض ۲:- من الشافعیہ کہ اگر ہم مان لیں کہ کلام فی الصلوٰۃ مدینہ میں منسوخ ہوا ہے پھر بھی باب کا واقعہ نسخ الکلام سے مؤخر ہے لہذا نسخ کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ذوالیدین کا کلام ہوا اور نماز فاسد نہیں ہوئی معلوم ہوا کہ کلام بشرط جائز ہے اور بعدیت کی دلیل یہ ہے کہ راوی حدیث ابو ہریرہ ہیں جو ۷ھ میں فتح

(4) سنن نسائی ص: ۱۸۱ ج: ۱ "باب الکلام فی الصلوٰۃ" (5) راجع للتفصیل معارف السنن ص: ۵۱۰ و ۵۱۱ ج: ۳- نسخی

خیر میں آئے تھے اور بعض روایات میں تصریح کرتے ہیں کہ میں خود موجود تھا مثلاً مسلم (6) میں ہے صلی
لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نسائی (7) میں صلی بنا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلم (8) میں
بينا اننا صلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ صرح ہے معلوم ہوا کہ یہ کم از کم ۷۷ھ کی بات ہے
اور کلام فی الصلوٰۃ تو بہت پہلے منسوخ ہوا تھا۔

جواب :- یہ واقعہ ۲ھ یعنی غزوہ بدر سے پہلے کا ہے جب یہ ہے کہ ذوالیدین بدر میں شہید ہوئے
ہیں تو سند ۷ھ ہجری میں شرکت کیسے ممکن ہے۔

اس پر شافعیہ اعتراض کرتے ہیں کہ ذوالیدین بدر میں شہید نہیں ہوئے بلکہ بدر میں ذوالشمالین (عبید
بن عمرو بن بنی خزاعہ) شہید ہوئے اور ذوالیدین کا نام خرباق بن عمرو بن بنی سلیم ہے تو دونوں الگ الگ ہوئے۔

جواب :- یہ دونوں ایک شخص کے دو نام ہیں واقعہ یہ ہے کہ ذوالیدین کا نام عبید بن عمرو ہے اور خرباق
جانبی لقب تھا ان کو ذوالشمالین بھی کہا جاتا تھا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ذوالیدین کہتے تھے اور بنو سلیم بنو
خزاعہ کی شاخ ہے مبرد نے بھی الکامل میں لکھا ہے کہ چونکہ یہ اپنے ہاتھ سے ہر کام کرتے تھے اس لئے ان کو
ذوالشمالین کہا جاتا تھا گویا ان کا الٹا ہاتھ دو ہاتھ کے قائم مقام تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا لقب ذوالیدین
رکھا۔

نیز نسائی (9) میں دونوں لقبوں کو ایک ساتھ جمع کیا ہے۔

عن ابی ہریرۃ فقال لہ ذوالشمالین انقصت الصلوٰۃ ام نسبت ہا رسول اللہ قال

رسول اللہ ما بقول ذوالیدین (الحديث)

تو دونوں لقب جمع ہوئے۔

(6) مس ۲۱۳ ج ۱: "فعل من ترک رکعتین او نحوہما الخ"

(7) مس ۱۸۱ ج ۱: "ما فعل من سلم من اربعین ناسیا وتظلم"

(8) مس ۲۱۳ ج ۱: "فعل من ترک رکعتین الخ"

(9) نسائی مس ۱۸۳ ج ۱: "ما فعل من سلم من اربعین ناسیا وتظلم"

اعترض:- یہ تفرد ہری ہے کہ دونوں کو اکھٹا کر کیا ہے۔

جواب:- زہری منفرد نہیں نسائی (10) میں عمران بن ابی انس نے متابعت کی ہے طحاوی (11) میں

ابراہیم بن منذ نے اور مصنف ابن ابی شیبہ (12) میں عکرمہ نے متابعت کی ہے۔

رہا یہ سوال کہ مسلم و نسائی میں ابو ہریرہ نے فرمایا کہ میں اس نماز میں موجود تھا تو جواب یہ ہے کہ

احادیث میں بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ ایک صحابی جب دوسرے صحابی سے ارسال کرتے ہیں تو اگرچہ وہ موجود نہ ہو مگر وہ مشکلم کا صیغہ استعمال کرتا ہے بلکہ تابعی بھی کبھی صیغہ مشکلم استعمال کرتے ہیں۔

مثلاً زوال بن ہبرہ نے کہا قال لنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتوا یا کم کسانہ بنی عبد مناف حالانکہ ان کی ملاقات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں تو لانا سے مراد لقا ہوتا ہے۔

طاؤس کی روایت ہے قدم علینا معاذ بن جبل فلم یأخذ من الحضرات شیئاً حالانکہ جن دنوں

میں معاذ بن جبل یمن گئے تھے تو طاؤس پیدا بھی نہیں ہوئے تھے تو علینا سے مراد علی تو مٹا ہوگا۔ قال حسن بصری

نظینا عقبہ بن غزو ان حالانکہ اس خطبے کے وقت حسن بصری موجود نہیں تھے۔ اسی طرح یہود کے ساتھ جہاد میں

ابو ہریرہ فرماتے ہیں بینا نحن فی المسجد اذ خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انطلقوا

السی یہود اس وقت ابو ہریرہ موجود نہیں تھے کہ سنہ ۵ھ یا سنہ ۴ھ کو غزوہ خندق ہوا اور ابو ہریرہ سنہ ۷ھ کو مدینہ آئے

ہیں۔ (13) ان امثال سے واضح ہو گیا کہ مشکلم کا صیغہ شرکت امر اور موجودگی کی دلیل نہیں۔

اس جواب پر اعتراض ہوتا ہے کہ جمع مشکلم کی صورت میں یہ توجیہ ہو سکتی ہے مگر مسلم (14) میں

بیانا اصلی الخ ہے اس میں تاویل نہیں ہو سکتی کہ اس میں ابو ہریرہ کی موجودگی کی تصریح ہے۔

(10) ص: ۱۸۲ ج: ۱ (11) شرح معانی لا تارص: ۲۹۳ ج: ۱ باب الکلام فی الصلوٰۃ لما سجدت فیہا من السجود

(12) ص: ۳۷ ج: ۲ "ما قالوا فیہ اذا انصرف وقد نقص من صلوٰۃ تکلم"

(13) ان تمام آثار کے لئے رجوع فرمائیے شرح معانی لا تارص: ۲۹۵ ج: ۱ باب الکلام فی الصلوٰۃ لما سجدت فیہا من السجود

اور معارف السنن میں ص: ۵۱۳ الی ۵۱۶ پر زیادہ تفصیل ہے۔

(14) ص: ۲۱۳ ج: ۱

جواب :- شاہ صاحب نے دیا ہے کہ اول یہ شیعان کا تفرّد ہے باقی شاگردان ابو ہریرہ یہ الفاظ ذکر نہیں کرتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ دیگر دلائل کی روشنی میں یہ جواب ہوگا کہ یہ روایت بالمعنی ہے وہ اس طرح کہ جمع حکم کے صیغے سے راوی یہ سمجھے کہ ابو ہریرہ خود موجود ہوں گے تو واحد منکلم کا صیغہ بتایا مثلاً مستدرک حاکم (15) میں ابو ہریرہ کی صحیح روایت ہے دخلت علی رقیۃ بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم حالانکہ رقیہ کی وفات ابو ہریرہ کی آمد سے پانچ سال قبل ہوئی تھی تو وہاں دخلت بمعنی دخلنا ای دخل المسلمون ہے تو یہاں بھی یہ توجیہ ضروری ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ کچھ ایسے قرائن ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بدر سے پہلے کا ہے کہ بخاری (16) میں تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد از نماز مسجد میں خشبہ معروضہ کے پاس گئے اور مسند احمد (17) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خشبہ معروضہ اسطوانہ حنّانہ تھا جو منبر بنوانے سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس بیٹھ جاتے۔ پھر صحیح ابن خزیمہ (18) اور ابوعوانہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ منبر بنوانے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اسطوانہ کو دفنایا تھا اور منبر کی بناء بدر سے پہلے ہوئی تھی کیونکہ مسند بزار (19) اور طبرانی کبیر (20) میں تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تحویل قبلہ کا اعلان منبر سے فرمایا اور یہ یقینی بات ہے کہ تحویل قبلہ بدر سے قبل کا حکم ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس واقعہ میں عمر رضی اللہ عنہ موجود تھے کما ہو مصرح فی بعض الروایات حالانکہ جب ایسا واقعہ عمرؓ کے ساتھ ان کے دور خلافت میں پیش آیا تو انہوں نے بناء نہیں فرمائی بلکہ اعادہ فرمایا معلوم ہوا کہ یہ حکم منسوخ ہے۔

پہلے روایت گذری ہے کہ ایسے لکھ جال و تصلیق للنساء مقصد یہ ہے کہ اخبار امام کے وقت مرد تنبیغ

(15) ص: ۳۸ ج: ۳ "ذکر وفاة رقیہ و دفنها"

(16) صحیح بخاری ص: ۶۹ ج: ۱ "باب تہیک الاصالح فی المسجد وغیرہ" ایضاً صحیح مسلم ص: ۳۱۳ ج: ۱

(17) مسند احمد ص: ۴۷ ج: ۳ رقم حدیث ۷۳۸۰

(18) بحوالہ معارف السنن ص: ۵۲۸ ج: ۳

(19) کذا قال العلامة البیہقی فی مجمع الزوائد ص: ۱۱۹ ج: ۲ رقم حدیث ۱۹۶۸

(20) بحکم کبیر للطبرانی ص: ۳۰۳ ج: ۲۲ رقم حدیث ۷۷۰

کہے عورت تھقیق اگر کلام جائز ہوتا تو اس کی کیا ضرورت تھی؟ معلوم ہوا کہ ذوالیدین کی روایت منسوخ ہے۔

اگر بالفرض ہم کچھ دیر کے لئے شافعیہ کی بات مان لیں کہ یہ واقعہ سنہ ۲ھ میں نہیں بلکہ سنہ ۷ھ میں پیش آیا ہے جو بعد از نسخ ہے تو جواب یہ ہے کہ پھر بھی قابل احتجاج نہیں شدید اضطراب کی وجہ سے کہ بعض روایات میں ظہر (21) بعض میں عصر (22) بعض میں احد العشاءین (23) بعض میں نماز کا ذکر نہیں (24) بعض میں ابن سیرین فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہ نے ذکر کیا لیکن میں بھول گیا ہوں۔ (25)

پھر اس میں اختلاف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کس رکعت کے بعد سلام پھیرا تو بعض میں دو رکعت بعض میں تین رکعت کا ذکر ہے۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ بعد از سلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہاں گئے تو بخاری (26) میں ہے کہ شہد معروضہ کے پاس گئے مسلم (27) میں ہے کہ حجرہ میں گئے اسی طرح بعد از نماز سجدہ سو کیا یا نہیں؟ تو بعض میں اثبات اور بعض میں نفی ہے تو ان اضطرابات کے ہوتے ہوئے احتجاج صحیح نہیں۔

نوٹی نے جواب دیا ہے کہ یہ متعدد واقعات پر محمول ہے مگر عام محدثین اس کو پسند نہیں کرتے ہیں اور وہ روایات جو نفی کلام پر دلالت کرتی ہیں وہ قطعی ہیں وہ قولی ہیں جبکہ یہ فعلی ہے ترجیح قولی کو ہوتی ہے وہ روایت محکم ہیں یہ محتمل ہے کہ آپ جتنی بھی تو جیہات کریں پھر بھی نسخ کا احتمال موجود ہے تو محتمل کو قوی اور محکم پر ترجیح کیونکر ہو سکتی ہے؟

اگر اس روایت کو صحیح بھی مان لیں تب بھی آپ کا استدلال درست نہیں کہ اس نماز میں ایسے امور سرزد ہوئے ہیں جو نماز کے عین منافی ہیں مثلاً نماز میں حجرے میں داخل ہونا جبکہ حجرہ مشرق میں ہے مسجد کے تو تحویل قبلہ ہوئی سرعان الناس کا مسجد سے نکلنا اور مشی فی الصلوٰۃ اور ایک رکن سے زیادہ وقت کا فاصلہ حائل ہونا اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ذوالیدین کے کلام کو قلیل کہنا بھی صحیح نہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھنے پر باقی صحابہؓ نے بھی کلام کیا حالانکہ ان کے کلام کو نسیان و خطا پر حمل نہیں کیا جاسکتا آخر میں سجدہ سہونہ کرنا یہ دلائل ہیں

(21) کما فی روایۃ صحیح مسلم ص: ۲۱۴ ج: ۱ (22) کما فی روایۃ مسلم ص: ۲۱۳ ج: ۱

(23) کما فی روایۃ صحیح بخاری ص: ۱۶۳ ج: ۱ (24) کذا فی روایۃ البخاری ص: ۶۹ ج: ۱

(25) کذا فی تہذیب الاحوذی ص: ۳۲۰ ج: ۲ (26) صحیح بخاری ص: ۱۶۳ ج: ۱

(27) صحیح مسلم شریف ص: ۲۱۳ ج: ۱

اس بات پر کہ یہ حکم جزئی ہے اس سے حکم کلی مستبط نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حنفیہ نے اصول کلی کو دیکھتے ہوئے اس کو منسوخ مانا یا واقعہ جزئیہ پر حمل کیا کما ہوا صلہم۔

باب کے علاوہ امام شافعی کی دلیل ۲ وہ حدیث ہے رفع عن امتی الخطا والنسیان (28) یہ روایت مطلق ہے تو نماز میں خطا و نسیان مفسد نہ ہوگا۔

جواب :- یہ ہے کہ اول تو یہ حکم گناہ کے اعتبار سے ہے کہ خطا و نسیان پر مؤاخذہ اخروی نہیں ہوگا دنیاوی احکام کے اعتبار سے نہیں جیسے قتل خطا پر دیت آپ کے ہاں بھی ہے۔

جواب ۲ :- خطا و نسیان میں قلیل و کثیر میں فرق نہیں جبکہ آپ نماز میں کلام قلیل و کثیر میں فرق کرتے ہیں کہ قلیل مفسد نہیں اور کثیر مفسد ہے۔

دلیل ۳ :- قیاس علی الصوم کہ نسیان سے روزہ نہیں ٹوٹتا کھانے پینے سے تو نماز میں بھی نسیان بات سے نہیں ٹوٹتی چاہئے۔

جواب ۱ :- یہ قیاس مع الفارق ہے کہ نماز حالت مذکرہ ہے روزہ حالت مذکرہ نہیں۔

جواب ۲ :- یہ ہے کہ روزے میں قلیل و کثیر کھانے میں نسیان فرق نہیں جبکہ آپ کے نزدیک قلیل و کثیر میں فرق ہے کہ قلیل مفسد نہیں اور کثیر مفسد ہے۔

جواب ۳ :- روزے میں نسیان عدم نقص میں نص ہے انما ہو رزق رزقہ اللہ جبکہ نماز میں اس طرح کوئی نص نہیں۔

(28) لم أجده بهذا اللفظ لكن رواه ابن عدي في الكامل ولفظه رفع الله عن بذه الامه علاتا الخطا والنسيان والامر بكمهون عليه
 ص: ۳۹۰ ج: ۲ ايضا راجع التفصيل الدرر في تنزيح احاديث الهداية ص: ۱۳۳ ج: ۱

باب ماجاء فی الصلوٰۃ فی النعال

رجال:-

سعید بن یزید البصری ثقہ ہیں۔ ☆

تشریح:-

سعید بن یزید سے روایت ہے کہ میں نے انس سے پوچھا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نعلین میں نماز پڑھتے تھے قال نعم۔ قال ابو عیسیٰ حدیث انس حدیث حسن صحیح والعمل علیٰ هذا عند اهل العلم۔

ترمذی نے اس باب میں اختلاف نقل نہیں کیا کیونکہ اس میں نماز جائز ہے ابن بطال فرماتے ہیں کہ طہارت نعلین ضروری ہے۔ اگر کسی نے نعلین میں نماز پڑھی تو اہل نکلواہر امام احمد اور بعض حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے۔ دوسری روایت بعض فقہاء کی کراہیت کی ہے۔ جمہور فقہاء و محدثین اس کو مباح مانتے ہیں نہ مستحب نہ مکروہ کہتے ہیں۔ تائکین استحباب کی دلیل باب کی روایت ہے ابی داؤد (1) میں شداد بن اوس عن ابیہ کی روایت ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم خالفوا الیہود فانہم لا یصلون فی نعالہم

ولا یمسواہم قال الشوکانی لامطعن فی اسنادہ۔ (2)

اگرچہ بعض نے سند میں کلام کیا ہے۔ ابن دقیق العید کہتے ہیں کہ نعلین میں نماز رخصت ہے کہ مقصد صلوٰۃ میں مفید نہیں اگرچہ اس میں زینت مصلیٰ ہے مگر اس میں نجاست کا بھی احتمال ہے اور قاعدہ ہے کہ جلب مصالح و منفعت مؤخر ہوتا ہے دفع مفسد و مضرت سے لہذا جوتے اتارنے چاہیے۔ عالمگیری میں ہے کہ اگر نیچے نجاست ہو اور کوئی جوتوں کو اتار کر اسکے اوپر کھڑا ہو جائے تو یہ حائل نجاست ہو جائے گا۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ

باب ماجاء فی الصلوٰۃ فی النعال

(1) سنن ابی داؤد ص ۱۰۲ ج ۲ "باب الصلوٰۃ فی النعل" (2) کذا قال فی نکل الاوطار ص ۱۳۰ ج ۲ "باب الصلوٰۃ فی النعلین والخفین"

اس کے علاوہ اور بھی روایات دال ہیں اس پر کہ نعلین زینت مصلیٰ ہے مگر یہ ضعیف ہیں۔

جمہور اس آیت سے استدلال کرتے ہیں "فاخلع نعلیک" (۳) نعلین استحباب کہتے ہیں کہ خلع کا حکم اس لئے تھا کہ وہ جلد النحر کے بنے تھے یا مطلب خلع کا یہ ہے کہ اہل دنیا اور اس کی محبت دل سے نکال دو۔ یا مقدس وادی کی برکت ننگے پاؤں سے حاصل کرو۔ لیکن جمہور کہتے ہیں کہ نعلین اتارنے میں تاؤب و تواضع زیادہ ہوتا ہے تو خلع کا حکم فرمایا اور خصوصاً جب انہیں نجاست کا احتمال اور مسجد کی تکوین کا خطرہ ہو تو بطریق اولیٰ اتارنا چاہیے یہ بھی ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جبرئیل نے آ کر خبر دی کہ آپ کے نعلین میں نجاست ہے تو اتار دیئے (۴) فتح مکہ میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نعلین اتارنا ثابت ہے (۵) اور اسکو آخر الامرین کہا جاسکتا ہے۔

شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ ایک قیاس یہ ہے کہ امراء کے پاس جا کر جوتے تاؤبا اتارتے ہیں اور دوسرا قیاس یہ ہے کہ جوتوں میں زینت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خالفوا لیسود کہہ کر دوسرے قیاس کو ترجیح دی۔ معلوم ہو کہ آج کل چونکہ یہود وغیرہ بوٹ پہن کر عبادت کرتے ہیں تو ان کی مخالفت اتارنے میں ہوگی تو قیاس اول کو ترجیح ہوگی۔

معارف میں کوثری کا قول نقل کیا گیا ہے خلاصہ اس کا یہ ہے کہ آج کل کے جوتوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے جوتوں پر قیاس نہ کیا جائے کہ اس زمانے میں نعلین اتارنے نرم ہوتے کہ ان کے ہوتے ہوئے بھی انگلیوں کا موڑنا آسان تھا بخلاف آج کل کے جوتوں کے کہ یہ سخت ہوتے ہیں۔ اگر جوتے ایسے ہوں کہ پاؤں کا اگلہ حصہ جوتے کے اگلے حصے تک نہ پہنچ سکے تو نماز نہ ہوگی اسی طرح وہاں لوگ صحراء جاتے خلاء کے لئے اور استنجاء بالا حجار کرتے اور آج کل لیٹرین میں نجاست و تکوین کا احتمال زیادہ ہوتا ہے پھر اس مسجد میں کنکریاں تھیں تو زیادہ دیر کھڑے رہنے میں گرمی یا سردی میں حرج تھا یہ علت آج نہیں۔ اسی طرح وہاں گلیوں میں نجاست نہیں ہوتی تھی گلیاں بھی کچی تھیں اگر نجاست لگ بھی جاتی تو ریت کے رگڑنے سے ختم ہو جاتی۔

(۳) سورۃ طہ رقم آیت ۱۲ (۴) کنانی ابی داؤد ص ۱۰۲ ج ۱ ابواب الصلوٰۃ فی العمل

(۵) حوالہ بالا

باب ماجاء فی القنوت فی صلوة الفجر .

باب فی ترک القنوت .

ترمذی نے یہاں دو باب باندھے ہیں اور بظاہر دونوں نماز فجر میں قنوت کے بارے میں ہیں البتہ روایت خصوصاً پہلے باب کی تو اس سے قنوت نازلہ کا علم ہوتا ہے۔

قنوت کا اطلاق تین چیزوں پر ہوتا ہے ایک وتر میں دعائے قنوت دوسرا قنوت فی صلوة الفجر دہمّا تیسرا قنوت نازلہ پر۔ قنوت فی الوتر عند الحنفیہ پورے سال واجب ہے شافعیہ کے نزدیک صرف رمضان کے نصف اخیر میں دعائے قنوت پڑھی جائے گی یہ اختلاف ابواب الوتر میں آئے گا۔ فجر میں قنوت عند مالک مستحب ہے عند الشافعی یہ مسنون ہے جمہور کے نزدیک نہ مستحب ہے نہ مسنون ہے۔ یعنی امام ابو حنیفہ صاحبین احمد و خلق سفیان ثوری اور ابن مبارک کا مذہب یہی ہے۔ امام شافعی و مالک کی دلیل باب اول کی حدیث ہے۔

عن البراء بن عازب ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقنت فی صلوة الصبح والمغرب

جواب :- اس سے مراد قنوت نازلہ ہے قرینہ یہ ہے کہ اس میں مغرب کا بھی ذکر ہے۔

اعتراض :- کان استمرار پر دلالت کرتا ہے حالانکہ قنوت نازلہ ہمیشہ نہیں ہوتا بلکہ عند النازلہ ہوتا ہے۔

جواب :- نبوی نے تصریح کی ہے کہ کان ہمیشہ احادیث میں استمرار کے لئے نہیں ہوتا۔

دلیل ۲ :- دارقطنی (۱) میں حضرت انس کی روایت ہے۔

ما زال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقنت فی صلوة الصبح حتی ینفارق الدنیا

جواب :- یہ حدیث انس کی دوسری حدیث (۲) سے جس کو خطیب نے نقل کیا ہے معارض ہے۔

باب ماجاء فی القنوت فی صلوة الفجر . باب فی ترک القنوت

(۱) ص: ۲۸ ج: ۲ "باب صلوۃ القنوت و بیان موضعہ" رقم حدیث ۱۶۷۶ (۲) کما فی نصب الریۃ ص: ۱۲۵ ج: ۲

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یقنت الا اذا دعا القوم او دعا علیہم

جواب ۲:- کما مر ابن العربی فرماتے ہیں کہ اطلاق قنوت دس معانی پر ہوتا ہے جن میں سے ایک طول قیام بھی ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ صبح کی نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اخیر عمر تک طول قیام کرتے رہے۔
دلیل ۳:- ابو ہریرہ کی روایت بخاری (3) میں ہے۔

قال لانا اقرہکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکان ابوہریرۃ یقنت فی الركعة الاخیرۃ من صلوٰۃ الصبح

جواب :- یہ روایت موقوف ہے جو مرفوع روایات کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

جمہور کی دلیل ابن مسعود کی حدیث ہے رواہ المزاد (4) وابن ابی شیبہ (5) والطبرانی (6) والبخاری (7) کلم یقنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الصبح الا شہراً ثم ترکہ صاحب ہدایہ (8) نے اس حدیث سے استدلال کر کے موقف اختیار کیا ہے کہ قنوت کی روایات منسوخ ہیں کیونکہ اس میں تصریح ہے۔ ولم یقنت قبلہ ولا بعدہ اور رطل و ذکوان کے خلاف قنوت نازلہ پر عمل کیا۔

بعض نے اس آیت ”لبس لك من الامر شئ“ سے استدلال کیا ہے کہ اس سے قنوت نازلہ فی الفجر بھی منسوخ ہے مگر صحیح نہیں کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو بدعا فرماتے تھے تو اللہ نے فرمایا کہ بدعا نہ فرمائیں کیونکہ اکثر عنقریب مشرف بہ اسلام ہونے والے ہیں۔

اعترض :- ابن مسعود کی اس روایت میں ابو حمزہ القصاب ہے جو تکلم فیہ راوی ہے۔

جواب :- یہ روایت ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم عن علقمہ عن ابن مسعود سے بھی آئی ہے۔ (9)

(3) صحیح بخاری ص ۱۱۰ ج ۱۱: اولفظ لا قربین صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ

(4) مسند بزار ص ۲۷۰ ج ۲: رقم حدیث ۳۹۳ (5) ص ۳۱۰ ج ۲: ”من کان لا یقنت فی الفجر“

(6) معجم کبیر للطبرانی ص ۶۹ ج ۱۰: رقم حدیث ۹۹۷۳

(7) شرح معانی لا ۴ ص ۱۷۵ ج ۱: ”باب القنوت فی صلوٰۃ الفجر وغیرہا“

(8) ہدایہ ص ۱۲۵ ج ۱: ”باب صلوٰۃ الوتر“ مکتبہ عربیہ (9) کذا فی نصب الرایۃ للزیلعی ص ۱۲۵ ج ۲: مکتبہ ہرروت

دلیل ۲:- خطیب نے کتاب القنوت میں روایت ذکر کی ہے۔

عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یقنن الا اذا دعا القوم
او دعا علیہم

معلوم ہوا کہ قنوت سے مراد نازلہ ہے۔

دلیل ۳:- آئندہ باب کی روایت ہے ابو مالک اشجعی نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ نے نبی
صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء اربعہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے تو کیا وہ قنوت پڑھتے تھے قال ای بنی محدث قال
ابو یسئیل ہذا حدیث حسن صحیح معلوم ہوا کہ پورا سال قنوت مشروع نہیں البتہ حنفی اگر شافعی کے پیچھے نماز پڑھے تو
اس کو خاموش کھڑا رہنا چاہئے کہ قعود میں مخالفت امام ہوگی بعض لوگ ان کی مسجد میں وقت قنوت بیٹھ جاتے
ہیں جو صحیح نہیں۔

تیسرا مسئلہ قنوت نازلہ کا ہے امام شافعی کے نزدیک قنوت نازلہ ہر نماز میں ہے۔ حنفیہ کی ایک روایت
میں صبح کی نماز میں رکوع کے بعد دوسری روایت یہ ہے کہ صلوٰۃ جبریہ میں قنوت نازلہ ہوگا۔ گنگوہی کے کلام سے
معلوم ہوتا ہے کہ جب نازلہ شدید ہو تو تمام نمازوں میں قنوت نازلہ ہوگا ورنہ تین جہری میں فقط اس سے تمام
روایات میں تطبیق ہو جائے گی۔

باب ماجاء فی الرجل یعطس فی الصلوٰۃ

رجال:-

رفاعہ بن یحییٰ مسجد بن رزق کے امام تھے صدوق ہیں۔ عن عم ابیہ الرزقی یہ بھی صدوق ہیں۔ عن ابیہ ای
رفاعہ بن رافع الانصاری بدی صحابی ہیں رضی اللہ عنہ۔

تشریح:-

حضرت رفاعہ بن رافع سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے (مغرب کی) نماز
پڑھی۔ مجھے چھینک آئی تو میں نے الحمد للہ الخ کہا مبارکاً علیہ عند البعض مبارکاً فیہ کے لئے تاکید ہے اور عند البعض
اس کا مطلب یہ ہے کہ حمد میں برکت ہو کما فی مبارکاً فیہ مبارکاً علیہ کا معنی اس پر بقاء ہو یا مبارکاً فیہ حمد کے لئے اور
مبارکاً علیہ حمد کے لئے۔ بعد از فراغت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے من المحکم فرمایا من الخاء نہیں فرمایا معلوم ہوا کہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کلام قرار دیا۔ تین مرتبہ کے بعد رفاعہ نے کہا کہ میں نے کہا بعض روایت میں ہے
کہ تیسری دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کس نے کہا کیونکہ اس نے کوئی غلط بات نہیں کہی تو رفاعہ نے کہا کہ
میں نے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیسے کہا؟ اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بات سنی مگر دوبارہ پوچھا
کہ سامع یہ نہ سمجھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بات نہیں سنی یا یہ نہ سمجھے کہ پہلے کلام کا حکم کوئی اور ہوگا۔ آپ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے کہ ۳۰ سے زائد فرشتے سہقت کر رہے تھے کہ کون اٹھائے گا۔

”الیہ یصعد الکلم الطیب“ ایہم مبتدأ یصعد بہا خبر ہے یا ایہم حال ای قائلین ایہم یصعد بہا تو ایہم
منصوب ہوگا۔ ترمذی کے بقول یہ نفل کے ساتھ متعلق ہے ہاں فرض میں دل میں الحمد للہ کہے۔

اس پر اتفاق ہے کہ چھینک پر الحمد للہ کہنا مستحب نہیں اگر کسی نے کہہ دیا تو نماز نہیں ٹوٹے گی اس پر بھی
اتفاق ہے۔ حاشیہ میں شیخ ابن ہمام کا قول نقل کیا گیا ہے کہ اگر آدمی اپنے نفس کو مخاطب کرتے ہوئے یرحمک اللہ
کہے تو نماز نہیں ٹوٹے گی کہو کہ یرحمی اللہ اس کو ظاہر الروایۃ قرار دیا ہے۔ وروی عن ابی حنیفۃ ان ذالک اذ عطس

فحمد فی نفسه من غیر ان یحرک شئی فان حرکة فصدت صلوٰۃ مگر مفتی پہ قول ظاہر الروایۃ کا ہے۔ البتہ سامع نے یہ حکم اللہ کہا تو اتفاقاً نماز ٹوٹ جائے گی کہ کلام الناس ہے۔ مسلم (۱) میں معاویہ بن حکم کی روایت ہے کہ انہوں نے عاتس کا جواب دیا تو لوگ گھورنے لگے تو کہا:

وانکل امیاء ماشانکم تنظرون الی فحعلوا یضربون بایدهم علی افخاذهم وفیه
ان هذه الصلوٰۃ لا یصلح فیها شیء من کلام الناس انما هو التسییح والتکبیر
وقراءة القرآن

اعتراض:- جب رفاعہ نے یہ کلمات کہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تحسین بھی فرمائی تو علماء نے عدم استحباب کا قول کیوں کیا ہے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تحسین کی وجہ سے کم از کم مستحب تو ضرور ہونا چاہیے۔
جواب:- یہ واقعہ جزئیہ ہے فقیہ کی نظر اصول پر ہوتی ہے نہ کہ جزئی واقعہ پر لہذا جزئیہ سے حکم مستحب نہیں ہو سکتا ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اس میں ایسی علت خفیہ موجود ہو جو ناپسندیدگی کا سبب ہو جو مجتہدین کو معلوم ہو ہمیں معلوم نہ ہو۔ ہوئی فرماتے ہیں کہ علت خفیہ یہ ہو سکتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ پوچھا صحابہؓ نے جواب تیسری دفعہ دیا۔ تو جواب نہ دینا دلیل ہے اس بات پر کہ صحابہؓ ڈر گئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند فرمایا۔ وجہ یہ ہے کہ پوچھنے والے (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کے حال و انداز سے ناپسندیدگی معلوم ہوئی ہوگی کیونکہ مشکلم کبھی اس انداز سے بات پوچھتا ہے کہ مخاطب سمجھ جاتا ہے کہ یہ بات مشکلم کو گوارا نہیں۔

اعتراض:- نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان کلمات کی تحسین فرمائی تو اگرچہ اول سے ناپسندیدگی معلوم ہوئی ہو مگر اخیر سے تحسین معلوم ہوئی اور اعتبار تو آخر الامرین کا ہوتا ہے۔

جواب:- تحسین کلمات کی فرمائی عمل کی نہیں کہ فرشتوں کی یہ ڈیوٹی ہے کہ اچھا کلمہ اٹھا کر لے جاتے

باب ماجاء فی الرجل یعطس فی الصلوٰۃ

(۱) صحیح مسلم ص: ۲۰۳ ج: ۱ "باب تحریم الکلام فی الصلوٰۃ وشیء ما کان من الہامیۃ" ایضاً رواہ ابوداؤد ص: ۱۳۹ ج: ۱ "باب تسمیۃ العاتس فی الصلوٰۃ"

ہیں۔ بہر حال معتمد علیہ قول یہی ہے کہ الحمد للہ کہنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی البتہ اولیٰ کیا ہے؟ تو بقول ترمذی فرض میں خاموشی رہ کر دل میں کہنا چاہئے وہ روایت عن ابی حذیفۃ اشار الیہ اعلیٰ القاری کہ اسی میں احتیاط ہے۔

اعتراض:- صاحب تحفہ (2) نے کیا ہے کہ تحفہ تو حدیث سے ثابت ہے (3) پھر خاموشی کا کیا

مطلب؟

جواب:- ممکن ہے کہ یہ ان دنوں کی بات ہو جب کلام فی الصلوٰۃ جائز تھا یا ابھی ابھی منسوخ ہوا ہو تو جیسا کہ معاویہ بن الحکم نے نسخ الکلام فی الصلوٰۃ کے بعد جواب دیا تھا کما عند مسلم (4) وقد مرّ آنفاً ایضاً۔

باب ماجاء فی نسخ الکلام فی الصلوٰۃ

رجال:-

حارث بن شعیب بالصغیر ثقہ ہیں۔ ☆

تشریح:-

کلام فی الصلوٰۃ کی تفصیل گذری ہے ترمذی کا عموماً صنیع یہ ہے کہ تعارض احادیث کے وقت نسخ اور منسوخ ایک ساتھ ذکر کرتے ہیں منسوخ کو پہلے اور نسخ کو بعد میں لاتے ہیں مگر یہاں کلام فی الصلوٰۃ کے بارے میں ذوالیدین کی حدیث ذکر کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام فی الصلوٰۃ جائز ہے پھر تین چار ابواب کے بعد کلام فی الصلوٰۃ کے نسخ کا باب باندھا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان تمام ابواب کا حکم شروع میں تھا اب منسوخ ہے کلام فی الصلوٰۃ کی طرح صلوٰۃ فی الحال منسوخ ہے کہ مکہ میں خلع اللعاب ثابت تھا جو آخر الامرین ہے صلوٰۃ الفجر میں تمام سال قنوت بھی منسوخ ہے۔ تسمیۃ العاطس فی الصلوٰۃ بھی منسوخ ہے پھر نسخ کلام میں زید بن ارقم کی حدیث لائے یہ اشارہ ہے کہ یہ مدینہ منورہ میں منسوخ ہوا ہے یہ اشارہ ایک تو اس سے ملتا ہے کہ زید بن ارقم

(2) تحفۃ الاحوذی ص ۳۳۹ ج ۲ (3) کمانی روایہ معتمد عبدالرزاق ص ۳۳۱ ج ۲ رقم حدیث ۳۵۷۵ ولفظ اذا عطست وانت

تصلی فاحمر فی نفسک (4) صحیح مسلم ص ۲۰۳ ج ۱

مدنی ہیں اور مکہ مکرمہ جانا ان کا ثابت نہیں یعنی قبل الحجرة اور احد کے غزوہ میں ان کو چھوٹا سمجھ کر شمولیت کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ دوسری بات یہ ہے کہ 'وقوموا للہ قاصین' مدنی آیت ہے لہذا نسخ کلام مدینہ میں ہوا ہے نہ کہ مکہ میں کا قال الشافعی۔

باب ماجاء فی الصلوٰۃ عند التوبۃ

رجال:-

عثمان بن المغیرۃ ثقہ ہیں۔ علی بن ربیعہ ثقہ ہیں۔ اسماء بن احکم کی عجمی نے توشیح کی ہے حافظ نے صدوق کہا ہے۔ ترمذی میں ان سے فقط یہی ایک روایت ہے۔ ☆

تشریح:-

حضرت علی سے روایت ہے کہ جب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنتا تو اللہ کو جتنا نفع منظور ہوتا تو اس حدیث سے مجھے اتنا نفع بخش دیتے مقصد یہ ہے کہ میں اس پر عمل کرتا اور جب کوئی صحابی روایت مجھے بیان کرتا تو میں اسے قسم دیتا (اور وجہ یہ نہیں تھی کہ میں اس کو چھوٹا سمجھتا بلکہ مزید اطمینان کے لئے تھا کیونکہ خبر واحد میں قوت آ سکتی ہے لہذا بعد از قسم مجھے مکمل اطمینان ہوتا) اور ابو بکر نے حدیث بیان کی تو صدق ابو بکر یعنی وہ صدیق ہے بغیر حلف کے مجھے اطمینان حاصل ہوا۔ دوسرا مقصد یہ ہو سکتا ہے کہ چونکہ ابو بکر صدیق روایت بالمعنی کے قائل نہیں تھے جبکہ اکثر صحابہ روایت بالمعنی کرتے تھے تو علی کا اکثر صحابہ کو قسم دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے جو کچھ سنا ہے کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہی تھا؟ ابو بکر صدیق چونکہ روایت باللفظ کرتے تھے تو مقصد کی تبدیلی کا احتمال نہیں تھا تو قسم کی ضرورت نہیں کوئی بندہ ایسا نہیں جو گناہ کرے پھر کھڑے ہو کر طہارت حاصل کرے پھر نماز پڑھ کر اللہ سے مغفرت حاصل کرے مگر یہ کہ اللہ اس کی بخشش کر دیتا ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی "والذین اذا فعلوا فاحشۃ لا یستہادوا کا مقصد یہ ہے کہ مذکورہ شخص اس آیت کا مصداق ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عند التوبہ نماز پڑھنا شروع ہے امام ترمذی نے مستقل باب اس کے لئے باندھا تو بقول گفتو ہی اس سے وہم

بدعت کو نفی کرنا مراد ہے کہ کوئی اس کو بدعت نہ سمجھے۔ کوکب الدری کے غشی نے لکھا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ اس باب سے اس نماز کا استحباب ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

استغفار ماضی کے گناہوں پر ہوتا ہے جبکہ توبہ ماضیہ حالہ اور استقبال تمام گناہوں سے دستبردار ہونے اور نہ کرنے کے عزم کا نام ہے اسی لئے استغفار دوسرے کے لئے صحیح ہے نہ کہ توبہ۔ پھر توبہ میں ایک شرط یہ ہے کہ جو گناہ آدمی سے سرزد ہوا اس پر پوری طرح ندامت کا اظہار ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ان گناہوں کی معافی کا طلبکار ہو۔ تیسری شرط اس گناہ سے فوراً دستبردار ہو اور آئندہ کے لئے یہ عزم ہو کہ میں یہ گناہ پھر نہیں کروں گا۔ اور اگر وہ کسی کا حق ہے تو چوتھی شرط یہ ہے کہ اس حق کا تدارک کیا جائے چاہے وہ حقوق اللہ ہو یا حقوق العباد مثلاً نماز نہیں پڑھی تو قضاء پڑھ لے یا مال ضائع کیا ہے تو مال دے اگر تکلیف پہنچائی ہے تو بدلے کے لئے اپنے آپ کو پیش کرے یا اس سے معافی طلب کرے۔

پھر اگر گناہ سری ہے تو سری توبہ کافی ہے اگر گناہ جہری ہے تو جہری توبہ ضروری ہے مثلاً برسر منبر غلط فتویٰ دیا تو اس طرح توبہ کا اعلان کرنا چاہئے صلوٰۃ توبہ میں کوئی سورت متعین نہیں۔

باب ماجاء متی يؤمر الصبی بالصلوة

رجال:-

حرمہ کی ابن حبان نے توثیق کی ہے۔ عمہ عبدالملک ان کی علی نے توثیق کی ہے مگر ابن معین نے تضعیف کی ہے ابن قفطان کہتے ہیں کہ اگرچہ مسلم نے ان سے روایت لی ہے مگر یہ صحیح نہیں ہیں یعنی حرمہ اپنے چچا عبدالملک بن الربیع سے روایت کرتے ہیں۔

عن ابیہ یہ ضمیر "عم" عبدالملک کی طرف عائد ہے جن کا اب ربیع بن بسرہ ہے یعنی عبدالملک ربیع سے روایت کرتے ہیں "ربیع" ثقہ ہیں۔

عن جدہ اسی جد عبدالملک جو کہ بسرہ ہیں یہ لفظ فتح السنین و سکون الباء ہے یہ صحابی ہیں ان کے غزوات

میں سب سے پہلے خندق ہے ان کے والد کے نام میں اختلاف ہے دینہ الترمذی۔
تشریح:-

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بچے کو نماز کی تعلیم دو جب وہ سات سال کا ہو جائے اور جب دس سال کا ہو جائے تو نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے اس کو مارو سات سال زیادہ سے زیادہ مقدار ہے کہ چھ سال کا بچہ بھی نماز پڑھ سکتا ہے اگر بچے کا مال ہے تو اس کی تعلیم میں اسی کے مال میں سے معلم کو دیا جائے گا ورنہ اس کا ولی ذمہ دار ہوگا کہ وہ اس کی تعلیم پر خرچ کرے مراد تعلیم صلوٰۃ سے تعلیم ارکان و شرائط وغیرہ ہے۔

پھر سات و دس سال سے ظاہر یہ ہے کہ سات سال جب پورے ہو جائیں آنھویں میں داخل ہوں سال پورے ہو کر گیارہویں میں داخل ہو اس پر یہ حکم نافذ ہوگا پھر ضرب بالکسبہ نہیں بلکہ ہاتھ سے مارنا مراد ہے اور یہ ضرب تادیب و احتیاد بالصلوٰۃ ہے مقصد تکلیف دینا نہیں اس سے ثابت ہوا کہ تادیباً مارنا ناجائز ہے جس طرح ترک معروف پر مارا جاسکتا ہے تو فعل مکرر بھی مارا جاسکتا ہے۔ فقہاء نے تین تھپڑ لکھے ہیں وہ بھی ایسے کہ چہرے سے اجتناب کرے اساتذہ کے لئے بھی یہی حکم ہے کہ تین ضربات سے زیادہ مارنا صحیح نہیں۔ روزے کا بھی یہی حکم ہے کہ گیارہ سال میں اس کو عادت بنادینی چاہیے۔ اسی طرح مضایع بھی اس عمر میں الگ کر دیئے جائیں۔ امام احمد و اسحاق اس حدیث کے ظاہر کے مطابق دس سال کے بچے پر نماز کے وجوب کا قول کرتے ہیں اگر نہیں پڑھی تو اعادہ کرے گا۔

جمہور کے نزدیک یہ حکم محض احتیاد کے لئے ہے کہ سات سال میں سمجھانے سے دس سال تک اس کو عادت پڑ چکی ہوگی اگر پھر بھی وہ سستی کرے تو مارا جائے تاکہ بلوغ تک عادت پڑ جائے۔ (۱)
نماز بعد از بلوغ فرض ہوگی کما فی الحدیث رفع القلم عن ثلاثة صبی حتی اذا احتلم (۲) اگر انزال یا ارجال نہ ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سترہ سال اور صاحبین و امام شافعی وغیرہ کے نزدیک پندرہ سال حد

باب ماجاء من یؤمر الصبی بالصلوٰۃ

(۱) اس کی تائید ابوداؤد کی روایت سے ہوتی ہے دیکھئے ص: ۷۷۷ ج: ۱ "باب من یؤمر الصبی بالصلوٰۃ"

(۲) ردوالمالحکم فی المسح رک ص: ۵۹ ج: ۲ "الر من یؤمر بالصلوٰۃ"

بلوغ ہے یہی مفتی ہے۔ (3)

دوسرا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ گیارہ سال میں بلوغ کا امکان ہے تو اس کو پابند کیا جائے۔

باب ماجاء فی الرجل یحدث بعد التشہد

رجال:-

احمد بن محمد الملقب بمرودیہ ثقہ و حافظ ہیں۔ عبد الرحمن بن زیاد الافرقی ضعیف ہیں کما قالہ الترمذی۔
عبد الرحمن بن رافع یہ بھی قاضی افریقہ ہیں اور ضعیف ہیں عند الکثر تاہم ابن حبان فرماتے ہیں کہ ان کی حدیثیں ابن النعم یعنی پہلے والے عبد الرحمن افرقی کی وجہ سے منکیر بن گئی ہیں۔ بکر بن سوادہ ثقہ ہیں۔
عبد اللہ بن عمرو مکثر بن صحابہ میں سے ہیں ان کا تذکرہ مقدمہ میں اجمالاً گذرا ہے۔

تشریح:-

حضرت عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی کا وضو ٹوٹ جائے اور بقدر تشہد بیٹھ چکا ہو تو اس کی نماز صحیح ہوئی۔ المعنی
امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر سہو وضو ٹوٹے اور بقدر تشہد جلوس کر چکا ہو تو بھی اس پر واجب ہے کہ وضو کر کے سابقہ نماز پر بناء کرے یا اعادہ کرے کما مر فی اول الکتاب لیکن اگر وہ جان بوجھ کر بے وضو ہوتا ہے تو اس کی نماز واجب الاعادہ ہوگی اور یہ جو مشہور ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خروج یمنع المصلی فرض ہے لہذا اگر قصد اقل از سلام بے وضو ہو جائے تو نماز ہوگئی اس کا مطلب یہ ہے کہ فرض ساقط ہوگا کوئی فرض رکن باقی نہیں نماز واجب الاعادہ رہے گی جو عملی فرض ہے۔ دوسری صورت میں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کی نماز نہیں ہوگی۔

یہ اختلاف ایک دوسرے اختلاف پر مبنی ہے کہ سلام فی الصلوٰۃ فرض یا واجب؟ کما مر سابقاً بالتفصیل

حنفیہ کے نزدیک چونکہ واجب ہے تو ترک الواجب سے نماز واجب الا عاده تو رہے گی مگر فرض ذمہ سے ساقط ہوگا عدم اعادہ پر مرکب کبیرہ ہوگا۔ باب کی حدیث امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے کہ جو آدمی بقدر تشہد بیٹھ چکا ہو پھر توڑ دے تو جائز صلوٰۃ اس طرح اگر صبح کے وقت مصلیٰ پر سجدہ ہو واجب ہو قبل از سجدہ سورج طلوع ہوا تو نماز کامل ہوئی اور اعادہ کی ضرورت بھی نہیں۔ معارف بحوالہ فتح بحر اور درمختار (1)

باب کی حدیث پر ترمذی نے کہا ہے کہ اس میں افریقی ہے جو بقول امام احمد بن حنبل و یحییٰ بن معین کے ضعیف ہے لہذا حنفیہ کا استدلال درست نہیں۔

جواب:۔ اولاً یہ ہے کہ افریقی کا ضعف اختلافی ہے ان کا تقویٰ دیانت قابل اعتماد ہے حافظہ میں ضعف تھا۔

جواب ۲:۔ اس کے متابع موجود ہیں طحاوی (2) دارقطنی (3) مصنف ابن ابی شیبہ (4) بیہقی (5) بلکہ خود امام شافعیؒ نے حضرت علیؓ کے اثر کی تخریج کی ہے اذ ارفع راسہ من آخر سجدۃ فقد تمت صلوٰۃ۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ جب بقدر تشہد بیٹھ چکا ہو۔ بنوری صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ ظن صحیح ہے کہ بیہقی و دارقطنی میں قدر تشہد کی تصریح ہے۔

تائید ۲:۔ حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث ابو داؤد (6) میں ہے ترمذی نے بھی تعلیقاً نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت تعلیم تشہد فرمایا اذا قلت هذا فوضبت هذا فقد قضيت صلوٰۃ۔

تائید ۳:۔ روایت ابن عباسؓ علیہ (7) میں ہے زیلعی (8) نے حسن بصریؒ ابن مسیبؒ عطاء اور ابراہیم نخعیؒ سے اس معنی کے آثار نقل کئے ہیں اس سے دو باتیں معلوم ہوتیں۔

باب ما جاء في الرجل يحدث بعد التشهد

- (1) معارف السنن ص ۳۳ ج ۴ (2) شرح معانی الآثار ص ۱۹۳ ج ۱ "باب السلام في الصلوٰۃ بل يومن فروضها او سنها"
- (3) دارقطنی ص ۳۶۸ ج ۱ رقم حدیث ۱۳۰۷ عن عبد اللہ بن عمرؓ (4) مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۹۵ ج ۲ "في الذي يسقني او عرف في الصلوٰۃ" (5) بیہقی کبریٰ ص ۷۳ ج ۲ "باب تحلیل الصلوٰۃ بالتسليم" (6) ص ۱۳۶ ج ۱ "باب التشهد"
- (7) بحوالہ معارف السنن ص ۳۵ ج ۴ (8) نصب الراية للربيع ص ۶۰ ج ۲ "باب الحديث في الصلوٰۃ"

ایک یہ کہ حنفیہ کا استدلال فقط روایت افریقی سے نہیں بلکہ دیگر روایات بھی ہیں۔ دوسرا یہ کہ امام ابوحنیفہؒ اس میں تنہا بھی نہیں۔

باب ماجاء اذا كان المطر فالصلوة في الرحال

رجال:-

زہیر بن معاویہ ثقہ ہیں ابواصلح کی احادیث کے بارے میں ان کی حیثیت پر کلام پہلے (باب فی الاستنجاء بالبحرین میں) تفصیلاً گزرا ہے۔ فلیجز کراولیراجع ☆

تشریح:-

حضرت جابرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر میں تھے بارش ہوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اپنے خیمے میں نماز پڑھنا چاہے تو پڑھ لے رحل کا اطلاق کجاوے پر ہوتا ہے مگر مراد یہاں مسکن ہے چونکہ سفر کا واقعہ ہے تو مراد رحل سے خیمے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ بارش بھی ان اعذار میں سے ہے جن کی وجہ سے ترک جماعت جائز ہے پھر کرمائی فرماتے ہیں کہ علت مشقت ہے لہذا ٹھنڈک ہو یا تیز ہوا چل رہی ہو پھر بھی آدمی معذور سمجھا جائے گا۔

پھر اس میں کلام ہوا ہے کہ بارش کی کیا حد ہے؟ ایک روایت (۱) میں ہے اذا كان مطر واطل فصلوا الخ مگر اس کی سند ضعیف ہے اس لئے رائے محتلی یہ کہ اعتبار ہے مثلاً سڑک صحیح ہے تو زیادہ بارش بھی مانع نہیں اگر مٹی وغیرہ ہے تو معمولی بارش بھی مانع ہے۔ البتہ متعدد روایات سے یہ مضمون ثابت ہے اذا ابتلست

باب ماجاء اذا كان المطر فالصلوة في الرحال

(۱) ردوالمالح فی المستدرک ص: ۱۹۳ ج: ۱ "الصلوة في الرحال يوم الجمعة"

النعال فالصلوة فی الرحال (2) لیکن چونکہ مدینہ منورہ کی مسجد کی چھت پختہ نہ تھی اور فرش بھی پختہ نہیں تھا تو تھوڑی سی بارش بھی مانع ہوتی تھی لہذا آج کل کی مساجد کو اس پر قیاس کرنا صحیح نہیں اس وجہ سے امام محمد نے لکھا ہے کہ یہ رخصت ہے افضل یہی ہے کہ جماعت میں شامل ہو جائے کہ ان کے زمانے تک چھتوں کا انتظام ہو گیا تھا فقط راستے کا مسئلہ تھا آج تو یہ بھی نہیں لہذا آج کل نسبتاً جماعت زیادہ مؤکد ہے لہذا بارش کے باوجود آنے والے کو زیادہ ثواب ملے گا۔

باب ماجاء فی التسبیح فی ادبار الصلوٰۃ

ابن عباس سے روایت ہے کہ فقراء صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے فرمانے لگے یا رسول اللہ مالدار لوگ بھی نماز پڑھتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں مگر چونکہ ان کے پاس اموال بھی ہیں تو صدقات اداء کرتے ہیں غلام آزاد کرتے ہیں تو وہ ہم سے سبقت لے جاتے ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمد للہ ۳۳ مرتبہ لا الہ الا اللہ ہر نماز کے بعد کہو تو تم سبقت پا لو گے اور بعد والے لوگ تم پر سبقت حاصل نہیں کر سکیں گے۔

اعتراض:- یہ امور اہل ہیں اور جہاد وغیرہ مشقت کے امور ہیں تو آسان عمل مشقت طلب افعال پر کس طرح فائق ہو سکتا ہے؟

جواب:- یہ ہے کہ کبھی زیادہ اخلاص کی وجہ سے آسان عمل پر مشقت والے عمل سے زیادہ ثواب ملتا ہے نیز فقیر چونکہ کافی نعم سے محروم ہوتا ہے تو اس کا الحمد للہ کہنا شکر بھی ہے صبر بھی اور غنی کا الحمد للہ کہنا شکر ہے صبر نہیں لہذا فقیر کو زیادہ ثواب ملے گا۔ پھر تسبیحات کے بارے میں متعدد روایات ہیں بقول حافظ عراقی یہ تمام

(2) اس حدیث کے بارے میں علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث نہیں ملی۔ تلخیص الخیر ص ۸۰ ج ۲ تحت رفع ۵۶۵ البتہ مضمون حدیث کے لئے رجوع فرمائیے ابن ماجہ ص ۶۷ "باب الجمانۃ فی اللیلۃ المظلمۃ" اس کے علاوہ اس مضمون کی حدیث بخاری کی تاریخ کبیر اور دارقطنی اور مسند احمد اور ابوداؤد صحیح ابن خزییمہ بطرائق اور صحیح ابن حبان مستدرک حاکم مصنف عبدالرزاق وغیرہ میں بھی ہے۔ بحوالہ حاشیہ تلخیص الخیر ص ۸۰ ج ۲ مکتبہ بیروت

طریقے جائز ہیں بہتر وہ ہے جس میں ازکار زیادہ ہوں۔

پھر اگر اس محدود درجے سے تجاوز کیا تو عند بعض چونکہ اس میں حکمت ہوگی تو اضافہ نہیں کرنا چاہیے لہذا اضافے کی صورت میں اگرچہ نفس تحمید کا ثواب تو ملے گا مگر وہ ثواب نہیں ملے گا جو اس کے ساتھ مخصوص تھا۔ عند بعض جب اس مقدار سے ثواب حاصل کیا تو زیادتی سے اثر نہیں پڑنا چاہیے۔

پھر ابن تیمیہ و ابن قیم نے اس پر زور لگایا ہے کہ درالشی جزء من الشی ہوتا ہے جیسے درالدابہ جزء دابہ ہے لہذا جو ادعیہ ماثورہ ہیں یا تسبیحات ہیں ان کو سلام سے پہلے پورا کرنا چاہیے۔ ابن قیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ جو ادعیہ ماثورہ ہیں تو سلام سے پہلے مانگے اگر بعد میں مانگنا چاہے تو وہ درو تسبیحات پڑھ لے پھر دعا کرے تو وہ دعا درو تسبیحات ہوگی نہ کہ درو صلوٰۃ۔

فقہائے حنفیہ میں سے بعض نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ جن نمازوں کے بعد سنن ہیں تو تسبیحات بعد از سنن ہونی چاہیے بعض فرق کرتے ہیں کہ امام کے لئے بقدر اللہ انت السلام الخ بیٹھنا چاہئے زیادہ مکروہ ہے البتہ مقتدی کو اختیار ہے چاہے فوراً کھڑا نہ ہو اور یہ تسبیحات پڑھ کر پھر سنن پڑھے یا چاہے تو امام کی طرح جلدی کھڑا ہو۔ مگر عام فقہاء امام و مقتدی میں فرق مذکور کے قائل نہیں ہیں۔ اور جن نمازوں کے بعد سنن نہیں مثل فجر و عصر تو اس میں دونوں برابر ہیں البتہ امام کے لئے زیادہ دیر تک رو بہ قبلہ بیٹھنا مکروہ ہے۔

باب ماجاء فی الصلوٰۃ علی الدابة فی الطین والمطر

رجال:-

عمر بن الرماح مشکلم فیہ ہیں۔ عمرو بن عثمان مستور ہیں۔ عن ابیہ یعنی عثمان بن علی یہ بھی مجہول ہیں۔

عن جدہ مراد علی بن مرہ ہیں جو صحابی ہیں حدیبیہ بعد ہا کے غزوات میں حاضر رہے۔ ☆

تشریح:-

حضرت عمرو بن عثمان اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو ہم ایک تنگ جگہ میں پہنچے (وادی) پھر اوپر سے بارش ہوئی نیچے کچھڑ بن گئی آپ نے اذان دی سواری پر اور اقامت کی سواری پر نماز پڑھائی رکوع و سجود دونوں اشارے سے کئے البتہ سجدہ رکوع سے انقباض تھا۔

یہاں ایک مسئلہ یہ ہے کہ سواری پر نماز کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ دوسرا یہ کہ الگ الگ سواریوں پر جماعت ہو سکتی ہے کہ نہیں؟

پہلا مسئلہ تفصیلاً گزر چکا ہے۔ دوسرے مسئلے میں بین الفقہاء اختلاف ہے امام ابو حنیفہؒ و ابو یوسف کے نزدیک الگ الگ سواریوں پر جماعت جائز نہیں بلکہ اگر نماز کی فوتگی کا اندیشہ ہو اور نیچے اترنے کی گنجائش نہ ہو کہ دشمن کا خطرہ ہو یا زمین نجس ہے یا کچھڑ ہے تو انفرادی نماز ہوگی نہ کہ جماعت سے۔

البتہ اگر دو آدمی ایک سواری پر ہیں تو جماعت ہو سکتی ہے تاہم کچھڑ کی صورت میں اگر آدمی کے پاس دابہ نہ ہو تو کھڑے کھڑے نماز پڑھ لے کہ کم از کم قیام تو حاصل کریگا البتہ کچھڑ کی اتنی مقدار اس عذر کے لئے ضروری ہے کہ جس میں عند السجدہ چہرہ رکھنے سے گھس جاتا ہو۔

ائمہ ثلاثہ و امام محمد کے نزدیک جماعت جائز ہے کہ امام کی سواری آگے ہو اور مقتدی پیچھے ہوں۔

تخفین کا استدلال آیت قرآن (۱) سے ہے "وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ"۔ "فان خفتم فرجائنا"۔ یعنی جماعت کے لئے صفوف باندھنا ضروری ہے اگر صفوف کا انتظام نہ ہو سکے تو فرجالا یعنی فرادی نماز پڑھے۔ اور سوار یوں پر اتصال صفوف نہیں رہتا لہذا جماعت جائز نہ ہوگی۔

ائمہ ثلاثہ و امام خجد کا استدلال باب کی روایت سے ہے لیکن جواب یہ ہے کہ اس میں دو راوی ہیں ایک عمر بن رماح یہ مشکلم فیہ ہے ایک عمرو بن عثمان بن بعلی یہ مجہول ہے لہذا روایت قابل استدلال نہیں۔

جواب ۲:- اگر صحیح مان لیں تو یہ جماعت پر دلالت نہیں کرتی البتہ نماز انفرادی ہوئی مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مقدم ہوئے کہ ایب کرنا افضل ہے۔ مثلاً فتح القدیر میں ہے کہ اگر ایک آدمی تلاوت آیت سجدہ کرے اور باقی سن لیں تو قاری آگے کھڑا ہو جائے اگرچہ جماعت نہیں ہوگی حتیٰ کہ حدیث قاری سے سامعین کے سجدے پر اثر نہیں پڑھے گا۔ شاہ صاحب نے مثالیں ذکر کیں ہیں کہ انفرادی نماز کے باوجود کبھی راوی صلی بنا سے تعبیر کرتا ہے گویا نفس شمولیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو امامت سے تعبیر کرتا ہے۔ مثلاً مصنف ابن ابی شیبہ (۲) میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے اپنے اپنے خیمے میں نماز ادا کی مگر راوی یصلی بنا کہتا ہے۔ مسلم (۳) میں ہے کہ جبک سے واپسی پر صبح کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم قضاے حاجت کے لئے گئے مغیرہ بن شعبہ ساتھ تھے دیر کرنے پر عبدالرحمن بن عوف نے نماز پڑھائی نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسبوق تھے راوی یصلی بنا النبی سے تعبیر کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ باب کی روایت میں بھی راوی نے تعبیر کی ہے جماعت سے حقیقت میں جماعت نہیں ہوئی۔

جواب ۳:- مدنی نے دیا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب مقتدی کی نماز امام کے تابع نہیں تھی جیسا کہ مسبوق پہلے اپنی نماز مکمل کرتا پھر امام کے ساتھ شرکت کرتا مگر بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان دی اس لئے بعض کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کم از کم ایک دفعہ اذان دی ہے مگر صحیح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان نہیں دی اور

ترمذی کی روایت میں اختصار ہے۔ دارقطنی (4) میں ہے فامر المؤمن فاذا ن بعض میں فامر بلالاً فاذا ن لہذا
اکس یعنی ترمذی میں اختصار ہے یا یہ نسبت مجازی ہے جیسے بنی الامیر المدینہ۔

باب ماجاء فی الاجتهاد فی الصلوٰۃ

اس باب سے مقدم بعض اہل حدیث کی تردید ہے جو اجتہاد فی العبادت کو بدعت قرار دیتے ہیں مگر
معلوم ہوا کہ اجتہاد فی الصلوٰۃ صحیح ہے ہاں تعمق فی الدین صحیح نہیں ہے۔

مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ آپ نماز پڑھتے یہاں تک کہ پاؤں متورم ہو جاتے تو کہا گیا کہ آپ
اتنی محنت کرتے ہیں حالانکہ آپ کے اگلے پچھلے سارے ذنوب معاف کر دئے گئے ہیں تو فرمایا افلا اکون عبداً
شکوراً ہمزہ استفہام صدارت کلام کو مقتضی ہے اور فاء توسط کو مقتضی ہے قول زبیری کے مطابق عبارت
میں یوں تقدیر ہے الا ترک الصلوٰۃ فلا اکون عبداً شکوراً یعنی شرافت کا تقاضا تو یہ ہے کہ جب اللہ نے احسان کیا تو
میں شکر گزار بندہ بنوں فان الانسان عبد الاحسان سب سے زیادہ محسن اللہ ہے تو زیادہ عبودیت اسی کی ہونی چاہیے
گویا عبادت بطور شکر بھی ہوتی ہے۔ یہاں دو اعتراض وارد ہوتے ہیں۔

اعتراض ۱:- یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ آپ کے سارے ذنوب معاف کئے گئے ہیں
تو مغفرت ذنوب مقتضی ہے وجود ذنوب کو۔ شرح عقائد میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کذب سے بالاجماع معصوم
ہیں البتہ بعضوں نے قاضی باقلانی کی طرف منسوب کیا ہے کہ ان کے نزدیک انبیاء سے کذب سہواً صادر
ہو سکتا ہے۔ قاضی غیاث کہتے ہیں کہ باقلانی کا مطلب یہ ہے کہ جو کذب عدا ہے اس کا صدور انبیاء سے محال ہے
دلیل سماعی و عقلی اجماع اور معجزے کی وجہ سے کیونکہ اگر عدا جھوٹ صادر ہو تو ان کی بات پر یقین کون کریگا؟
اور سہواً کذب ممنوع ہے سمعاً عقلاً و اجماعاً دلیل معجزاتی کے بناء پر ممنوع نہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ صدور کذب انبیاء
سے محال ہے اس طرح صدور کفر بھی انبیاء سے قبل النبوة اور بعد النبوة نہیں ہو سکتا شیعہ (تقیہ) خوف کے وقت
کفر کے اظہار کے قائل ہیں دلیل یہ ہے کہ اگر وہ تقیہ اظہار کفر نہ کریں تو جان کو خطرہ ہوگا۔

جواب :- موسیٰ کو فرعون کے سامنے ابراہیم کو ضرور کے سامنے جان کا خطرہ تھا اس کے باوجود تہیۃ اظہار کفر نہیں کیا یہاں تک کہ بعض نے جان بھی دے دی۔

باقی گناہوں کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ گناہ یا صغائر ہونگے یا کبائر اسی طرح عہد ہونگے یا سہوا یا خطا اور قبل النبوة ہونگے یا بعد النبوة تو کل آئندہ احتمالات ہونگے ان میں صدور کبائر عہد بعد النبوة نہ ہونے پر اجماع ہے۔ حشو یہ جواز کی قائل ہے مگر وہ مضراجماع نہیں کہ شذوذہ قلیلہ ہے۔ دوسرے احتمالات میں شیعہ و معتزلہ کا مذہب واضح ہے کہ صدور صغائر و کبائر دونوں نہیں ہو سکتے۔

اہل سنت والجماعت کے اقوال مختلف ہیں لیکن شرح عقائد کے مقابلے میں شرح مقاصد و شرح مواقف میں نسبت زیادہ اچھا موقف ہے کہ عند الجمہور ہر قسم کے گناہ انبیاء سے صادر نہیں ہو سکتے۔ کذا قال بحر العلوم جن کے نزدیک انبیاء سے صغائر صادر ہو سکتے ہیں تو وہ ذنب سے مراد صغائر لیتے ہیں۔ مطلب یہ ہوگا کہ اگلے پچھلے سارے کے سارے صغائر معاف ہیں۔ جمہور کے نزدیک صغائر کا صدور بھی نہیں ہو سکتا تو ذنب سے مراد خلاف الاولیٰ ہے کہ یہ معاف ہیں۔

اعتراض :- خلاف اولیٰ تو جواز کا شعبہ ہے تو اس پر مواخذہ نہیں تو مغفرت چہ معنی دارد؟

جواب :- حسنات الابرار سینات المقرمین یعنی خلاف اولیٰ اگر چہ باعث عذاب نہیں مگر یہ اعلیٰ درجات تک لے جانے والے نہیں تو ان کی معافی کی ضرورت تھی۔

اعتراض ۲ :- لغزشیں تو تمام انبیاء کو معاف ہیں تو اس طرح عفو کا علم صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں دیا؟ باقی کو کیوں نہیں۔

جواب :- یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن شفاعت کرنے کے لئے منتخب کیا گیا ہے اور مقام محمود کے لئے چنا گیا ہے تو ان کو کہا گیا کہ یہ آپ کی جگہ ہے تو اس کے حصول کے لئے سخت محنت کی ضرورت تھی اس لئے آپ کو آگاہ کیا گیا تاکہ تیاری شروع کریں۔

بظاہر حدیث باب کا واقعہ اس وقت کا ہے جب سورہ منزل میں رات بھر یعنی اکثر لیل نماز کا حکم دیا گیا پھر ایک سال بعد اس کو منسوخ کر دیا گیا۔

باب ماجاء ان اول ما يحاسب به العبد يوم القيامة

الصلوة

رجال:-

حسن سے مراد بھری ہیں۔ حریث بن قبیصہ تقریب میں ہے کہ زیادہ مشہور قبیصہ بن حریث ہے یعنی بالعکس صدوق ہیں۔ ☆

تشریح:-

حریث بن قبیصہ کی روایت باب میں لائے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ فرائض کی تکمیل نوافل سے ہوگی مگر صورت کیا ہوگی اس میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ نوافل سے فرائض کا تدارک نہیں ہو سکتا لہذا اگر فرض نماز قضا ہو تو زندگی بھر کے نوافل اس کا کفارہ نہیں اس قول کے مطابق یہاں تکمیل سے مراد خشوع و خضوع کے نقصان کی تکمیل ہے۔ یعنی اگر فرائض میں کوئی کمی دکوتا ہی ہوئی ہے تو نوافل اس کا جبرہ ہونگے۔

دوسرا قول ابن العربی کا ہے کہ تکمیل فرائض یہ ہے کہ اگر نماز رہ گئی ہے اور وہ نہ پڑھ سکا ہو تو اسکی کمی کو نوافل سے پورا کیا جائے گا کہ سات سو نوافل ایک فرض کے بقدر ہونگے۔

تیسرا قول ابن عبد البر کا ہے کہ اگر فرض نماز سہوا چھوٹ گئی ہو یا آدمی سوتا رہا نماز قضا ہو گئی تو اس کی تکمیل نوافل سے ہو سکتی ہے مگر قصد اچھوڑنے کی صورت میں چونکہ یہ کبیرہ ہے تو نوافل کفارہ نہیں بن سکتے۔

اعتراف:- یہاں سے معلوم ہوا کہ پہلا حساب نماز کا ہوگا مگر بخاری (1) کی روایت میں ہے کہ دم و قصاص کا حساب ہوگا یہ تعارض ہے۔

جواب ۱:- کہ حساب و کتاب اولاً نماز کا ہوگا لیکن فیصلہ اولاً دماء کا ہوگا۔ اور نسائی میں (2) اس جواب کی طرف اشارہ ہے کہ اس میں نماز کے لئے لفظ حساب استعمال ہوا ہے اور دم کے لئے لفظ قضاء استعمال ہوا ہے۔

جواب ۲:- نماز کی روایت کا مطلب یہ ہے کہ حقوق اللہ میں اولاً نماز کا حساب ہوگا اور حقوق العباد میں اولاً حساب دماء کا ہوگا۔

باب ماجاء فیمن صلی فی یوم وليلة اثنتی عشرة رکعة من السنة ماله من الفضل

رجال:-

محمد بن رافع انیس پوری ثقہ ہیں۔ اسحاق بن سلیمان کو فی الاصل اور ثقہ ہیں۔
مغیرہ بن زیاد ہو کا قال الترمذی۔ عطاء سے مراد ابن ابی رباح ہیں "قال ابو حنیفہ مالفت افضل من عطاء" ابن سعد نے کہا "انتهت الیہ الفتوی بمکة" ابن عباس سے کسی نے مسئلہ پوچھا تو فرمانے لگے "یا اهل مکة تحتمعون علی و عندکم عطاء" ۱۱۳ھ میں وفات ہوئے۔

تشریح:-

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے روزانہ بارہ رکعت ستائین مداومت کے ساتھ پڑھیں اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا چار قبل الظہر دو بعد الظہر دو بعد مغرب کے دو بعد العشاء دو قبل الفجر بارہ ہو گئیں۔ ان کو سنن روایت کہتے ہیں صاحب سفر السعادت نے عصر کی سنت کو بھی روایت میں شمار کیا ہے۔ روایت من التوب بمعنی دوام وثبوت بمقابلہ حرکت کے آتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے اس نماز پر مداومت فرمائی ہے تو اس کو رواتب کہتے ہیں۔ سنت رواتب میں بہ نسبت سنن زوائد کے تاکید زیادہ ہوتی ہے۔ اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ دن میں بارہ رکعت سنت مؤکدہ ہیں البتہ امام مالکؒ کے نزدیک سنن مؤقت نہیں یعنی کوئی انضباط عدد مقرر نہیں تحدید نہیں۔

ایک جماعت جن میں ابن تیمیہ بھی ہیں ان کا کہنا ہے قبل از جمعہ سنن ثابت نہیں جمہور کے نزدیک سنن کی تعداد متعین ہے مگر اس میں اختلاف ہے کہ یہ تعداد کتنی ہے؟ تو امام شافعیؒ کے نزدیک کل دس رکعت ہیں جمہور کے نزدیک کل بارہ ہیں اس کی بنیاد اس پر ہے کہ قبل الظہر سنن کی تعداد امام شافعیؒ کے نزدیک دو ہے خفیہ اور جمہور کے نزدیک چار ہیں۔ امام ترمذی نے باب ماجاء فی الاربع قبل الظہر کا باب باندھا ہے۔ (ص ۹۶) پھر فرمایا۔

والعمل علیٰ ہذا عند اکثر اہل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ومن بعدهم وقال بعض اہل العلم صلوٰۃ اللیل والنہار مثنیٰ مثنیٰ یرون الفصل

بین کل رکعتین وبہ یقول الشافعی واحمد

امام شافعیؒ واحمدؒ سے ایک روایت چار کی ہے مگر دو تسلیحین کے ساتھ اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ظہر کی سنن قبلہ کے بارے میں دو طرح کی روایات ہیں حضرت عائشہؓ وغیرہ کی روایت میں چار کا ذکر ہے اور اس قسم کی روایات بہت زیادہ ہیں مثلاً اس باب کی اول حدیث عن عائشہؓ ہے اس میں قبل الظہر چار کا ذکر ہے۔

اس باب کی دوسری حدیث ام حبیبہؓ سے مروی ہے اس میں چار کی تصریح ہے اور اس کو ترمذی نے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ تیسری روایت عن علیؓ ہے جو ترمذی میں باب ماجاء فی الاربع قبل الظہر میں مروی ہے اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بتلایا ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی قبل الظہر اربعاً وبعدها رکعتین پھر ایک باب چھوڑ کر باب آخر (۹۷) میں عن عائشہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا لم یصل اربعاً قبل الظہر صلاہن بعدہا امام ترمذی نے اس کو حسن قرار دیا ہے اور اسی باب میں ام حبیبہؓ کی ایک اور حدیث ہے من صلی قبل الظہر اربعاً وبعدها اربعاً حرّمہ اللہ تعالیٰ علی النار اسی باب میں

عنہ ابن ابی سفیانؓ کی روایت ہے جو اسی مضمون کی ہے یہ تمام روایات قبل الظہر چار رکعات سنن پر ناطق ہیں۔ دوسری قسم کی روایت ابن عمرؓ سے مروی ہے جس سے دو رکعتوں کا ثبوت ملتا ہے جسے ترمذی نے باب ماجاء فی الرکعتین بعد الظہر میں روایت کیا ہے (۹۶) عن ابن عمر صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم رکعتین قبل الظہر ورکعتین بعدها۔

جمہور نے چار رکعت والی روایت کو ترجیح دی ہے۔ ایک وجہ یہ ہے کہ کثیر روایات اس پر ناطق ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مداومت چار پر فرمائی ہے دو بھی ثابت ہیں مگر چار رکعت والی روایات قوی بھی ہیں اور عملی بھی جبکہ دو کی روایت صرف عملی ہیں۔

ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ اکثر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل چار پر ہے اور اقل عمل دو کا ہے۔ علامہ عینی عمدة القاری میں فرماتے ہیں کہ چار اکثر سنت ہیں دو اقل ہیں اور اکثر میں ثواب زیادہ ہوتا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لمعات میں ایک وجہ تطبیق کی یوں بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں چار پڑھتے جس کا علم ازواج مطہرات کو تھا اور مسجد میں دو رکعت پڑھتے جس کا مشاہدہ ابن عمرؓ نے کیا پس یا تو تطبیق یوں ہوگی کہ روٹی کل بمرائے یا یوں ہوگی کہ جمہور اور عائشہؓ نے چار کو سنن قبلہ قرار دیا اور دو کو تحیۃ المسجد جبکہ ابن عمرؓ اور شافعی و احمد نے دو کو سنن قبلہ اور چار کو سنت زوال قرار دیا۔ کہ روایت میں ہے ان ابواب السماء تفتح فی هذه الساعة فاحب ان يصعدن فیها عمل اس میں یہ ہے کہ سنن الراوی یا رسول اللہ ایفصل بینہن بسلام فقال لا رواہ محمد فی مواطہ ص: ۱۶۳ "باب صلوة الطلوع بعد الفریضة" لہذا صراحة امام شافعی و احمد کی رائے کی نفی ہوئی جو دو مستحبتین کے قائل ہیں۔

اس میں کلام ہوا ہے کہ بارہ سنتوں میں زیادہ مؤکد کونسی سنتیں ہیں؟ ذکر المحشی ان فی الکفایۃ ثم ترتیب السنن ذکر الحلوانی اقوی السنن رکعتا الفجر ثم سنة المغرب ثم التي بعد الظہر فانها سنة منفق علیہا والتي قبلها مختلف فیہا ثم التي بعد العشاء ثم التي قبل الظہر ثم التي قبل العصر ثم التي قبل العشاء وزاد ذکر الحلوانی الافضل ان یودی کلہا فی البیت۔

باب ماجاء فی رکعتی الفجر من الفضل

رجال:-

صالح بن عبد اللہ زویل بغدادی ہے۔ زرارہ بن عضم الراء المعجمی ہے قاضی بصرہ اور ثقہ ہیں۔

مسعد بن هشام ثقہ استشهد بارض الهند۔

تشریح:-

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فجر کی دو رکعتیں دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں اگرچہ اس میں گنجائش ہے کہ مراد دو رکعت فرض فجر ہو مگر محدثین سنن لیتے ہیں پھر یہ خیریت اضافی نہیں کہ یہ بہتر ہیں وہ بہتر نہیں بلکہ بیان واقع کے لئے ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ مسجد و جہلیہ خیر من الدنیا و مافیہا۔ اور خیر من الدنیا سے مراد خیر من انفاقہا ہے یعنی اس کے خرچ کرنے سے یہ بہتر ہے اس سے ان لوگوں کا زعم باطل کرنا مراد ہے جو متاع دنیا میں بہتری سمجھتے ہیں اسی طرح اور روایت سے بھی سنن فجر کی فضیلت ثابت ہے ولو طرہتم الخلیل لا توہما حیوا (۱) یہی وجہ ہے کہ حسن بن زیاد کی روایت میں امام ابو حنیفہؒ سے اس کا وجوب منقول ہے کہا ہو منقول عن الحسن المصری یہی وجہ ہے کہ امام محمد سے انفرادی طور پر اس کی قضاء مروی ہے یعنی اگر ضیق وقت کی وجہ سے صرف فرض پڑھ لے تو بعد طلوع شمس سنت پڑھ لے۔ عرف الشذی میں شیخین سے بھی ایک روایت اس کے مطابق نقل کی گئی ہے اور فرضوں کے ساتھ قضاء ہو جائے تو عند الاحناف اتفاق ہے کہ قبل الزوال مع الفرض اس کی قضاء ہوگی۔

قال الشاہ یہ جو مشہور ہے کہ سنتوں کی قضاء نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خروج وقت کے بعد وہ تاکید

باب ماجاء فی رکعتی الفجر من الفضل

(۱) رواہ ابوداؤد ص: ۱۸۲ ج: ۱ 'باب فی تکفیلہما' فجر کی دو رکعت سنت کی اہمیت کے لئے احادیث دیکھئے صحیح مسلم ص: ۲۵۰ و ۲۵۱

ج: ۱۱ ایضاً نسائی ص: ۲۵۴ ج: ۱

نہیں رہتی نفس قضاء تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جیسے کہ روایت عائشہ سے ثابت ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا لم یصل اربعاً قبل الظهر صلاہن بعدہا (۹۷ باب آخر) عنایہ اور در مختار میں ہے کہ قضاء الفرض فرض وقضاء الواجب واجب وقضاء السنن سنن البتہ طلوع شمس سے پہلے اور فرض کے درمیان قضاء نہیں۔ کما یجی انشاء اللہ

باب ماجاء فی تخفیف رکعتی الفجر والقراءۃ فیہما

رجال:-

ابوعمار کا نام حسین بن حریت ہے ثقہ ہیں۔ ابواحمد کا تعارف امام ترمذی نے کر لیا ہے تاہم ثوری کی روایات میں ان سے غلطی ہوتی تھی۔ سفیان سے مراد ثوری ہیں۔ ☆

تشریح:-

ابن عمر سے روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی ایک مینے تک مگرانی کرتا رہا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر کے فرض سے پہلے دو رکعتوں میں قل یا ایہا الکافرون اور قل ہو اللہ احد پڑھتے تھے۔ معلوم ہوا کہ دو سنن فجر میں تخفیف قراءت ہوگی اور ان دو سنتوں میں یہ دو سورتیں مسنون ہیں البتہ بحر الرائق میں ہے کہ جن نمازوں میں مخصوص سورتیں مسنون ہوں اکثر وہ پڑھنی چاہئے مگر کبھی تہدیلی بھی کرنی چاہئے تاکہ دیگر سور سے اعراض کی شکل نہ بنے۔ اس روایت میں رو علی مالک ہے جو فجر کی سنن میں ضم سورت کے قائل نہیں۔

دلیل حدیث عائشہ ہے کہ اتنی جلدی نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دو رکعتیں پڑھتے کہ مجھے پتہ نہیں چلتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں فاتحہ پڑھی ہے یا نہیں۔ (۱) متفق علیہ

باب ماجاء فی تخفیف رکعتی الفجر والقراءۃ فیہما

(۱) رواہ البخاری ص: ۱۵۶ ج: ۱ "باب ما یقرأ فی رکعتی الفجر" ایضاً صحیح مسلم ص: ۲۵۰ ج: ۱ "باب استحباب رکعتی سنن الفجر والحدیث علیہما الخ"

جواب :- یہ ہے کہ عائشہ کا شک اس کو مستلزم نہیں کہ اس میں ضم سورت نہ ہو ہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ قراءت مختصر ہوتی خصوصاً جبکہ صریح روایت میں ضم سورت ثابت بھی ہے۔ خود عائشہ سے ابن ماجہ (2) میں ان دوسورتوں کا فجر کی سنتوں میں صراحۃً ذکر آیا ہے۔

صاحب تحفہ نے حنفیہ پر ایک اعتراض کیا ہے کہ ان کے ہاں فجر کی سنتوں میں تطویل قراءت مستحب ہے جو صریح روایات کے خلاف ہے اور استحباب کی روایت امام طحاوی نے (3) امام ابو حنیفہ سے نقل کی ہے و نقل رواية حسن بن زياد قال ابو حنيفة ربما قراءت في ركعتي الفجر جزئين من القرآن۔

جواب :- شاہ ولی اللہ نے دیا ہے کہ یہ استحباب مطلقاً نہیں بلکہ اس کے لئے ہے جو تہجد کا عادی ہو اور کسی دن تہجد کا موقع نہ ملے تو اس کی لئے تطویل قراءت کی گنجائش ہے۔ تاکہ حزب پورا ہو اور اس طرح کی روایت حضرت عمر سے بھی ہے اور امام مالک سے بھی ہے کہ تہجد کی عدم ادائیگی کی صورت میں سنن فجر کے ساتھ اس کی قضاء پڑھ سکتا ہے اور رہا اس کی تائید ہوتی ہے کہ رہا بمعنی قلم ہے۔

سنن فجر میں تخفیف کی حکمت میں بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس میں تخفیف اس لئے ہے تاکہ فرض کے لئے جلدی فارغ ہو۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس میں تخفیف اس لئے ہے تاکہ یہ اول صلوٰۃ اللیل کے مشابہ ہو جائے چونکہ صلوٰۃ اللیل کے شروع میں رکعتین خفیفین مشروع ہیں تو صلوٰۃ النہار کی ابتدا بھی رکعتین خفیفین سے ہو تاکہ موافقت ہو۔ بعض فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ سنن فرائض کے لئے مکملات ہوتی ہیں تو اس میں اگر زیادہ وقت صرف ہوگا اور لمبی قراءت ہوگی تو اصل جو کہ فرائض ہیں اس میں نشانہ نہیں رہے گا۔

(2) ص: ۸۰، باب ماجاء فیما یقرأ فی رکعتین قبل الفجر

(3) شرح معانی الآثار ص: ۲۰۹ ج: ۱، باب القراءۃ فی رکعتی الفجر

باب ماجاء فی الکلام بعد رکعتی الفجر

رجال:-

عبداللہ بن ادریس الکوفی فقیہ عابد اور ثقہ ہیں۔ ابوالنضر کا نام سالم بن امیہ المدنی ہے ثقہ ہیں۔
نوٹ:- یہاں ترمذی میں شاید کتابت کی غلطی سے ابی کا لفظ رہ گیا ہے یہ نضر نہیں بلکہ ابی النضر ہے
کما عند ابی داؤد و باب الاضطجاع بعد ہا اس میں سالم ابی النضر کی تصریح ہے۔

ابی سلمہ ہو ابن عبدالرحمن۔

تشریح:-

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ قالت نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی دو رکعت سنت پڑھتے تو اگر مجھ سے بات کی ضرورت محسوس فرماتے تو کر لیتے ورنہ نماز کے لئے نکل جاتے۔ مسلم (1) میں روایت ہے۔

عن عائشة قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی رکعتی الفجر فان

کنت مستیقظة حدثنی والا اضطجع

فجر کی سنتوں کے بعد کلام کرنے کی حیثیت میں اختلاف ہے بعض فقہائے حنفیہ اسی طرح امام احمد والحق کی طرف منسوب ہے کہ اگر بعد سنن باتیں کہیں تو سنت باطل ہو جائے گی مگر مفتی بہ عند الحنفیہ عدم بطلان کا قول ہے۔ البتہ باتیں نہیں کرنی چاہیے کہ باتیں کرنا غیر مرضی بہ ہے۔ یہی جمہور کا مسلک ہے امام مالک سے بھی مدونہ نے نقل کیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ فرض سے پہلے سنن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ فرض کے لئے آدمی نشاط پیدا کرے لہذا سنتوں اور فرضوں کے درمیان وصل ہوتا ہے جس کے ٹوٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے نیز سنن کے بعد وہ فرض کے انتظار میں ہے تو لایعنی باتیں نہیں کرنی چاہئے الا ما کان من ذکر اللہ و اما لا بد منہ۔

باب ماجاء فی الکلام بعد رکعتی الفجر

(1) صحیح مسلم ص: ۳۵۵ ج: ۱ "باب صلوٰۃ اللیل و عدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم"

قال ابن العربی کہ طلوع فجر کے بعد خاموش رہنا ماثور نہیں البتہ نماز کے بعد طلوع شمس تک خاموش رہنا چاہیے ان کا اشارہ روایت انس کی طرف ہے من صلی الفجر فی جماعة ثم قعد يذكر الله حتى تطلع الشمس ثم صلی رکعتین (2) تو اس کو پورے عمرے وحج کا ثواب ملے گا۔ البتہ عند البعض طلوع فجر کے بعد نماز تک باتیں کرنا مکروہ ہے۔ صحابہ میں عبد اللہ ابن مسعود اس کے قائل ہیں۔ طبرانی (3) کی معجم کبیر میں عبد اللہ بن مسعود کے بارے میں روایت ہے۔

عرج علی قوم ینحدثون بعد الفجر فنہاهم عن الحدیث وقال انما اجبتم

الصلوٰۃ فاما ان تصلوا واما ان تسکنوا

تابعین میں سے سعید بن جبیر، سعید بن المسیب، "عطاء بن ابی رباح" ابراہیم نخعی اور بقیہ ترمذی امام احمد و اسحاق کا بھی یہ مذہب ہے۔

باب ماجاء لا صلوٰۃ بعد طلوع الفجر الارکعتین

امام ترمذی نے جو اس حدیث کو قدامہ کی وجہ سے غریب کہا ہے تو یہ اپنے علم کے مطابق ورنہ تو طبرانی نے قدامہ کے سوا دوسرے طریق سے اس کی تخریج کی ہے۔ کمائیاتی ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فجر کے بعد دو بجدوں کے سوا کوئی نماز نہیں۔ بعد الفجر سے مراد بعد طلوع الفجر ہے کمائینہ ترمذی۔

امام ترمذی نے اجماع نقل کیا ہے کہ بعد از طلوع فجر سوائے سنت فجر کے دوسری نماز مکروہ ہے لیکن ابن حجر نے تخیض الخیر (1) میں تعجب کا اظہار کیا ہے کہ یہاں تو اختلاف روایت مشہور ہے تو امام ترمذی نے

(2) اخبرنا الترمذی عن: ج ۶: ۱۰۱ باب ما ذکر من استحباب الجلوس فی المسجد بعد صلوٰۃ الصبح

(3) معجم کبیر للطبرانی ص: ۲۸۵: ج ۹: رقم حدیث ۹۴۳۸

باب ماجاء لا صلوٰۃ بعد طلوع الفجر الارکعتین

(1) تخیض الخیر ص: ۲۸۳: ج ۱: تحت رقم حدیث ۲۷۷۷-خفی

کیسے اس کو اجتماعی مسئلہ قرار دیا کہ امام شافعی اس وقت میں نوافل پڑھنے کے مطلقاً قائل ہیں۔ حسن بصری فرماتے ہیں لا باس بہ امام مالک بھی اس شخص کے لئے اجازت دیتے ہیں کہ جو تہجد کا عادی ہو اور کسی رات کھڑا یا بٹھانا پڑھ سکے تو اس وقت پڑھ لے دلیل عمل عمر ہے کہ انہوں نے طلوع فجر کے بعد باقی حزب کو پورا کیا تھا۔

جمہور کے نزدیک اس وقت نماز مکروہ ہے چاہے تہجد کی نماز پڑھی ہو یا نہ پڑھی ہو دلیل روایت باب ہے امام ترمذی نے اس کو قدامہ بن موسیٰ کا تفرّد قرار دیا ہے لیکن جواب یہ ہے کہ یہ روایت کم از کم حسن کے درجے میں ہے کہ زیلعی نے نصب الراية (2) میں اس کی تین طریق سے تخریج کی ہے لہذا روایت قابل حجت ہے امام شافعی جو جواز نوافل کے قائل ہیں استدلال عمرو بن عمنسہ کی روایت سے کرتے ہیں جو ابو داؤد (3) و نسائی (4) میں ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔

ای اللیل اسمع قال حوف اللیل الآخر فصل ما شئت فان الصلوٰۃ مشہودۃ

مکتوبۃ حتی تصلی الصبح

جواب :- بنوری صاحب نے معارف (5) میں دیا ہے کہ یہ روایت مسند احمد (6) میں تفصیلاً مروی

ہے۔

وفیه ای الساعات افضل قال حوف اللیل الآخر ثم الصلوٰۃ المکتوبۃ مشہودۃ

حتى یطلع الفجر فلا صلاة الا الرکعتین حتی تصلی الفجر

معلوم ہوا کہ اجازت طلوع فجر سے پہلے کی ہے۔

(2) نصب الراية ص: ۳۲۹ ج: ۱ (3) سنن ابی داؤد ص: ۱۸۸ ج: ۱ "باب من رخص فیما اذا کانت الشمس مرتفعۃ"

(4) ص: ۹۸ ج: ۱ "باب اباحت الصلوٰۃ الی ان یصلی الصبح" (5) معارف السنن ص: ۲۷ ج: ۳

(6) مسند احمد ص: ۵۳ ج: ۶ رقم حدیث ۱۷۰۵

باب ماجاء فی الاضطجاع بعد رکعتی الفجر

رجال:-

بشر بن معاذ بکسر الباء صدوق ہیں۔ عبد الواحد بن زیاد ان میں کچھ لین ہے۔ کما سیاتی ☆

تشریح:-

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو فجر کی دو سٹخین پڑھ لے تو وہ دائیں کروٹ پر لیٹ جائے اس سے ایک حکم یہ معلوم ہوا کہ صبح کے سنتوں کے بعد اضطجاع ہونا چاہئے دوسرا یہ کہ اضطجاع شق الیمن پر ہو۔

اس اضطجاع کی حیثیت میں بین الصحابہ ائمہ اور فقہاء میں اختلاف ہے معارف السنن میں نواقوال مروی ہیں۔

قول ۱:- اضطجاع سنت ہے وہ قال الشافعی واتباعہ ائمہ امام شافعی سے دوسرا قول یہ ہے کہ اضطجاع کا مقصد فصل کرنا ہے سنت و فرض کے درمیان چاہے وہ بالاضطجاع ہو یا بالحدیث ہو۔ مسلم (۱) کی روایت سے دوسرے قول کی تائید ہوتی ہے۔

عن عائشة كان النبي صلى الله عليه وسلم وفيه فان كنت مستيقظة حدثني

والاضطجع

معلوم ہوا کہ اصل مقصد فصل ہے۔

قول ۲:- اضطجاع مستحب ہے یہ قول ابو موسیٰ اشعری ابو ہریرہ رافع بن خدیج اور حضرت انس کا ہے فقہاء سبعہ مدینہ و ابن سیرین کا یہی قول ہے۔

باب ماجاء فی الاضطجاع بعد رکعتی الفجر

(۱) ص: ۲۵۵ ج: ۱ "باب صلوٰۃ اللیل و عدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی اللیل الخ"

قول ۳:- اضطجاع واجب ہے بلکہ من شروط الصلوٰۃ ہے حتیٰ ان من لم یضطجع لا تصح فرضہ ابن حافظ عراقی نے اسکو باطل قرار دیا ہے کہ جب ایک نماز دوسری نماز کے لئے شرط نہیں تو یہ شرط کیوں ہے؟

قول ۴:- اضطجاع بدعت ہے یہ ابن مسعود و ابن عمر کا ہے ابن عمر سے دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اس کے لئے ہے کہ جو گھر میں سنتیں پڑھے مسجد میں نہیں اسود بن یزید سعید بن جبیر سعید بن مسیب اور ابراہیم نخعی بھی اس کے بدعت ہونے کے قائل ہیں۔

قول ۵:- خلاف اولیٰ ہے۔ ہو قول الحسن البصری۔

قول ۶:- یہ اس کے لئے ہے کہ جو رات کو تہجد پڑھتا ہو اور پھر تھوڑا سا برائے استراحت لیٹتا ہو تو قول ابن العربی امام ابو حنیفہ کا قول ابن العربی کے قول کے قریب ہے یعنی یہ اضطجاع برائے استراحت ہوتا تھا نہ کہ تہرج کے لئے تو یہ مباح ہے کہ استراحت مباح ہے البتہ اگر اس نیت سے لیٹ جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لیٹتے تھے تو ثواب ملے گا۔

جو حضرات اس کی سنیت یا استحباب کے قائل ہیں وہ استدلال کرتے ہیں باب کی روایت سے اس میں فیض امر ہے تو ابن حزم وغیرہ نے وجوب پر حمل کیا ہے مگر نے ندب پر حمل کیا۔

جواب:- یہ روایت جس میں امر کا صیغہ ہے یہ عبد الواحد بن زیاد کی ہے جو عن اعمش روایت کرتے ہیں اور روایت عبد الواحد عن اعمش مشکلم فیہا ہے تو استدلال درست نہیں ابن تیمیہ نے بھی اس پر عبد الواحد کے تفرّد کی وجہ سے طعن کیا ہے۔

جواب ۲:- تسلیم صحت کے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ عبد الواحد کی وجہ سے شاذ ہے۔ تدریب الراوی (۲) میں شاذ کی مثال میں یہ حدیث پیش کی گئی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ تمام روایات اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل قرار دیتے ہیں اور یہ قول نقل کرتے ہیں کما مر فی رواية المسلم فان كنت مستيقظة حدثني والا اضطجع۔

جواب ۳:- اکثر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اضطجاع بعد از صلوٰۃ اللیل ہوتا تھا کافی الموطا (3)

اور ترمذی میں ہے۔

باب مساجد فی وصف صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل (ص ۱۰۰) عن عائشة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی من اللیل احدی عشرة رکعة یوتر منها بواحدة فاذا فرغ منها اضطجع علی شقه الايمن قال ابو عیسٰی هذا حدیث حسن صحیح

اس سے ایک یہ معلوم ہوا کہ یہ عمل تھا نہ کہ قول دوسرا یہ کہ صلوٰۃ اللیل کے بعد اضطجاع ہوتا تھا نہ کہ سنت فجر کے بعد۔

جواب ۴:- اگر تسلیم کریں کہ بعد از سنت فجر ہے اور امر بھی صحیح ہے تو یہ شفقۃ علی الامت ہے کہ سارے لوگ تہجد پڑھتے تو تھکان ہوتا تو اضطجاع کا حکم فرمایا۔ مطلقاً کیسے امر ہو سکتا ہے کہ نوم نبی صلی اللہ علیہ وسلم ناقض نہیں اور نوم ناقض ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ یمن پر لیٹنے کی وجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی۔ حکمت یہ ہے کہ دل صوبہ کی شکل میں بائیں جانب ہوتا ہے تو دائیں پہلو پر لیٹ جائے تو دل معلق رہتا ہے تو نوم غالب نہیں ہوتی جو اس حالت کے زیادہ مناسب ہے تا کہ نوم غالب و ناقض نہ ہو بائیں جانب لیٹنے کی صورت میں دل معلق بھی نہیں رہتا اور خوں کا دباؤ دل پر پڑھ جاتا ہے نوم غالب ہو جاتی ہے۔

باب ماجاء اذا اقيمت الصلوة فلا صلوة الا المكتوبة

رجال:-

روح بن عبادۃ یفتح الرءاء وسكون الواو خطیب نے ان کی توثیق کی ہے۔
زکریا بن اسحاق قال ابن معین: یری القدر وثقنا بخاری ومسلم۔ ۵۱

تشریح:-

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب جماعت کھڑی ہو تو سوائے مکتوبہ فرض کے دوسری نماز نہیں ہوگی۔ بظاہر اگرچہ یہ لفظ فائیدہ کو بھی شامل ہے مگر مسند احمد (۱) وطحاوی (۲) میں اذا اقيمت الصلوة فلا صلوة الا التي اقيمت ہے یعنی وقتی نماز کے وقت دوسری کوئی نماز نہ ہوگی۔
اس پر اتفاق ہے کہ علاوہ از نماز فجر کسی بھی نماز کے دوران سنن و نوافل درست نہیں اس حدیث کی وجہ سے بعض اہل ظواہر کے نزدیک جماعت کے دوران نماز باطل ہوتی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک اقامت سے پہلے جس نماز کی نیت باندھی ہے تو کم از کم دو رکعت پڑھنا ضروری ہے نہ تو باطل کرے کہ قال تعالیٰ "ولا تبطلوا اعمالکم" نہ ایک رکعت پر اکتفاء کرے کہ نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن البتیراء لہذا اگرچہ اس کی نیت چار کی ہو مگر جماعت کے قیام کے بعد دو پڑھ لے اگر وہ تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوا ہو تو چوتھی رکعت کا ملنا ضروری ہے یعنی اگر تیسری رکعت میں جماعت شروع ہو جائے۔

فجر کے سنن کے بارے میں اختلاف ہے۔ تحتہ الاخوذی میں نوافل ہیں۔ معارف السنن میں پانچ اقوال مذکور ہیں۔

باب ماجاء اذا اقيمت الصلوة فلا صلوة الا المكتوبة

(۱) مسند احمد بحوالہ مجمع الزوائد ص: ۱۰۷ ج: ۳ رقم حدیث ۱۹۲۳

(۲) شرح معانی الآثار ص: ۲۵۳ ج: ۱ "باب ارجل یدخل المسجد امام فی صلوة الفجر الخ"

قول ۱:- جماعت کے دوران سنن مکروہ ہیں وہ قال الشافعی و احمد والحق۔

مجوزین کے چار اقوال ہیں۔ امام مالکؒ امام ابو حنیفہؒ سفیان ثوریؒ و داؤد زائلیؒ جواز کے قائل ہیں البتہ ان کے اقوال میں تفصیل ہے امام مالکؒ فرماتے ہیں خارج از مسجد پڑھے گا بشرطیکہ دونوں رکعات ملنے کی امید ہو۔ گویا ان کے یہاں شرط جواز دو ہیں۔ (۱) خارج المسجد (۲) رجاء وجدان رکعتیں۔

دوسرا قول امام مالکؒ کے مذہب کی معتبر کتاب جلاب (۳) میں ہے اگرچہ دونوں رکعتیں ملنے کی امید نہ ہو پھر بھی سنت فجر پڑھے۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ احناف کا اصل مذہب یہ ہے کہ خارج المسجد پڑھے اور دوسری رکعت میں شمولیت کا امکان ہو ایک قول یہ ہے کہ اگر تشہد میں شمولیت کی امید ہو تب بھی سنت پڑھے گا۔ معارف میں قبل کے ساتھ کہا گیا ہے کہ تشہد میں شمولیت کا قول امام محمدؒ کی طرف منسوب ہے اور رکعت ثانیہ میں شمولیت امام ابو حنیفہؒ کی طرف منسوب ہے۔ تاہم مشائخ حنفیہ جن میں امام الطحاویؒ بھی ہیں فرماتے ہیں کہ مسجد میں پڑھنے کی اجازت ہے۔ پھر بعض کہتے ہیں کہ مسجد میں ایسی جگہ پڑھے جہاں امام کی قراءت کی آواز نہ پہنچتی ہو بعض کہتے ہیں کہ دروازے کے پاس پڑھے قال الطحاوی (۴) اگر صفوں اور اس کے درمیان حائل ہو تو بھی پڑھ سکتا ہے مثلاً ستون یا دیوار ہو یا برتھس کہ جماعت باہر ہو رہی ہو آدمی اندر پڑھ لے شنیع صورت یہ ہے کہ صفوں میں ختیں پڑھے۔ دوسری صورت کراہیت کی یہ ہے کہ اس کے اور صفوں کے درمیان حائل نہ ہو۔

شیخ ابن ہمام کی عبارت سے مترشح ہوتا ہے کہ اگر حائل نہ ہو صفوں اور اس کے درمیان تو چھوڑنا بہتر ہے۔ امام ثوریؒ مطلقاً مسجد میں پڑھنے کے قائل ہیں بشرطیکہ پہلی رکعت ملنے کی امید ہو۔ امام داؤد زائلیؒ کے نزدیک مسجد میں مطلقاً پڑھنا جائز ہے۔ ان سے مزید تفصیل مروی نہیں ان کا استدلال ان روایات سے ہے جن سے فجر کی سنن کی تاکید ثابت ہوتی ہے۔ جیسے ولو طردکم النخیل (۵) یا لا تو با جواب (۶) یا رکعتا الفجر خیر من الدنیا وما فیہا (۷) اسی طرح بہت سارے صحابہؓ و تابعینؒ سے بھی یہ مروی (۳) کنذاتی المعارف ص ۳۰ ج ۴ (۴) کنذاتی شرح معانی الآثار ص ۲۵۵ ج ۱ (۵) رواہ ابو داؤد ص ۱۸۶ ج ۱ (۶) باب فی کتبہما (۷) رواہ البخاری ص ۱۰۰ ج ۱ (۸) باب القف الاول لیکن یہ حدیث بالخصوص سنت فجر کے لئے نہیں۔ ایضاً رواہ مسلم ص ۲۳۲ ج ۱ (۷) رواہ مسلم ص ۲۵۱ ج ۱ (۸) باب استحباب رکعتی سے الفجر والحدیث عیہما الخ ایضاً سنن نسائی ص ۲۵۳ ج ۱ (۹) المحافظ علی الکعتین قبل الفجر

ہے۔ ابن مسعود ابن عمر وابن عباس ابو الدرداء اور حضرت عمر اس کے قائل ہیں۔ تابعین میں سے حسن بصری، مکحول، مجاہد، حماد ابن ابی سلیمان، حسن بن حی، ابراہیم نخعی وغیرہ جن کی تعداد ابن منذر ابن بطلال ابن ابی شیبہ (8) اور طحاوی (9) سب کی روایات ملا کر ۲۰ نفوس بنتے ہیں۔ طحاوی (10) میں صحیح سند کے ساتھ ابو عثمان نہدی کا قول ہے کہ ہم صبح کی نماز سے پہلے حضرت عمرؓ کے پاس آتے تھے تو جماعت کھڑی رہتی ہم سنتیں پڑھتے پھر جماعت میں شامل ہوتے تھے۔ معلوم ہوا کہ عمر کے زمانے میں یہی معمول تھا ورنہ حضرت ضرور ان کو روکتے۔ اور اس کا معمول ہونا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سنت فجر اس ضابطے سے مستثنیٰ ہے۔

باب کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اگر فجر کی سنن واجب ہوں پھر تو جواب کی ضرورت نہیں کہ یہ روایت سنن کے بارے میں ہے۔ واجبات و فرائض مستثنیٰ ہیں اگر سنت فجر کو سنت ہی کہا جائے تو جواب یہ ہے کہ بہت سارے محدثین نے اس کو موقوف قرار دیا ہے بقول شاہ صاحب محدثین جب کسی حدیث پر موقوف کا حکم لگاتے ہیں تو مجموعہ طرق کو دیکھتے ہوئے حکم لگاتے ہیں۔ وقف کی مثالیں۔ مسلم (11) میں یہ روایت موقوفاً بھی ہے مرفوعاً بھی طحاوی (12) میں حماد بن زید نے اس کو موقوف نقل کیا ہے خود امام شافعی نے کتاب الام میں اس کو ابو ہریرہ کا قول قرار دیا ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ (13) میں ابن علیہ نے موقوف نقل کیا ہے۔ علی ابی حاتم میں اسماعیل بن مجمع نے موقوف نقل کیا ہے۔ خود ابو حاتم کا قول ہے والصواب ان موقوف کمافی تلخیصہ۔ (14)

محمد بن طاہر المقدسیؒ نے تذکرۃ الموضوعات میں کہا ہے الصواب انہ موقوف اور محمد بن طاہر حفاظ حدیث میں سے ہے۔ البتہ نہایتی (15) نے کہا ہے کہ حماد بن سلمہ سے ایک شاگرد نے پوچھا کہ بل ہو عنہ علیہ السلام قال حماد نعم لیکن حماد نے مسلم میں موقوف نقل کیا ہے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے یہی کہی کے اس قول میں

(8) ص: ۲۵۱، ج: ۲: "فی الرجل یدخل المسجد فی الفجر" (9) یدنا نجد وکیسے ص: ۲۵۳-۲۵۴، ج: ۱: (10) ص: ۲۵۶، ج: ۱

(11) صحيح مسلم ج: ٢ ص: ٢٤٤: "باب كراهية الشروع في نافلة بعد شروع المؤمن في إقامة الصلاة الخ" (12) ص: ٢٥٠ ج: ١.

(13) ص: ۲۵۲ ج: ۲ (14) ص: ۵۷ ج: ۲ رقم حدیث ۵۴۴

(15) منن کبری للہی عن: ۳۸۳ ج ۲: "ما کرہۃ الاستقبال بہا بعد ما اُقیمت الصلوۃ"

تردد ہے کہ حماد بن سلمہ سے سائل ابن عیینہ ہے اور امام شافعی ابن عیینہ کے خاص شاگردوں میں سے ہیں تو کیسے ممکن ہے کہ حماد اس کو مرفوع قرار دے اور ابن عیینہ و امام شافعی اس کو موقوف قرار دے اور علم تک بھی نہ ہو۔ اسی طرح طحاوی ابن ابی شیبہ کا میلان بھی اس کے وقف کی طرف ہے۔ عمرو بن دینار نے بھی اخیراً اس کو موقوف قرار دیا ہے۔ لہذا یہ مرفوع احادیث جن میں تاکید سنن فجر معلوم ہوتی ہے کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور بہت سارے صحابہ و تابعین اس پر عمل پیرا تھے۔

جواب ۳:- اشارۃً الی المعنی وغیرہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد لوگوں کو مسجد میں سنتوں سے روکنا تھا کہ فقط فجر کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عام سنتوں کا بھی یہی حکم ہے اور ترغیب ہے کہ لوگ مسجد میں سنن پڑھ کر فرض پڑھتے تو فصل واقع نہ ہوتا تو گھروں میں پڑھ لے تاکہ فصل واقع ہو۔

ایک چشم دید واقعہ:-

مسجد نبوی کے قریب ایک مسجد میں جو غالباً غیر مقلدین کی تھی میں نے کسی عارض کی بناء پر عشاء کی نماز پڑھی جیسے ہی جماعت ختم ہوئی اور لوگ سنتوں کے لئے کھڑے ہوئے تو اتنے میں محراب کے قریب دوسری جماعت شروع ہوئی چونکہ نماز عشاء کی تھی اس لئے امام جہراً قراءت کرتا رہا مسجد چونکہ زیادہ بڑی نہیں تھی اس لئے سب لوگ قراءت کی آواز سن رہے تھے۔ میں نے یہ غریب منظر دیکھ کر جہاں ایک طرف اہل ظواہر پر افسوس کیا وہیں دوسری طرف میرے ذہن میں فقہائیت کی قدر اور بڑھ گئی کہ یہ لوگ فجر کی سنتوں کو جماعت شروع ہو جانے پر ترک کر دیتے ہیں جبکہ وہ قریب الوجوب ہیں اور یہاں کسی نے عشاء کی سنت ترک کر کے جماعت میں شمولیت پر توجہ نہ دی اس بیماری کا کیا علاج ہے؟ کیا یہ باب کی حدیث فقط جماعت فجر اور سنن فجر کے ساتھ مختص ہے؟ اس کی کیا دلیل ہے؟ گو کہ اس میں اس توجیہ کی گنجائش ہے کہ حدیث میں فلا صلوٰۃ الا المکتوبہ میں مکتوبہ سے مراد مکتوبہ امام نہیں بلکہ سب کی مراد ہے مگر اس قسم کی تفصیلات کے فقہاء تو قائل ہو سکتے ہیں ظاہر یہ کی نظر ان کی طرف نہیں جاتی۔ خاص کر جبکہ ظاہر یہ وہ حاملہ کے نزدیک جماعت ثانیہ میں ادا کی جانے والی نماز فرض ہوتی ہے۔ کما مر من قبل

باب ماجاء فی من تفوته الركعتان قبل الفجر یصلیهما بعد صلوٰۃ الصبح

رجال:-

محمد بن عمرو السواق صدوق ہیں بخاری نے بھی ان سے روایت لی ہے۔

عبد العزیز بن محمد امام احمد فرماتے ہیں اذا حدث من كتابه فهو صحيح واذا حدث من كتب الناس وهم ابو زرعة کہتے ہیں سی الحفظ۔

سعد بن سعید قال الحافظ صدوق سی الحفظ۔ محمد بن ابراہیم ثقہ ہیں تاہم یہ روایت منقطع ہے کما قالہ

الترمذی۔ ☆

تشریح:-

حضرت قیسؒ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نکلے جماعت کھڑی ہوئی میں نے آپ کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس لوٹے مجھے نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ مکالمہ نماز کے بعد ہوا تو فرمایا۔

مہلاً ما قیس اصلواتان معاً قلت یا رسول اللہ انی لم اکن رکعت رکعتی الفجر

قال فلا اذا

اگر ضیق وقت کی وجہ سے دو رکعت نہ پڑھ سکا کہ جماعت کھڑی ہو تو وہ دو رکعت آدمی پڑھے یا نہیں پڑھے؟ پڑھے تو کب پڑھے گا؟ تو حنفیہ مالکیہ اور امام احمد کے نزدیک اور امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ طلوع شمس کے بعد پڑھے۔ اور پہلے گزرا ہے کہ یہ جو عند الاحناف مشہور ہے کہ سنتوں کی قضاء نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اتنی مؤکد نہیں شاید یہ تو ہم اس لئے پیدا ہوا کہ لفظ قضاء واجب الاداء حق کے لئے استعمال ہوتا ہے اور سنتیں

واجب الاوائہ نہیں مگر امام محمد سے تصریح ہے کہ طلوع شمس کے بعد پڑھے گا شیخین نے ممانعت نہیں کی۔

امام شافعی کا مذہب اور اہل ظواہر کا قول یہ ہے کہ طلوع شمس سے پہلے اور بعد الفرض پڑھے دلیل باب کی روایت ہے جو حضرت قیس سے مروی ہے۔

انکہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ چونکہ اس وقت نماز سے ممانعت آئی ہے بخاری و مسلم (1) میں ہے۔

لاصلوٰۃ بعد الصبح حتیٰ ترتفع الشمس ولاصلوٰۃ بعد العصر حتیٰ تغیب الشمس

قال الشافعی یہ معنی متواتر ہے جبکہ باب کی روایت متکلم فیہ ہے کما سبجی لہذا یہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اگر صحیح بھی ہو تو مسئلہ جزئیہ ہے حکم بھی وہی ہے لاصلوٰۃ میں لافنی جنس کے لئے ہے یعنی کوئی نماز صحیح نہیں تو قاعدہ کلیہ ہوا۔

قال ابن العربی فی العارضۃ کہ قیس کی یہ روایت مؤطا (2) میں بھی ہے اس میں ہے کہ لوگ اقامت بھول گئے اور نماز پڑھنے لگے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور لوگ نماز پڑھ رہے تھے تو فرمایا اصلوٰۃ ان معا قال ابن العربی (3) معلوم ہوا کہ یہ فرض پڑھنے سے پہلے کا واقعہ ہے پھر مؤطا میں یہ تفصیل نہیں کہ دو رکعت فجر کی تھیں یا نفل کی اگر نفل ہو تو چونکہ یہ وقت نفل کا نہیں تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا اگر سنت فجر ہو تو ابھی یعنی کا قول گذرا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ لوگ گھروں میں سنتیں پڑھیں۔ (4)

جواب ۲:- یہ مرسل و منقطع ہے ابو داؤد نے اس کو مرسل قرار دیا ہے۔

قال الترمذی وانما یروی هذا الحدیث مرسلًا وقال واسناد هذا الحدیث لیس بمختصّل محمّد بن ابراہیم التیمی لم یسمع من قیس

باب ماجاء فیمن تفوّنہ الرکعتان قبل الفجر یصلیہما الخ

(1) صحیح بخاری ص ۸۴ ج ۱ "باب اصلوٰۃ بعد الفجر حتیٰ تطلع الشمس" صحیح مسلم ص ۲۵۰ ج ۱ "باب الاوقات التي نمی عن الصلوٰۃ

فیہا" (2) مؤطا مالک بحوالہ عارضۃ الاخوٰۃ ص ۱۸۳ ج ۱ اور بحوالہ العرف الشذی غنی جامع الترمذی ص ۲۱۳ ج ۱

(3) عارضۃ الاخوٰۃ ص ۱۸۳ ج ۲ (4) ص ۱۸۷ ج ۱ "باب من فاسق حتیٰ یقتلہا"

لہذا یہ روایت ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

جواب ۳:- اگر صحیح بھی ہو تو فلاذا کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی حرج نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ پھر بھی مت پڑھو اور یہ نفی کے لئے مسلم جلد ۲ (5) میں نعمان بن بشیر کی روایت میں استعمال ہوا ہے کہ ان کو والدہ نے غلام بطور ہدیہ دیا تو بیوی نے کہا کہ میں تب مطمئن ہوگی کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر گواہ بناؤ گے جب آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب بیٹوں کو اتنا دیا کہا نہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فلاذا یعنی میں گواہ نہیں ہوں گا۔

مستدرک حاکم (6) میں صحیح روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہؓ نے پوچھا کہ رطب کو تھر کے عوض بیچا جاسکتا ہے؟ فقال لمن حوله ابتغى الرطب اذا حلف قالوا نعم قال فلاذا یہاں بالاتفاق بمعنی نفی ہے کہ مت بیچو تو یہاں بھی مطلب یہ ہے کہ مت پڑھو تو یہ کلمہ اجازت کے لئے نہیں بلکہ کلمہ نفی ہے۔

دلیل ۲:- مغیرہ بن شعبہ کی روایت ہے کہ عند الفقل عن التبوک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عوف کے پیچھے نماز پڑھی سنتیں نہیں پڑھیں قال ابو داؤد ولم یزد علیہ شیئاً (7) حالانکہ سنتیں قضاء ہوئیں تھیں پھر بھی نہ پڑھیں۔

دلیل ۳:- اگلے باب کی حدیث ہے من لم یصل رکعتی الفجر فلیصحبہا بعد ما تطلع الشمس اس پر عمرو بن العاصم الکلابی کے تفرّد کا اعتراض کیا گیا ہے مگر جواب یہ ہے کہ عمرو صدوق راوی ہے لہذا انکا تفرّد مضر نہیں۔

(5) صحیح مسلم ص ۳۶۰ ج ۲ "باب کراہیۃ تفضیل بعض الاولاد فی الہبۃ"

(6) ص ۳۸۰ ج ۲ "نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن یحییٰ العصرۃ من اتر الخ"

(7) ابو داؤد ص ۲۲۰ ج ۱ "باب المسح علی الخنجر"

باب ماجاء فی اعادتهما بعد طلوع الشمس

رجال:-

عقبه بضم العين وسكون القاف - بن مكرم بضم الميم وسكون الكاف وفتح الراء -

العمى بفتح العين وتشديد الميم قال ابو داود "ثقة ثقة" -

عمرو بن عاصم یہ بھی بصری ہیں صدوق ہیں قابلِ حجت ہیں تاہم حافظہ کمزور تھا۔

بشر بن نہیک نہیک بفتح النون وکسر الہاء یہ بھی بصری اور ثقہ ہیں۔ ☆

باب ماجاء فی الاربع قبل الظهر

رجال:-

بندار بضم الباء وسكون النون هو محمد بن بشار ثقة - ابو عامر اسمه عبد الملك ثقة من

التاسعة -

عاصم بن ضمرہ صدوق ہیں ابنِ مدینی اور ابنِ معین نے توثیق کی ہے دوسروں نے ان پر کلام

کیا ہے۔

باب ماجاء فی الركعتين بعد الظهر

ان تینوں ابواب کی تفصیل گزر چکی ہے۔

باب آخر

رجال:-

عبدالوارث صدوق ہیں۔

تشریح:-

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ظہر کی نماز سے پہلے چار رکعات نہ پڑھ سکتے تو بعد از ظہر ادا فرماتے وہ قول الجہور کہ اگر قبل الظہر اربع رکعات ادا نہ کر سکے تو بعد الظہر ادا کرے۔ مگر احوال یہ ہے کہ ظہر کے بعد دو رکعت سنت بھی ہیں تو یہ چار پہلے پڑھے یا بعد میں؟ تو ایک قول جو امام محمد کی طرف منسوب ہے کہ پہلے چار قانتہ پھر وقتی کا ہے عقلی وجہ اس کی یہ ہے کہ چار کی ترتیب یہ ہے کہ فرض سے بھی پہلے ادا کی جائیں مگر بعد از اگر قبل فرض سے اداء نہ کی جاسکیں تو دو سنت سے پہلے تو پڑھ لے تاکہ بالکل تاخیر لازم نہ آئے۔

قول ثانی امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب ہے کہ پہلے دو رکعت پھر چار رکعت پڑھے عقلی وجہ یہ ہے کہ چار اپنے وقت پر اداء نہ ہوئیں یہ دو تو اپنے وقت پر پڑھ لے تاکہ یہ تو قضاء نہ ہوں دونوں قولوں کا قیاس برابر ہے مگر فتویٰ امام ابوحنیفہ کے قول پر ہے کہ اس کی تائید روایت عائشہ سے ہوتی ہے۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا فاتته الاربع قبل الظهر صلاها

بعد الركعتين بعد الظهر رواه ابن ماجه (1) لہذا یہ رائج ہے۔

اس باب میں دوسری روایت ام حبیبہ کی ہے اور اس باب کی تیسری روایت سے بھی یہی معلوم ہوا کہ ظہر کی نماز کے بعد چار رکعت ہے دو رکعت تو سنن رواتب ہیں اور دو غیر راتب ہیں اگرچہ اس بارے میں اختلاف ہے مگر سوال یہ ہے کہ ان چار رکعت کو الگ الگ سلاموں کے ساتھ پڑھا جائے گا یا ایک کے ساتھ؟ اگر الگ الگ

باب آخر

(1) ابن ماجہ ص: ۸۰ "باب من فاتته الاربع قبل الظہر"

مسلموں کے ساتھ ہو تو کوئی اشکال نہیں اگر ایک سلام کے ساتھ چار رکعت پڑھتا ہے تو اشکال یہ ہے کہ عند التحریمہ اگر وہ نیت مؤکدہ کی کرے تو چاروں تو مؤکدہ نہیں اگر نیت نفل کی کرے تو یہ نیت دو پر صادق ہے مگر وہ مؤکدہ ہیں۔ ابن ہمام فرماتے ہیں۔

ووقع عندي انه اذا صلى اربعاً بعد الظهر بتسليمه او ثنتين وقع عن السنة
والمعتوب سواء احتسب هو الراتب منها او لا لان المفاد بالحدث المذكور
انه اذا وقع بعد الظهر اربعاً مطلقاً حصل الوعد المذكور

مقصود یہ ہے کہ چار رکعت پڑھنی چاہئے چاہے ایک سلام ہو یا دو نیت مؤکدہ کی ہو یا غیر مؤکدہ کی البتہ اس میں یہ ہے کہ اگر آدمی ایک سلام کے ساتھ پڑھنا چاہے تو پہلی دو رکعتوں کو سنت مؤکدہ سمجھے تاکہ تکبیر تحریمہ اسی کے لئے آجائے۔ تدبر

باب ماجاء في الاربع قبل العصر

رجال:-

سفیان سے بظاہر مروثوری ہیں۔ ابی اسحق کا نام عمرو بن عبد اللہ السعفی ہے ثقہ مدلس ہیں۔ ☆

تشریح:-

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عصر سے پہلے چار رکعات پڑھتے تھے اور ان کے درمیان سلام کے ساتھ فصل کرتے تھے مقربین فرشتوں پر اور جو ان کے تابع ہیں مسلمانوں میں سے۔
ائمہ اربعہ کے نزدیک یہ غیر راتب ہیں۔ صاحب سفر السعادت اور بعض دیگر نے اس کو بھی راتب میں شمار کیا ہے کما مر۔

اس میں اختلاف ہے کہ چار بتسلیمہ ہوگی یا تسلیحین کے ساتھ؟ تو ترمذی نے ایک اسحاق بن ابراہیم کا قول نقل کیا ہے کہ فصل بالسلام نہ ہونا چاہیے۔ دلچسپہذا الحدیث اس میں اگرچہ فصل بالسلام کا ذکر تو ہے مگر یہ وہ

سلام نہیں جو قطع صلوٰۃ کے لئے ہوتا ہے بلکہ مراد اس سے تشہد ہے کہ اس میں بھی سلام ہے یہی حنفیہ کا بھی مذہب ہے کہ سلام ایک ہونا چاہیے۔ واضح ہو کہ اہل حق بن راہویہ اور اہل حق بن ابراہیم دونوں ایک ہیں۔

دوسرا قول امام شافعی و احمد کا ہے کہ بخاری ان الفصل یہ مسئلہ ایک دوسرے اختلاف پر مبنی ہے وہ یہ کہ امام شافعی امام احمد کے نزدیک سوائے فرض کے کوئی بھی نماز دن ہو یا رات بہتر یہ ہے کہ دو رکعت پڑھی جائے۔ صلوٰۃ اللیل شنی ثنی کما یجوز۔

دوسری حدیث ابن عمر سے ہے کہ اللہ رحم فرمائے اس آدمی پر جس نے عصر سے پہلے چار رکعت پڑھی۔ قال اشرف علی التھانوی کہ یہاں مطلق رحم اللہ امرا کہا ہے یہ ہے کہ فضیلت اتنی زیادہ ہے کہ کوئی چیز اس کے برابر نہیں ہو سکتی کہ الفاظ سے اسکا احاطہ کیا جاسکے۔

باب ماجاء فی الرکعتین بعد المغرب والقراءۃ فیہما

رجال:-

بدل یشتبین بن المحمر علی وزن محمد زائدہ کے علاوہ باقی حدیثوں میں مثبت ہیں۔ عبد الملک بن معدان وہو عبد الملک بن الولید بن المعمر ان مختلف فیہ ہیں۔ عاصم بن بہدلہ الکوفی احد السبعة القراء ثبت فی القراءۃ وہو فی الحدیث دون الثبت صدوق بہم۔ صحیحین میں ان کی مقرون روایت ہے۔ ہذا

تشریح:-

ابن مسعود فرماتے ہیں کہ مجھے شمار یا نہیں کہ میں نے کتنی دفعہ مغرب و فجر کی سنتوں میں سورۃ کافرون و سورۃ اخلاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے ہوئے سنا ہے۔

ابن تیمیہ نے سورۃ کافرون و سورۃ اخلاص دونوں کو سورۃ اخلاص کہا ہے کہ اس میں خالص توحید کا بیان ہے۔ ان دو وقتوں میں ان سورتوں کے پڑھنے کی حکمت یہ ہے کہ صبح دن کی ابتداء اور شام کو رات کی ابتداء ہوتی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم دن کے شروع اور رات کے شروع میں بھی توحید کا اعلان فرماتے کہ دونوں کے شروع

میں قل پر عمل ہو جب طر فی اللیل والنہار نے توحید کا احاطہ کر لیا تو درمیان کا وقت بھی اس میں داخل ہوا مگر کبھی کبھی دیگر سور بھی پڑھنی چاہیے کم اسر سابقہ۔

باب ماجاء انه یصلیہما فی البیت

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے گھر میں مغرب کے بعد دو رکعت پڑھی ہیں۔ اس حدیث سے ایک یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ مغرب کے بعد دو رکعت سنت ہے مگر یہ مسئلہ ضمنہ ہے کہ پہلے مستقل باب آچکا ہے۔ دوسرا یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دو رکعت گھر میں پڑتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مسجد میں کم از کم دو دفعہ سنن پڑھنا ثابت ہے ایک مسجد بنی عبدالاشہل میں مغرب کی اس کے باوجود لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو ان کو گھر میں نماز کی ترغیب دی۔ (1)

دوسرا واقعہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عباس نے مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تو میں نے آپ کو مسجد میں دیکھا کہ آپ عشاء تک نماز پڑھتے رہے۔ (2) مگر شاہ صاحب نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ یہ زیادتی معلول معلوم ہوتی ہے۔

ائمہ ثلاثہ (ابو حنیفہ شافعی احمد) کے نزدیک تمام سنن دن و نفل میں بہتر یہی ہے کہ گھر میں ادا ہوں۔ شامی نے چند صورتیں مستثنیٰ کی ہیں۔ صلوٰۃ کسوف تراویح مگر انفرادی نماز سوائے تحیۃ المسجد یا تحیۃ القدوم من السفر یا تحیۃ الاحرام باقی گھر میں پڑھنا بہتر ہے۔

امام مالکؓ و سفیان ثوریؓ سے مروی ہے کہ دن کے رواتب مسجد میں رات کے گھر میں ایک روایت امام احمدؓ سے ہے کہ ظہر کے بعد دو رکعت مسجد میں پڑھنا بہتر ہے۔ عبداللہ بن احمدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (احمدؓ) سے پوچھا کہ مغرب کے بعد دو رکعت مسجد میں جائز نہیں؟ تو پوچھا کس نے کہا میں نے کہا محمد بن

باب ماجاء انه یصلیہما فی البیت

(1) کذا فی سنن ابی داؤد ص: ۱۹۱ ج: ۱ "باب رکعتی المغرب این تسلیمان" ایضاً نسائی ص: ۲۳۷ ج: ۱۱ ابن ماجہ ص: ۸۱

(2) کذا فی معارف السنن ص: ۱۱۴ ج: ۳

عبدالرحمن ابن ابی لیلیٰ تو کہا کہ سچ کہا جب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبی عبدالاشہل میں نماز پڑھی اور جب دیکھا کہ لوگ نمازیں پڑھ رہے ہیں تو فرمایا یہ نماز گھر میں پڑھ لیا کرو۔

عند الجمہور یہ حکم عام ہے ایک اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس پر تھا دوسرا یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے گھروں کو مقبرے مت بناؤ یعنی کہ نماز سے خالی ہوں یہ بھی ممکن ہے کہ فرائض میں ریاء نہیں ہوتا نوافل میں ریاء کا امکان ہے گھر میں پڑھنے سے آدمی بچ سکتا ہے اور یہ بھی ایک وجہ ہے کہ فرضوں و نفلوں کے درمیان فصل ہونا چاہیے جیسے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر مسجد میں پڑھنا چاہے تو تقدم و تاخر کرے تاکہ ہیئت جماعت باقی نہ رہے۔

متاخرین کا فتویٰ یہ ہے کہ لوگوں میں عبادات کا اہتمام کم ہو رہا ہے تو گھر جانے سے سنت چھوٹنے کا خطرہ ہے یا بات چیت میں لگ جانے سے تاخیر کا خطرہ ہے تو کی ثواب کا اندیشہ ہے ہاں اگر کوئی التزام کرے کہ درمیان میں باتیں کئے بغیر گھر میں سنن پڑھ لے تو یہ عین سنت ہے۔

باب ماجاء فی فضل التطوع ست رکعات بعد المغرب

رجال:-

عمر بن ابی خنعم هو كما قال الترمذی ضعيف۔

تشریح:-

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مغرب کے (فرض کے) بعد چھ رکعات پڑھی اور درمیان میں نازیبا بات نہیں کہی تو یہ چھ رکعات بارہ سال کی عبادت کے برابر ہوں گی۔ یہ ثواب تفضیلی ہے تو بارہ سال کی عبادت کے اصلی ثواب کے برابر ہوگا۔ باب میں دوسری حدیث عن عائشہ ہے جس کو ترمذی نے تعلیقاً نقل کیا ہے کہ جس نے مغرب کے بعد تیس رکعت پڑھی اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔ یہ روایت ترمذی کی ضعیف ہے کہ اس میں ایک راوی عمر بن عبد اللہ بن ابی شعمہ ہے

جس کو بخاری نے منکر الحدیث قرار دیا ہے (۱) وضعفہ جدا اس لئے ابن العربی نے عارضہ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے لایقفت الیہ محشی نے مرقات (۲) کے حوالہ سے سے لکھا ہے کہ یہ روایت صحیح ابن خزیمہ میں بھی ہے اور طبرانی نے تئیسوں معاجم (۳) (صغیر کبیر و اوسط) میں تخریج کی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ فضائل کا ہے اور فضائل میں ضعیف بھی قابل عمل ہوتی ہے بشرطیکہ اس کا ضعف زیادہ نہ ہو اور اصول دین سے متصادم نہ ہو اور اسے آدمی سنت نہ سمجھے بلکہ بطور استہباب و احتیاط کے عمل کرے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اس پر تعادل اسلاف ہے جو حدیث کے معمول بہ ہونے کی دلیل ہے۔

پھر اس میں کلام ہوا ہے کہ یہ چھ رکعات دور رکعات رات کے علاوہ ہیں یا اس کے ساتھ ہیں؟ تو دونوں قول ہیں احوط یہ ہے کہ اس کے علاوہ چھ پوری کی جائیں۔ پھر مشہور یہ ہے کہ اس نماز کا نام صلوٰۃ الاوائین ہے لیکن مصنف ابن ابی شیبہ (۴) میں حدیث کی رو سے صلاۃ الاوائین کا اطلاق چاشت پر ہوا ہے۔

باب ماجاء فی الرکعتین بعد العشاء

یہ حدیث مسلم میں بھی ہے۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے پہلے دو رکعت پڑھتے اور بعد الظہر بھی دو رکعت بظاہر یہ روایت شافعیہ کی دلیل ہے کہ ظہر سے پہلے دو رکعت ہے۔ مگر پہلے گزرا ہے کہ اکثر روایات سے چار معلوم ہوتی ہیں جسے ترمذی نے جمہور کا مذہب قرار دیا ہے اور ظہر کے بعد بھی دو رکعت دو مغرب کے بعد دو عشاء کے بعد اور دو فجر سے پہلے اگر ظہر سے پہلے چار ہوں تو تعداد بارہ ہو جائے گی جس پر تصریح ہے کما مر۔ اس سے معلوم ہوا کہ عشاء کے بعد دو رکعت ہیں جن کو رات کے بعد دو رکعت کہتے ہیں دو کے علاوہ مزید دو جو غیر رات کے

باب ماجاء فی فضل التطوع ست رکعات بعد المغرب

(۱) کافی ج ۱ ص ۶۸ ج ۲ ص ۷۴ (۲) مرقات ص ۱۱۳ ج ۳

(۳) معجم اوسط ص ۱۲۰ ج ۸ رقم حدیث ۲۳۱

(۴) انظر ص ۶۰ ج ۲ "من کان یصلیہا"

ہیں کاثبت بھی روایات میں ہے۔ کتاب الاثار (1) میں ابن عمر کی روایت ہے۔

من صلی اربع رکعات بعد العشاء الآخرة قبل ان يخرج من المسجد فانهم

يعلمون اربع رکعات من ليلة القدر

مصنف ابن ابی شیبہ (2) میں بھی ابن مسعود کی روایت ہے اس میں قبل ان يخرج من المسجد کی قید

نہیں۔

وفيه من صلی اربعاً بتسليمة واحدة بالليل يعلمون بمثل قيام ليلة القدر

مگر بظاہر یہ روایت صلوٰۃ اللیل یعنی تہجد سے متعلق ہے۔ یہ دونوں روایات موقوف ہیں کتاب الاثار کی

بھی اور مصنف ابن ابی شیبہ کی بھی مگر یہ مرفوع کے حکم میں ہے کہ فضیلت کی تحدید شارع ہی کر سکتا ہے۔

بخاری (3) میں ابن عباس کی روایت ہے۔

فصلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم العشاء ثم جاء الى منزله فصلی اربع رکعات

ثم نام

البتہ عشاء سے پہلے کی نماز کے بارے میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں تاہم عموماً سے استدلال

ہو سکتا ہے کہ ہر اذان اور اقامت کے درمیان نماز ہے۔ (4)

پھر بعضوں نے کہا ہے کہ عشاء کی نماز سے قبل بھی چار رکعات ہونی چاہئے قیاس دوسری نمازوں پر

کر کے کہ فجر میں دو فرض تو دو سنت ظہر میں چار فرض تو چار سنت عشاء کی نماز چار ہے تو سنت بھی چار ہونی چاہئے

مگر قیاس سے سنت ثابت نہیں ہو سکتی۔

باب ما جاء في الركعتين بعد العشاء

(1) مس ۳۱۰ و ۳۱۱ باب فضل الجماعة و رکعتي الفجر (2) مس ۳۳۳ ج ۲ فی اربع رکعات بعد العشاء

(3) صحیح بخاری ص ۲۲ ج ۱ باب اعلم والعظة باللیل

(4) رواہ الترمذی ص ۴۵ ج ۱ باب ما جاء في الصلوة قبل المغرب (ایچ ایم سعید) والفظہین کل اذانین صلوٰۃ لمن شاء

باب ماجاء ان صلوٰۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ

یہ حدیث صحیحین میں بھی ہے۔

صلوٰۃ اللیل کا اطلاق عموماً تہجد کی نماز پر ہوتا ہے یہاں مطلق رات کی نماز مراد نہیں کہ اس میں فرض و وتر بھی ہے اور کسی کے نزدیک وہ ثنی ثنی نہیں۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ دن ہو یا رات نو اقل چار چار رکعات پڑھنا افضل ہے۔ امام شافعی و احمد کے نزدیک مطلقاً دو رکعت پڑھنا اولیٰ ہے۔ صاحبین کہتے ہیں کہ دن کو چار افضل ہیں رات کو دو افضل ہیں۔ امام اہل حق بھی یہی کہتے ہیں۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ رات کو چار رکعت جائز نہیں بلکہ فصل بالتسلیم چار رکعات میں ضروری ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جمہور کا آپس میں اختلاف اولیت کا ہے۔ امام مالک سے اختلاف جواز کا ہے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ صلوٰۃ اللیل ثنی ثنی یہ مفید حصر ہے امام مالک فرماتے ہیں کہ یہ حصر جواز ہے تو چار جائز نہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ حصر فضیلت ہے لہذا دو دو افضل ہے۔ امام ابو حنیفہ کی طرف سے ابن دقین العید فرماتے ہیں کہ یہ حصر اباحت ہے اور یا یہ بالنسبۃ الی الاربعۃ نہیں بلکہ بالنسبۃ ایک اور تین کے ہے کہ یہ رکعات نفل میں صحیح نہیں۔ قال ابن العربی فی العارضة (۱) کہ عند الشافعی ایک رکعت نفل بھی جائز ہے بلکہ صلوٰۃ بالکسیرۃ بھی صحیح ہے کہ فقط تحریر کہہ کہ نماز توڑ دیں یہ بھی نماز ہے۔ ابن العربی فرماتے ہیں کہ یہ تلاعب بالصلوٰۃ ہے اور ایک نفل ثابت نہیں۔

صاحب درمختار نے صاحب العمون سے صاحبین کے قول پر فتویٰ نقل کیا ہے کہ دو پڑھنا رات کو اولیٰ ہے اس حدیث کی رد سے اگرچہ امام ابو حنیفہ کے موقف پر بھی بعض دلائل سے استدلال کیا گیا ہے۔ مسند ابویعلیٰ (۲) میں ہے۔

باب ماجاء ان صلوٰۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ

(۱) ص ۱۹۲ ج ۲

(۲) مسند ابی یعلیٰ ص ۱۰۰ ج ۳ رقم حدیث ۳۳۳۹ ولفظہ بکلام

عن عائشة كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي الضحى أربع ركعات
لا يفصل بينهما بسلام

دوسری روایت مسلم (3) میں ہے۔

عن معاذة أنها سئلت عائشة كم كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي
صلوة الضحى قالت أربع ركعات ويزيد ما شاء۔

پہلے مؤطا کے حوالے سے گزرا ہے کہ سنن ظہر کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا فقال
يا رسول الله لا يفصل بينهما بسلام فقال لا يريدن كي نماز کے بارے میں ہے رات کی نماز کے بارے میں ایک
روایت عائشہ ہے جو صحیحین (4) میں مروی ہے۔ امام ترمذی نے بھی اگلے سے پیوستہ باب میں ذکر کی ہے کہ
ابو سلمہ نے عائشہ سے پوچھا:

كيف كانت صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم في رمضان؟ فقالت ما كان
رسول الله صلى الله عليه وسلم يزيد في رمضان ولا في غيره على إحدى عشرة
ركعة يصلي اربعاً فلا تستل عن حسنهن وطولهن ثم يصلي اربعاً فلا تستل عن
حسنهن وطولهن

اس پر اعتراض ہے کہ مسلم (5) میں عائشہ اور نسائی (6) میں ام سلمہ کی روایت میں تصریح ہے کہ مسلم
علی کل رکعتین۔

جواب :- بنوری صاحب نے یہ دیا ہے کہ جس طرح اس پر اتفاق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی
صلوة اللیل میں حالات کی وجہ سے کیفاً تبدیلی ثابت ہے تو ممکن ہے کہ کما بھی تبدیلی ہوئی ہو کہ کبھی چار رکھی

(3) ص: ۲۴۹ ج: ۱ "باب استحباب صلوة الضحی وان اقلها ركعتان الخ"

(4) صحیح بخاری ص: ۱۵۳ ج: ۱ "باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان وغیره" صحیح مسلم ص: ۲۵۴ ج: ۱ "باب صلوة
اللیل و عدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ"

(5) صحیح مسلم ص: ۲۵۴ ج: ۱ "باب صلوة اللیل و عدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ"

(6) لم اجد عن ام سلمة بهذا الالفاظ۔ ۱۲ واللہ اعلم

دو دو پڑھی ہو۔

مصنف ابن ابی شیبہ (7) میں ابن مسعود سے مروی ہے۔

من صلی اربعاً بتسلیمۃ واحدة باللیل عدلن بمثل قیام لیلة القدر

اور تحدید ثواب شارع کا کام ہے تو یہ حکم مرفوع ہے۔ مگر مفتی بہ عند صاحب در مختار صاحبین کا قول ہے اور شاہ صاحب کا میلان بھی اسی طرف ہے فرماتے ہیں کہ اگر مجھے امام ابو حنیفہ کا ایک شاذ قول بھی مل جاتا تو میں اسی شاذ قول پر فتویٰ دیتا۔

بنوری صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے مل گیا کہ شرح مہذب میں نووی نے نقل کیا ہے کہ دن کو چار اور رات کو دو اور ممکن ہے کہ ہماری کتابوں میں تو نہیں لیکن نووی نے ابن منذر سے نقل کیا ہو اور ابن منذر کا مذہب پر عبور مسلم ہے۔ (8)

فاذا حفت الصبح الخ یعنی جب طلوع صبح کا ذکر ہو "فاوتر بواحدة" یہ مطلب نہیں کہ ایک ہی رکعت پڑھو بلکہ مطلب یہ ہے کہ شفع کے ساتھ ایک رکعت ملا کر وتر بناؤ تو اوتر بمعنی بنانے کے ہے۔ واجعل آخر صلوٰتک وترانیہ برائے استحباب ہے کہ جس کو ذکر ہو کہ سو کر جاگ نہ سکے گا تو اس کے لئے پہلے وتر پڑھنا افضل ہے اگر کسی کو اٹھنے کا یقین ہو یا کوئی انتظام کیا ہے تو اس کیلئے بہتر یہ ہے کہ تہجد کے بعد وتر پڑھے۔

(7) ص ۳۴۳ ج ۲ "فی اربع رکعات بعد العشاء"

(8) دیکھئے تفصیل کے لئے معارف السنن ص ۷۷۱ الی ص ۱۲۸ ج ۳

باب ماجاء فی فضل صلوٰۃ اللیل

رجال:-

ابی بشر کا نام جعفر بن ایاس الیشکری ہے ثقہ ہیں۔ حمید بن عبد الرحمن ثقہ اور فقیہ ہیں۔

تشریح:-

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعد از رمضان بہتر روزہ اللہ کے مہینے محرم کا ہے۔ شہر کی اضافت الی اللہ تعظیم کے لئے ہے کما فی بیت اللہ اوجلدۃ اللہ اور فرض کے بعد بہتر نماز رات (تہجد) کی نماز ہے۔

یہاں یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ابواب الصوم (۱) میں صوم یوم عرفہ کی فضیلت میں ابوقنادہ کی روایت ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال صیام یوم عرفۃ (الحديث) یعنی اس کا ثواب دو سال کے برابر ہے۔ و فی رولۃ (۲) محرم کے روزے کے بارے میں آتا ہے کہ اس کا ثواب ایک سال کے برابر ہے اس سے معلوم ہوا کہ عرفہ کا روزہ محرم سے زیادہ افضل ہے اور یہاں سے معلوم ہوا کہ رمضان کے علاوہ افضل ترین روزہ محرم کا ہے۔

جواب ۱:- یہ فرض حج سے پہلے کی بات ہے تو یہ حکم صوم عرفہ سے پہلے کا ہے پس یہ منسوخ ہے۔

جواب ۲:- ایک سال و دو سال کا حکم آپس میں دونوں دنوں کے تقابل سے ہے یہاں مطلب یہ ہے کہ محرم کے پورے مہینے کے روزے باقی مہینوں کے پورے روزوں سے افضل ہے۔

حدیث کے دوسرے حصے میں ہے کہ فرض کے بعد تہجد کی نماز افضل ہے مگر یہ شبہ نہ ہو کہ اس کی فضیلت

باب ماجاء فی فضل صلوٰۃ اللیل

(۱) رواہ الترمذی ص ۹۳ ج ۱ "باب ماجاء فی فضل صوم یوم عرفۃ"

(۲) جامع الترمذی ص ۹۳ ج ۱ "باب ماجاء فی الحث علی صوم یوم عاشوراء"

واجبات و سنن رواتب سے بھی زیادہ ہوگی کیونکہ فرض سے مراد مکملات و توابع سب ہیں تو یہ ثابت نہیں ہوا کہ رواتب و وتر مفصول ہیں بلکہ وہ افضل ہیں۔ کہ وتر واجب ہے اور رواتب سنن مؤکدہ ہیں جبکہ صلوٰۃ اللیل عند الجھور نہ واجب ہے نہ سنن مؤکدہ میں سے ہے اگرچہ عند البعض تہجد مطلقاً واجب ہے اور عند البعض حفاظ کے لئے واجب ہے۔ بعض شافعیہ کا قول ہے کہ صلوٰۃ اللیل سوائے فرض کے تمام نمازوں سے افضل ہے یہ ابو اخطی مروزی کا قول ہے عند البعض وتر افضل ہے۔ عند البعض فجر کی دو رکعت اولیٰ ہے بعض ظہر کی رواتب کو افضل قرار دیتے ہیں۔

باب ماجاء فی وصف صلوٰۃ النبی ﷺ باللیل

اس باب کی دونوں حدیثیں صحیحین میں ہیں۔

ابوسلمہؒ نے عائشہؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان کی نماز کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ رمضان اور غیر رمضان دونوں میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھتے پہلے چار پڑھتے۔ اس کے حسن و طول کے متعلق نہ پوچھو پھر اسی طرح چار پھر تین رکعت وتر کے پڑھتے عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا کہ آپ قبل از وتر سو جاتے ہیں تو فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔

اکثر شراح نے اس کا مطلب یوں بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ میری نیند ناقض وضو نہیں یعنی میں باقی لوگوں کی طرح نہیں ہوں جو نوم میں اتنے غافل ہو جاتے ہیں کہ حدیث کا علم نہیں ہوتا مجھے علم ہو جاتا ہے۔ مگر یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ آپ قبل از وتر سو جاتے ہیں تو امکان ہے کہ وقت پہ نہ اٹھیں تو وتر کے قضاء ہونے کا خطرہ ہے تو فرمایا کہ دل بیدار ہوتا ہے میں اٹھ سکوں گا یہ توجیہ بہتر ہے نسبتاً مگر اس پر اعتراض ہو سکتا ہے کہ اٹھنے کا تعلق آنکھوں سے ہے نہ کہ دل سے ورنہ لیلۃ اعریس میں نماز قضاء کیوں ہوئی۔

جواب :- ممکن ہے کہ طلوع و غروب کا تعلق آنکھوں سے ہو مگر رات کے حصوں کا تعلق دل سے ہے جب نیند پوری ہو جاتی ہے تو آدمی اٹھ جاتا ہے۔

اس سے غیر مقلدین تراویح کے آٹھ ہونے پر استدلال کرتے ہیں کہ رمضان میں آٹھ سے زیادہ نہیں

پڑھیں اور یہ روایت صحیح مانی الباب ہے۔ صحیحین (۱) میں بھی یہ روایت ہے لیکن ائمہ ثلاثہ اور جمہور کے نزدیک تراویح کی تعداد بیس سے کم نہیں اور مذکورہ روایت کا جواب یہ ہے کہ یہ صحیح مانی الباب تو ہے مگر اس سے تراویح کی نفی نہیں ہوتی کہ یہ تو تہجد کے بارے میں ہے دلیل یہ ہے کہ اگر مطلق قیام اللیل کے بارے میں ہوتی تو اس کو ابواب الصوم میں لانا چاہئے تھا حالانکہ اس کو تہجد کے باب میں ذکر کیا ہے جبکہ ابواب الصوم میں قیام شہر رمضان کے عنوان سے مستقل باب قائم کیا ہے (۲) و فیہ عن ابی ذر کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روزے رکھے جب سات دن رہ گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی یہاں تک کہ ایک تہائی لیل کا وقت گزر گیا اس سے مراد فرض نہیں کہ پھر چوبیس کو نہیں پڑھائی پھر پچیس کو پڑھائی۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ بقیۃ اللیل پڑھاتے اس سے تہجد کی نفی ہوئی کہ وہ آٹھ سے زیادہ نہیں دوسری بات یہ ہے کہ تہجد آخر اللیل میں پڑھی جاتی ہے نہ کہ اول اللیل میں فقہل انہ من قام مع الامام حتی ینصرف کتب لہ قیام لیلۃ اس میں آٹھ کا ذکر نہیں۔ ثم لم یصل بنا حتی اھی ثمث من الشہر و صلی بنانی الثانیۃ (ستائیس کو) و دعا لہ الخ و فیہ حتی تخوفنا الفلاح قلت لہ و ما الفلاح قال السحور تو ظاہر ہے کہ عشاء سے لیکر صبح تک صرف تہجد کی نماز نہیں پڑھی۔

قال ابو عیسیٰ ہذا حدیث حسن صحیح و اختلف اهل العلم فی قیام رمضان فرای بعضهم ان یصلی احدى واربعین رکعة مع الوتر و هو قول اهل المدينة والعمل علیٰ ہذا عندہم بالمدينة و اکثر اهل العلم علیٰ ما روی عن علی و عمر و غیرہما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشرين رکعة تو جمہور صحابہ کا عمل ہوا و هو قول السفیان الثوری و ابن المبارک و الشافعی و قال الشافعی و ہکذا ادرکت ببلدنا بمکة یصلون عشرين رکعة و قال احمد روی فیہا الوان لم یقض فیہ بشی و قال اسحق بل نختار احدى واربعین رکعة علیٰ ما روی عن ابی بن کعب و اختار ابن مبارک و احمد و اسحق الصلوة مع الامام فی شہر رمضان

(ترمذی ص: ۱۶۲ ج: ۱ باب ماجاء فی قیام شہر رمضان)

باب ماجاء فی وصف صلوة النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل

(۱) صحیح بخاری ص: ۱۵۳ ج: ۱ "باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ" صحیح مسلم ص: ۲۵۳ ج: ۱ "باب صلوة اللیل و عدد رکعات الخ" (۲) دیکھئے ص: ۹۹ ج: ۱ افادتی کتب خانہ

اس کے علاوہ دارقطنی (3) معنف ابن ابی شیبہ (4) میں ابن عباس کی حدیث ہے جس کی پہلی (5) نے صحیح کی ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میں پڑھائی اگر میں کی تعداد معلوم نہ ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں لوگوں نے بہت زیادہ دلچسپی لی تو فرمایا کہ تاکہ تم پر فرض نہ ہو اس لئے نہیں نکلے۔ معلوم ہوا کہ یہ چیز نہیں تھی بلکہ نئی چیز تھی تاہم ابن عباس کی یہ روایت اگر بالفرض صحیح نہ بھی ہو تب بھی حضرت عمرؓ نے سب کو نہیں پر جمع کیا تو یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ شراب کی حد حضرت عمرؓ نے مقرر فرمائی جب صحابہؓ و تابعین نے اس کو بدعت نہیں کہا اور مخالفت بھی نہیں کی تو یہ اجتماع ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ینکمونہ سنتی و سنتہ الخلفاء الراشدین المہدیین (6) اور حضرت عمرؓ کے خلیفہ راشد ہونے میں کس کو شک ہے؟ تاہم اعدل قول یہ ہے کہ تراویح سنت ہیں اور میں رکعات کی تعیین مستحب ہے۔

باب منہ

رجال:-

ابی جمرہ بالجیم والراء ان کا نام عمران بن عصام ہے نزیل خراسان ہیں ثقہ من الثقات۔ اس روایت کی تخریج بخاری نے کی ہے۔

باب منہ

اس باب کی دونوں حدیثیں مسلم میں ہیں۔ ان ابواب پر انشاء اللہ ابواب الوتر میں بحث آئے گی۔

(3) لم أجده ولكن راه الطبرانی في معجمه بحواله نصب الراية ص: ۱۵۰ ج: ۴ (4) ص: ۲۹۳ ج: ۲ "کم صلی فی رمضان سن رجبہ"
(5) پہلی کبریٰ ص: ۳۹۱ ج: ۲ "باب ما روی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان" (6) رواہ الترمذی ص: ۹۲ ج: ۲ "باب الافذ بالسنة واجتنب المہدۃ" ایضاً ابن ماجہ ص: ۵ "باب اجتماع سنة الخلفاء الراشدین المہدیین"

باب ماجاء فی نزول الرب تبارک وتعالیٰ الی السماء الدنیا کل لیلۃ

یعقوب بن عبد الرحمن ثقہ ہیں۔ یہ حدیث صحاح ستہ سب میں ہے۔

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر رات کو آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں مراد نیچے والا آسمان ہے جس کو حکماء فلک قمر کہتے ہیں اور اس کو سماء دنیا اس لئے کہتے ہیں کہ دنیا سے نظر آتا ہے یا دنیا سے قریب تر ہے اگر عرش و کرسی کو افلاک میں شامل کریں تو افلاک کی تعداد نو ہو جائے گی اور عناصر چار ہیں تو بقول حکماء کے تیرہ کرات پر عالم مشتمل ہے اور اگر عرش و کرسی کو شامل نہ کریں تو سات ہے کما فی القرآن۔

ترمذی میں ایک تہائی رات کے گزرنے کے بعد نزول اللہ کا ذکر ہے لیکن ترمذی نے دوسرے طرق و قدروی بذالحدیث من اوجہ کثیرۃ کا حوالہ دیا ہے ایک طریق یہاں بیان کیا ہے جن میں تھقی ثلث اللیل و ہذا الصحیح روایت یعنی دو تہائی رات کے بعد نزول ہوتا ہے مطلب یہ ہوا کہ ترمذی نے اسی کو ترجیح دی ہے اور قرین قیاس بھی یہی ہے کہ باقی روایات سے جو ف اللیل لا آخر کی فضیلت معلوم ہوتی ہے بعض نے یوں تطبیق دی ہے کہ ممکن ہے کہ نزول ثلث اول کے گزرنے پر ہو اور یہ کلام اس وقت ہو جب ایک تہائی رات باقی ہو اس وقت باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہے کوئی مانگنے والا کہ اس کو دوں اور اس کی مغفرت کروں یہ سلسلہ صبح تک جاری رہتا ہے۔

اشکال :- نزول و صعود اور انتقال یہ جسم کی صفات ہیں اور باری تعالیٰ جسمیت سے منزہ ہے تو حدیث میں اس کا اطلاق اللہ پر کیسے ہوا؟ بلکہ یہ اشکال ہر اس روایت پر ہوتا ہے جس کے ظاہری معنی سے جسمیت کا شائبہ ہوتا ہے۔

جواب :- پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اس سلسلے میں تین فرقے ہیں۔

(۱) مجسمہ و مشبہ وہ ان روایات کو ظاہر پر حمل کرتے ہیں اور جسمیت کے قائل ہیں۔

(۲) دوسرا فرقہ معتزلہ کا ہے حکماء کا مذہب بھی اس کے قریب ہے جو بعض صفات کا انکار کرتے ہیں اور بعض صفات کے عینیت کے قائل ہیں۔

(۳) اہلسنت والجماعت میں دو نظریے ہیں ایک حقدین کا ایک متاخرین کا ہر واحد میں ایک فرقہ صوفیہ کا بھی ہے۔ حقدین کہتے ہیں کہ مذکور روایت پر ایمان لانا ضروری ہے البتہ اس کی کیفیت میں نہ غور کیا جائے گا نہ سوال کیا جائے گا کما ہو مروی عن ابی حلیفہ وقل عن مالک انہما سلا عن الاستواء فقالوا الاستواء حق والکلیف مجهول والاسوال عنہا بدعتہ محدثین کی رائے بھی یہی ہے کہ ہذا حق کا طریق بشارت تعالیٰ لیکن متاخرین اس قسم کی روایات میں تاویل کرتے ہیں جیسے کہ قاضی بیضاوی نے لکھا ہے کہ مراد غایات ہوتے ہیں یعنی لوازم جیسے رحمٰن درجیم کا اطلاق اللہ پر ہوا ہے رحمت رقت قلب کو کہتے ہیں اور رقت قلب فرع ہے ثبوت قلب کی حالانکہ باری تعالیٰ کا قلب نہیں تو مراد لوازم ہے کہ رقت قلب کے ساتھ مہربانی و لطف لازم ہے لہذا یہاں مراد نزول سے نزول رحمت ہوگا اور باری تعالیٰ کا بندوں کے ساتھ قریب ہونا افاضہ انوار اور اچالۃ الدعوات وغیرہ مراد ہے۔

حقدین و متاخرین میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ قدام کے زمانے میں مجسمہ کا وجود نہ تھا تو تاویل کی ضرورت نہ تھی متاخرین کے دور میں مجسمہ ظاہر ہوئے اور آیات و احادیث کے ظاہر سے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی تو متاخرین نے تاویل کی تاکہ آیات کی تکذیب بھی لازم نہ آئے اور تجسیم بھی لازم نہ آئے اسی طرح وہ تاویل صحیح ہوگی جو اصول شرع کے منافی نہ ہو اور ضرورت کی حد تک ہو ورنہ غلط تاویل تحریف کے مرادف ہوگی اور یہ اختلاف ایسا ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ کے زمانے میں معتزلہ مرتکب کبیرہ کو خارج از اسلام قرار دیتے تھے تو انہوں نے بساطت ایمان کا قول کیا محدثین کے زمانے میں مرجعہ کا خروج ہوا اور تصدیق قلبی کو کافی سمجھا بلکہ یہاں تک کہا کہ کوئی معصیت ایمان کے منافی نہیں تو ترکیب ایمان کا قول اختیار کرنا محدثین کے لئے ضروری ہو گیا۔

صوفیہ کے دو فرقے ہیں ایک قدام صوفیہ دوسرا متاخرین کا ہے۔ قدام صوفیہ وحدۃ الوجود کے قائل ہیں اس کے مطابق اس قسم کی آیات و احادیث میں تاویل کی ضرورت نہیں کہ وہ فقط وجود باری تعالیٰ کے قائل ہیں اور وجود عالم عندہم اعتباری ہے مثلاً جیسے ایک آدمی کمرے میں چاروں طرف آئینے لگائے اور بیچ میں بیٹھ جائے تو حقیقت میں ایک ہی وجود ہوتا ہے مگر اس میں بہت سے عکس نظر آتے ہیں تو حقیقی وجود ایک ہی ہے باقی اعتباری

ہے تو اس وجود میں اگر تعین زیدی کیا جائے تو زید ہے اگر تعین عمری کیا جائے تو عمر ہے علیٰ ہذا القیاس۔ یہ مذہب عام علماء کے ذہن سے بالاتر ہے اس لئے تو ملاحسن فرماتے ہیں کہ لا تؤید ہا ولا نردہا۔

متاخرین کہتے ہیں کہ اللہ کا وجود اصلی ہے عالم کا وجود وجود ظلی ہے مثلاً ایک تخت پر بادشاہ بیٹھا رہتا ہے تو اگر چہ وہاں اور لوگ بھی ہوتے ہیں مگر مطمح النظر وجود سلطان ہوتا ہے یہ قریب الی الفہم ہے مگر مشکل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مشابہات سے نہ باری تعالیٰ کیلئے جسم ثابت کرنا صحیح ہے نہ کما قال الجمہور نہ انکار صحیح ہے کما انکر ہا المتحرز بلکہ صحیح تاویل کی ضرورت ہے تاکہ نہ تکذیب ہو نہ تجسیم کما ہو راہ المتاخرین بقدر الضرورة یا اجمالاً ایمان لایا جائے کما ہو راہ المتقدمین۔

باب ماجاء فی القراءة باللیل

رجال:-

یحییٰ بن اخطم بغدادی کو ابن سعد نے ثقہ جبکہ حافظ نے صدوق کہا ہے۔ عبد اللہ بن رباح المدنی ثقہ

ہیں۔ ☆

تشریح:-

ابوقادہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر سے فرمایا کہ میرا گذر آپ پر ہوا تو آپ آہستہ پڑھ رہے تھے تو عرض کیا کہ اسمعت من نا جیت عمر سے کہا کہ آپ اونچا پڑھ رہے تھے تو کہا کہ میں سوئے ہوؤں کو جگا رہا تھا اور شیطان کو بھگا رہا تھا تو دونوں کو اعتدال کا حکم فرمایا۔

مسئلہ بھی یہ ہے کہ نہ زیادہ آہستہ اور نہ زیادہ زور سے بلکہ درمیانی قراءت کرنی چاہئے کمافی القرآن (۱) ”ولا تحھر بصلا تک ولا تخافت بها واتبع بین ذالک سبیلاً“ البتہ رفع سے مراد

یہ ہے کہ کسی کو تکلیف نہ ہو اگر کسی کو ایذا ہو تو آہستہ پڑھنا چاہئے کہ ایذا الغیر حرام ہے۔ جواز کی وجہ یہ ہے کہ زور سے پڑھنے سے دل پر اثر ہوتا ہے الا یہ کہ ریاء کا اندیشہ ہو حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رات بھر ایک آیت تلاوت فرمائی ”ان تعذبہم فانہم عبادک“ لآیہ طحاوی (2) سے معلوم ہوتا ہے کہ فاتحہ کے بجائے اور دیگر ارکان رکوع و سجود دونوں میں یہی پڑھ رہے تھے معلوم ہوا کہ نوافل میں ایک آیت کی تکرار جائز ہے اور یہ کہ فاتحہ فرض نہیں ہے۔

باب ماجاء فی فضل صلاة التطوع فی البيت

رجال:-

عبداللہ بن سعید صدوق ہیں تاہم کتب ستہ کے رجال میں سے ہیں ابن معین واجہد وغیرہا نے توثیق کی ہے۔ سالم ابی النضر ثقہ مرذکہ۔

بسر بن سعید یضم الباء وسکون السین مدنی عابد اور ثقہ من الثانیہ ہیں۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ جب ان کا انتقال ہوا تو اتنے پیسے بھی نہیں چھوڑے تھے کہ جن سے کفن کا انتظام ہو جائے یہ تھا اسلاف کا زہد۔ ☆

تشریح:-

امام طحاوی (1) فرماتے ہیں کہ مساجد ثلاثہ کی فضیلت فقط فرائض کے بارے میں ہے نوافل گھر میں پڑھنا بہتر ہے کہ اگر نوافل کو بھی وہ فضیلت شامل ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نوافل گھر کے بجائے مسجد میں پڑھتے مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کثر نوافل گھر میں پڑھتے تھے۔ عن ابن عمر مر فوعا

(2) انظر شرح معانی الآثار ج ۱: ۲۳۱ ج ۱: ”باب جمع السور فی رکعة“

باب ماجاء فی فضل صلوٰۃ التطوع فی البيت

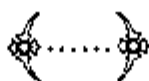
(1) کنانی شرح معانی الآثار ج ۱: ۲۳۶ ج ۱: ”باب التطوع فی المساجد“

صلواتی بیونکم ولا تتخذوا قبورا یعنی گھروں کو قبرستان کی طرح عبادت سے خالی مت بناؤ جیسے مردے عبادت نہیں کرتے تو تم بھی نہ کرو۔

مگر اس پر اعتراض ہے کہ مسلم (2) وابن ماجہ (3) اور ترمذی کی کثیر روایات سے قبروں میں عبادت کا ثبوت ملتا ہے۔

جواب ۱:- یہ حکم علی العموم ہے اگرچہ مستثنیٰ اس میں ہے۔

جواب ۲:- موت کے بعد عمل منقطع ہو جاتا ہے مگر خصوصیات اور مستثنیات ہوتی ہیں کہ بعض حضرات جن کی عبادت مزاج کا حصہ بن چکی ہو تو وہ قبر میں بھی بطور عادت و غذا نماز اور دیگر عبادات کرتے ہیں نہ کہ بطور ثواب۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ گھروں میں مردے مت دفن نہ کیے۔ تیسرا مطلب یہ ہے کہ قبرستان میں نماز مت پڑھو (یعنی بیان کراہت) یہ منسوب الی البخاری ہے۔ چوتھا مطلب یہ ہے کہ گھروں کو خوابگاہ مت بناؤ کہ بالکل عبادت ہی نہ ہو۔



(2) دیکھئے صحیح مسلم ص: ۲۶۸ ج: ۲ "باب من فضائل موسیٰ علیہ السلام"

(3) ابن ماجہ ص: ۲۶۶ "باب ذکر القبر والقبلى"

ابواب الوتر

باب ماجاء فی فضل الوتر

باب ماجاء ان الوتر لیس بحتم

رجال:-

یزید بن ابی حبیب ثقہ اور کتب ستہ کے رجال میں سے ہیں۔

عبداللہ بن راشد الزوفی شیخ الزاء و سکون الواد و بقاء ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے جبکہ بعض نے

مستور قرار دیا ہے۔

عبداللہ بن ابی مرہ صدوق ہیں تاہم خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کی روایت منقطع ہے۔

خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں مصر میں رہائش پذیر رہے قریش کے مشہور شہسواروں میں سے

تھے تین خارجیوں نے باہم مشورہ میں یہ طے کیا تھا کہ ہم میں سے ہر ایک ان تین صحابہ میں سے ایک کو قتل کرے گا

حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم تو ایک حضرت علیؓ کو شہید کرنے میں اپنے مذموم

مقصد کو پہنچا دوسرا حضرت معاویہؓ کو شہید کرنے میں تاہم را در ہا تیسرے نے حضرت عمرو بن العاص کے شبہ میں

حضرت خارجہ کو شہید کر دیا۔ اس سند سے فقط یہی ایک روایت پائی جاتی ہے۔ ☆

تشریح:-

چونکہ وتر میں متعدد مسائل ہیں ایک یہ کہ وتر واجب ہے یا سنت؟ دوسرا یہ کہ اس کا وقت کیا ہے؟ تیسرا یہ

کہ اس کی رکعات کتنی ہیں؟ اسی طرح وتر را حلقہ پر پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟ تو چونکہ مسائل کثیرہ و متعدد ہیں تو ترمذی

نے ابواب الوتر کا عنوان قائم کیا۔

وتر لفظ طاق کو کہتے ہیں اصطلاح میں اسکا اطلاق تہجد پر بھی ہوتا ہے اور وتر معروف پر بھی ہوتا ہے یہاں وتر متعارف ہی مراد ہے شروع میں دو باب باندھے ہیں اول سے وجوب معلوم ہوتا ہے دوسرے سے عدم وجوب اس میں اشارہ ہے اختلاف کی طرف۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وتر واجب ہے عملاً فرض کی طرح ہے مگر کافر نہیں ہوگا۔ ائمہ ثلاثہ و صاحبین و جمہور کا مذہب یہ ہے کہ وتر سنت ہے اختلاف کی بنیاد اختلاف روایات ہے بعض سے وجوب معلوم ہوتا ہے بعض سے اس کی سنیعت معلوم ہوتی ہے۔

بعض نے اس کو نزاع لفظی قرار دیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ نزاع معنوی ہے نزاع لفظی کے قائلین کہتے ہیں کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک چونکہ فرض و سنت کے درمیان کوئی واسطہ نہیں اور وتر کے عدم فرضیت پر اتفاق ہے تو انہوں نے سنت کہا اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ واسطہ ہے اور روایات میں تاکید ہے تو انہوں نے واجب کہا۔ مگر یہ محل نظر ہے کہ یہ نزاع معنی ہے ایک دوسرے نزاع معنوی پر اور قاعدہ یہ ہے کہ وہ نزاع جو معنی ہو دوسرے نزاع معنوی پر تو وہ بھی معنوی ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ صاحبین بھی اس کی سنیعت کے قائل ہیں حالانکہ وہ واسطے کے قائل ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ۱:- خارجہ عن حدیث کی روایت باب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان اللہ امدکم بصلوۃ ہی غیر لکم من حمر النعم الوتر جعلہ اللہ لکم فیما بین

صلوۃ العشاء الی ان یطلع الفجر

غیر لکم من حمر النعم اس لئے فرمایا کہ اونٹ عند العرب پسندیدہ ترین مال ہوتا ہے تو آدمی کی بڑی دنیا

اونٹ ہوتی ہے تو فرمایا کہ یہ تمہاری دنیا سے بہتر ہے۔

اس روایت میں یہ ہے کہ امدکم اور مدد کدش واہدہ اس وقت کہا جاتا ہے جب لشکر میں اضافہ کیا جائے

اور قاعدہ یہ ہے کہ مزید مزید علیہ کی جنس سے ہوتا ہے تو صلوۃ الوتر فرائض کے جنس میں سے ہوگی لہذا سنت نہیں

کہا جائے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ وتر کی نسبت اللہ کی طرف ہوئی ہے اور سنت کی نسبت اللہ کی طرف نہیں ہوتی

جیسے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے رمضان کے روزے تمہارے اوپر فرض کئے ہیں قیام مسنون

کیا۔

اعتراض:- ابن العربی نے عارضہ میں کیا اور صاحب تحفہ نے تائید کی ہے کہ ہم نہیں مانتے کہ مزید مزید علیہ کے جنس میں سے ہوتا ہے مثلاً کوئی دس کی چیز خریدے اور گیارہ دے تو یہ ایک روپیہ مزید دے دے اور یہ جنس مزید علیہ میں سے نہیں کہ دس روپے اس پر واجب الادا ہے اور یہ گیارہواں اس کی مرضی پر ہے۔ واجب الادا نہیں۔

جواب:- ہدایہ جلد ۳ میں ہے کہ مشتری جب پیسوں میں اضافہ کرتا ہے تو اعطاء اضافے کے بعد اس کا حکم بھی وہی ہوتا ہے جو مزید فیہ کا ہے مثلاً رخ تولیہ وغیرہ میں اور اس زیادتی کو اصل ثمن کے ساتھ ضم کیا جاتا ہے تو دینے سے پہلے واجب الادا، اگرچہ نہیں تھا مگر دینے کے بعد اصلی ثمن کے حکم میں ہے۔

اعتراض ۲:- اگر مزید مزید علیہ کے جنس میں سے ہوتا ہے اور جس چیز کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہو تو وہ سنت نہیں ہوتی پھر تو صلوة الوتر فرض ہونی چاہئے کہ مزید علیہ تو فرض ہے۔

جواب:- فرض کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ قطعی الثبوت ہو دوسری یہ کہ قطعی الدلالة ہو اور یہ قطعی الثبوت اس لئے نہیں کہ خبر واحد ہے اور قطعی الدلالة اس لئے نہیں کہ اہکم سے زیادتی ثواب لینا ممکن ہے۔ اس سے یہ اعتراض بھی رفع ہوا کہ ہمارے لئے قطعی الثبوت نہیں تو ہمارے لئے عمل کرنا فرض نہیں مگر صحابہؓ کے لئے تو قطعی الثبوت ہے تو ان پر فرض ہونی چاہئے۔

جواب:- یہ ہے کہ اگرچہ ان کے لئے روایت قطعی الثبوت تھی مگر قطعی الدلالة نہیں تھی تو شرط ثانی فرض کی نہیں پائی گئی۔

اعتراض ۳:- اہکم لفظ تو سنن فجر کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔

جواب:- وہ بھی واجب ہے۔

جواب ۲:- حضرت شاہ صاحب نے دیا ہے کہ یہ زیادتی فجر کی سنتوں کی روایت میں راوی کا وہم

ہے۔

دلیل ۲:- علاوہ ترمذی دیگر سنن (۱) میں ہے الوتر حق واجب علی کل مسلم قال ابن ہمام: ابن حبان (۲) اور حاکم (۳) نے بھی اس کو نقل کیا ہے وقال الحاکم علی شرطہما (الشیخین)

دلیل ۳:- ابوسعید خدری کی روایت دارقطنی (۴) میں ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من نام عن وترہ او نسیہ فلیصلہ اذا أصبح او ذکرہ

اس میں قضاء بجالانے کا ذکر ہے جو علامت وجوب ہے قال الشاکہ صحیح (۵) علی شرطہ الشیخین۔

دلیل ۴:- ابوداؤد (۶) میں ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا قالہ ثلاث مرات

اعتراض ۱:- اس میں ابوالعبید حبیب اللہ بن عبد اللہ العتکفی نامی راوی ہے جس کی بخاری نسائی اور ابن حبان وغیرہ نے تضعیف کی ہے۔ (۷)

جواب:- ان لوگوں نے تضعیف کی ہے مگر مؤقنین کی تعداد ناقدین کی تعداد سے زیادہ ہے جن میں یحییٰ بن معین ابوحاتم امام حاکم وغیرہ قابل ذکر ہیں بلکہ ابوحاتم نے بخاری پر اس تضعیف کی وجہ سے اعتراض بھی کیا ہے کہ کیوں تضعیف کی وصحیح الحاکم علی شرطہما (۸)

اعتراض ۲:- اس کی صحت تسلیم بھی ہو تب بھی وجوب ثابت نہیں ہوتا کہ حق بمعنی ثابت ہے۔

(ابواب الوتر) باب ماجاء فی فضل الوتر . باب ماجاء ان الوتر لیس بحکمہ

(۱) اخرج احمد وابن حبان واصحاب السنن بحوالہ نصب الراية ج: ۱۱ ص: ۲۱ (۲) کذا فی نصب الراية ج: ۱۲ ص: ۲۱

(۳) مستدرک حاکم ج: ۳ ص: ۳۰۳ الوتر حق الخ (۴) ص: ۱۶۲ رقم حدیث: ۱۶۲۱ من نام عن وترہ او نسیہ

(۵) ص: ۳۰۴ ج: ۱ الوتر حق (۶) ص: ۲۰۸ ج: ۱ باب فیمن لم یوتر (۷) کذا فی تہذیب المعجم ص: ۲۶۱ و ۲۶۲ ج: ۷

(۸) ص: ۳۰۴ ج: ۱ مستدرک حاکم

جواب:- یہاں حق بمعنی وجوب کے ہے کہ فلیس منا کی تصریح اس پر قرینہ ہے پہلے واجب کی تصریح گزر چکی ہے۔

دلیل ۵:- نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وتر پر مواخبت من غیر ترک ثابت ہے جو علامت وجوب کی ہے۔
جمہور کا استدلال دوسرے باب میں روایت علی سے ہے الوتر لیس بحکم کصلو تکم المکتوبہ۔

جواب:- یہ روایت ہمارے خلاف نہیں کہ اسمیں فرض نماز کے ساتھ وتر کے مشابہ ہونے کی نفی ہے جس کے ہم بھی قائل ہیں کہ منکر فرض کا فرد منکر وتر کا نہیں۔

دلیل ۳:- دو روایات (۹) جن میں فرض نماز کی تعداد پانچ آئی ہے۔

جواب ۱:- وتر فرض نہیں اس لئے چھٹا درجہ نہیں دیا گیا۔

جواب ۲:- یہ فرض کے تابع ہے اور تابع کو متبورغ کے ساتھ گنا جاتا ہے نہ کہ الگ۔

دلیل ۳:- نجد سے ایک دافد آ یا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ نماز کا حکم دیا اس نے کہا اہل علی

غیرہن قال لاو کما قال علیہ السلام (۱۰)

جواب ۱:- وتر عشاء کے تابع ہے۔

جواب ۲:- ممکن ہے کہ اس وقت وتر کا وجوب نہ ہوا ہو کہ ان اللہ اہل کم سے معلوم ہوتا ہے کہ وتر کا

وجوب بعد میں ہوا ہے کہ مزید مزید علیہ سے مؤخر ہوتا ہے۔

دلیل ۴:- وتر نماز واجب ہوتی تو مستقل وقت و اذان کا اہتمام ہوتا۔

جواب:- یہ تابع ہے عشاء کا تو اس کا وقت عشاء کی نماز کے بعد کا ہے اور عشاء کی اذان و اذان وتر

ہے۔

دلیل ۵:- ابوداؤد (۱۱) میں ہے کہ عبادہ بن صامت نے اس کے واجب قرار دینے والے کے

(۹) کذا فی سنن نسائی ص: ۸۰ ج: ۱ "باب کم فرض فی الیوم واللیلۃ" (۱۰) رواہ البخاری ص: ۱۳ ج: ۱ "باب اداء الخمس من الایمان"

وسلم ص: ۳۰ ج: ۱ "کتاب الایمان" ابوداؤد ص: ۶۲ ج: ۱ "اول کتاب الصلوۃ" (۱۱) ابوداؤد ص: ۲۰۸ ج: ۱ "باب خمس لم یوتر"

متعلق کہا "کذب"۔

جواب :- یہ جواب نفی فرضیت کی تھی نہ کہ وجوب کی۔

دلیل ۶ :- نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز وتر سواری پر پڑھی ہے جو عدم وجوب کی دلیل ہے۔

جواب :- نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرض نماز بھی سواری پر پڑھی ہے تو اس کو بھی سنت کہورواایت ثانیہ

کے اخیر میں ہے فاوتر دایا اہل القرآن قیل یہ بھی امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی دلیل ہے کہ امر لہو وجوب ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اہل قرآن سے مراد حفاظ ہیں کہ تہجد کی نماز پڑھا کریں تاکہ منزل مضبوط رہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ روایت جمہور کی بھی حجت نہیں کہ مطلب یہ ہوگا کہ تہجد فرض نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور اے حفاظ کرام تم تہجد پڑھا کر دتا کہ قرآن یاد رہے تو کسی کی حجت نہ ہوگی یعنی وتر سے مرد یہاں صلوٰۃ اللیل ہے۔

باب ماجاء فی کراہیۃ النوم قبل الوتر . باب ماجاء فی

الوتر من اول اللیل و آخره

رجال :-

پہلے باب میں یحییٰ بن ابی غرہ الکوفی صدوق ہیں اور ابو ثور مقبول من الثانیہ ہیں۔ تاہم ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے۔ دوسرے باب کے تمام روایات ثقہ ہیں۔ ☆

تشریح :-

وتر کا وقت غیبہ بت شفق سے شروع ہوتا ہے بشرطیکہ عشاء کی نماز پڑھی ہو اور طلوع صبح تک برقرار رہتا ہے دیگر نمازوں کی طرح وتر میں بھی وقت جواز اور وقت مستحب ہے اگر کسی کو بیداری پر یقین (ظن غالب) ہو تو اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ وتر مؤخر کرے۔ جیسے کہ عاکشہ کی اس حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ

عیہ وسلم نے رات کے بر حصے میں نماز وتر پڑھی ہے اخیر عمر میں وتر وجہ السحر میں ہوتی تھی یعنی آخری چھ حصے میں ہو کرتی تھی۔ آخری سدس کا ایک وجہ رات کی طرف ہے جو یہاں مراد نہیں اور دوسرا وجہ صبح کی طرف ہوتا ہے جو یہاں مراد ہے۔ گنگوہی فرماتے ہیں کہ ہر آخرا لامرین کا ناخ ہونا ضروری نہیں تو باقی اوقات کا نسخ اس سے معلوم نہیں ہوتا۔

اور جس کو انھنے کی امید نہیں تو سونے سے پہلے وتر پڑھ لے کافی حدیث ابی ہریرہ سونے سے پہلے اور اخیر میں پڑھنے کا حکم ایجاب کے لئے نہیں بلکہ استحباب و ندب کے لئے ہے۔ چونکہ ابو ہریرہ رات کو دیر تک حدیث یاد کرتے تو احتیاطاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اول اللیل میں پڑھنے کا حکم دیا صحابہ سے دونوں طرح ثابت ہے اگر کسی نے وتر کی نماز پڑھ لی ہے پھر رات کو جاگ گیا تو دوبارہ وتر پڑھے یا نہ پڑھے اس کے لئے مستقل باب آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

باب ماجاء فی الوتر بسبع۔

رجال:-

یحییٰ بن الجزار الکوفی صدوق ہیں۔

باب ماجاء فی الوتر بخمس۔

باب ماجاء فی الوتر بثلاث۔

رجال:-

الحارث کبار شیعہ میں سے ہے شععی و ابن مدینی نے کذاب کہا ہے۔

باب ماجاء فی الوتر برکعة.

رجال:-

انس بن سیرین محمد بن سیرین کے بھائی اور ثقہ ہیں۔ ☆

تشریح:-

یہ چار ابواب ہیں ان میں ترمذی یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ایک سے لے کر سات تک وتر جائز ہے ایک رکعت کا اثبات ابن عمر کی روایت سے باب ماجاء فی الوتر برکعة میں کرنا چاہتے ہیں۔ تین رکعت کے لئے مستقل باب باندھ کر حضرت علی کی روایت کی تخریج کی ہے۔ پانچ کے لئے حضرت عائشہ کی حدیث کے لئے مستقل باب قائم کیا۔ سات رکعات کے لئے ام سلمہ کی حدیث کے لئے باب قائم کیا ہے۔ ان ابواب میں چار مسائل بیان ہو گئے ایک مسئلہ یہ ہے کہ اس بارے میں روایات جو بظاہر متعارض ہیں ان میں تطبیق دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ وتر کے لئے کوئی عدد مقرر ہے جیسے کہ حنفیہ تین کو متعین کرتے ہیں یا بغیر تعین رکعات کے ہے؟ کما ہو قول النجباء۔ تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر تین رکعات ہیں تو دو سلام کے ساتھ ہیں یا ایک سلام کے ساتھ؟ چوتھا مسئلہ حضرت عائشہ داہن عباس کی حدیثوں پر ایک وزنی اعتراض کا جواب دینا ہے۔

پہلا مسئلہ جو تطبیق بین الروایات کا ہے اس کی ضرورت اس لئے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حوالے سے ایک سے لے کر ستر تک وتر کی رکعات مروی ہیں۔ (۱) دوسری بات یہ ہے کہ ان پر وتر کا اطلاق بھی ہوا ہے تو آیا ان سب کو وتر قرار دیا جائے یا تفریق کی جائے۔

اس تطبیق سے پہلے ایک وضاحت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ان میں اکثر وتر کا لفظ استعمال ہوا ہے یہ باب افعال سے ہے ایثار کا اطلاق ایک صلوٰۃ اللیل دوسرا وتر تیسرا وتر بنانے بمعنی جعل الصلوٰۃ وترًا بمعنی تصیر کے

اوپر ہوتا ہے۔ تو ان روایات میں دو طرح تطبیق دی گئی ہے اگر صلوٰۃ تہجد کو آٹھ ہی مقرر مانا جائے تو گیارہ سے سترہ تک تطبیق مندرجہ ذیل نقشہ کے مطابق دی جائے گی۔ اس تطبیق میں عشاء کی دو سنتوں (غیر مؤکدہ) کو بھی صلوٰۃ اللیل میں داخل کیا گیا ہے۔ لہذا.....

نمبر شمار	سنت عشاء دو رکعات از قبلہ چار رکعات	تحیۃ الوضوء	نماز تہجد	وتر معروف	بیٹھ کر بعد وتر	سنت فجر	میزان رکعات
۱	۰	۰	۸	۳	۰	۰	۱۱
۲	۰	۲	۸	۳	۰	۰	۱۳
۳	۲	۰	۸	۳	۰	۰	۱۳
۴	۰	۰	۸	۳	۲	۰	۱۳
۵	۰	۰	۸	۳	۰	۲	۱۳
۶	۰	۰	۸	۳	۲	۲	۱۵
۷	۰	۲	۸	۳	۲	۰	۱۵
۸	۰	۲	۸	۳	۰	۲	۱۵
۹	۲	۰	۸	۳	۲	۲	۱۷
۱۰	۲	۲	۸	۳	۲	۰	۱۷

اس جدول میں صلوٰۃ تہجد اور وتر معروف بغیر کی بیشی کے مذکور ہیں گیارہ سے کم تعداد رکعات میں دونوں تطبیقوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ رکعت تہجد کی نماز پڑھتے تھے اور تین وتر اور دو رکعت عشاء کی سنت سونے سے قبل غیر مؤکدہ دو رکعت تحیۃ الوضوء پڑھتے دو رکعت مع الوتر اور کبھی ان میں کی بھی فرماتے۔

دوسری تطبیق شبیر احمد عثمانی نے (۲) دی ہے اس میں عشاء کی سنتوں کو داخل نہیں کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تحیۃ الوضوء یا صلوٰۃ اللیل کی ابتداء کے لئے رکعتیں ^{تفہیم} پڑھتے پھر آٹھ تہجد تین وتر دو رکعت بعد الوتر اور دو رکعت سنن فجر کہ وہ اذان کے فوراً بعد ادا فرماتے تو مجازاً صلوٰۃ اللیل میں شامل کر دیا بعض نے فجر کی سنتوں کو نکالا تو پندرہ ہو گئیں بعض نے رکعت فجر کو داخل کیا لیکن تحیۃ الوضوء اور بعد الوتر کی دو رکعت کو نکال دیا تو تیرہ شمار کیں

بعض اوقات سنت فجر کو خارج کیا تو گیارہ رکعتیں۔ پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مقبل ہوئے اور ضعف لاحق ہوا تو چھ تہجد اور تین وتر پڑھے تو نو رکعتیں بعض دفعہ بیان جواز یا عارض کی وجہ سے چار تہجد تین وتر تو سات ہو گئیں۔ کافی الباب الاول فلما کبر وضعف وتر سبع تو سات اور سات سے اوپر جتنی رکعات ہیں ان سے مراد صلوٰۃ اللیل ہے نہ کہ صرف وتر امام ترمذی نے اسحق بن ابراہیم کا قول نقل کیا ہے۔

معنی ماروی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یوتر بثلاث عشرة قال معناه انه کان یصلی من اللیل ثلاث عشرة رکعة مع الوتر کان یوتر بثلاث عشرة قال المعنا معناه ان کان یصلی من اللیل ثلاث عشرة رکعة مع الوتر فنسبت صلوٰۃ اللیل الی الوتر

اوتر بخمس بثلاث وواحد کا جہاں تک تعلق ہے تو ایثار کے دو اور بھی معنی ہیں وٹمس کا معنی ہوگا کہ پانچ رکعت وتر کی نماز پڑھی تین وتر دو رکعت تابع وتر کا کہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وتر کو خالی نہ پڑھو اور ثلاث حقیقت پر محمول ہے۔ اور واحد ایثار کے تیسرے معنی پر محمول ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو دو دو رکعت پڑھ کر ایک رکعت اور ملائے تو وتر بنا لیتے یعنی صیر وجعل صلوٰۃ وتر ا کما کہی انشاء اللہ۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ وتر کی رکعات کی تعداد عند الحنفیہ تین ہے نہ کم نہ زیادہ جمہور کے نزدیک تین ایک پانچ سات سب جائز ہیں۔ یہ عموماً تین پڑھتے ہیں لیکن دو سلاموں کے ساتھ۔

دلیل جمہور وہ روایات ہیں جن سے ایک رکعت وتر پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے (3) جیسے آخری باب میں ابن عمر کی حدیث ہے و یوتر برکعة چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی صحیح حدیث سے عملاً یا قولاً ایک رکعت وتر پڑھنا مستقل تحریر اور مستقل سلام کے ساتھ مصرح طور پر ثابت نہیں۔ اسی طرح تین رکعت دو سلام دو قعدوں کے ساتھ ثابت نہیں اگر ہے تو یا مبہم ہے یا مجمل ہے اس لئے عند الحنفیہ تین رکعت دو قعدے ایک سلام ہیں کہ ایسی روایات ہیں جن میں رکعت ثانیہ پر سلام کی نفی مصرح ہے (4) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تین رکعات کا اثبات

(3) کذا فی السنائی ص: ۴۳۷، ۴۳۸ ج: ۱ "باب کم الوتر"

(4) دیکھئے سنن سنائی ص: ۴۳۸ ج: ۱ "باب کیف الوتر ثلاث" ایضاً و طائحد ص: ۱۵۱ "باب السلام فی الوتر"

حضرت عائشہ کی حدیث باب ماجاء فی وصف صلوٰۃ النبی باللیل میں گزری ہے وہ صحیح و فی المسلم ایضاً (5) جب ابوسلمہ نے حضرت عائشہ سے تہجد کے بارے میں پوچھا تو جواب دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھی۔ صلیٰ اربعاً فلا تسئل عن حسمین و طولین و فیرثم۔ صلیٰ ثلاثاً یہ صحیح بھی ہے اور تین رکعت پر صریح بھی ہے اور ظاہر یہی ہے کہ اس میں درمیان والا سلام نہیں ہوتا۔

دلیل ۱:- یہ ہے کہ امام نسائی (6) نے اس پر باب باندھا ہے کیف الوتر ثلاث۔

دلیل ۲:- ترمذی میں ہے۔

باب ماجاء فی الوتر ثلاث عن علی قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر ثلاث یقرأ فیہن بتسع سور من المفصل
دلیل ۳:- باب ماجاء ماقرأ فی الوتر میں ہے۔

عن ابن عباس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الوتر بسبح اسم ربک الاعلیٰ وقل یا ایہا الکافرون وقل هو اللہ احد فی رکعة رکعة
دلیل ۴:- اس باب میں عبدالعزیز بن جریج سے روایت ہے۔

قال سألت عائشة ہای شی کان یوتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالت کان یقرأ فی الاولی بسبح اسم ربک الاعلیٰ و فی الثانیة بقل یا ایہا الکافرون و فی الثالثة بقل هو اللہ احد والمعوذتین قال الترمذی وقد روى عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قرأ فی الوتر فی الركعة الثالثة بالمعوذتین
مزید دلائل اگلے مسئلے کے ضمن میں آئیں گے۔

اس باب میں تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ وتر کی دوسری رکعت پر سلام پھیرنا اور پھر ایک رکعت ایک سلام کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟ تو عند الحنفیہ جائز نہیں جمہور کے نزدیک جائز ہے۔ جمہور کی دلیل یہ ہے کہ ابن عمر کی حدیث جو باب ماجاء فی الوتر پر رکعت میں مروی ہے اس میں انس بن سیرین فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عمر سے پوچھا۔

(5) ج: ۲۵۳، ۱: باب صلوٰۃ اللیل و عدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم (6) ج: ۲۳۸، ۱:

اطیل فی رکعتی الفجر فقال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی من اللیل

مثنیٰ مثنیٰ ویوتر برکعة وکان یصلی رکعتین والاذان فی اذنه

سائل کا مقصد یہ ہے کہ میں صبح کی دو رکعت سنت میں لمبی قراءت کرتا ہوں تو ابن عمر نے یہ نہیں فرمایا کہ لمبی قراءت نہ کرو کہ اس سے تو ممانعت معلوم ہوتی بلکہ فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت پڑھتے اور اقامت کانوں میں ہوتی اس حالت میں جلدی ہی متصور ہے۔ اس میں ویوتر برکعة یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت وتر پڑھتے تھے۔

جواب :- اول تو یہ روایت ایک رکعت ایک سلام کے ساتھ پر صریح نہیں کہ یہ مطلب ممکن ہے کہ ایک رکعت دو کے ساتھ ماکر شفعہ کو وتر بناتے تھے یعنی صلی من اللیل مثنیٰ مثنیٰ واذا اراد صلوة الوتر یجعل المثنیٰ بضم الکرکعة الاخری وترًا۔

جواب ۲ :- یہ ابن عمر کا اپنا اجتہاد ہے کہ عائشہ جو آپ کی وتر نماز بکثرت دیکھتی تھی ان سے تین رکعت مروی ہے ابن عباس نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وتر نماز دیکھی ہے اور ان سے بھی تین رکعت کی تصریح ہے۔ حسن بصری سے جب کہا گیا کہ ابن عمر دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے تو انہوں نے کہا عمر کان افقد منہ وکان یمض فی الثانیۃ بالتکبیر۔ پھر یہ روایت تیرا کی ممانعت والی روایت کے ساتھ متعارض بھی ہے۔ جس کو ابن عبد البر نے التہذیب میں صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں۔

ورود النہی عن البتراء ولو کان مرسلًا اذ المرسل حجة عند الجمهور ولما روی

عن ابن مسعود "ما اجزأت رکعة قط" وهو موقوف فی حکم المرفوع

تاہم یہاں دو حدیثیں ایسی ہیں جن سے بظاہر خصم کا استدلال ہو سکتا ہے۔

۱۔ ایک صحیحین کی "صلوة اللیل مثنیٰ مثنیٰ فاذا خشی احدکم الصبح صلی رکعة واحدة

توتر له ما قد صلی۔"

۲۔ اور دوسری مسلم کی ہے۔ "الوتر رکعة من آخر اللیل۔" یہ دونوں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعا

مروی ہیں مگر چونکہ متعدد احادیث سے وتر تین رکعات بسلام واحد ثابت ہیں اس لئے ان دونوں روایات میں

کلمہ

21
2

تاویل کی جائے گی تاکہ تعارض نہ رہے اس لئے یا تو یوں کہا جائیگا کہ یہ تین رکعات کے تقرر سے پہلے کی احادیث ہیں جب ایک اور تین یا زیادہ میں اختیار ہوتا تھا یہ جواب تسلیمی ہے۔

طیبی نے صحیحین کی حدیث کے متعلق نہایت سے نقل کیا ہے۔

وفی الحدیث امر بصلوة الوتر وهو ان یصلی مشئاً مشئاً ثم یصلی فی آخرها رکعة مفردة یضيفها الی ما قبلها من الركعات فعلمی هذا فی ترکیب هذا الحدیث اسناد مجازی حیث اسند الفعل الی الركعة وجعل الضمیر فی "له" للمصلی وکان الظاهر ان یقال یوتر المصلی بها ما قد صلی 'وفی قوله یوتر اشارة الی ان جمیع ماضی وتر

اسی طرح مسلم کی حدیث کے متعلق مرقات میں ہے اسی منضمہ بشفع قبہا۔ اس لئے مرقات اور التعلیق الصبح میں ہے "ولایوجد من الخصم حدیث یدل علی ثبوت رکعة مفردة فی حدیث صحیح ولا ضعیف۔" تنقیص النجیر میں ہے۔

قال الحافظ ابن الصلاح "لم یثبت منه صلی اللہ علیہ وسلم الاقتصار علی واحدة قال لانعلم فی روايات الوتر مع کثرتها انه علیہ الصلوة والسلام وتر بواحدة فحسب' وتعقبه الحافظ مالک بن یسیر اور یہ جو دارقطنی کی روایت میں ہے۔ عن عائشة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتر برکعة تو یہ روایت دراصل بخاری کی حدیث کا اختصار ہے جس میں ہے۔

عن عائشة کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی من اللیل ثلاث عشرة رکعة منها الوتر ورکعتا الفجر (التعلیق الصبح ص ۹۳ ج ۳ و مرقات المفاتیح ص ۱۶۰ ج ۳) حنفیہ کے دلائل :- (۱) مستدرک حاکم (۷) میں ہے۔

وصححه علی شرط الشیخین۔ عن عائشة قالت کان رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم یوتر بثلاث لا یسلم الا فی آخرہن
اس کو نساکی نے بھی سنن صغریٰ میں نقل کیا ہے۔

دلیل ۲:- عن عائشة قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یسلم فی رکعتی الوتر رواہ

النسائی (8)

مگر عائشہ یہ روایت عن عائشہ نہیں بلکہ عن ابن عباس ہے۔ فلیراجع

دلیل ۳:- مروی الحاکم (9) فیل للحسن ان ابن عمر کان یسلم فی الركعتین من الوتر
فقال عمر کان افقہ منہ کان ینہض فی الثانیۃ بالتکبیر۔

دلیل ۴:- مصنف ابن ابی شیبہ (10) میں حسن بصری کا قول ہے اجتمع المسلمون علی ان
الوتر ثلاث لا یسلم الا فی آخرہن۔

دلیل ۵:- طحاوی (11) میں ہے مسور بن مخزوم فرماتے ہیں۔

دفنا اہابکیر لیلاً فقال عمر انی لم اوتر فقام وصفنا وراءہ فصلی بنا ثلاث
رکعات لم یسلم الا فی آخرہن۔ قال الشافعی وسندہ صحیح

دلیل ۶:- طحاوی (12) عن ابی الزناد قال اثبت عمر بن عبدالعزیز الوتر بالمدينة بقول
الفقهاء ثلاثاً لا یسلم الا فی آخرہن۔

دلیل ۷:- مستدرک حاکم (13) و مصنف ابن ابی شیبہ (14) کی روایت ہے ان هذا وتر عمر
اخذہ من اهل المدينة ای عن عمر بن خطاب۔

دلیل ۸:- عن ثابت (رواہ الترمذی (15) فی مناقب انس مگر یہاں بغیر متن کے ہے قال

(8) ص: ۳۳۸ ج: ۱ "عن عائشہ رضی اللہ عنہا" (9) مستدرک حاکم ص: ۳۰۴ ج: ۱ (10) ص: ۲۹۳ ج: ۲ "من کان یوتر بثلاث

او اکثر" (11) ص: ۲۰۹ ج: ۱ "باب الوتر" ایضاً مصنف ابن ابی شیبہ ص: ۳۹۳ ج: ۲ (12) ص: ۲۰۷ ج: ۱ "باب الوتر"

(13) ص: ۳۰۴ ج: ۱ "الوتر حق" (14) لم اجدہ فی مصنف ابن ابی شیبہ لکن رواہ الحاکم فی المستدرک ص: ۳۰۴ ج: ۱ کذا فی حجتہ

الاحادیث ص: ۵۵۳ ج: ۲ (15) ص: ۲۲۲ ج: ۲

الشَّاهِدُ مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عَسَاكَرٍ مِمَّنْ اسْتَصْلَحَ مَتْنُ بَلْغِيَا قَالَ لِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ يَأْتَانِي عِذْعُنِي فَأَتِيكَ لِنِ تَأْخُذَهُ عَنْ أَحَدٍ أَوْ تَقِي مَنِي أَنِّي أَخَذْتَهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَخَذَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ جَبْرِئِيلَ وَأَخَذَهُ جَبْرِئِيلُ عَنْ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَهُوَ الْوُتْرُ ثَلَاثٌ بِسَلَامٍ وَاحِدٍ - قَالَ الشَّاهِدُ وَرَجَالُ السَّنَدِ الثَّقَاتِ الْأَمِيعُونَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ لَمْ أَعْلَمْ حَالَهُ إِلَّا أَنَّهُ أَدْرَجَهُ ابْنُ حِبَّانٍ فِي كِتَابِ الثَّقَاتِ وَقَالَ السَّيُوطِيُّ فِي جَمْعِ الْحَوَامِعِ اسْتَدَاهُ حَسَنٌ -

دلیل ۹:- دارقطنی (16) میں ابن مسعود سے مروی ہے جس میں مغرب کی نماز کو وتر نہا اور مجبوث عن وتر کو وتر اللیل قرار دیا تو چونکہ مغرب کی نماز میں ایک سلام ہے تو وتر بھی ایک سلام کے ساتھ ہو گئے اسی لئے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ صراحۃً دوسری رکعت پر سلام کی نفی آئی ہے فاذن نثرک تبادر الاحادیث المدافعة علی السلام علی التانیة منال حدیث فاوتر بواحد۔

چوتھا مسئلہ باب ماجاء فی الوتر الخمس میں عائشہ اور بعض طرق میں ابن عباس کی حدیث ہے کہ کافی ابی داؤد (17) اس طرح مسلم میں عائشہ کی حدیث پر بھی ایک اعتراض ہے مسلم (18) میں سعد بن ہشام کی راویت ہے کہ انہوں نے عائشہ سے پوچھا انہی عن وتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو جواباً فرمایا یصی سبع رکعات لا یجلس فیہا الا فی الثامنة فیذکر اللہ ویحمدہ ویدعوہ اس کے ظاہر سے معصوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نو رکعات میں سے سوائے آخری رکعت کے کسی پر سلام نہیں پھیرا اور نہ ہی قعود فرمایا۔

علامہ عینی نے جواب دیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ چھ رکعت تہجد کی ہوتی تھی اور تین رکعت وتر کی اور آٹھ رکعت پر بیٹھنے سے مراد وتر کا قعدہ اولیٰ ہے مطلب یہ ہوا کہ کسی میں قعدہ اولیٰ نہیں تھا سوائے وتر کے باقی نماز میں چونکہ دو رکعت ہوتی تھیں تو ہر ایک کے اخیر میں قعدہ ہوتا چونکہ سائل نے صرف وتر کے بارے میں سوال کیا کہ تہجد کے بارے میں تو جواب میں وتر کی تفصیلاً اور تہجد کی کیفیت اجمالاً بتائی۔ ابن عباس کی حدیث کے بعض طرق میں ہے اوتر الخمس اور ابو داؤد میں ہے ولا یسلم الا فی آخرہ (19) اس سے مذکورہ ترمذی

(16) دارقطنی ص ۲۰ ج ۲: رقم حدیث ۱۶۳ "الوتر ثلاث کلمات المغرب" (17) سنن ابی داؤد ص ۱۹۷ ج ۱: "باب فی صلوۃ اللیل" (18) ص ۲۵۶ ج ۲: "باب صلوۃ اللیل" (19) ص ۱۹۷ ج ۱: "باب فی صلوۃ اللیل"

میں عائشہ کی حدیث کی طرح یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ پانچوں رکعات ایک سلام کے ساتھ ہوگئی قال الشاہ چونکہ ابن عباسؓ سے مسلم میں تین وتروں کی تصریح آئی ہے کہ چھ تہجد اور تین وتر کی اور عائشہ کی احادیث میں تین رکعت کی تصریح آئی ہے پھر مسلم کی روایت تنہا نہیں بلکہ اور بھی متابع موجود ہیں۔ ایک متابع طحاوی (20) میں علی بن عبد اللہ بن عباس سے ہے کہ انہ علیہ السلام اور ثلثا اسی طحاوی (21) میں ایک اور متابع مخرمہ بن سلیمان سے بھی اسی مضمون کا ہے اگرچہ کتاب کی غلطی سے یہ بجائے مخرمہ کے قیس بن سلیمان سے مروی ہے۔ نسائی (22) میں سعید بن جبیر نے بھی متابعت کی ہے کہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر ثلثا ان تصریحات کی روشنی میں پانچ رکعت وتر سے دو رکعت کاٹ دیں گے اور کہیں گے کہ عائشہ وابن عباس رضی اللہ عنہما دونوں کی روایات میں پانچ سے مراد تین وتر ہے اور دو رکعت نفل نماز ہوتی تھی تو کل پانچ رکعت سے تعبیر کیا تا کہ تعارض نہ رہے۔

اعتراف :- یہ توجیہ تب چل سکتی ہے کہ اگر مطلقاً پانچ کا ذکر ہوتا حالانکہ ابن عباس کی روایت ابو داؤد میں ہے ولا سلم الا فی آخرہن اسی طرح مسند شافعی میں بھی درمیان میں سلام کی نفی آئی ہے۔

جواب :- نبی صلی اللہ علیہ وسلم معمول کے مطابق نماز پڑھتے تھے لیکن وتروں کا سلام زور سے کہتے حتیٰ کہ عائشہ فرماتی ہیں کہ ہمیں جگاتے تو وہ جہری سلام مراد ہے۔ اس جواب سے ابن عباس کی حدیث کی توجیہ تو ہوگئی لیکن حدیث عائشہ کہ لا تجلس فیہن الا فی آخرہن یہ بھی حل طلب ہے۔

اس کے جواب کا ایک عام طریقہ ہے ایک حضرت شاہ صاحب کا ہے۔ فرق دونوں میں یہ ہے کہ عام جواب میں دو رکعت نفل وتروں کے بعد سمجھے گئے ہیں جبکہ شاہ صاحب کی توجیہ اس پر مبنی ہے کہ دو رکعت وتروں سے قبل ہیں پھر عام توجیہ میں تین جواب ہیں۔

جواب ۱:- لا تجلس جلوساً طویلاً (ای جلوس الدعاء) فی شئی منہن الا فی آخرہن اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے بعد وتر پڑھتے پھر بیٹھ کر دو رکعت نفل پڑھتے پھر جلوس طویل فرماتے جس میں دعاء وغیرہ ہوتی۔

جواب ۲:- گنگوہی صاحبؒ نے کوکب میں دیا ہے کہ لا تجلس سے مراد تشہد کا جلوس نہیں جو مقابل قیام ہے بلکہ مراد وہ جلوس ہے جو قیام کا قائم مقام ہے یہاں اس کی نفی مراد ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ تہجد کی نماز

اور وتر کی نماز بیٹھ کر نہ پڑھتے اگر کبھی بیٹھ بھی جاتے تو تیس چالیس آیات جب رہ جاتی تو کھڑے ہو جاتے البتہ وٹروں کے بعد دو رکعت میں جلوس کرتے جو قائم مقام قیام کا ہوتا یعنی لا تجلس فی تلك الخمسة الا فی آخرهن ای فی الرکعتین الاخیرتین۔

جواب ۳:- گنگوہی صاحبؒ ہی کا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کی نماز پڑھتے تو ہر چار رکعت کے بعد استراحت فرماتے جس کو جلسہ استراحت کہتے ہیں لیکن جب وتر مع الرکعتین پڑھتے تو لا تجلس بینہن الا فی آخرہن یعنی جلسہ استراحت آخر میں کرتے۔

جواب ۴:- حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ دو رکعت وٹروں سے قبل ہیں بعد نہیں اگرچہ یہ دو رکعت بعد الوتر جلساً صحیحین (23) کی روایت سے ثابت ہیں لیکن میں مطمئن نہیں کیونکہ امام مالک نے اس کا انکار کیا ہے امام احمد سے جب اس کے بارے میں پوچھا گیا تو کہا کہ میں خود تو نہیں پڑھتا مگر پڑھنے والے کو روکوں گا بھی نہیں۔ امام بخاری (24) نے ان دو رکعتیں کی حدیث کی تخریج کی ہے مگر باب قائم نہیں کیا معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری بھی اس سے مطمئن نہیں امام شافعی و ابو حنیفہؒ سے بھی اس بارے میں کوئی روایت مروی نہیں۔

اس توجیہ کے مطابق اشکال کا جواب یہ ہوگا کہ حضور پانچ رکعت کے درمیان نہیں بیٹھتے تھے اس سے نفس قعود و سلام کی نفی نہیں بلکہ مراد وقفہ طویلہ کی نفی ہے جیسے وقفہ نوم یا وضو یا مسواک وغیرہ کا وقفہ۔ شاہ صاحب کی اس توجیہ سے یہ اعتراض بھی دفع ہوا کہ دارقطنی میں (25) بعض روایات میں وٹروں کو مغرب کی نماز کے ساتھ مشابہ کرنے کے ممانعت آئی ہے جس سے حنفیہ پر اعتراض وارد ہوا کہ وتر مغرب کی طرح نہیں پڑھنی چاہئے بلکہ دو سلام کے ساتھ پڑھنی چاہئے تو جواب ہو گیا کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وٹروں سے پہلے کچھ پڑھ لیا کرو مغرب کی طرح مست بناؤ تا سیدہ طحاوی (26) میں ابو ہریرہ کی روایت سے ہوتی ہے ان لا یكون الوتر خلافاً عن شی قبل الوتر۔

(23) صحیح بخاری ص: ۱۵۵ ج: ۱ صحیح مسلم ص: ۲۵۳ ج: ۱ "باب صلوة اللیل" ایضاً نسبی کبریٰ ص: ۳۳ ج: ۳ "باب فی الرکعتین

بعد الوتر" (24) صحیح بخاری ص: ۱۵۵ ج: ۱ "باب المدادۃ علی رکعتی الفجر" (25) ص: ۱۹ ج: ۲ رقم حدیث ۱۶۳۲ و ۳۵۲ و ۳۶

"لا تظہروا الوتر بصلوة المغرب" (26) لم اجدہ البتہ اس مسئلے کے لئے رجوع فرمائیے علیٰ آثار اسنن ص: ۲۰۵

باب ماجاء ما یقرأ فی الوتر

وتروں میں سورہ فاتحہ کے بعد کوئی سورتیں پڑھنا مسنون ہیں تو اس میں روایات متعدد ہیں سابقہ سے جو ستہ باب میں ہے۔

(باب ماجاء فی الوتر بثلاث) عن علی کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلاث یقرأ فیہن تسع سور من المفصل یقرأ فی کل رکعة بثلاث سور اخرهن قل هو اللہ احد

اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وتروں کی تینوں رکعات میں تین تین سورتیں پڑھا کرتے تھے پھر اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ نو سورتیں پڑھتے تھے اور ختم قل ہو اللہ احد پر کرتے تھے اس کی تائید ایک اور روایت سے ہوتی ہے جو مفسر ہے اس میں ہے کہ پہلی رکعت میں الکافرون اور زلزال پڑھتے دوسری میں عصر نصر اور کوثر پڑھتے۔ تیسری میں کافرون، تبت اور سورہ اخلاص اس میں سورتوں میں ترتیب موجودہ ترتیب کے مطابق نہیں کہ یہ ترتیب بعد میں دی گئی ہے یہ ترتیب نزولی نہیں۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ ہر رکعت میں دو سورت پڑھتے تھے مستظلاً اور دو کے بعد قل ہو اللہ احد پڑھتے تو کل سور چھ ہو جائیں گی سوائے سورہ اخلاص کے اور سورہ اخلاص کے ساتھ سات ہو جاتی تھیں۔ باب کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی میں سج دوسری میں قل یا ایہا الکافرون تیسری میں سورہ اخلاص پڑھتے تھے "فی رکعة رکعة" کا یہی مطلب ہے۔ اب باب کی اگلی روایت جو بواسطہ عائشہ مروی ہے اس میں سورہ اخلاص کے ساتھ معوذتین کا اضافہ ہے۔

یہاں بظاہر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ تیسری رکعت سابقہ دو سے زیادہ لمبی ہو جائیگی۔

جواب ۱:- معوذتین کی زیادتی صحیح نہیں دلیل یہ ہے کہ امام احمد، یحییٰ بن معین اور ابن جوزی نے اس زیادتی کا انکار کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک معوذتین کی زیادتی مستحب نہیں اگرچہ شافعیہ و مالکیہ کے نزدیک یہ اضافہ مستحب ہے۔

جواب ۲:- اگرچہ تیسری رکعت سابقہ دو کی بہ نسبت لمبی ہو جائیگی لیکن سابقہ رکعتوں کا شفع الگ ہے تو

کوئی کراہیت نہیں ہوگی کہ ثانیہ کو مختصر کرنے یا برابر رکھنے کا حکم ایک شفعے میں ہے نہ کہ الگ الگ میں۔

باب ماجاء فی القنوت فی الوتر

رجال:-

برید بصیفہ تصغیر ہے ثقہ ہیں۔ ابی الحوراء کا نام ربیعہ بن شیبان ہے ثقہ ہیں۔

تشریح:-

اس باب میں چار مسئلے ہیں پہلا یہ کہ قنوت پڑھنا سال بھر مشروع ہے یا صرف رمضان میں؟ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ قنوت قبل الکرکوع ہے یا بعد الکرکوع؟ تیسرا یہ ہے کہ قنوت کی دعا کونسی ہے؟ چوتھا مسئلہ عند القنوت یا عند تکبیر القنوت رفع الیدین ہے یا نہیں؟

پہلے مسئلے میں اختلاف ہے امام مالک کے نزدیک صرف رمضان میں دعائے قنوت ہوئی نہ کہ باقی گیارہ مہینوں میں۔ دوسرا مذہب امام شافعی و احمد کا ہے کہ دعائے قنوت صرف رمضان کے نصف اخیر میں ہوگی ابن رشد نے بعض قول نقل کیا ہے کہ رمضان کے نصف اول میں ہوگی۔ حنفیہ و جمہور فقہاء و محدثین کا مذہب یہ ہے کہ قنوت پورے سال میں ہوگی۔

شافعیہ وغیرہ کی دلیل باب میں علی کی موقوف روایت سے ہے ان کا ان نقلت الابی النصف الا خر من

رمضان (۱)

اس کے مقابلے میں حنفیہ و جمہور کا استدلال حسن بن علی باب کی روایت سے ہے غسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلمات اقول لیس فی اللہ تر اس میں رمضان وغیر رمضان کا فرق نہیں پایا گیا۔

باب ماجاء فی القنوت فی الوتر

(۱) اسی طرح ان کا دوسرا استدلال مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت سے بھی ہے۔ ان کا ان نقلت الابی النصف یعنی من رمضان ص ۳۰۵ ج ۲ "من قال القنوت فی النصف من رمضان"

ماکینا ہے

(4) ابن ماجه: 83، في القنوت في الوتر قبل وبعد (5) منصف ابن أبي شيمس: 200، ج 2.

کو دعائے قنوت یاد ہو تو یاد ہونے تک اللہم اغفر لی تین مرتبہ پڑھ لیا کرے و قیل یارب یارب تین دفعہ پڑھ لے و قیل ربنا آتانی الدنیا نلح پڑھے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ حدیث پر عمل کرنے کے بعض دعویداروں نے اعتراض اٹھایا ہے کہ احناف کی قنوت ثابت بالحدیث نہیں۔ قال الشاہ یہ اس کی غفلت کا نتیجہ ہے کہ سیوطی نے اتھان میں (6) قوی سند کے ساتھ نقل کیا ہے اور یہ کہ اسکو سورہ ہند اور خلع کہتے ہیں اور یہ کہ یہ ابی بن کعب کے مصحف میں ثابت بھی ہے البتہ منسوخ الاودۃ ہے یہی وجہ ہے کہ احناف کی بعض کتب میں ہے کہ جنہی کے لئے دعائے قنوت نہیں پڑھنی چاہیے۔ اسی طرح مراہیل ابی داؤد (7) میں بھی اس قنوت کے اکثر الفاظ آئے ہیں۔ امام بیہقی (8) دہلوی (9) نے بھی صحیح سند کے ساتھ اس کو عمر سے روایت کیا ہے کیف یقول ہذا بانہ غیر ثابت؟ امام محمد سے مروی ہے کہ کوئی مخصوص دعا پر انحصار نہیں کرنا چاہیے وجہ یہ ہے کہ نہ لگا کر کے کوئی مخصوص دعا یاد کی ہے تو معافی کی طرف توجہ نہیں رہتی۔ نیز اس سے رقت قلب نہیں ہوتی مگر عند اللہ اکثر نماز کے لئے عموماً مخصوص دعا ہوتی چاہئے تاکہ کلام الناس کے مشابہ کوئی کلام زبان پر نہ آئے ویسے عام دعاؤں میں کوئی دعا مخصوص نہ کرنی چاہئے البتہ اللہم انہ نستعینک بخصوص عندنا واجب نہیں صرف مسنون ہے لہذا اگر کوئی دوسری دعا پڑھ لی تو جائز ہے۔

چوتھا مسئلہ رفع یدین کا ہے رفع یدین ہمارے نزدیک مسنون ہے اور تکبیر میں دو قول ہے۔ ۱۔ واجب ہے۔ ۲۔ سنت ہے۔ قول راجح مسنون ہونے کا ہے قال الشاہ بعض مدعیان عمل بالحدیث نے رفع یدین کا انکار کیا ہے قال البیہقی اس سے مراد مولوی نذیر حسین ہے جنہوں نے شاہ احمق سے پڑھا ہے مگر یہ انکار صحیح نہیں کہ امام بخاری نے جزء رفع یدین میں ابن مسعود اور حضرت عمر کا اثر نقل کیا ہے جس میں رفع یدین مند انتسکبہ القنوت کا ذکر ہے۔ طحاوی (10) میں صحیح سند کے ساتھ ابراہیم نخعی کا اثر ہے ترفع الایدی فی سبع مواطن وفی التکبیر للقنوت فی الوتر اسی طرح امام بیہقی نے المعروف میں رفع یدین کا اقرار کیا ہے کہ ابو ہریرہ اور ابن مسعود سے

(6) بحوالہ معارف السنن ص ۲۳۳ ج ۴ (7) مراہیل ابی داؤد ص ۸۰ باب ماجاء عن النبی عن الصلوۃ انیسہ (8) سنن کبریٰ

لتلخیص ص ۲۱۱ ج ۲ باب دعا القنوت ایضاً مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۱۵ ج ۲ باب ماجاء فی قنوت النجاشی (9) شرح معانی

الآثار ص ۷۷ ج ۱ باب القنوت فی الصلوۃ الفجر وغیرہا (10) ص ۷۳ ج ۱ باب رفع الیدین مند راجع البیہقی

ثابت ہے اسی طرح رافعی نے بھی عثمان کھول اور ابو قلابہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

قال الشاہ کہ عمر کا اثر جو جزء رفع یدین للتخاری میں ہے اس سے مجھے شک پڑتا ہے کہ اس سے مراد وہ رفع نہیں جو عند التکبیر ة الاولی ہوتا ہے بلکہ دعاء کے وقت رفع کی طرح ہے یہی وجہ ہے کہ امام ابو یوسف عند الدعاء فی القنوت رفع یدین کر رفع الیدین عند الدعاء کے قائل ہیں۔

باب ماجاء فی الرجل ینام عن الوتر او ینسی

رجال:-

عبدالرحمن بن زید بن اسلم بنیاضیف جبکہ باپ (زید) ثقہ ہیں۔ ☆

باب ماجاء فی مبادرۃ الصبح بالوتر

رجال:-

یحییٰ بن زکریا ثقہ اور کتب ستہ کے رجال میں سے ہیں۔ بحیث اللہ ثقہ ثبت۔

تشریح:-

یہاں ترمذی نے دو باب قائم کئے ہیں پہلے باب میں دو حدیثیں ذکر کی ہیں دونوں میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ اگر کوئی رات کو وتر نہ پڑ سکا بھول کر یا اٹھ نہ سکا تو طلوع صبح کے بعد بھی اس کی قضاء بجالائے گا۔ دوسرے باب میں جن احادیث کا ذکر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طلوع فجر کے بعد وتروں کا وقت ختم ہو جاتا ہے امام ابو حنیفہؒ وسفیان ثوری کے نزدیک وتروں کی قضاء ہے لہذا طلوع فجر یا طلوع شمس کے بعد قضاء پڑھے گا یہاں تک کہ اگر آدمی صاحب ترتیب ہو اور وترہ گئے ہوں اور صبح کی نماز وتروں سے پہلے ادا کی تو صحیح نہیں۔ امام احمد و مالک کے نزدیک وتروں کی قضاء نہیں لہذا طلوع فجر سے وتر ساقط ہو گئے۔

یہ اختلاف ایک دوسرے اختلاف پر مبنی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک وتر واجب ہیں وغیر ادا کے ساقط نہ ہونگے اگر ثلاثہ کے نزدیک سنت ہیں تو قضاء نہ ہوگی۔ امام شافعی کا ایک قول بھی عدم قضاء کا ہے بنیاد یہی ہے کہ وتر عند سنت ہے دوسرا قول جو اظہر ہے۔ قضیہ متقی کا ان اور اس کی بنیاد اس حدیث پر ہے من نام عن وترہ الخ۔ حنفیہ کی دلیل پہلے باب کی حدیث سے ہے مگر اس پر اعتراض ہے کہ اس میں عبدالرحمن بن زید بن اسلم ہے جو ضعیف ہے جو قابل استدلال ہے۔

جواب :- پہلی روایت اگرچہ ضعیف ہے مگر عبدالرحمن کے بھائی عبداللہ کی حدیث آرہی ہے یہ صحیح ہے کہ عبداللہ ثقہ ہے خود ترمذی نے ابوداؤد کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے احمد سے عبدالرحمن کے بارے میں پوچھا تو فرمایا اخوہ عبداللہ لا بأس به امام بخاری کا قول بھی نقل کیا ہے بذکر عن علی بن عبداللہ وفیہ قال عبداللہ بن زید بن اسلم ثقہ مگر اس پر اعتراض یہ ہے کہ عبداللہ بن زید بن اسلم کی روایت مرسل ہے۔

جواب یہ ہے کہ یہ روایت امام ابوداؤد (1) نے موصولاً نقل کی ہے۔ وارقطنی (2) میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کبھی صبح ہو جاتی ہے مگر ہم وتر نہیں پڑھ سکتے تو فرمایا فلیوتر اذا أصبح۔ وارقطنی (3) کی ایک اور حدیث ہے للیقظ من الغد۔ امام حاکم نے (4) بھی ابو ہریرہ کی حدیث کی تخریج کی ہے اور طبرانی نے معجم کبیر (5) میں اس کا متابعت نقل کیا ہے۔

جو عدم قضاء کے قائل ہیں وہ دوسرے باب کی ابن عمر کی روایت سے استدلال کرتے ہیں مرفوعاً اذا طلع الفجر فقد ذهب کل صلوة لللیل والوتر یعنی وقت و ترواں اور رات کی نماز کا وقت ختم ہوا۔

جواب :- یہ ہمارے خلاف حجت نہیں کہ مقصد یہ ہے کہ وقت اداء ختم ہوا تو اس کے ہم بھی قائل ہیں رہا قضاء کا معاملہ تو اس میں اس کی نفی نہیں۔

باب ماجاء فی الرجل ینام عن الوتر . باب ماجاء فی مبادرة الصبح بالوتر

(1) یہ روایت بھی ترمذی نے ابی البتہ اس کا متابعت محمد بن حطوف ہے۔ سنن ابی داؤد ص: ۲۱۰ ج: ۱ "باب فی الدعاء بعد الوتر"

(2) ص: ۱۶ ج: ۲ رقم حدیث ۱۶۲۲ (3) ص: ۱۶ ج: ۲ رقم حدیث ۱۶۲۳ "من نام عن وترہ اولیہ"

(4) مستدرک للحاکم ص: ۳۰۳ ج: ۱ "الوتر حق" (5) معجم کبیر للطبرانی ص: ۲۸۱ ج: ۹ رقم حدیث ۹۳۱۲

باب ماجاء لاوتران فی لیلة

رجال:-

ملازم بن عمرو صدوق من الثماری۔ عبد اللہ بن بدر ابو زرعد ابن معین نے توثیق کی ہے۔

تشریح:-

حضرت طلق بن علی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ ایک رات میں دو وتر نہیں ہوتے یعنی جب ایک دفعہ وتروں کو اداء کیا تو دوبارہ ادا نہیں کیا جاسکتا مثلاً ما قال الفقہاء کہ ساقط شدہ چیز معاد نہیں ہوتی۔ لہذا وتر واجب الاداء تھے ادا نیکی کے بعد ذمہ فارغ ہوا دوبارہ نیا وقت جب تک داخل نہ ہوگا تو وتر لازم نہ ہونگے۔ یہی مذہب ہے ائمہ اربعہ اور جمہور کا کہ اگر ایک آدمی بعد العشاء وتر پڑھے اور تہجد کے وقت صلوٰۃ اللیل کے لئے اٹھا تو وہ تہجد کی نماز پڑھ لے اور جو وتر عشاء کے بعد پڑھے ہیں وہ صحیح ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

امام اہل حق فرماتے ہیں کہ اگر بعد العشاء وتر پڑھے اب رات کے اخیر میں بیدار ہوا اور تہجد پڑھنا چاہتا ہے تو پہلے وہ ایک رکعت پڑھ کر اسکو عشاء کے وتروں کے ساتھ ضم کر لے تو وہ شفعہ بن جائے گا اس طرح وہ وتر نوٹ جائے گا۔ اسی عمل کو عندہ نقض الوتر کہتے ہیں اور بعد التہجد اخیر میں پھر وتر پڑھ لے۔ امام اہل حق کا استدلال بخاری (۱) کی اس روایت سے ہے اجعلوا آخر صلوٰتکم باللیل و تراویہ نقض وتر اور دوبارہ وتر پڑھ کر ہی ممکن ہے چنانچہ حضرت ابن عمر بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

جواب:- اجعلوا آخر صلوٰتکم باللیل وتر اُمیں امر للندب ہے لالوجوب لہذا بعد الوتر اگر تہجد کی نماز پڑھی تو صحیح ہو جائے گی۔ اس پر جمہور کے پاس ایک دلیل یہ ہے کہ ترمذی کے اسی باب میں ام سلمہ کی روایت ہے

باب ماجاء لاوتران فی لیلة

(۱) صحیح بخاری ص: ۱۳۱ ج: ۱ باب جعل آخر صلوٰت وتر“ ایضاً صحیح مسلم ص: ۲۵۷ ج: ۱ باب صلوٰۃ اللیل الخ“

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلي بعد الوتر رکعتین اسی طرح صحیحین (2) کی روایت سے بھی دو رکعت بعد الوتر پڑھنا ثابت ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایک رکعت تہجد کے وقت پڑھ کر عشاء کے وتروں کے ساتھ ضم کرنا نامعقول ہے کہ چار پانچ گھنٹوں کا وقت بھی فاصل ہے اور لحوق حدیث بھی ہوا ہے۔ جہاں تک ابن عمر کا عمل ہے تو یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے کہ ان کے پاس اس بارے میں کوئی مرفوع حدیث نہ تھی۔ کہ امام محمد بن نصر المروزی نے کتاب الوتر (3) میں ابن عمر سے نقل کیا ہے کہ یہ میری اپنی رائے ہے مرفوع حدیث نہیں۔

شرح معانی آثار طحاوی (4) میں ہے کہ ابن مسعود کے اصحاب ابن عمر کے نقض وتر پر تعجب کرتے تھے جب یہ ہے کہ رات کی آخری نماز کو اول لیل کی نماز کے ساتھ کیسے ضم کیا جاسکتا ہے۔

جمہور کی دلیل ۲:- باب کی حدیث ہے لا وتران فی لیلۃ یعنی ایک رات میں دو وتر نہیں جیسے کہ مصنف عبد الرزاق میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ابن عباس کے سامنے ابن عمر کے وتروں کا ذکر ہوا تو فرمایا کہ وہ تو پھر تین مرتبہ وتر پڑھتے ہیں ایک بعد العشاء ایک قبل التہجد ایک بعد التہجد۔ حاصل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل وقول سے ثابت ہے کہ ایک دفعہ وتر کے بعد دوسری کوئی نماز پڑھ لے تو وتر صحیح ہے۔ البتہ دو رکعت بعد الوتر کے بارے میں ائمہ اربعہ کا موقف گنرا ہے۔ تاہم سوال یہ ہے کہ یہ بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے یا کھڑے ہو کر؟ تو بقول نووی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹھ کر پڑھنا تشریعاً نہ تھا بلکہ عذراً تھا لہذا کھڑے ہو کر پڑھنا چاہیے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اگر یہ ثابت ہو کہ بعد الوتر دو رکعت ہیں تو بیٹھ کر پڑھنا بہتر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عذر کی وجہ سے نہیں پڑھتے۔ بلکہ بطور تکمیل وتر تو چونکہ اس کا درجہ نوافل بعد الغرض سے کم ہے اس لئے بیٹھ کر پڑھ لئے جائیں۔ (تدبر)

(2) صحیح بخاری ص ۱۵۵ ج ۱ "باب المدادۃ علی رکتی الفجر" صحیح مسلم ص ۲۵۳ ج ۱ "باب صلوة اللیل الخ"

(3) کنزانی معارف السنن ص ۲۵۷ ج ۳

(4) شرح معانی الآثار ص ۲۳۷ ج ۱ "باب الطلوع بعد الوتر"

باب ماجاء فی الوتر علی الراحلة

رجال:-

ابی بکر بن عمر المذنی ثقہ ہیں۔ سعید بن یسار المذنی بھی ثقہ ہیں۔ ۳۳۷

تشریح:-

سعید بن یسار سے روایت ہے کہ میں ابن عمر کے ہمراہ ایک سفر میں تھا تو میں دوران سفر پیچھے رہ گیا ان سے ملنے کے بعد انہوں نے فرمایا کہ! این کنت؟ میں نے کہا وتر پڑھ رہا تھا۔ انہوں نے کہا کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ کافی نہیں! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راحلہ پر وتر پڑھتے دیکھا ہے۔

اس سے استدلال کر کے اسے بخلاشہ و جمہور کے نزدیک دیگر نوافل و سنن کی طرح وتر بھی راحلہ پر پڑھنا جائز ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وتر سواری پر پڑھنا جائز نہیں الا بعدہ تو فرضوں کی طرح وتر بھی جائز ہوسکتے یہ اختلاف مبنی ہے گذشتہ اختلاف پر کہ عند الجمہور وتر سنت ہے تو راحلہ پر جائز عند الامام واجب ہے تو بلا مانع اترنا لازم ہوگا۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل طحاوی (۱) کی روایت ہے جو ابن عمر سے مروی ہے۔

انه كان يصلي على راحلته ويوتر بالارض ويقوم ان رسول الله صلى الله عليه

وسلم كذلك كان يفعل

طحاوی کی یہ روایت صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے۔ یہ روایت مسند احمد (۲) میں بھی ہے امام ابو حنیفہؒ کی

طرف سے باب کی حدیث کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں۔

باب ماجاء فی الوتر علی الراحلة

(۱) شرح معانی الآثار ص: ۲۸۳ ج: ۱ "باب الوتر علی صلی فی السفر علی الراحلة ام لا"

(۲) مسند احمد ص: ۴۲۷ ج: ۲ رقم حدیث ۳۶۲۹

جواب ۱:- طحاوی (3) نے دیا کہ ممکن ہے کہ ابن عمر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جن دنوں میں راحلہ پر وتر پڑھتے ہوئے دیکھا ہو اس وقت وتر واجب نہ ہوا ہو لیکن قال الشاہ یہ جواب عندی صحیح نہیں کہ کسی روایت سے بین الوتر تفریق معلوم نہیں کہ شروع میں سنت تھے بعد میں واجب ہوئے۔

جواب ۲:- قال الشاہ ابن عمر تہجد پر بھی وتر کا اطلاق کرتے ہیں تو سعید بن یسار نے تہجد کی نماز زمین پر پڑھی تو ابن عمر نے اعتراض کیا۔

جواب ۳:- سعید بن یسار عذر کی وجہ سے بھی وتر سواری پر پڑھنا جائز نہ سمجھتے تھے ابن عمر نے انکو فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (بحالت عذر) وتر راحلہ پر پڑھتے تھے اسکی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ابن عمر نے زمین پر وتر کو خلاف سنت قرار دیا حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زمین پر وتر پڑھنا ثابت ہے۔

جواب ۴:- نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر جو سواری پر پڑھے ہیں یہ آپ کی خصوصیت تھی یا العذر پڑھے ہو گئے اور عذر کی وجہ سے فرض بھی سواری پر جائز ہے۔

جواب ۵:- ابن عمر کی روایات باہم متعارض ہیں فلذا قال الطحاوی اما وجہ النظر والقیاس فیتضح عدم الجواز علی الراجلہ کیونکہ اس پر اتفاق ہے کہ اگر آدمی قادر علی القیام ہو تو بیٹھ کر وتر نہیں پڑھ سکتا تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ جب آدمی قادر علی النزول ہو تو وتر سواری پر جائز نہیں ہونے چاہیے۔

باب ماجاء فی صلوۃ الضحیٰ

رجال:-

موسیٰ بن فلان مجہول من السادسة - عن عمه ثمامہ بن افس قال الخافض فی الترمذی ثمامہ بن عبد اللہ بن افس بن مالک بصرہ کے قاضی اور صدوق ہیں طبقہ راہبہ میں سے ہیں۔ ☆

تشریح:-

ضحیٰ بضم الضاد والالف المقصورة ہو طلوع الشمس یا ارتفاع النهار قلینا کو کہتے ہیں ایک اور ضحاء بضم الضاد وتشدید الحاء الحمد ودریاض النهار کو کہتے ہیں جو ایک چوتھائی دن کے گزرنے کے بعد زوال تک ہوتا ہے اس پر ضحاء کا اطلاق ہوتا ہے۔

ابن عباس کی روایت کو علامہ شعرانی کے کشف الغمہ میں روایت کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چاشت و اشراق دونوں ایک ہیں جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک بھی دونوں میں فرق نہیں۔ مگر جلال الدین سیوطی علی متقی اور صوفیاء دونوں میں فرق کرتے ہیں اشراق کی نماز وہ ہے جو طلوع شمس کے بعد وقت مکروہ کے اختتام پر اداء کی جائے اور چاشت کی نماز وہ ہے جو ضحوة الکبریٰ میں اداء کی جائے۔

حاصل یہ ہے کہ ضحوة الصغریٰ میں اشراق اور ضحوة الکبریٰ میں چاشت کا وقت ہے مثلاً چھ بجے طلوع اور بارہ بجے زوال ہے تو نو بجے سے چاشت کا وقت زوال سے پہلے تک ہوگا۔ قال ابن العربی فی العارضة کہ غنی کی نماز ادیان سابقہ میں فرض تھی شام کی نمازوں کی طرح استدلال اس آیت سے کرتے ہیں ”انا حرمنا الجبال معہ یسبحن بالضحی والاشراق“ الایہ (۱) پھر غنی کی نماز منسوخ ہوئی اس امت کے حق میں اور صلوٰۃ الضحیٰ بدستور فرض رہی۔ صلوٰۃ ضحیٰ کی مقدار متعین نہیں مگر جمہور کے نزدیک ادنیٰ مقدار دو رکعت اور زیادہ بارہ رکعت ہیں۔

اس کی شرعی حیثیت میں بھی علماء کا تھوڑا سا اختلاف ہے حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک اور عام حنابلہ کے نزدیک یہ مستحب ہے امام احمد سے ایک قول یہ ہے کہ اگر آدمی اس پر مداومت نہ کرے تو مستحب ہے یعنی احیاناً مستحب ہے۔ اکثر شافعیہ کے نزدیک مسنون ہے بعض فرق کرتے ہیں کہ گھر میں پڑھنا مستحب ہے نہ کہ مسجد میں بعض اس کو مستحب علی الدوام کہتے ہیں ابن مسعود اس کو مستحب نہیں مانتے۔ اور ابن عمر اس کو بدعت مانتے ہیں (۲) حضرت عائشہ سے ایک روایت اثبات کی ہے (۳) اور ایک نفی کی (۴) لیکن نفی کی روایت کو ان کے

باب ماجاء فی صلوٰۃ الضحیٰ

- (۱) سورۃ صم رقم آیت ۱۸ (۲) کذا فی معارف السنن ص: ۲۶ ج: ۳ (۳) کنانی صحیح مسلم ص: ۲۳۹ ج: ۱ باب استحباب صلوٰۃ الضحیٰ ص: ۲۳۹ ج: ۱ ایضاً مصنف ابن ابی شیبہ ص: ۳۰۶ ج: ۲ ص: ۲۳۹ ج: ۱ (۴) کذا فی صحیح مسلم ص: ۲۳۹ ج: ۱ ایضاً ص: ۲۳۹ ج: ۱ باب استحباب صلوٰۃ الضحیٰ

عدم رویت پر محمول کیا گیا ہے بعض کے نزدیک صلوٰۃ ضحیٰ مستقل نماز نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا سفر سے واپس ہو کر کما قال ابن تیمیہ یا بطور شکرانہ کافی روایت ام ہانی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن آٹھ رکعت نماز پڑھی۔ صحیح قول یہ ہے کہ مستحب بلا کراہیت ہے علامہ یعنی نے عمدہ میں اس کو پچیس طرق سے ثابت کیا ہے (5) لہذا ابن ابی لیلیٰ کا حدیث باب میں یہ کہنا کہ صلوٰۃ ضحیٰ کے بارے میں مجھے سوائے ام ہانی کے کسی اور نے بیان نہیں کیا یہ نفی ماعدا پر دلالت نہیں کرتا کہ عدم علم، علم عدم کو مستلزم نہیں ہوتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام کو پسند کرتے ہیں مگر مداومت اس لئے نہیں کرتے تاکہ فرض نہ ہو جائے اور کبھی کسی کام کو پسند نہیں کرتے مگر اس پر ایک دو دفعہ عمل کرتے ہیں تاکہ حرام نہ سمجھا جائے۔ پہلی قسم کو مستحب اور دوسری کو بیان جواز کہتے ہیں جس کا کرنا رخصت اور ترک عزیمت ہوتا ہے تو اس میں ترک اولیٰ ہوتا ہے جبکہ قسم اول میں عمل اور فعل اولیٰ ہوتا ہے اور ترک رخصت۔

قال الشاہ صلوٰۃ ضحیٰ کی تالی احادیث صحیح ہیں فعلی احادیث نادر ہیں اس باب میں پہلی حدیث انس سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ضحیٰ کی بارہ رکعت نماز پڑھی تو اللہ اس کے لئے جنت میں سونے کا محل تیار کرے گا۔ دوسری روایت ام ہانی کی (یہ حضرت علیؓ کی ہمشیرہ ہیں اسبہا فاختہ) کہ فتح مکہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر آئے غسل کیا پھر آٹھ رکعت نماز پڑھی۔

تیسری روایت ابوالدرداء وابو ذر کی ہے حدیث قدسی ہے کہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن آدم میرے لئے دن کے شروع میں چار رکعت نماز پڑھ لو تو میں سارے دن تیرے لئے کافی ہوں گا چار رکعت سے مراد فجر کی نماز بھی ہو سکتی ہے اور اشراق و چاشت کی بھی۔ الکفک آخرہ کا ایک مطلب یہ ہے کہ جو نوافل مبہمہ ہے جس کے ثواب کا تجھے علم نہیں تو وہ لکھ لوں گا دوسرا یہ کہ دنیاوی ضروریات پوری کروں گا مفتی دلی حسن فرماتے ہیں کہ طلباء کو بعد از فراغت ضحیٰ کی نماز پڑنی چاہئے کہ تجربہ شاہد ہے کہ اللہ اس کو غنی کر دیتا ہے۔

چوتھی روایت ابو ہریرہ سے ہے وفیہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو یہ نماز پڑھ لے تو تمام گناہ معاف ہو گئے اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں یعنی صغائر یہ چار روایات عدد کے بارے میں ہیں۔ دو سے بارہ تک۔ بعض نے لکھا ہے کہ چھ اور دس نہیں پڑھنی چاہئے کہ روایت سے دو چار آٹھ اور بارہ

ثابت ہیں چھ اور دس نہیں۔ تاہم شامل ترمذی میں حضرت انسؓ کی روایت میں چھ رکعات کی تصریح ہے۔

پانچویں روایت ابو سعید خدریؓ کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھتے یہاں تک کہ انہیں گمان ہوتا کہ اب نہیں چھوڑیں گے اور چھوڑتے تو یہ گمان ہوتا کہ اب نہیں پڑھیں گے۔ (تا کہ فرض نہ ہو جائے)

اعتراف:۔ فی حدیث عائشہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب عمل شروع فرماتے تو اس پر مداومت فرماتے اور یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اس کو چھوڑ دیتے۔

جواب:۔ حدیث عائشہ کا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی عمل کو شروع فرماتے تو اس پر مداومت فرماتے یعنی جس عمل پر مداومت فرماتے حتیٰ کہ اگر ایک فرد چھوڑتے تو دوسرے فرد پر عمل کرتے تو افراد میں تبدیلی آتی تھی مگر جس عمل ایک رہتا تھا۔

جواب ۲:۔ مداومت سے مراد دوام قصدی اور ارادی ہے یعنی آپ اسی عمل کے کرنے کی رغبت رکھتے تھے اگرچہ اسباب و عوارض خارجیہ کی وجہ سے ترک فرماتے یہ دونوں جواب گنگوہی صاحبؒ نے کوکب میں دیئے ہیں۔

باب ماجاء فی الصلوۃ عند الزوال

رجال:۔

محمد بن مسلم اپنی کنیت ابو سعید سے مشہور ہیں صدوق بہم۔ عبد اللہ بن السائب باب بیادوں صحابی ہیں ترمذی میں ان سے فقط یہی ایک روایت ہے۔

تشریح:۔

عبد اللہ بن سائب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج کے زوال کے بعد اور قبل الظہر چار رکعت پڑھتے تھے اور فرمایا کہ یہ ایسی گھڑی ہے جس میں آسمانوں کے دروازے کھل جاتے ہیں تو میں چاہتا ہوں کہ اس میں اوپر کی طرف میرا عمل جائے۔

قال الشاہ یہ چار رکعت ظہر کی سنت ہیں عندنا امام شافعی کے نزدیک یہ چار رکعت صلوٰۃ الزوال ہے پہلے

مستقل گذرا ہے کہ ظہر سے پہلے سنن رواتب چار ہیں یا دو؟ تو عند الشافعی چونکہ دو ہیں لہذا وہ ان چاروں کو صلوة الزوال پر محمول کرتے ہیں اور اس حدیث کے رو سے ان کے مذہب پر کوئی اشکال وارد نہیں ہو سکتا۔ لیکن حنفیہ پر اعتراض ہے کہ یہ صلوة الزوال ہے ظہر کی نماز سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

قال الشافعی جوابہ کہ روایت باب کو مصنف نے شامل میں بھی نقل کیا ہے جس کی سند میں عبیدہ ہے جو عند احمد ثین ضعیف ہے لہذا یہ قابل حجت نہیں۔ لیکن عراقی فرماتے ہیں کہ یہ چار سنن قبلہ کے علاوہ ہے والیہ مال لکنکو ہی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ نماز سنت الظہر قرار دیں تو مع الظہر متصل نہیں رہے گی خصوصاً گرمیوں کے زمانے میں کہ زوال اور صلوة الظہر میں کافی وقفہ ہوتا ہے بہر حال یہ چاروں ایک ہی سلام کے ساتھ ادا کی جائیں گی کما صرح بہ الترمذی لایسلم الا فی آخرہن۔

باب ماجاء فی صلوة الحاجة

رجال:-

و نا عبد اللہ بن منیر چونکہ یہ امام ترمذی کے شیخ ہیں اس لئے اس کو حد ثا علی بن عیسیٰ پر عطف کیا جائے گا اگرچہ مختصر تو یوں تھا "حد ثا علی بن عیسیٰ بن یزید البغدادی و عبد اللہ بن منیر عن عبد اللہ بن بکر السیمی عن فائد بن عبد الرحمن الخ مگر چونکہ علی بن عیسیٰ عبد اللہ بن بکر سے بلفظ متحد روایت کرتے ہیں اور عبد اللہ بن منیر بلفظ من اس لئے مذکورہ عبارت اختیار فرمائی۔

فائد بن عبد الرحمن متروک من صغار الخامسة ترمذی میں ان سے فقط یہی ایک روایت ہے۔

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی سے حدیث باب مروی ہے۔

تشریح:-

کریم جو غیر مستحق کو بھی دیتا ہے اور بغیر منت و سماجت کے بھی دیتا ہے اور اعظیم صفت رب کی بھی ہو سکتی ہے اور عرش کی بھی اگر رب کی صفت ہو تو ترجمہ یوں ہوگا کہ پاک ہے اللہ جو بڑا رب ہے۔ عرش کی صفت

کی صورت میں معنی ہوگا جو رب عظیم عرش ہے۔

موجبات موجبہ کی جمع ہے ایجاب سے ہے لازم کرنے والی چیزیں مراد وہ اعمال ہیں جو اسباب ہوں رحمت کے لئے۔ وعزائم یعنی ایسی خصلتوں کی دعا مانگتا ہوں جس کی وجہ سے تیری مغفرت مؤکد ہو جاتی ہے۔ والسلامۃ من کل اثم۔

عراقی فرماتے ہیں کہ معلوم ہوا کہ تمام گناہوں کی معافی کی دعا مانگنا جائز ہے۔ بعض اس کی ممانعت کرتے ہیں دلیل یہ ہے کہ عصمت انبیاء و فرشتوں کی خاصیت ہے لہذا یہ دعا نہیں مانگنی چاہئے مگر حافظ عراقی نے جواباً کہا ہے کہ عصمت ایک واجبہ ہے ایک عصمت جائز ہے انبیاء و فرشتوں کی عصمت واجبہ ان کی خاصیت ہے عام لوگوں کی عصمت جائزہ ہے اور جائز کا مانگنا جائز ہوتا ہے۔ البتہ ادب یہ ہے کہ عصمت کی دعا نہ مانگے بلکہ حفاظت کی مانگے وہو المراد فی الحدیث۔

والغنیمة من کل بر مراد نیکی کے کام ہیں اس کو نعمت اس لئے کہا کہ روحانی لشکر اور نفسانی جنود میں معرکے ہوتے رہتے ہیں ایک طرف ملائگی الہامات دوسری طرف شیطانی دسوس ہوتے ہیں تو آدمی جب نیکی کا کام کرتا ہے تو گویا وہ روحانی لشکر کی فتح کی وجہ سے وجود میں آتا ہے قال الترمذی وفائدہ بن عبد الرحمن یضف فی الحدیث مگر اس کے دیگر شواہد ہیں (۱) مثلاً رواہ ابن ماجہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کہ دعا کرو میری بیٹائی ٹھیک ہو جائے تو فرمایا کہ چاہو صبر کرو چاہو تو دعا کروں کہا دعا فرمائیں تو وضو اور نماز کا حکم دیکر دعا فرمائی اور بیٹائی ٹھیک ہوئی۔ (۲) پھر اسلاف کا عمل اس پر رہا ہے جو صحت حدیث کی دلیل ہے۔

قال الشاہ یہ دعا سلام پھیرنے کے بعد یہ پڑھے اس کی وجہ یہ ہے کہ کبھی حاجت اللہ کی طرف ہوتی ہے کبھی بنی آدم کی طرف تو اس صورت میں اگر نماز میں پڑھے گا تو نماز فاسد ہوگی پھر ان دو کثرتوں میں سورتوں کی تعیین نہیں۔

باب ماجاء فی صلوة الحاجة

(۱) دیکھیے سنن ابن ماجہ ص ۹۹ "باب ماجاء فی صلوة الحاجة" ایضاً معجم کبیر للطبرانی ص ۳۰ و ۳۱ ج ۹: رقم الحدیث ۸۳۱۱

(۲) رواہ ابن ماجہ حوالہ بالا

باب ماجاء فی الاستخارة

رجال:-

عبدالرحمن بن ابی الموالی صدوق ہیں ترمذی نے ثقہ قرار دیا ہے۔ ☆

تشریح:-

استخارہ کا معنی ہے طلب الخیر یا طلب الخیرۃ چونکہ آدمی جو کام کرتا ہے تو اس کے نتیجے کے بارے میں تشویش ہوتی ہے کہ اگر نتیجہ خواہش کے مطابق نہ نکلے تو نقصان ہوگا۔ جاہلیت میں اس کے لئے استنقام بالازلام کا طریقہ تھا اسلام نے استخارہ کی تعلیم دی کہ جب کوئی معاملہ درپیش ہو اور کسی کا ارادہ و قصد ہو کسی کام کا۔

م ————— بمعنی ارادہ و قصد نوئی ہم میں اشارہ ہے کہ معمولی کاموں میں استخارہ ضروری نہیں بلکہ اہم ہونا چاہئے البتہ وہ کام جو مباح ہو فرض واجب یعنی واجب وقت سنت و نفل وقت نہ ہو۔ واجب غیر وقت میں بھی استخارہ ہو سکتا ہے مثلاً حج کب کروں اسی طرح حرام و مکروہ میں بھی استخارہ نہ ہوگا۔ طریقہ اس کا یہ ہے کہ پہلے دو رکعت پڑھ لے یہ نفل ہیں فرض سے استخارہ نہ ہوگا بعد از نماز یہ دعا پڑھے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ کام میرے لئے دینی و دنیوی اعتبار سے بہتر ہے تو آسان بنادے اور اگر مضر ہے تو دور فرما اور واقدر بالضم واکسر یعنی اچھا کام مقدر فرما جہاں بھی ہو پھر مجھے اس پر راضی فرما۔ اور ہذا الامر کہتے وقت اس کی جگہ کام کا نام لے لے یا لفظ تو ہذا الامر کا ہوگا مگر اس کام کی طرف دل میں اشارہ کرے۔ استخارہ کے بعد اگر کوئی ناگواری نظر آئے تو اس میں بھی خیر ہی ہوگی لہذا اس کی ظاہری ناگواری سے بے چین نہیں ہونا چاہیے۔ کہ اللہ عالی خیر ہی کی راہنمائی کرتا ہے۔

بعض نے کچھ تفصیل بیان کی ہے کہ نماز کے بعد وہ اسی وضو کی حالت میں قبلہ رخ ہو کر لیٹے صبح دیکھے کہ دل میں کس طرف میلان پایا جاتا ہے تو جس جانب میلان ہو وہ کرے دوسرے کو ترک کرے خواب کا آنا شرط نہیں کہ احادیث سے ثابت نہیں مگر تجربہ شاید ہے کہ استخارہ کرنے والے کو خواب یا اشارہ ملتا ہے۔ اگر خواب میں سفید یا

ہمزچہ نظر آ جائے تو بہتری کی علامت ہے اگر کالایا سرخ نظر آئے تو ضرر کی علامت ہے تو اس کو ترک کر دے۔ اگر ایک دن میں کوئی نتیجہ نہ نکلے تو سات راتوں تک کرے اور اگر دوران استخارہ دل کا میلان ایک طرف ہو اور اشارہ دوسری طرف مل رہا ہے تو کرتا رہے یہاں تک کہ موافق ہو جائے۔ اگر ایک ہی رات ہو یعنی کام میں جلدی ہو فرصت کم ہو تو جب تک نتیجے پر نہ پہنچے تو سات دفعہ استخارہ کر سکتا ہے۔ یعنی ایک ہی رات میں بار بار۔ اگر خواب کا معنی سمجھ میں نہ آئے تو مبر سے پوچھ لے۔

بعض لوگوں نے استخارہ کا انکار کیا ہے مگر صحیح احادیث سے ثابت ہے حتیٰ کہ بعض احادیث میں استخارہ نہ کرنے کو بد بختی کی علامت قرار دیا ہے۔

باب ماجاء فی صلوة التسبیح

رجال:-

موسیٰ بن عبیدہ یہ ضعیف ہیں خاص کر عبد اللہ بن دینار کی روایات میں عابد بن السادہ سے۔

سعید بن ابی سعید حافظ نے مجہول جبکہ ابن حبان نے نقد قرار دیا ہے۔ ☆

تشریح:-

اس نماز کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں جلسہ استراحت ہے۔ دل عاج کثیر ریت جو ایک دوسرے کے اندر متداخل ہو۔

اعتراض:- ام سلیم کی حدیث کی صلوة التسبیح کے ساتھ کیا مناسبت ہے؟ حالانکہ طبرانی (۱) میں تصریح ہے کہ یہ تسبیحات بعد الفرض پڑھو۔

جواب:- ایک مطلب طبرانی کے مطابق ہے دوسرا ترمذی میں "فی صلوة" ہے کہ فی ظرفیت کے

لئے آتی ہے تو نفس فی کی مناسبت کی وجہ سے یہاں لائے اگرچہ یہاں مراد یہ نہیں۔

ابن جوزی نے صلوٰۃ التسبیح کی روایات کو موضوعات میں شمار کیا ہے قال الترمذی ولا یصح فی صلوٰۃ التسبیح کبیر فی ابن جوزی نے تشدد سے کام لیا ہے یہ موضوعی نہیں۔

ابن جرّ نے بعض طرق و کتب میں اس کی تحسین فرمائی بعض میں تضعیف قال المنذری فی الترغیب قد صحّ جماعۃ کذا فی التحدّ (2) یہ تو ایک طریقہ ہے کہ بعد القراءۃ قبل الركوع پندرہ دفعہ سبحان والحمد لله ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہے یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں معلوم ہوا کہ ان کلمات میں ترتیب ضروری نہیں۔ احیاء العلوم و مرقات میں ہے کہ لا حول ولا قوۃ الخ بھی پڑھے تو یہ بھی صحیح ہے دس مرتبہ رکوع میں بعد التسمیحات دس مرتبہ بعد التسمیج قومہ میں دس مرتبہ پہلے سجدے میں بعد التسمیحات دس جلے میں دس دوسرے سجدے میں اور دس جلسہ استراحت میں یہ مرفوع حدیث سے ثابت ہے۔ یہ کل ۵۷ مرتبہ تسبیحات پڑھی جائیں گی۔

دوسرا طریقہ ابن المبارک وغیرہ نے نقل کیا ہے ابودوب فرماتے ہیں کہ میں نے تسبیحات صلوٰۃ کے بارے میں ابن المبارک سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ تکبیر کہے پھر ثناء پھر قبل القاء ۱۵ دفعہ سبحان اللہ الخ پڑھے پھر تعوذ و تسمیہ کہے پھر فاتحہ و سورت پڑھے پھر دس مرتبہ قبل الركوع پڑھے باقی طریقہ وہی ہے فرق یہ ہے کہ پہلی روایت میں قیام میں قبل الركوع ۱۵ مرتبہ تسبیحات ہوتی تھیں اس میں ۲۵ مرتبہ آگئی تو جلسہ استراحت نہ ہوگا یہی طریقہ چاروں رکعات میں اختیار کرے رات کو دو درکعت پڑھے دن کو دو چار میں اختیار ہے۔

عبداللہ بن مبارک سے پوچھا گیا کہ سجدہ سہو کی صورت میں کیا دنوں سجدوں میں تسبیحات پڑھے گا تو کہا کہ نہیں کیونکہ یہ کل تین سو تسبیحات ہوتی ہیں لہذا کی بیشی نہ کرنی چاہیے۔

مشہور یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک دوسرا طریقہ اختیار کیا جائیگا کہ اس میں جلسہ استراحت نہیں مگر بہت سارے حنفیہ اس کے قائل ہیں کہ اس نماز کی شان ہی الگ ہے تو جلسہ استراحت اس میں ہوگا اور پہلی روایت مرفوع بھی ہے تو وہ ابن مبارک کے طریقے سے رائج ہے مگر یہ قائل بالجلسہ کو مفید نہیں کیونکہ وہ بھی اتنے لمبے جلسہ کا قائل نہیں۔

قال القاری فی المرقاۃ (3) اگر ایک رکن میں تسبیحات نہ پڑھ سکے تو دوسرے محل میں پڑھے تاکہ تین سو کا عدد پورا ہو سکے۔

وینبغي للعابد ان يعمل بحديث ابن عباس قارة وبحديث ابن مبارك اخري زوال کے بعد پڑھنا بہتر ہے خصوصاً جمعے کے دن کبھی یہ سورتیں پڑھے زلزال، عادیات، فتح، اخلاص، کبھی نکاث، غنم، کافرون، اخلاص اس میں دعا اگر ہو تو تشہد و سلام کے درمیان ہو۔

ثم يسلم ويدعو لحاجته یعنی اس کے بعد بھی دعا کر سکتے ہیں اور قال القاری یہ احکام احادیث سے ثابت ہیں۔ احیاء العلوم میں ہے کہ ان تسبیحات کے بعد لا حول ولا قوۃ الخ کا اضافہ بھی کرے تو بہتر ہے کہ بعض روایات سے ثابت ہے۔

ابن خزیمہ اور حاکم اور ایک جماعت نے اس کی تحسین کی ہے۔ ابن حجر نے بھی بعض کتب میں تصحیح کی ہے ابن جوزی نے موضوعی قرار دیا ہے مگر جمہور نے اس کی نفی کی ہے۔ (4)

باب ماجاء فی صفة الصلوة علی النبی ﷺ

رجال:-

مسعر سے مراد ابن کدام ہے۔ ولا تلح صدوق شیعی من السابحة۔ مالک بن مغول بکسر الحیم بروزن منبراً کو فی ثلثة من کبار السابحة۔ ☆

تشریح:-

کعب بن عجرہ سے روایت ہے کہ ہم نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ایہ تو آپ پر سلام ہوا یعنی التحیات میں تو صلوٰۃ (دروود) کیسے پڑھیں؟ مرقاۃ (1) میں صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ جب یہ آیت ”ان اللہ

(3) مرقاۃ ص: ۲۱۲ ج: ۳ (4) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے تحفۃ الاحوذی ص: ۵۹۸ و ۵۹۹ ج: ۳ اور معارف السنن ص: ۲۸۳ ج: ۳

و ملائکہ يصلون“ لآ یہ نازل ہوئی تو ایک آدمی نے آکر پوچھا یا رسول اللہ ہذا سلام علیک قد عرفناہ فکیف الصلوۃ علیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ صل اللہ کی تعلیم دی۔ مسلم (2) میں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا گیا تو خاموش ہوئے تو ہماری خواہش ہوئی کہ کاش کہ آپ سے نہ پوچھا جاتا یہ وحی کا انتظار تھا معلوم ہوا کہ اس میں کمی یا زیادتی صحیح نہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوۃ کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر تادیر رہے آپ کے دین کی خوب اشاعت ہو اور امت زیادہ سے زیادہ ہو اور آخرت میں مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کبریٰ کا حق ہو اور شفاعت آپ کی پوری امت کے لئے قبول ہو اور آپ کے درجات زیادہ سے زیادہ بلند ہوں۔

صلوۃ کی نسبت الی اللہ جب ہو تو مراد نزول رحمت ہوتا ہے فرشتوں کی طرف ہو تو مراد استغفار ہوتا ہے عباد کی طرف ہو تو مراد دعا ہوتی ہے جب نسبت وحوش یا طیور کی طرف ہو تو مراد تسبیح و تہلیل ہوتی ہے۔ لہذا ہمارے درود کا مقصد عند البعض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا دینا نہیں کہ آپ ہماری دعا کے محتاج نہیں بلکہ ہمیں حکم صلوٰۃ علیہ کا دیا گیا تھا اور ہم اس کا حق ادا نہیں کر سکتے تو ہم نے اپنے معاملے کو اللہ کے سپرد کیا کہ اللہ صل علیہ الخ۔

پھر درود علی غیر الانبیاء علی الاصح یہ خصوصیت انبیاء ہے غیر پر صحیح نہیں مستقلاً سلام بھی سلام تحیۃ کے علاوہ استعمال نہیں کیا جائے گا کہ یہ روافض کا شعار بن چکا ہے علی علیہ السلام کہتے ہیں تو دونوں افراد صحیح نہیں صحیح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ ال و اصحاب آجائے تو دونوں پر جائز ہے۔

اس میں بھی کلام ہوا ہے کہ درود پڑھنا نماز میں فرض ہے یا غیر فرض؟ تو امام شافعی کی طرف منسوب ہے کہ درود نماز میں پڑھنا فرض ہے قال ائحق کہ اگر عہد درود چھوڑ دیا تو نماز نہیں ہوگی عند النجہور فی الصلوۃ درود مستحب یا سنت ہے۔

امام شافعی کو جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہ درود کا حکم بعد میں آیا ہے اصل نماز میں شامل نہیں تھا اس حدیث میں بھی ہذا السلام علیک معلوم ہوتا ہے کہ سلام تو پڑھتے تھے مگر صلوۃ نہیں پڑھتے تھے۔ بقول بعض

درود کا حکم لیلۃ الاسراء میں نازل ہوا دوسرا قول سنہ ۲ھ کا ہے تیسرا قول سنہ ۵ھ کا ہے۔

جواب ۲:- اذا قلت هذا و فعلت هذا فقد تمت صلوٰتک اس سے بھی فرضیت درود کی نفی ہوتی ہے۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ خارج صلوٰۃ درود پڑھنے کی کیا حیثیت ہے؟ تو اس پر اجماع ہے کہ زندگی بھر میں ایک دفعہ پڑھنا فرض ہے کہ صلوٰۃ امر ہے والامر للوجوب البتہ الامر لا يقتضی الشکر اذ تو کم از کم ایک دفعہ فرض ہوا۔ اگر مجلس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہو تو کم از کم ایک دفعہ بھی واجب ہے علی الاصح مگر ہر مرتبہ ایک ہی مجلس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ درود پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟ تو عند الطحاوی ہر مرتبہ ذکر کے ساتھ درود واجب ہے جبکہ تخریج ترمذی کے مطابق بار بار درود کا پڑھنا مستحب ہے۔ یہی تحقیق ہے۔ شرح منیہ میں اسی کو مختار کہا ہے۔ ابن حجر نے امام قدوری سے نقل کیا ہے کہ ہر مرتبہ درود پڑھنے کو واجب کہنا خرق اجماع ہے کہ اس پر دلیل نہیں۔ صحابہ سے ثابت نہیں کہ وہ ہر خطاب کے ساتھ درود پڑھتے۔ ابن العربی (3) نے بھی سخت موقف اختیار کر کے اس کی سختی سے نفی کی ہے۔ اگرچہ احوط یہی ہے کہ ہر مرتبہ آدی درود پڑھ لے۔

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کا نام آئے تو علامہ زاہدی کے مطابق جل جلالہ یا عزا سے پڑھنا واجب ہے مگر اس میں بھی یہ ہے کہ اگر بار بار کسی مجلس میں آئے تو مستحب ہے پھر جو حکم کلام کا ہے وہی کتابت کا بھی ہے تو جیسے ص یا صلعم کہنے میں درود کا قائم مقام نہیں تو لکھنے میں بھی درود کا قائم مقام نہیں۔

کیف الصلوٰۃ علیک میں سوال جنس درود کے بارے میں ہوتا تو ما الصلوٰۃ علیک ہوتا معلوم ہوا کہ سوال کیفیت کے بارے میں ہے تو اشارہ ہے کہ صحابہ اس قسم کی عبادات میں رائے کو دخل نہیں دیتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر عبادت کرتے تھے۔ لہذا موجودہ دور کے بعض درود خاصہً بصیۃ خطاب یہ غیر شرعی ہیں۔

اللہم میں بقول بصرین میم مشدودہ عوض ہے حرف نداء سے اصل میں یا اللہ تھا اس لئے میم یا کے ساتھ جمع نہیں ہوتا مگر شاذ و نادر اور یہ اس لفظ کی خصوصیات میں سے ہے اور بقول کو فین میم مخفف ہے آ منا بخیر کا اور شروع میں نداء محذوف ہے اور بقول بعض میم زائد ہے۔

آل کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ اصل میں یہ اہل تھا پھر قرب مخرج کی وجہ سے ہاء کو ہمزہ میں تبدیل

کیا پھر ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے ہمزہ کو الف میں تبدیل کیا دلیل یہ ہے کہ تصغیر اس کی اہل آتی ہے۔ مگر عند المحققین جن میں کسائی دیونس بھی ہیں آل اصل میں اول تھا واول ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے الف سے تبدیل کر دیا تو آل ہو گیا اور مشہورین کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اہل کی طرح اوّل بھی تصغیر آتی ہے۔

پھر اہل و آل میں فرق یہ ہے کہ آل ذوی الاشراف کے لئے استعمال ہوتا ہے خواہ شرافت دنیاوی ہو یا دینی اور اہل عام ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ عموماً آل کی اضافت عاقل و منظر کی طرف ہوتی ہے مگر شاذ و نادر غیر عاقل اور مضمر کی طرف بھی ہوتی ہے۔ کما فی الشعر

پھر اس سے مراد کون ہے تو ایک قول جمہور کا ہے کہ مراد اس سے وہ لوگ ہیں جن پر صدقہ ممنوع ہے یعنی بنو ہاشم جو کہ آل عباس آل حارث بن عبد المطلب آل علی آل جعفر اور آل عقیل اور ان کے موالی ہیں ونص علیہ الشافعی۔ دوسرا قول امام احمد کا ہے کہ یہاں اس سے مراد اہل بیت ہیں بقول امام مالک اس سے مراد امت اجابت ہے وقیل المراد منه اولاد فاطمة وقیل المراد منه الاتقاء لقوله عليه السلام كل تقى نفى فهو آلى (4) وقیل جمیع فریش۔

کما صلیت علی ابراہیم پر اعتراض ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ تشبیہ عموماً ادنیٰ کی دی جاتی ہے اعلیٰ کے ساتھ اور یہاں مشبہ ارفع و افضل ہیں مشبہ پہ یعنی ابراہیم علیہ السلام سے۔

جواب ۱:۔ یہ اس وقت کی تشبیہ ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی افضلیت کا علم نہ ہوا تھا۔

جواب ۲:۔ یہ تو انصاف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جواب ۳:۔ تشبیہ اصل میں ہے قدر میں نہیں۔

جواب ۴:۔ کاف تشبیہ کے لئے نہیں بلکہ تعلیل کے لئے ہے۔

جواب ۵:۔ کاف تشبیہ علی آل محمد کے ساتھ متعلق ہے نہ کہ علی محمد کے ساتھ۔

جواب ۶:۔ تشبیہ صرف محمد کی نہیں بلکہ مع آل یعنی مجموع کی تشبیہ ہے مجموع کے ساتھ اور چونکہ

ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں لاکھ سے زائد انبیاء ہیں تو تشبیہ صحیح ہوئی۔

جواب ۷:- تشبیہ غیر مشہور کی ہے مشہور کے ساتھ۔

جواب ۸:- معنی ہے کہ اعلیٰ کی تشبیہ ادنیٰ کے ساتھ صحیح ہے جیسے ”مثل نورہ کمشکوٰۃ“ لآیہ جس کو تشبیہ

مقلوب کہتے ہیں۔

اعتراض ۱۲:- تشبیہ کے لئے ابراہیم علیہ السلام ہی کو کیوں مختص کیا؟

جواب ۱:- شب معراج میں ابراہیم علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اس امت کے نام

سلام بھیجا تھا تو یہ اس کا جواب ہے۔

جواب ۲:- ابراہیم غلیل اللہ ہیں اس معنی کے اعتبار سے تشبیہ کے معنی بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔

جواب ۳:- ابراہیم علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جدا امجد ہیں۔

جواب ۴:- نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مشابہ تھے اوصاف میں بھی چنانچہ وہ غلیل

اللہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم حبیب اللہ ہیں اور حلیہ مبارک میں بھی۔

جواب ۵:- قرآن میں ہے ”ہو تاکم المسلمین“ تو اس امت پر احسان ہے ان کا۔

جواب ۶:- انہوں نے اس امت کے لئے دعا فرمائی تھی ”ربنا وابعث فیہم رسولاً“ لآیہ اس لئے نبی

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس دعا کا نتیجہ ہوں۔

حسبہ بمعنی فاعل و مفعول دونوں صحیح ہے کہ اللہ حامد و محمود دونوں ہے۔ مجید بمعنی عظیم و بابرک علی محمد

کنایہ ہے دوام سے کہ یہ رحمتیں دواماً ہوں کہ بابرک بروک الاہل سے ہے یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب اونٹ

اپنی جگہ کو لازم پکڑے اور لازم اپنے ملزوم سے متفک نہیں ہوتا۔ اور برکت بمعنی زیادتی بھی آتی ہے مگر معنی اول

زیادہ مناسب ہے۔

باب ماجاء فی فضل الصلوة علی النبی ﷺ

رجال:-

محمد بن خالد صدوق من العاشرة موی بن یعقوب یہ بھی صدوق ہیں۔ عبد اللہ بن کیسان مقبول من الثامنة۔ عبد اللہ بن شداد بن الہاد ولد علی عبد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کبار تابعین میں سے ہیں مدنی ہیں کوفہ میں سنہ ۸۱ھ میں انتقال ہوا۔ ☆

تشریح:-

اس باب میں ترمذی نے متعدد احادیث کی تخریج کی ہے جن کا حاصل یہ ہے کہ جو آدمی ایک دفعہ درود پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمایگا۔

بعض روایات میں ہے کہ اللہ اس سے دس گناہ بھی کم کر دے گا اور دس درجے بھی بڑھائے گا اور حضرت عمر کی روایت میں ہے کہ دعا آسمان و زمین کے درمیان معلق رہتی ہے جب تک کہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجیں (۱) وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پر بے شمار احسانات ہیں و فی الحدیث (۲) من لا یشکر الناس لا یشکر اللہ لہذا جو دعا کے ساتھ درود نہیں پڑھے گا تو دعا قبول نہیں ہوگی کہ یہ احسان فراموش ہے اور اللہ محسنین و شاکرین کی دعا کو قبول فرماتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب آدمی درود پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ چونکہ درود قبول فرماتے ہیں تو اس کی بدولت دعا بھی قبول ہو جائے گی۔ و فی الحدیث ایک آدمی نے بغیر درود کے دعا مانگی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ تم نے جلدی کی۔

ابن العربی نے یہاں ایک اعتراض اٹھایا ہے کہ ہر عبادت میں قاعدہ یہ ہے کہ اللہ اس پر دس نیکیاں

باب ماجاء فی فضل الصلوة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) انظر للتفصیل عارضة الاحوذی ص: ۲۳۰ ج: ۲ (۲) رواہ الترمذی ایضا مسند ابی یعلیٰ ص: ۴۵۵ ج: ۳ رقم حدیث ۱۱۱۷ ایضا

رواہ الطبرانی فی الاوسط ص: ۳۵۷ ج: ۳ رقم حدیث ۳۶۰۷

دیتا ہے ”من جاء بالحسنة فله عشر امثالها“ تو ذکر درود کی کیا خصوصیت ہے؟ پھر خود ہی جواب دیا ہے کہ درود دیگر عبادات کی طرح نہیں کہ قرآن کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک نیکی پر دس درجے جنت میں ملتے ہیں تو ان احادیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہوا کہ درود کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس پر خاص انعام کرتا ہے کہ جو درود پڑھتا ہے تو اللہ اس کو یا دفرماتا ہے اور اللہ کا ذکر جنت کے درجات سے ارفع و اعلیٰ ہے اور ساتھ ساتھ دس درجات بھی بڑھاتا ہے اور دس سینات بھی معاف کرتا ہے لہذا اس سے یہ تو ہم دور ہو گیا کہ درود پر اس قرآنی قاعدہ کے مطابق عام نیکیوں کی طرح جزاء مرتب ہوگی۔

اس باب کے اخیر میں ترمذی نے حضرت عمر کا قول نقل کیا ہے لا یجوز فی سوق الخ اس کا تعلق فضیلت درود کے ساتھ نہیں مگر اس باب میں اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ یعقوب کا سماع عمر سے ثابت کریں اور حضرت عمر کا مقصد اس جملے سے اشاعت علم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے زمانے میں تعلیم و تعلم کا اتنا چرچا ہو گیا تھا کہ عورتیں بھی فقہیات بن گئی تھیں۔ مدنی نے لکھا ہے کہ جب بہت سارے اسلامی سلاطین نے اس کو اصول بنایا تو ان کے زمانے میں علم کی اشاعت عام تھی۔ سلطان محمد شاہ تغلق کے زمانے میں دہلی میں ایک ہزار مدارس تھے خود بھی حافظ قرآن اور حافظ ہدایہ تھے اور علماء سے بحث و مباحثہ کرتے رہتے تھے۔



ابواب الجمعة

باب فضل يوم الجمعة

یہ حدیث مسلم ابوداؤد اور نسائی میں بھی ہے۔

یہاں بھی امام ترمذی نے ابواب جمعہ کا صیغہ استعمال کیا اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جمعہ کے مسائل بھی متعدد ہیں۔

جمعہ میں چار لغات ہیں۔ (۱) مشہور بضم الجیم والمیم کما ورد فی القرآن۔ (۲) سکون المیم مع ضم الجیم قالہ الامش۔ (۳) بفتح المیم مروی عن الفراء۔ (۴) بکسر المیم قالہ الزجاج۔ (۱) یہ لفظ اسلامی ہے جاہلی نام عربیہ تھا۔ جمعہ کی وجہ تسمیہ میں پانچ اقوال ہیں۔

۱۔ اس میں تخلیق العالم کا اتمام ہوا کیونکہ انوار سے تخلیق کی ابتداء ہوئی اور جسے کے عصر تک جمع عالم مکمل ہوا اور بعد العصر آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ بروز ہفتہ ابتداء ہوئی اور جمعرات تک عالم پورا ہوا جسے کے دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ تاہم مشہور پہلی روایت ہے۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق اور اجتماع اجزاء کا جسے کے دن ہوا کہ روئے زمین کے مختلف اقالیم سے آپ کی خیر خواہی کے لئے مٹی مجتمع کی گئی۔

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ کعب بن لوی اس دن لوگوں کو جمع کرتا تھا اور تذکیر کرتا تھا زمانہ جاہلیت میں اور حرم کی تعظیم کی تلقین کرتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خوشخبری سناتا۔

۴۔ اس میں لوگ نماز کے لئے جمع ہوتے ہیں۔

(ابواب الجمعة) باب فضل يوم الجمعة

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو معارف السنن ص ۳۰۳ ج ۴ ایضاً عمدۃ القاری ص ۶۱۲ ج ۶

۵۔ اس میں امور عظام کا اجتماع ہوا ہے کئی حدیث الباب۔

جمعہ کی فرضیت کے بارے میں اقوال مختلف ہیں بعض شافعیہ کے بقول مدینہ منورہ میں فرض ہوا کہ جمعہ کی آیت مدنی ہے جلال الدین سیوطی نے الاقان میں لکھا ہے کہ جمعہ مکہ میں فرض ہوا تھا مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی اقامت پر قادر نہیں تھے تو عمل مدینہ میں شروع کیا اگرچہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی جیسے وضو کی آیت مدنی ہے اور وضو کا حکم مکہ میں ہے اور کبھی برعکس بھی ہوا ہے کہ آیت پہلے ہوا اور حکم بعد میں جیسے زکوٰۃ یا بعض آیات جہاد۔ سیوطی کی تحقیق حنفیہ کے لئے جمعہ فی القریٰ میں مفید ہے کہ سلطان ہونا شرط ہے محض آبادی کا ہونا کافی نہیں کہ مکہ میں آبادی تھی مگر وہاں مسلمانوں کا غلبہ نہیں تھا تو جمعہ کی نماز نہیں پڑھی۔

باب میں ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے کہ بہترین دن جمعہ کا ہے۔ بعض کے نزدیک جمعہ اولیٰ ہے بعض کے نزدیک عرفہ اولیٰ ہے بعض کے نزدیک دن جمعہ کا اور رات عرفہ کی افضل ہے۔

قاضی عیاض کہتے ہیں کہ یہ امور عظام اس کی فضیلت کے لئے نہیں بلکہ شان بتا مقصود ہے کہ موت آدم علیہ السلام اور خروج من الجحیم یہ فضیلت نہیں۔ مگر عارضۃ الاحوذی (2) میں ابو بکر ابن العربی نے کہا ہے کہ یہ سارے امور فضائل ہیں آدم علیہ السلام کی خلقت و جنت میں جانا تو فضیلت ہے ہی اسی طرح ان کا جنت سے خروج یہ بھی فضیلت ہے کہ یہ خروج انبیاء علیہم السلام و اولیاء کی خلقت کا سبب بنا ہے اس کے علاوہ بے شمار حکمتیں اس پر مرتب ہیں۔ آدم علیہ السلام کی موت جیسا کہ بعض روایات میں اس کا ذکر ہے بھی فضیلت ہے کہ اس کی وجہ سے آدم علیہ السلام رب العالمین کے جوار رحمت میں پہنچ گئے کئی الحدیث الموت تحبہ المؤمن او كما قال اور ابراہیم علیہ السلام نے "والذی یحبینی ثم یحبین" لآیۃ کا ذکر انعامات میں کیا ہے اور قیام قیامت بھی فضیلت ہے کہ اللہ کے وعدے پورے ہو جائیں گے اور دشمنان خدا کو سزا ملے گی۔

پھر آدم علیہ السلام جس جمعے کو پیدا ہوئے تو آیا یہ وہی جمعہ تھا جو خلق عالم کے بعد پہلی مرتبہ آیا تھا یہ مفصل تھا؟ تو دونوں قول موجود ہیں البتہ البدایہ والنہایہ اور تاریخ طبری (3) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی جمعہ تھا جو ایک ہزار سال پر مشتمل تھا۔ طبری میں ہے کہ عالم کی تخلیق ایک ہفتے میں ہوئی اور ایک دن ایک ہزار سال

تو کل سات ہزار سال ہوئے اور آدم علیہ السلام سے قیامت تک ایک ہفتے کا وقت ہے یعنی سات ہزار سال۔ تاہم چونکہ اس سے وقت قیامت کا تعین ہوگا اس لئے روایت کا یہ حصہ صحیح نہیں۔

بعض میں ہے کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق عصر کی وقت ہوئے تو اعتراض یہ ہے کہ پیدائش دخول جنت اور خروج من الجہنہ اس وقت میں کیسے ہوئے؟

جواب:- بعد العصر اسی سال بنتے ہیں تقریباً کل بارہ گھنٹیاں ہوتی ہیں اس کی نسبت ہزار کی طرف کریں کل اسی سال بنتے ہیں چالیس سال تک خیر رکھا رہا پھر جنت میں داخل ہوئے بیستیس سال تک جنت میں رہے پھر اسی عصر میں جنت سے خارج کئے گئے۔ تو اگر چہ چالیس سال میں تخلیق ہوئی مگر نسبت سابق زمانہ کے یہ کم ہے اسی لئے اللہ نے فرمایا "خلق الانسان من عجل"۔

باب فی الساعة التي ترجی فی يوم الجمعة

رجال:-

محمد ابن ابی حیدر لقہ ما وضعف من السابعة - ☆

تشریح:-

یہ باب اس بارے میں ہے کہ جمعے کے دن ایک گھنٹی ایسی ہے کہ اس میں آدمی جو بھی دعا کرے تو قبول ہوتی ہے۔ مسند احمد (۱) میں ہے ما لم یسل ما شأنا أو قطع رحم یعنی گناہ کا اور قطع رحم کا سوال نہ کرے تو دیگر سوال مقبول ہیں۔

امام ترمذی نے یہاں دو حدیثوں کی تخریج کی ہے ایک حضرت انس سے اور دوسری ابو ہریرہ سے یہ دونوں مرفوع حدیثیں ہیں حضرت انس کی حدیث میں تصریح ہے کہ یہ وقت جمعے کے دن عصر کی نماز سے لے کر

غروب آفتاب تک رہتا ہے ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جمعے کے دن ایک ایسا وقت ہے کہ آدمی جو دعائے اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرماتے ہیں۔ ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کا تذکرہ عبداللہ بن سلام سے کیا تو انہوں نے کہا کہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ گھڑی کونسی ہے؟ میں نے کہا کہ مجھے بتا دو اور نہ چھپاؤ مجھ سے قال العراقی تھنن میں چھ لغات جائز ہیں ضاد کی تشدید و تخفیف فتح و کسرہ اسی طرح نون کا کسرہ و فتح اور ضاد کا سکون یہ سب جائز ہے مطلب یہ ہے کہ آپ بخل نہ کریں مجھے بتائیں فرمایا کہ عصر کے بعد کا ہے جب تک کہ غروب نہ ہو میں نے کہا کہ یہ وقت کس طرح ہو سکتا ہے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت وہ نماز پڑھ رہا ہو اور عصر کے بعد نماز نہیں پڑھی جاتی۔ تو ابن سلام نے کہا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ آدمی جب تک نماز کے انتظار میں رہے تو نماز میں رہتا ہے میں نے کہا کیوں نہیں قال فہو ذلک۔

ترمذی کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ گھڑی بعد العصر ہے۔ مسلم (2) میں ابو موسیٰ اشعری کی روایت ہے وفيہ وهو ما بین ان یجلس الامام الی ان یقضی الصلوۃ اس سے معلوم ہوا کہ امام جب خطبہ کے لئے بیٹھتا ہے تو فراغت تک یہ وقت رہتا ہے۔ یہ دو قول زیادہ مشہور ہیں در نہ اس میں اقوال کی تعداد چہنٹالیس تک پہنچتی ہے۔ جلال الدین سیوطی نے توشیح (3) میں فرمایا ہے کہ علماء صحابہ و تابعین کا اختلاف ہے کہ یہ وقت اب بھی باقی ہے یا ختم ہو چکا ہے؟ تو ایک جماعت کا کہنا ہے کہ یہ گھڑی اب باقی نہیں مگر عند اکثر اب بھی باقی ہے۔ پھر جو بقاء کے قائل ہیں تو ان میں بعض کہتے ہیں کہ سال میں ایک جمعے میں فقط یہ گھڑی آتی ہے و قبل ہر جمعے کو آتی ہے۔ پھر ہر جمعے میں عند البعض یہ وقت معین ہے وعند البعض مبہم ہے اگر معین ہے تو اس میں استیعاب وقت ہوتا ہے یا مبہم ہے مثلاً پورا عصر کا وقت ہوتا ہے یا بعض وقت تو دونوں قول ہیں اگر مبہم ہے تو اس کی امتداد و انتہاء کی مقدار کیا ہے؟ پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ ہمیشہ اسی وقت میں رہتی ہے یا بدلتی رہتی ہے یہ اصول ہیں ان سے چہنٹالیس اقوال اخذ کئے گئے ہیں۔ قال الطبرانی اس میں صحیح ترین حدیث مسلم کی ابو موسیٰ اشعری کی روایت ہے البتہ مشہور عبداللہ بن سلام کی حدیث ہے کہانی الترمذی۔

اعتراض :- ابو موسیٰ اشعری اور عبداللہ بن سلام کی دونوں حدیثیں دلالت کرتی ہیں اس پر کہ نبی صلی

اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا تعین فرمایا ہے حالانکہ مسند احمد (4) میں ابو ہریرہ کی حدیث ہے انی كنت اعلم بها ثم انسبها كما انسبت ليلة القدر۔

جواب ۱:- نسیان سے مراد زہول نہیں بلکہ مراد ترک بیان ہے کہ لوگ پھر اسی وقت کا اہتمام کرینگے تو اس میں لیلۃ القدر اور پورے جمعے کا اہتمام ختم ہو جائے گا۔

جواب ۲:- ممکن ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو حضرات کو نسیان سے پہلے یہ بات بتادی ہو۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ واعداءها اما ضعیف الاسناد او موقوف استند قائلہ الی اجتہاد یعنی روایت یہی مذکورہ دونوں قول صحیح ہیں مافقی یا تو اجتہاد پر مبنی ہیں یا پھر سنداً ضعیف ہیں۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ ان قولین میں سے قول راجح کونسا ہے؟ فذہب الیہما الذہبین تو امام اتحق احمد بن حنبل کما صرح بہ الترمذی وابن عبد البر و امام ابو حنیفہ نے عبد اللہ بن سلام کی روایت کو ترجیح دی ہے اور مسلم کی روایت کو بھی ابن العربی اور قرطبی نے ترجیح دی ہے نووی نے اس کو صحیح (السند) قرار دیا ہے۔

باب ماجاء فی الاغتسال یوم الجمعة. باب فی فضل

الغسل یوم الجمعة.

رجال:-

ابو جناب عطف ہے وکیع پر تاہم وکیع اسے عبد اللہ بن یحییٰ سے بواسطہ سفیان روایت کرتے ہیں جبکہ ابو جناب بلا واسطہ نقل کرتے ہیں۔

یحییٰ بن ابی جیہ کثرت تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہیں۔

عبد اللہ بن یحییٰ بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ الکوفی ثقہ ہیں۔

یحییٰ بن الحارث ثقہ ہیں۔ اوس بن اوس صحابی سکن دمشق۔

باب فی الوضوء یوم الجمعة

رجال:-

عن الحسن بن سرة بن جندب حسن بصری کا سماع حضرت سرہ سے ثابت تو ہے مگر آیا صرف عقیقہ کی روایت میں ہے کما قال بہ النسائی یا دوسری روایتوں میں بھی ہے کما قال بہ العراقی گو کہ بعض نے مطلق سماع کی نفی بھی کی ہے۔ ہاں مذکورہ روایت چونکہ جمع طرق میں عن کے ساتھ آئی ہے اس لئے زیادہ معتد علیہا نہیں۔ ☆

تشریح:-

جمعہ کے دن یا جمعہ کی نماز کے لئے غسل کی کیا حیثیت ہے؟ اس میں اختلاف ہے اہل ظواہر کے نزدیک غسل جمعہ واجب ہے امام مالک سے بھی ابن منذر علامہ خطابی اور ابن عبد البر نے یہی روایت نقل کی ہے لیکن اکثر مالکیہ نے اس کا انکار کیا ہے۔ (۱) امام شافعی و احمد سے بھی ایک ایک روایت وجوب کی ہے اگر یہ روایت ثابت ہو تو مرجوح ہوگی کیونکہ حنابلہ و شافعیہ اس کے قائل نہیں۔ لہذا ائمہ اربعہ کے نزدیک محمد علیہ قول سعید کا ہے پھر ظاہر یہ جو واجب مانتے ہیں تو مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے غسل نہیں کیا تو گناہ گار ہوگا نماز ہو جائے گی کہ یہ شرائط صلوٰۃ میں سے نہیں۔ نیز ان کے نزدیک یہ وجوب جمعے کے دن کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ صلوٰۃ جمعہ کے ساتھ حتیٰ کہ اگر آدمی نے صبح غسل کیا پھر حدث لاحق ہوا پھر وضو کر کے جمعے کی نماز پڑھی تو صحیح ہے اور واجب اداء ہو گیا حتیٰ کہ اگر جمعے کی نماز ہو بھی جائے تب بھی وجوب برقرار رہے گا کہ دن باقی ہے۔ اسی طرح ہر عاقل بالغ مرد یا عورت حتیٰ کہ حائضہ و نفساء بھی یہ غسل کرے اسی طرح حنفیہ میں سے امام محمد بھی اس کے قائل ہیں کہ یہ غسل یوم جمعہ کے لئے ہے جبکہ شیخین اس کو سنت صلوٰۃ کہتے ہیں۔ شرہ خلاف یہ ہوا کہ کوئی صبح غسل کرے پھر حدث لاحق ہو تو طہارت صغریٰ حاصل کر کے نماز پڑھی تو عند محمد سنت ادا ہو گئی عند شیخین نہیں البتہ اگر نماز ہو گئی تو اس کے

باب ماجاء فی الاغتسال یوم الجمعة۔ باب فضل غسل یوم الجمعة۔ باب فی الوضوء یوم الجمعة

(۱) کذا فی معارف السنن ص: ۳۲۰ ج: ۴

بعد بالاتفاق غسل مستنون نہیں نہ تدارک ممکن ہے۔

اہل ظواہر کی دلیل ایک تو باب کی حدیث ہے من اتی الحمد فلیغتسل یہ امر ہے وہو للوجوب۔

دلیل ۲: صحیحین (۲) کی روایت ابو سعید خدری سے مروی ہے غسل يوم الجمعة واجب علی

کل محتلم اس میں وجوب کی تصریح بھی ہے اور یوم کی بھی۔

جمہور کی دلیل ایک تو اسی باب میں حضرت عمر و عثمان کے مکالمے کا ذکر آیا ہے (۳) کہ حضرت عمر خطبہ

دے رہے تھے تو اس دوران ایک آدمی داخل ہوا امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ حضرت عثمان تھے تو عمر نے اعتراض

کیا کہ یہ آنے کا وقت ہے؟ (تاخیر ہوگئی اس پر) حضرت عثمان نے جواباً کہا کہ میں نے اذان سنی اور وضو کر کے

آ گیا یعنی کوتاہی نہیں کی بلکہ نماز کی تیاری میں لگا رہا عمر نے فرمایا والوضوء ایضاً حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ نبی صلی

اللہ علیہ وسلم نے غسل کا حکم دیا ہے اس سے امام شافعی نے سبیت پر استدلال یوں کیا ہے۔

كما نقله الترمذی قال الشافعی ومما يدل علی ان امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم

بالغسل يوم الجمعة انه علی الاختیار لاعلی الوجوب حدیث عمر وفیه

فلو علما ان امره علی الوجوب لاعلی الاختیار

تو اولاً حضرت عمر عثمان کو بیٹھنے کی اجازت نہ دیتے بلکہ کہتے ارجع فاقسل اسی طرح حضرت عثمان کے

لئے بھی ممکن نہیں تھا کہ واجب چھوڑ کر مسجد میں آئے ہوتے معلوم ہوا کہ غسل واجب نہیں۔ پھر وہاں مسجد

مہاجرین و انصار سے بھری تھی اور کسی نے بھی اعتراض نہیں کیا گویا یہ اجماع سکوتی ہے۔

ابن حزم نے یہاں ایک توجیہ کی کوشش کی ہے کہ غسل نماز کے لئے ضروری نہیں بلکہ پورے دن

میں جس وقت بھی ہو جائے تو صحیح ہے لہذا عثمان نے صبح غسل کیا ہوگا اور نماز کے لئے صرف وضو بنایا ہوگا۔

احباب العراقی بان هذا التوجیہ وهم کہ اگر حضرت عثمان نے غسل کیا ہوتا تو جب عمر نے ان پر

اعتراض کیا ترک غسل کا تو صبح کے وقت غسل کا عذر کیوں پیش نہ کیا۔ لہذا جمہور کے نزدیک والوضوء ایضاً کا

(۲) صحیح بخاری ص: ۱۸۱۲۰ ج: ۱ "باب فضل الغسل يوم الجمعة" وعلی علی الصبی شہود الخ "صحیح مسلم ص: ۲۸۰ ج: ۱ "کتاب الجمعة"

(۳) اس روایت کو صحیح مسلم نے بھی لایا ہے دیکھئے ص: ۲۸۰ ج: ۱

مطلب یہ ہوگا تہرکت فضیلة الغسل ایضاً کما تہرکت فضیلة التہکیر۔

دلیل ۲:- مجموعہ باب فی الوضوء یوم الحجۃ (4) میں سرہ بن جندب کی روایت ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من توضأ یوم الجمعة فیہا ونعمت ومن

اغتمسل فالغسل افضل

دلیل ۳:- اسی باب میں ابو ہریرہ کی حدیث ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من توضأ فاحسن الوضوء ثم اتی

الجمعة (الحديث)

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ غسل ضروری نہیں کہ اس میں وضو کی تصریح ہے غسل کا ذکر نہیں۔

یہ احادیث قرینہ ہے اس بات پر کہ جہاں امر اور واجب کا لفظ جمع کے غسل کے لئے آیا ہے وہ عرب پر

محمول ہے نہ کہ لزوم پر۔

جواب ۲:- ان صفیوں کو اگر وجوب پر محمول بھی کیا جائے تو وہ شروع میں تھا بعد میں منسوخ ہو گیا کہ وہ

حکم ایک علت پر مرتب تھا جب علت نہ رہی تو حکم بھی ختم ہوا۔ صحیحین (5) میں عائشہ کی روایت ہے کہ لوگ عوالی

سے نماز کے لئے آتے تھے راستے میں گرد و غبار لگ جاتی (اور کپڑے بھی آؤنی ہوتے) تو پسینہ نکلتا جس سے بدبو

پیدا ہوتی ایک دفعہ ان میں سے ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپ میرے حجرے میں تھے جب

قریب ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لو انکم تطہرتم لیومکم هذا اس سے دونوں جوابوں کی تائید ہوتی

ہے پہلے کی بھی کہ وجوب کے لئے لفظ لو نہیں آتا دوسرے کی بھی کہ یہ حکم علت پر مبنی تھا اب وہ باقی نہیں۔

مسند احمد (6) میں ابن عباس سے روایت ہے اس میں بھی انہوں نے اس علت کی تصریح کی ہے کہ

شروع میں لوگ چونکہ آؤنی کپڑے پہنتے تھے باغات میں اپنا کام خود کرتے تھے کہ نوکر پہلے نہیں تھے مسجد کی چھت

نہی تھی منبر بھی صرف تین درجوں کا تھا جب لوگ مسجد میں جمع ہوتے تو بدبو پھیل جاتی تو آپ نے فرمایا غسل

(4) مس: ۶۵: ج: ۵ (5) صحیح بخاری مس: ۱۰۱۲۳: ج: ۱ "باب من این توفی الحجۃ الخ" صحیح مسلم مس: ۲۸۰: ج: ۱ "کتاب الحجۃ"

(6) مسند احمد مس: ۵۷۶: ج: ۱ رقم الحدیث ۲۳۱۹ ایضاً راہ الطمرانی فی الکبیر مس: ۱۷۵: ج: ۱ رقم الحدیث ۱۱۵۳۸

کر لیا کرو اور خوشبو لگا لیا کرو یعنی جب جمعے کی نماز کے لئے آؤ۔ لہذا مذکورہ حدیث ابو ہریرہ اور سرہ بن جندب کی حدیث کے وجوب کے لئے ناخ ہوگی ندب اب بھی باقی ہے تاہم حضرت گنگوہی نے کوکب میں دوسرے جواب کا سختی سے انکار کیا ہے۔ واللہ اعلم

دوسرے باب میں اوس بن اوس کی روایت ہے فرماتے ہیں قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اغتسل يوم الجمعة وغسل وبکر وابتکر غسل بالثمد يد والتخفيف دون مروي ہے اس میں کلام ہوا ہے کہ غسل الغسل کے لئے تاکید ہے یا تائیس؟ تو دونوں قول ہیں اگر تاکید ہو تو مقصد مبالغہ فی الانقاء ہوگا تاکہ اچھی طرح صفائی ہو جائے۔ اگر تائیس ہو تو یا قراءۃ تخفیف کی ہوگی تو اس کی توجیہ عبداللہ بن مبارک سے مروی ہے یعنی غسل راسہ والغسل یعنی غسل کے ساتھ سر بھی دھوئے وجہ یہ ہے کہ عام عرب سر کے بال رکھتے تھے تو سر کو الگ دھوتے تھے کہ اس پر خطمی وغیرہ لگاتے تھے تو فرمایا کہ سر کو بھی دھوئے کہ یہ اظہف ہے۔ اس کی تائید بخاری (7) کی روایت سے ہوتی ہے۔

قال طاؤس قلت لابن عباس ذكروا ان النبي صلى الله عليه وسلم قال اغتسلوا

واغسلوا رؤسكم وان لم تكونوا جنباً واصيبوا من الطيب قال ابن عباس

اما الغسل فنعم واما الطيب فلا ادري

اگر بالشدید پڑھیں تو ترجمہ ہوگا کہ جو غسل کرائے یہ امام و کعب سے ترمذی نے نقل کیا ہے قال وکعب اغتسل ہو و غسل امراتہ اور یہ کنایہ ہوا جماع سے کہ جمعے کی نماز سے پہلے جماع کرے۔ وجہ یہ ہے کہ جمعے کی نماز میں عورتیں بکثرت آتی تھیں اس سے غض بصر اور توجہ الی الصلوٰۃ میں مدد ملے گی۔

ایک توجیہ غسل کی یہ کی گئی ہے کہ اعضاء کے غسل میں مبالغہ کرے یعنی تین تین دفعہ دھوئے تاکہ نظافت کا حصول ہو تو غسل ای غسل الاعضاء ثلاثاً اس کو اسباغ الغسل کہا جائے گا جیسے کہ اسباغ الوضوء ہوتا ہے۔ ایک توجیہ یہ بھی ہے کہ اغسل یوم الجمعۃ یعنی بعد از جماع و غسل ای اغسل ثانیاً للجمعة مگر یہ توجیہ شائد جمہور کے نزدیک صحیح نہ ہو کہ عند الجموع غسل جنابت غسل جمعے کے لئے کفایت کر سکتا ہے۔

وفی رواية ومشیی ولم یرکب قال البخاری مشی ابو عبس الی الجمعة وقال
سمعت رسول الله ﷺ یقول من اغترب قدماء فی سبیل الله
حرمهما الله علی النار کذا فی العارضة الاحوذی۔

بکر میں بالمشیدید والتخفیف دونوں قراءت میں اگر بالتخفیف ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ خرچ من بیتہ باکر
اگر تشدید کے ساتھ ہو چونکہ بعد میں ابتکر بھی آ رہا ہے تو یہاں بھی ثانی کو تاکید یا تائیس پر حمل کرینگے اگر تائیس ہو
تو بکر کا مطلب یہ ہوگا اتنی الصلوة اول وقتہا اور ابتکر ای اد رک اول الخطبۃ یا معنی ہے بکرای تصدق قل خر و جد و ابتکر
ای فعل فعل البتکرین جو کہ استماع خطبہ وغیرہ ہے ”ودئی“ یعنی قریب ہو کر بیٹھ گیا کہ بعید بیٹھنے میں بھی مد رک تو
ہوگا مگر کافی ساری فضیلت فوت ہو جائے گی۔

واستمع وانصت یعنی توجہ سے سنا اور خاموش رہا۔ انصات کا ایک معنی ہے کہ یولتا نہ رہے خاموش
ہو جائے ابن العربی نے یہ مطلب بیان کیا ہے وانصت یعنی وہ دوسرے تفکرات سے بچتا رہا اور کپڑوں اور بدن
سے کھیلنے اور مسح الحصى سے بچتا رہا۔ بعض روایت میں ہے ولم یفرق بین اثین اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ دو
آدمیوں کے درمیان نہ بیٹھا یا اس لئے کہ ان کے لئے جگہ تنگ ہوگی یا ساتھ بیٹھنے میں ان کی کوئی غرض ہوگی جو اس
کے بیٹھنے سے فوت ہو جائے گی یا مطلب یہ ہے کہ گردنوں کو پھلانگتا نہ رہا یا مطلب یہ ہے کہ خطبہ و نماز میں فرق نہ
کرتا رہا یعنی دونوں میں حاضر و موجود رہا ایسے شخص کا ثواب یہ ہے کہ کان لہ بكل خطوة بخطوة با عدل سے خطوہ کا
اطلاق اس فاصلے پر بھی ہوتا ہے جو دونوں پاؤں کے درمیان ہو اور اس پر بھی اس کا طلاق ہوتا ہے کہ ایک پاؤں
رکھنے کے بعد اسی قدم کو آگے رکھے تو اس فاصلے کو بھی خطوہ کہتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ خطوہ کا اطلاق ایک قدم پر
بھی ہوتا ہے دو پر بھی تو اس کے لئے ایک سال کے روزوں اور نمازوں کا ثواب لکھا جاتا ہے۔

باب ماجاء فی التکبیر الی الجمعة

رجال:-

سنن بضم السین وفتح الهم وشدۃ الیاء ثقہ ہیں۔ ☆

تشریح:-

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے جمعے کے دن غسل جنابت والا کیا اسی کفصل الجنابة تقدیر یوں ہے من اغتسل غسلا غسل الجنابة تو غسل مصدر مقدر کی صفت ہے کمافی القرآن ”وہی ترمیر السحاب“ اسی کمر السحاب اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اضافت مسبب کی ہو موجب کی طرف یعنی جمعے کے دن ایسا غسل کرے جس کا سبب جنابت ہو اس کا مطلب پھر وہی ہوگا کہ نماز جمعہ سے پہلے آدمی جماع کرے کما مرآ نفأ۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ غسل کرے کفصل الجنابة یعنی جنابت کے غسل کی طرح اس طریقے سے غسل کرے یعنی سر بھی دھوئے ثم راح بعض نے راح کو زوال کے بعد کے چلنے پر محمول کیا ہے۔ لیکن جمہور کے نزدیک اس سے مراد مطلق مشی و ذاباب ہے کما سیاتی۔

فکنا سماء قرب بدنه بدنه ہفتسمین بقرہ دونوں کو کہتے ہیں مذکر ہو یا مؤنث اس کی جمع بدن بضم الباء و سکون الدال آتی ہے ومن راح فی الساعۃ الثانیۃ فکنا مقرب بقرۃ اور بدنه کو مقدم کیا بقرہ وغیرہ پر کہ وہ بڑا ہوتا ہے اور بڑے جانور کا صدقہ زیادہ باعث ثواب ہوتا ہے۔ اس پر تو اتفاق ہے کہ حج کے موقعہ پر اونٹ کی قربانی دوسرے جانوروں کی نسبت افضل ہے لیکن علاوہ حج عند مالک ذنب اولی ہے بدنه سے اور استدلال وہ اس سے کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے علاوہ عموماً ورنے کی قربانی کی ہے۔ لیکن جمہور علماء کرام کے نزدیک بدنه مطلقاً افضل ہے باب کی روایت جمہور کی دلیل ہے امام شافعی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ بدنے کا اطلاق صرف اونٹ پر ہوتا ہے بقرہ پر نہیں کہ یہاں دونوں کا ذکر الگ الگ آیا ہے ہمارے نزدیک بدنے کا

اطلاق دونوں پر ہوتا ہے یہاں اگرچہ مراد فقط اونٹ ہے مگر اس پر قرینہ بقرے کا ذکر مستحکم ہے۔

اور جو تیسری گھڑی میں آجائے گویا اس نے دُبے کا صدقہ کیا اقرن اس لئے فرمایا کہ اقرن افضل ہوتا ہے نسبت غیر اقرن کے اور جو چوتھی گھڑی میں آیا تو ترمذی کی روایت میں ہے فکانما قرب دجاجة بالکسر والضم والفتح علی الاول (دال) اس کا اطلاق مذکور مؤنث دونوں پر ہوتا ہے۔ ایک روایت میں دجاجة سے پہلے فکانما قرب جلد ہے چونکہ جلد متوحش جانور ہے اس کے حصول کے لئے تعب کی ضرورت ہے تو اس اعتبار سے وہ مرغی سے بہتر ہے تو چوتھا درجہ اس کا ہوا جو پانچویں گھڑی میں آئے فکانما قرب بیضة قال الکنو ہی فی الکوکب کہ اس سے معلوم ہوا کہ انڈہ پاک اور حلال ہے کہ نجس اور حرام کے صدقے کا کیا مطلب ہے؟ بعض روایات میں بیضہ سے پہلے عصفور کا ذکر ہے تو ترمذی کی روایت میں پانچ اشیاء ہیں جبکہ بعض روایات (۱) میں کل سات اشیاء ہیں علی ہذا یہ کل سات گھڑیاں ہوئیں۔

پھر یہ پہلی گھڑی بقول نووی فی شرح المسلم (۲) اس میں اختلاف ہے امام مالک اور بعض شافعیہ (جیسے کہ امام حرمین ہے) کا مذہب یہ ہے کہ یہ بعد از زوال شروع ہوتی ہے مگر اعتراض اس پر یہ ہے کہ زوال کے بعد سات گھنٹوں کا وقت زوال سے نماز تک نہیں ہو سکتا۔

جواب یہ دیتے ہیں کہ یہاں ساعت سے مراد گھنٹہ نہیں کہا ہو عندا لجمعین بلکہ ساعات سے مراد اوقات اور لطیف لفظات ہیں۔ عندا لجمعو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد تکبیر ہے جو زوال سے مقدم ہوتی ہے پس اگر مراد ساعات سے ساعات اہل نجوم لے لیں تو یہ وقت تو جمعے کے خطبے سے سات گھنٹے پہلے شروع ہوگا لیکن مولانا زکریا نے اوجز المسالک میں لکھا ہے کہ یہ وقت ربيع النہار کے گزرنے کے بعد شروع ہوتا ہے اس قول کے مطابق ساعات سے مراد مخصوص مقادیر ہوگی حاصل یہ کہ عندا لجمعو یہاں راح بمعنی مطلق ذہاب اور مشی ہے اور عرب راح کا اطلاق مطلق مشی پر کرتے ہیں حتیٰ کہ رات کو جانے کو بھی وہ کہی رواح کہتے ہیں۔

جمہور نے اس توجیہ کو اس لئے پسند کیا ہے کہ یہ حدیث کا مقصد ہے کہ زوال کے بعد اگر فضیلت حاصل ہو سکے تو تکبیر کی طرف ترغیب حاصل نہ ہوگی دوسری بات یہ ہے کہ عند الزوال اذان ہوتی ہے اور اذان کے بعد

تاخیر حرام ہے تو فضیلت کیسے حاصل ہوگی؟

اعتراف:- مرفی اور انڈے کی قربانی ہوتی نہیں تو یہاں قرب بیعتہ دو جاہت کیسے فرمایا؟

جواب ۱:- یہاں قربانی سے مراد صدقہ ہے یعنی تصدق متقرباً الی اللہ بہا۔

جواب ۲:- قرب اپنے معنی پر ہے لیکن اس کا اخلاق و جاہ و بیعتہ و بطہ وغیرہ پر جو ہوا ہے یہ من قبیل

تسمیۃ اشئ باسم صاحبہ و قرینہ ہے لہذا پہلے سے مراد قربانی اور دوسرے سے مراد صدقہ ہے۔

ابن العربی نے لکھا ہے کہ بعد میں جو آئے گا تو اس کا نام لکھا جائے گا مگر عام رجسٹر میں مقربین میں

اس کا نام اب نہیں آئے گا۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ فرشتے جسے کے دن خاص رجسٹر لاتے ہیں جن میں مقربین

و مسارعین کے نام ہوتے ہیں۔ (3)

پھر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرشتے کراما کاتبین کے علاوہ ہیں قال اللکونی اس میں اشارہ ہے

اس بات کی طرف کہ جب یہ فرشتے گناہوں سے معصوم ہیں اور یہ خطبہ سنتے ہیں تو انسان جو گناہ گار ہوتا ہے اس

کو بطریق اولیٰ سننا چاہئے اور جلدی آنا چاہئے۔

باب ماجاء فی ترک الجمعة من غیر عذر

رجال:-

علی بن محسرم بروزن جعفر ثقة من صفار العاشرة۔ محمد بن عمرو صلیقی من السادسة۔ عبید بن سفیان ثقة من الثالثة۔

ابو الجعد ان کا نام اور ع ہے وقیل عمرو بن بکرویل جنادۃ ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے ترمذی نے نقل کیا ہے کہ وہ کانت لہ صحبہ۔

ابو الجعد نام کے بہت سارے راوی ہیں تو ترمذی کو وضاحت کرنا پڑی یعنی الضمری مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں ضمیری باتصغیر آیا ہے مگر وہ صحیح نہیں یہ صحیح ہے۔

امام بخاری نے نام جاننے سے انکار کیا ہے تقریب میں ہے کہ ان کا نام بعض نے جنادہ بتایا ہے قیل ان کا نام عمرو ہے وقیل اسمہ اور ع۔ (۱) ☆

تشریح:-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جمعہ کی نماز تین دفعہ (مسل) ترک کر دی تھا وہنا بھا کہ عذر کی بناء پر اگر چہ آدمی جمعہ نہ پڑھ سکے مگر آدمی کو ثواب ملتا ہے اگر تھا وہنا سے مراد کاسلا ہو یعنی سستی کی وجہ سے نہیں پڑھ رہا ہو تو مطلب ہوگا طبع اللہ علی قلبہ یعنی اللہ اس کے دل تک خیر کی رسائی کو ممنوع قرار دیتا ہے کہ یہ بھی گناہ کبیرہ ہے۔ قال ابن العربی فی العارضة (۲) کہ جو آدمی مسلسل گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا خاتمہ بالسوء ہوتا ہے تو ممکن ہے کہ طبع اللہ علی قلبہ سے یہی مراد ہو کہ اس کا خاتمہ بالخیر نہیں ہوگا العیاذ باللہ۔ اور جو آدمی کبھی کبھی اس کا ارتکاب کرے تو وہ اپنے آپ کو اس خطرے کے لئے پیش کرتا ہے اگر مراد یہ

باب ماجاء فی ترک الجمعة من غیر عذر

(۱) کذا فی المعارف ص: ۳۳۱ ج: ۲ (۲) عارضۃ الاخوان ص: ۲۳۱ ج: ۲

ہو کہ وہ آدمی استخفافاً اور حوقلاً نہیں پڑھتا تو طبع اللہ علی قلبہ کا مطلب یہ ہوگا کہ کتب اللہ منافقاً کہ یہ کفر ہے۔

باب ماجاء من کم یؤتی الی الجمعة

رجال:-

محدثین ملوہ بفتح المیم وتشدید الدال صدوق من الحادیة عشر۔ الفضل بن دکین
بالتصغیر۔

ثوری بھی مصغر ہے ضعیف رمی بالرفض من الرابعة۔ عن رجل من اهل القباء اس رجل کا نام
معلوم نہیں ہے۔ ☆

تشریح:-

اس باب میں پہلا مسئلہ یہ ہے کہ جمعہ فرض ہے یا لا جماع۔ امام مالک کی طرف اس کی سنیف کی نسبت
کی گئی ہے مگر ابن العربی نے عارضہ (۱) میں اس کے دو جواب دیئے ہیں ایک یہ کہ سنت سے مراد فرض ہی ہے
وجہ یہ ہے کہ امام مالک کبھی فرض پر سنت کا اطلاق کرتے ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جمعے کی نماز کا خاص طریقہ جو
دوسری نمازوں کے طریقے سے ممتاز ہے کئی وجہ کے اعتبار سے یہ مسنون ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور بعدہ
صحابہ سے ثابت ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ظہر اور جمعہ کی نمازیں ایک ہیں یا مختلف؟ تو امام شافعی و مالک کے نزدیک دونوں
ایک ہیں اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک الگ الگ ہیں۔ ثمرہ اختلاف یہ ہوگا کہ اگر کسی نے جمعے کے لئے تکبیر تحریمہ
کہی تو اسی نماز کو ظہر عند الشافعی بنا سکتا ہے خلافاً لابی حنیفہ۔ جیسے کہ امام شافعی کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی
قعدے میں پہنچا اس نے تحریمہ کہہ کر امام کے ساتھ شمولیت کی تو ابتداء جمعے کی نماز سے ہوئی لیکن امام جب سلام

پھیرے گا تو یہ مسبوق چار رکعت ظہر پڑے گا۔ طرفین کے نزدیک ایک پر دوسری کی بناء جائز نہیں لہذا وہ مسبوق جمعہ کی تکمیل کرے گا۔ ابن العربی نے عارضہ میں امام ابوحنیفہ کے قول کی تصحیح کی ہے پھر اس میں کلام ہوا ہے کہ اصل نماز کونسی ہے؟ ایک قول یہ ہے کہ مکہ میں اصل ظہر تھی اور مدینہ میں جمعہ اس پر طاری ہوا قول ثانی یہ ہے کہ جمعہ اصل ہے مطلقاً یعنی شروع سے فرض تھا البتہ مکہ میں عدم قدرت کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ نہ پڑھ سکے تو نماز ظہر قائم مقام تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جس سے جمعہ فوت ہو جائے تو وہ ظہر پڑھتا ہے کہ یہ بدل ہے پہلے اتقان کا حوالہ گذر چکا ہے کہ یہ کئے سے ہی فرض تھا۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ جمعہ کس پر فرض ہے؟ یعنی جو مقام جمعہ سے کتنا قریب رہتا ہو اور کس مسافت پر ہو تو جمعہ فرض ہوگا؟ امام ترمذی کا باب ہذا کے انعقاد سے یہی مقصد ہے اور اس بارے میں فرمایا ولا یصح فی ہذا الباب من النبی صلی اللہ علیہ وسلم شیء یعنی جو متحدہ پر دلالت کرے اسی لئے ہر ایک نے اپنے اپنے اجتہاد سے حد بندی کی ہے۔ اس میں تقریباً اقوال ہیں بعض اہل ظواہر کا کہنا ہے کہ جواز ان سے اس پر جمعہ ہے اور جواز ان نہ سے اس پر جمعہ نہیں اگرچہ وہ شہر کے اندر ہو۔

لیکن ائمہ اربعہ کے نزدیک شہر والوں پر جمعہ فرض ہے اذان سے یا نہ سے کما نقل العراقی فی شرح الترمذی عن الائمة الثلاثة وجہ ظاہر ہے کہ مدینہ منورہ کے تمام لوگوں پر جمعہ فرض تھا حالانکہ مسجد نبوی کی اذان کی آواز اطراف تک نہیں پہنچتی تھی اور فقہائے حنفیہ نے بھی تصریح کی ہے کہ شہر والوں پر جمعہ فرض ہے البتہ شہر سے باہر رہنے والوں پر کس حد تک جمعہ فرض ہوگا؟ تو عند ابی حنیفہ شہر یا فناء شہر کے باسی پر جمعہ فرض ہے فناء شہر سے مراد توابع مصر ہے پھر اس کی تحدید میں متعدد اقوال ہیں قیل جہاں تک آواز پہنچتی ہو وہ فناء ہے قیل ایک میل و قیل دو میل و قیل ثلاث امیال و قیل ستہ امیال و کذا فرخ و فرخین و ثلاثہ فرسخ تک کے اقوال ہیں صحیح یہ ہے کہ جہاں تک شہر کی ضروریات وابستہ ہوں وہ فناء مصر میں داخل ہے۔

امام ابو یوسف کے اس بارے میں تین اقوال ہیں ایک یہ ہے کہ جو شہر سے باہر رہتا ہے اس پر جمعہ نہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ تین فرسخ کے فاصلے پر رہنے والے پر جمعہ ہے اس سے بعید پر نہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ جو آدمی جمعے کی نماز پڑھ کر رات کو گھر پہنچ سکتا ہو تو اس پر جمعہ فرض ہے اور جو نہ پہنچ سکے تو اس پر جمعہ واجب

نہیں استخسہ اکثر الفقہاء و ہومروی عن الشافعی فی قولہ۔ تحفہ میں ہے وہو قول عبداللہ بن عمرو ابی ہریرۃ و انس و الحسن و عطاء و نافع و کرمۃ و الحکم و اللادزاعی۔

اعتراض :- اگر ان کا استدلال باب کی حدیث سے ہے تو یہ ضعیف ہے اور قرآن کے ظاہری حکم کے خلاف ہے کہ اس قول کے مطابق صبح سویرے نماز کے لئے گھر سے نکلنا فرض ہو جائے گا حالانکہ قرآن میں ہے "اذ انودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا الى ذكر الله" (2) تو سعی کو سماع اذان پر موقوف کیا ہے پہلے سعی واجب نہیں۔

ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ جو آدمی اذان سنے اس پر جمعہ فرض ہے وہ یہ بقول الخلیف۔ عارضہ میں ہے کہ امام مالک نے اس سماع کی تحدید تین میل سے کی ہے کہ جو شہر سے تین میل باہر رہتا ہو اس پر جمعہ فرض ہے کہ مسافر کے قصر کی مقدار عندہ یہی ہے امام شافعی نے آخری آبادی کا اعتبار کیا ہے۔

ان کے پاس بھی کوئی روایت موجود نہیں البتہ ابو داؤد (3) میں عبداللہ بن عمرو کی روایت ہے الحجۃ علی من سمع النداء لیکن ابن العربی فرماتے ہیں والصحيح انه قول عبد الله ورجح ابو داؤد وقفه على وصله ايضا۔ ان کا دوسرا استدلال قرآن کے ظاہر سے ہے کہ "اذ انودى للصلاة" لہذا یہ مگر بقول ابن العربی اس کا ظاہر بالا جماع ساقط ہے کہ شہر کبیر میں سب لوگ اذان نہیں سنتے۔

چوتھا مسئلہ جمعہ فی القری کا ہے کہ شہر کبیر کے علاوہ کتنی آبادی میں جمعہ صحیح ہے؟ تو عند الخفیہ اس کے لئے مصر کا ہونا ضروری ہے بڑے قصبات بھی شہر کے حکم میں ہیں لہذا قریہ صغیرہ میں جمعہ صحیح نہیں ہوگا پھر مصر کی تعریف میں عبارات فقہاء مختلف ہیں بعض نے بنیان کا اعتبار کیا ہے بعض نے نفوس کا اعتبار کیا ہے جنہوں نے آبادی کا اعتبار کیا ہے تو بعض نے کہا کہ جس میں امام یا اس کا نائب ہو مثلاً قاضی وغیرہ و قیل جہاں گلیاں کو چے ہوں جنہوں نے نفوس کا اعتبار کیا ہے تو قیل ایک ہزار آدمی قیل بارہ سو قیل پندرہ سو قیل چار ہزار و قیل اتنے لوگ ہوں کہ اس شہر کی جامع مسجد میں جمع ہو جائیں تو مسجد نا کافی ہو جائے۔ و قیل جہاں روزانہ فوتگی اور ولادت ہوتی ہو مگر یہ رسوم ہیں حد و نہیں لہذا کی بیشی کی صورت میں حکم بدلنا لازم نہیں لہذا عرفائے شہر کہا جاتا ہو مثلاً اسکول

ڈاکخانہ ہسپتال بینک وغیرہ کے شعبے موجود ہوں بعض نے کہا کہ جہاں حد نافذ ہوتی ہو مگر یہ صحیح نہیں کہ پھر تو جمعہ کہیں نہیں ہوگا اسی طرح دارالاسلام کی شرط لگانا بھی صحیح نہیں رو علیہ اللکلو ہی فی الکلوک البتہ قدرت علی انفاذ الحمد ہونی چاہیے۔ عند شافعی چالیس نفوس پر اتر اشتمال ہو آبادی کا تو صحیح ہے ورنہ نہیں۔ تیسرا مذہب غیر مقلدین کا ہے کہ ہر جگہ جمعہ صحیح ہے۔

شافعیہ کی دلیل :- ”اذنودی للصلوة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع“ ہے۔

جواب :- گنگوہی نے یہ دیا ہے کہ اس کا ظاہر حنفیہ کی دلیل ہے کہ مطلب اس کا یہ ہے کہ جب جمعہ کی اذان ہوگی تو سعی کرو چھوٹے قریوں میں نداء نہ ہوگی تو سعی نہ ہوگی۔ دوسری بات یہ ہے کہ فاسعوا امر سے عورتیں معذور مسافر وغیرہ مستثنیٰ ہیں تو قریہ صغیرہ والے بھی مستثنیٰ ہونگے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس میں فاسعوا لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں بازار موجود ہوں کہ وذرُوا البیع میں یہ دلالت اظہر ہے کہ دکانیں جہاں ہونگی تو بیع ہوگی اسی طرح ”واذا قضیت الصلوة فانتشروا فی الارض وابتعوا من فضل اللہ“ بڑی آبادی کی طرف مشیر ہے۔

دلیل ۲ :- روی ابو داؤد (4) عن ابن عباس ان اول جمعة جمعت فی الاسلام بعد جمعة جمعت فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدينة لجمعة جمعت بحوانی قریہ من قری البحرین وفی رواۃ قریہ من قری عبد القیس۔

اس کو قریہ کہا پھر بھی جمعہ ہوتا تھا۔

جواب :- قریہ کا اطلاق شہر پر بھی ہوتا ہے کما فی القرآن مکہ اور طائف کو قریہ کہا ہے ”وقالوا لولا نزل هذا القرآن علی رجل من القرینین عظیم“ (5) تو طائف اور مکہ کو قریہ کہا اسی طرح واسطی القریہ میں اسکندر یہ کو بھی قریہ کہا حالانکہ وہ بھی شہر تھا۔ علامہ بخاری نے عمدہ میں لکھا ہے کہ یسکن فیہا اربعة آلاف نفس اسی طرح حضرت علماء انحضری حضرت ابو بکر کے دور خلافت میں یہاں کے گورنر مقرر ہوئے حالانکہ گورنر بڑی

آبادی میں ہوتا ہے۔

دلیل ۳:- ابو داؤد (6) میں عن عبد الرحمن بن کعب بن مالک و فیہ سعد بن زارہ نے ہرم النبیۃ میں جمعہ قائم کیا ہے وہ مدینہ سے ایک میل کے فاصلے پر ہے۔ عبد الرحمن کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ کتنے آدمی تھے تو کہا کہ چالیس آدمی۔

جواب :- یہ جمعہ عرفی نہیں بلکہ لغوی جمعہ ہے کہ انہیں دو رکعت کا ذکر نہیں البتہ انہوں نے اپنے اجتہاد سے لوگوں کو جمع کیا تھا جس کی تفصیل یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کا دن مقرر ہے عبادت کے لئے تو انہوں نے جمعے کے دن لوگوں کو جمع کیا دعوت کی اور وعظ و نصیحت کی تو جمعہ سے مراد اجتماع ہے اگر مان لیں کہ جمعہ عرفی مراد ہے تو اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر ثابت نہیں۔

دلیل ۴:- معرفۃ بیہقی (7) میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا جمعہ ہجرت کے (دو چھتے) بعد نبی سالم کے محلے میں ادا فرمایا تھا اور نبی سالم بھی چھوٹی آبادی ہے۔

جواب :- یہ مدینہ کے مضافات میں تھا اور نداء شہر میں داخل تھا جو حکم شہر میں داخل ہے۔

دلیل ۵:- مصنف ابن ابی شیبہ (8) میں ابو ہریرہ کی روایت ہے کتبوا الی عمر یسئلونہ من الجمعة فکتب جمعوا حیث کتبت۔

جواب :- حضرت عمر نے یہ جواب اپنے گونروں کے نام دیا تھا اور گونر ہر جگہ میں نہیں ہوتا بلکہ بڑی آبادیوں میں ہوتا ہے مطلب یہ ہوگا کہ شہر میں جہاں چاہو جمعہ ادا کرو۔ بیہقی نے المعروف میں شافعی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس کو مقید کیا ہے قریہ کے ساتھ تو حنفیہ مقید کریں گے مصر کے ساتھ۔

جمعہ فی القری کے عدم جواز پر دلیل ۱:- حجتہ الوداع کے موقع پر وقوف عرفہ جمعے کے دن تھا اور ایک لاکھ سے زیادہ لوگ موجود تھے اور آپ نے اس دن خطبہ بھی ارشاد فرمایا ہے مگر اس کے باوجود جمعہ کی نماز نہیں پڑھی۔

(6) ص: ۱۶۰ ج: ۱ "باب الحجۃ فی القری" (7) کنزانی آثار السنن ص: ۲۸۲ "باب اقامۃ الحجۃ فی القری"

(8) ص: ۱۰۱ ج: ۲ "من کان یری الحجۃ فی القری وغیرہا"

شافعیہ کہتے ہیں کہ حضور اور صحابہ مسافر تھے مگر ہم جواباً عرض کرتے ہیں کہ اول تو مسافر کے لئے جمعہ ممنوع نہیں دوسری بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقیم لوگ بھی بہت تھے اگر جمعہ ہر جگہ صحیح ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے جمعہ کا انتظام ضرور فرماتے۔

دلیل ۲:- یہ ہے کہانی ابی داؤد و البخاری (9) عن ابن عباس کہ مدینہ کے بعد پہلا جمعہ جو اہل میں قائم ہوا تو سوال یہ ہے کہ وفد عبدالقیس چھ یا آٹھ ہجری میں مدینہ آیا ہے تو جو اہل میں سنہ ۸ھ کے بعد جمعہ کا قائم ہونا جبکہ سنہ ۷ھ میں خیبر کے علاوہ اور بھی بہت ساری بستیاں اسلام کے ماتحت آئیں تھیں تو ان میں جمعے کا قیام کیوں نہیں کیا گیا؟

دلیل ۳:- حضرت عثمان نے عید کی نماز کے بعد اعلان فرمایا کہ جو اہل قری ہیں اگر وہ جانا چاہے تو جاسکتے ہیں اور ہم جمعہ پڑھیں گے لہذا ان کا اہل قری کو اجازت دینا اس بات کی دلیل ہے کہ قری میں جمعہ نہیں نہ اہل قری پر جمعہ ہے۔ (10)

دلیل ۴:- بخاری (11) میں عائشہ کی حدیث ہے کہ ان الناس یستأبون الجمعة من منازلہم والعوالی اگر بیٹا بون کا مطلب باری باری آنا ہو تو استدلال واضح ہے کہ یہ اس پر دلیل ہے کہ جمعہ فی القری نہیں ورنہ وہیں انعقاد کرتے یا سب آتے معلوم ہوا کہ ان پر جمعہ نہیں تھا البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سننے آتے تھے کہانی الترمذی جلد ۲ حضرت عمر کی حدیث ہے (12) کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کے لئے نمبر مقرر کیا تھا۔ اگر بیٹا بون کا مطلب نفس ذہاب ہو تو بھی اس سے ہمارا استدلال تام ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عوالی جس کا فاصلہ مدینہ منورہ سے دوسے آٹھ میل تک ہے اور تلخیص الحبر (13) میں ہے کہ ذوالحلیفہ والے بھی مدینہ آیا کرتے تھے اور یہ کہیں ثابت نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عوالی یا ذوالحلیفہ وغیرہ میں جمعہ کی

(9) صحیح بخاری ص: ۱۲۲ ج: ۱ "باب الجہد فی القری" و ابوداؤد ص: ۱۶۰ "باب الجہد فی القری"

(10) انظر للتفصیل بذل الجہد ص: ۲۷۳ ج: ۲ (11) صحیح بخاری ص: ۱۲۳ ج: ۱ "باب من این یوتی الجہد علی من حب"

(12) رواہ البخاری ص: ۳۳۳ ج: ۱ "باب القریۃ والعلیۃ المشرقة فی السطوح وغیرہا"

(13) ص: ۱۳۶ ج: ۲ تحت رقم الحدیث ۶۲۱

اجازت دی ہو۔

دلیل ۵:- مصنف ابن ابی شیبہ (14) میں حضرت علی کی روایت ہے لا تشریق ولا جمعة الا فی مصر جامع ابن حجر نے درایہ میں عبدالرزاق کے حوالے سے نقل کر کے اس کی تصحیح کی ہے۔ (15)

دلیل ۶:- بخاری (16) میں ہے کہ انس بصرہ سے چھ میل (دو فرسخ) کے فاصلے پر رہتے تھے اور وہ کبھی کبھی جمعے میں شمولیت کے لئے آتے تھے معلوم ہوا کہ وہ اپنی ہستی میں جو نہیں پڑھتے تھے۔

دلیل ۷:- زیلعی (17) نے متعدد آثار میں قوی نقل کئے ہیں کہ اس میں ہے ان الجمعة والقی واقامة الحد للامام السلطان۔

دلیل ۸:- ما قبل کی بحث میں گذرا کہ کنگوہی نے فرمایا قرآن کی آیت اذ انودی الایہ بھی بڑی آبادی پر دلالت کرتی ہے۔

باب ماجاء فی وقت الجمعة

رجال:-

سریح بالتصغیر بغدادی اصلاً خراسانی ہیں نفع من کبار العاشرة۔ عثمان المدنی یہ بھی ثقہ ہیں۔ ☆

تشریح:-

جمہور کی نزدیک جمعے کا وقت بعد زوال شمس شروع ہوتا ہے اگر کسی نے قبل الزوال پڑھ لیا تو اعادہ ضروری ہوگا لیکن امام احمد کے نزدیک زوال سے پہلے ضوۃ الکبریٰ کے وقت میں بھی اگر جمعہ ادا کر لیا جائے تو صحیح ہے۔ جمہور کی دلیل مذکورہ باب میں روایت انس ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی الجمعة حین تمیل الشمس

(14) ص: ۱۰۱ ج: ۲ "من قال لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع" (15) مصنف عبدالرزاق ص: ۱۶۸ ج: ۳ رقم حدیث ۵۱۷۷

(16) ص: ۱۲۳ ج: ۱ (17) نصب الراية للزیلعی ص: ۲۰۲ ج: ۲ "باب صلوة الجمعة"

امام احمد کا استدلال بہل بن سعد کی حدیث سے ہے جو صحیحین (1) اور ترمذی میں باب فی القائلۃ یوم الحجۃ (2) میں ہے۔

ماکنا نتغذى فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا نقیل الا بعد الجمعة استدلال یوں کرتے ہیں کہ غدا صبح کے کھانے کو کہتے ہیں جو قبل از زوال کھایا جاتا ہے جب نماز اس سے پہلے ہوئی تو نماز صبحہ الکبریٰ میں ہوئی۔

جواب :- کھانا کھانے اور سونے کے معمول کو نماز جمعہ سے مؤخر کرتے مثلاً گیارہ بجے کا کھانا ڈیڑھ بجے کھا لیتے اور بعد الزوال بھی چونکہ وہ صبح کا کھانا ہی ہے تو اس کو غداء کہا کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم هلموا الی الغداء المبارک (3) یہ بحری کے لئے فرمایا اگر آپ کا استدلال درست ہو جائے تو ماننا پڑے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بحری صبح ہوا کرتی تھی نہ کہ رات کو۔

ویل :- دارقطنی (4) کی روایت میں عبد اللہ بن سیدان کی روایت ہے۔

شهدت یوم الجمعة مع ابی بکر الصدیق وکانت صلوٰتہ وخطبته قبل نصف النهار

تو مطلب یہ ہوا کہ ابو بکر زوال سے پہلے نماز پڑھتے تھے۔

ثم شهدتہا مع عمر وکانت صلوٰتہ وخطبته الی ان اقول انتصف النهار ثم

شهدتها مع عثمان فکانت صلوٰتہ وخطبته الی ان اقول زال النهار

قال القاری فی الجواب اس میں عبد اللہ بن سیدان ہے وانغصوا علی ضعف بن سیدان کذا نقلہ

ابن ہمام۔

باب ماجاء فی وقت الجمعة

(1) صحیح بخاری ص: ۱۲۸ ج: ۱ باب قول اللہ عزوجل فاذا قضیت الصلوٰۃ اخرج ایضا ابن ماجہ ص: ۷۷ باب ماجاء فی وقت الحجۃ

(2) ترمذی ص: ۶۹ ج: ۱ (3) ردالمحتار ص: ۳۰۳ ج: ۱ باب دعوة المحرم (4) دارقطنی ص: ۱۳۱ ج: ۲ رقم حدیث ۱۶۰۷ باب

صلوٰۃ الحجۃ قبل نصف النهار ایضاً رواہ ابن ابی شیبہ ص: ۱۰۷ ج: ۳ من کان یقیل بعد الحجۃ ویقول علی اول التبارک

جواب ۲:- اگر قابل احتجاج مان لیں کہ ابن سیدان کہارتا بعین میں سے ہے تو جواب یہ ہوگا کہ مقصد مباذ کرنا ہے کہ نصف النہار اگر چہ آن بسیط ہے لیکن عرف میں یہ موسع ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ ابو بکر صدیق جب نماز پڑھاتے تو یہ کہنا مشکل ہوتا کہ نصف النہار ہوا ہے یا نہیں؟ اگرچہ نفس الامر میں ہو چکا ہوتا۔ پھر عمر نے تاخیر فرمائی پھر عثمان نے اور زیادہ تاخیر فرمائی حقیقتہً تکبیر مراد نہیں کہ ابن العربی نے عارضہ میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمر حضرت عقیل کے لئے غربی دیوار کے ساتھ چٹائی بچھاتے تھے چھوٹی سی دیوار تھی جب دیوار کا سایہ اس کو چھایا لیتا تو تب وہ جمعے کے لئے نکلتے معلوم ہوا کہ ان کا خطبہ یقیناً زوال کے بعد ہوتا تھا۔ امام بخاری (5) نے عائشہ کی حدیث وکانوا اذراحوالی الجمعۃ را حوائی میختم سے استدلال کیا ہے کہ رواح کا اطلاق بعد از زوال چلنے پر ہوتا ہے۔ لیکن پہلے گزر چکا ہے کہ اہل عرب رواح کا اطلاق مطلق ذباب پر بھی کرتے ہیں تاہم فی ہبتہم لفظ سے استدلال ہو سکتا ہے۔

باب ماجاء فی الخطبة علی المنبر

رجال:-

ابو حفص البصری ثقة من العاشرة۔ عثمان بن عمر البصری اصلہ من بخاری ثقة من التاسعة۔ یحیی بن کثیر ابو غسان العنبری مولاہم البصری ثقة من التاسعة۔ معاذ بن العلاء صدوق من السابعة۔ ☆

تشریح:-

قال ابن العربی فی العارضہ کہ اذان وخطبہ میں اسماع مقصد ہے لہذا ان دونوں کے جگہ اونچی ہوئی چاہئے البتہ اذان میں اسماع زیادہ دور تک مقصد ہے اور خطبہ میں صرف حاضرین تک اسماع مقصود ہے اس لئے اذان کی جگہ زیادہ اونچی ہوئی چاہئے الا یہ کہ ضرورت کسی اور چیز سے پوری ہو جائے جیسے آج کل لاؤڈ اسپیکر

ہیں۔ اگر کسی نے زمین پر خطبہ دیا یا علاوہ منبر کسی اور اونچی جگہ پر خطبہ دیا تو یہ جائز ہے کہ قبل از منبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے اگرچہ بہتر یہ ہے کہ اونچی جگہ ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر کب بنوایا تھا تو ظاہر یہ ہے کہ سنہ ۲ھ کو کہ آپ نے قبلہ کا اعلان منبر سے فرمایا تھا یہ جذبہ جذبہ انتخل کا مفرد ہے منبر سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف رکھتے یا کھڑے ہو کر خطبہ اشد فرماتے تھے جب منبر بنوایا تو حن الجذرع حنین اس اونٹنی کی آواز کو کہتے ہیں جس سے بچہ دور چلا جائے تو عند الاشتیاق آواز دیتی ہے اس کو حن کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے التزام کیا فسکت بعض روایات میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ کیا چاہتے ہو اس نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دی پھر ریاض الجسد میں اس کو دفن کر دیا بعض روایت میں ہے کہ یہ مسجد نبوی کے ستونوں میں سے ایک ستون ہے پھر بہتر یہ ہے کہ منبر محراب کے کنارے ہو۔

باب ماجاء فی الجلوس بین الخطبتین

رجال:-

حمید بن مسعدة بضم الحاء صلوف من العاشرة۔ ۱۱۱

تشریح:-

ابن عبد البر نے لکھا ہے کہ سوائے امام شافعی کے باقی سب اس پر متفق ہیں کہ دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا مسنون ہے عند الشافعی یہ فرض ہے یہ اختلاف ایک دوسرے اختلاف پر مبنی ہے چونکہ امام شافعی کے نزدیک دو خطبے فرض ہیں تو بیچ میں بیٹھنا بھی فرض ہوگا جمہور کے نزدیک دو خطبے سنت ہیں تو بیٹھنا بھی سنت ہوگا۔ امام شافعی کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مواظبت من غیر ترک ہے وقال صلوا کما راہتمونی اصلی صلوا بھی امر ہے۔

حافظ ابن دقیق العید نے جواباً کہا ہے کہ یہ استدلال موقوف ہے اس پر کہ ہیئت خطبہ نماز میں داخل ہو اگر غیر ہو تو یہ استدلال محض فعل سے ہوگا امر سے نہیں اور محض فعل مع المواظبت فرض پر دلالت نہیں کرتا۔

جمہور کا استدلال "فاسمعوا لی ذکر اللہ" سے ہے یہ مطلق ہے اس میں دو خطبوں کا ذکر نہیں اب اگر دونوں فرض ہوں تو کتاب اللہ پر خبر واحد کی زیادتی لازم آئیگی۔

باب ماجاء فی قصر الخطبة

رجال:-

ابوالاخوص کا نام سلام بن سلیم ہے کوئی اور ثقہ ہیں۔

تشریح:-

حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتا تھا تو ان کی نماز بھی درمیانی ہوتی اور خطبہ بھی "قصداً" سے مراد متوسط ہے۔

حضرت عمار بن یاسر کی حدیث جو فی الباب میں مشارالیه ہے یہ مسلم (1) میں ہے وفیہ آدمی کی فقہیت کی علامت یہ ہے کہ خطبہ مختصر ہوا اور نماز لمبی ہو معلوم ہوا کہ خطبہ مختصر ہونا چاہیے حد فقہاء نے مقرر کی ہے کہ طوالت مفصل سے زیادہ لہجہ ہو۔

اعتراض:- مسلم (2) میں ابو زید کی حدیث ہے کہ ایک دفعہ بعد صلوٰۃ الصبح نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ظہر کی نماز تک خطبہ ارشاد فرماتے رہے پھر بعد الظہر الی العصر خطبہ دیتے رہے پھر بعد العصر خطبہ دینے لگے یہاں تک کہ غروب ہو گیا تو اس عمل سے تو معلوم ہوا کہ دن بھر خطبہ دینا جائز ہے تو کم از کم مستحب ہونا چاہیے اور باب کی روایت اور مسلم کی عمار کی روایت سے اختصار معلوم ہوتا ہے تو ان روایات میں تعارض پیدا ہوا۔

جواب:- مختصر خطبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول تھا اور ابو زید کی حدیث میں جس خطبے کا ذکر ہے

باب ماجاء فی قصر الخطبة

(2) صحیح مسلم ص: ۳۹۰ ج: ۳ "کتاب الفتن الخ"

(1) ص: ۲۸۶ ج: ۱ "کتاب الجمع"

وہ نہایت نادر ہے۔

جواب ۲:۔ جس خطبے کی بات ہو رہی ہے یہ متعارف خطبہ ہے اور ابو زید کی حدیث میں جو خطبہ ہے وہ وعظ تھا متعارف خطبہ نہیں قالہ اعلی القاری۔

اسی طرح حضرت جابر و عمار کی حدیثوں میں بھی تو فرض نہیں کہ عمار کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ خطبہ بہ نسبت نماز کے مختصر ہوتا اور نماز بہ نسبت خطبہ لمبی ہوتی اور فی نفسہ دونوں معتدل ہوتے یعنی سامعین پر بوجھ نہیں ہوتے تو حضرت عمار کی حدیث میں اضافت کا ذکر ہے اور جابر کی حدیث میں نفس الامر کا ذکر ہے۔ قال النووی وغیرہ (3)

خطبہ کے چند مسنون و مستحب امور:۔

(۱) علی الطہارۃ (۲) قائمًا (۳) مستقبلًا الی اقوم (۴) القعود سرًا قبل شروع (۵) الحجر بیا
(۶) الشروع بالتحمید (۷) قراءۃ الشہادتین (۸) والصلوۃ علی النبی علیہ السلام (۹) الاعتناء للقوم (۱۰) قراءۃ
القرآن ولو آتیہ وهو شرط عند الشافعی (۱۱) القعود جنبہا کما مر (۱۲) ابتداء الثانیۃ بالتحمید (۱۳) الدعاء للمؤمنین
والمومنات من الصحابۃ وغیرہم (۱۴) کونہا بالعربیۃ۔ (4)

(3) شرح النووی علی صحیح مسلم ص: ۲۸۹ ج: ۱

(4) دیکھئے جواہر الفقہ ص: ۳۵۰ ج: ۱ بحوالہ درس ترمذی ایضاً معارف السنن ص: ۶۳۰ نسج: ۴

باب ماجاء فی استقبال الامام اذا خطب

رجال:-

عباد بن یعقوب صدوق رافضی بخاری میں ان سے مقرون روایت ہے ابن حبان نے فرمایا: یستحق الترك۔ محمد بن الفضل الکوفی نزیل بخاری کذب و من الثامۃ۔ ۵۶

تشریح:-

امام شافعی احمد و تلیق اور امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ جب امام منبر پر بیٹھ جائے تو لوگوں کو اس کی طرف متوجہ ہو جانا چاہیے یہ اصل مذہب کا حکم ہے اور یہ استقبال مسنون ہے۔ قال الشافعی چونکہ زمانہ فساد کا ہے اگر لوگ امام کی طرف بوجہ ہم و صدور ہم متوجہ ہوں تو عند الجماعۃ مصروف کی استقامت نہ رہے گی۔ اس لئے پھر متاخرین نے کہا ہے کہ استقبال بالصدر نہ کیا جائے۔ قال الکناوی (۱) مراد اس حدیث سے عین امام کا استقبال نہیں بلکہ بہت قبلہ ہے یعنی جہت امام جو عین جہت قبلہ ہے کیونکہ اگر عین امام کا استقبال کریں گے تو قبلہ اصلوً تخلیق کی صورت بنے گی جو حدیث میں ممنوع ہے لہذا اگر صرف لمبی ہو تو جو لوگ امام کے عین و شمال میں ہوں تو ان کا سینہ جہت قبلہ کی طرف ہونا چاہئے یعنی صف میں اپنی اپنی جگہ لوگ بیٹھے رہیں البتہ اگر چہرہ امام کی طرف کر دیں تو بہتر ہے چنانچہ شاہ صاحب نے مبسوط سرخسی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

ان اباحنیفۃ کان یقبل بوجہہ الی الامام عند الخطبۃ من موضعه بلا تبدیل

الموضع

ابن العربی عارضہ میں فرماتے ہیں کہ مراد اس استقبال سے استقبال بالقلوب ہے کہ لوگ توجہ کے ساتھ امام کا خطبہ سنیں البتہ لوگوں کے منہ بھی امام کی طرف ہونے چاہئیں کہ خطیب ان کے ساتھ بات کرنے کے

لئے کھڑا ہے اگر یہ ادھر ادھر دیکھیں گے تو وہ کس سے کلام کریگا۔

قال الترمذی ولا یصح فی هذا الباب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم شیء
واعترض علیہ الشاہ ان البخاری عقد علیہ الباب فکیف یقول ولا یصح
الخ (2)

در مختار میں ہے کہ ہر خطبے کا سننا اگرچہ وہ خطبہ نکاح کیوں نہ ہو واجب ہے۔ (3)

باب فی الرکعتین اذا جاء الرجل والامام یخطب

حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ جمعہ کے دوران ایک آدمی (ملیک بن
ہدیہ الغطفانی) آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اصلیت؟ قال لا تو آپ نے فرمایا تم فارکج ای فصل۔
اسی طرح دوران خطبہ مروان ابوسعید خدری کی نماز کا واقعہ پیش آیا۔ حسن بصری نے بھی دوران خطبہ دو
رکعت نماز پڑھی ہے۔

قال النووی امام شافعی احمد واصلی و فقہاء محدثین کا مذہب یہ ہے کہ اگر آدمی جمعے کے دن دوران خطبہ
آئے تو اس کے لئے تحیۃ المسجد تخفیف کے ساتھ پڑھنی چاہیے تاکہ استماع کے لئے جلدی فراغت ہو اگر وہ نہ
پڑھے تو مکروہ ہے۔

حسن بصری وغیرہ سے بھی یہ عمل منقول ہے کافی الترمذی اس کے برخلاف امام مالک و ابو حنیفہ جمہور
سلف صحابہ و تابعین عمرو عثمان و علی ابن عباس و ابن عمر کا مذہب یہ ہے کہ دوران خطبہ نماز پڑھنا حرام ہے کہ اس
لئے کہ خطبہ سننا فرض ہے امام شافعی و احمد کی دلیل جابر کی حدیث باب ہے۔

جمہور کے دلائل:- قرآن کی آیت ”واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا“ (1) قال

(2) چنانچہ دیکھئے صحیح بخاری ص: ۱۲۵ ج: ۱ ”باب استقبال الناس الامام اذا خطب الخ“ (3) کذا فی معارف السنن ص: ۲۶ ج: ۳

باب فی الرکعتین اذا جاء الرجل والامام یخطب

(1) سورة اعراف آیت ۲۰۴

ابن العربی قرآن منافی فرض ہے اور تحیۃ المسجد پڑھنا مستحب ہے تو فرض چھوڑ کر مستحب پر عمل کرنا کیسے جائز ہوگا؟
یعنی ایسا مستحب جس پر عمل مستلزم ہو ترک فرض کو قائل عمل کیسے ہو سکتا ہے؟

دلیل ۲:- آئندہ باب میں ابو ہریرہ کی حدیث ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من قال يوم الجمعة والامام يحط

انصت فقد لغا

قال ابن العربی امر بالمعروف ونہی عن المنکر دونوں فرض ہیں جبکہ دوران خطبہ اس پر عمل جائز نہیں تو
مستحب کیسے جائز ہوگا؟

دلیل ۳:- شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۲) نے حدیث علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا یا ائمتلو او الامام یخطب اسی طرح ابن عباس و ابن عمر بھی بعد خروج الامام نماز کو مکروہ سمجھتے تھے۔

دلیل ۴:- مسند احمد (۳) میں ہے کہ جب آدمی جمعے کے دن غسل کر کے نماز کے لئے نکلے اور کسی کو
تکلیف نہ دے فان لم یجد الامام خرج صلی مابدا له وان وجد الامام قد خرج جلس فاستمع
وانصت (الحمدیث) اس کا مطلب بھی یہ ہے کہ اگر امام خطبے کے لئے نکلا ہو تو سوائے استماع کے کوئی عمل جائز
نہیں۔

دلیل ۵:- معجم کبیر للطبرانی (۴) میں ہے مرفوعاً اذا دخل احدکم المسجد والامام علی

النسر فلا صلوة ولا کلام حتی ینزع الامام۔

دلیل ۶:- ابن العربی (۵) قیاس کرتے ہیں کہ جب آدمی مسجد میں داخل ہو جائے اور جماعت کھڑی
ہو تو اس داخل کے لئے تحیۃ المسجد پڑھنا جائز نہیں تو دوران خطبہ بھی جائز نہ ہوگی کہ یہ بھی ایک گونہ نماز ہے کہ اس
میں طعام و شراب بھی جائز نہیں اور وہ عمل منافی ہے جو نماز میں منافی ہے رہا مسئلہ باب کی حدیث کا تو جمہور کی

(۲) کذا فی حاشیۃ الترمذی ص ۶۷ حاشیہ (۳) مسند احمد ص ۳۸۱ ج ۷ رقم حدیث ۴۶۷۰

(۴) معجم کبیر للطبرانی بحوالہ مجمع الزوائد ص ۴۰۷ ج ۲ رقم الحدیث ۴۱۲۰

(۵) عارضۃ الاحوذی ص ۲۵۲ ج ۲

طرف سے اس کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں۔

جواب ۱:- قال ابن العربي هذا يعارض آية القرآن والاحادیث الصحيحة ولا اصول الكلية التي تدل على وجوب الاستماع توفیه صحابی کی خصوصیت ہوئی عام حکم مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔

جواب ۲:- حضرت سلیم بوسیدہ کپڑوں میں آئے تھے کافی الحدیث فی ہیئہ بذہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ان کو کھڑا کر دیں کہ لوگ ان کی حالت دیکھ کر کچھ دیں اور کپڑوں کا انتظام ہو جائے اور ان کی نماز کے دوران نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ روک دیا تھا دلیل یہ ہے کہ سنن دارقطنی (6) اور ابن ابی شیبہ (7) میں روایت ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حيث امره ان یصلی رکعتین امسک عن الخطبة حتى فرغ من رکعتیه ثم عاد الی الخطبة۔

جواب ۳:- مسلم (8) کی روایت سے معلوم ہوتا ہے وکذا النسائی (9) کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی تک خطبہ شروع ہی نہیں کیا تھا فی المسلم (10) ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قاعد علی المنبر اور خطبہ قائم ہوتا ہے معلوم ہوا کہ ابھی شروع نہیں کیا تھا۔

جواب ۴:- ممکن ہے کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ جب کلام فی الصلوۃ منسوخ نہ ہوا تھا جب کلام فی الصلوۃ منسوخ ہوا کافی الطحاوی (11) وغیرہ تو خطبہ میں بھی ممنوع قرار دیا گیا کہ یہ جمعے کی نماز کا ایک حصہ اور شرط ہے۔

جواب ۵:- وفي العارضة فلما كلمه وامره سقط عنه فرض الاستماع اذ لم يكن هنالك قول ذلك الوقت منه صلى الله عليه وسلم الا مخاطبته له وسواله وامره وهذا أقوى۔

(6) دارقطنی ص: ۱۳۳ ج: ۲ رقم حدیث ۱۶۰۵، ۱۶۰۶ (7) ص: ۱۱۰ ج: ۲ فی الرجل بھی یوم الحجۃ والا امام خطبہ صلی رکعتین

(8) صحیح مسلم ص: ۲۸ ج: ۱ کتاب الحجۃ (9) سنن نسائی ص: ۲۰۸ ج: ۱ باب مخاطبۃ الامام رعبہ وروی السمر

(10) ص: ۲۸ ج: ۱ (11) شرح معانی الآثار ص: ۲۵۱ ج: ۱ باب الرجل یدخل المسجد یوم الحجۃ والا امام خطبہ الخ

جواب ۶: ابن ماجہ (12) میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا اصلیت رکعتین قبل ان تجئ قال لا قال فصل الركعتین ونجوز فیہما اس سے معلوم ہوا کہ تحیۃ المسجد تھی بلکہ قبل الجمعہ دو رکعت سنت تھی۔

واعترض علیہ ابن تیمیہؒ کہ یہ راویوں سے تعقیف ہوئی ہے۔

قال الشاہ کس طرح تعقیف ہے حالانکہ امام اوزاعی نے اس پر اپنے مذہب کا مدار رکھا ہے۔
شوافع اس پر اعتراض کر سکتے ہیں کہ مسلم (13) میں یہ اضافہ بھی ہے۔

فاذا جاء احدکم والامام یخطب فلیصل رکعتین ولینجوز فیہما
معلوم ہوا کہ یہ قاعدہ کلیہ ہے نہ کہ خصوصیت یا واقعہ حال۔

جواب ۱۰: قال الشاہ اس کا مطلب یہ ہے والامام یخطب ای کا دان یشرع فی الخطبۃ یہ اس لئے
ضروری ہے تاکہ یہ روایت دوسری روایات کے ساتھ معارض نہ ہو جائے۔

جواب ۲: امام دارقطنی نے تتبع علی الصحیحین پر کتاب لکھی ہے اور تقریباً بخاری کی سوا احادیث پر کلام
کیا ہے جہاں سند پر انہوں نے بحث کی ہے لیکن مذکورہ حدیث کے بارے میں انہوں نے متن پر بات کی ہے کہ
یہ بدرج من الراوی ہے۔

دلیل یہ ہے کہ کم از کم چار واقعات ایسے موجود ہیں جہاں دوران خطبہ آدمی آیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے کسی کو نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔

(۱) پہلے واقعہ کا ذکر بخاری میں ہے کہ ایک آدمی دوران خطبہ آیا وقال هلك السال وجاع العبال
اور استسقاء کا مطالبہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی مگر نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔ (14)

(۲) دوسرے جمعہ کو پھر وہی آدمی آیا اور کہا کہ کثرت مطر کی وجہ سے گھر مسمار ہو گئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے دعا فرمائی اللهم حوالینا لا علینا اور حکم نماز کا نہ دیا۔ (15)

(12) ابن ماجہ ص: ۷۸ "باب ما جاء فیمن دخل المسجد والامام یخطب" (13) صحیح مسلم ص: ۲۸۷ ج: ۱ "فی واقعۃ سلیک رضی اللہ
عنه" (14) صحیح بخاری ص: ۳۷۱ ج: ۱ "باب الاستسقاء فی المسجد الجامع" (15) حوالہ بالا

(۳) تیسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک آدمی جمعہ کے دن گردنوں کو پھیلا لگتا ہوا آ رہا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اجلس مگر نماز کا حکم نہیں دیا۔ (16)

(۴) چوتھا واقعہ ابن مسعود آ رہے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو کہا کہ اجلسوا تو ابن مسعود دروازے پر بیٹھ گئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (کہ آپ کو نہیں کہہ رہا) آپ آئے انہیں بھی نماز کا حکم نہیں دیا۔ (17)

پھر یہ اختلاف رد اسلام و شریعت العاطس میں بھی ہے عند الجمہور یہ امور جائز نہیں یعنی دوران خطبہ البتہ امام ابو یوسف سے جواز مروی ہے کہ یہ فرض ہیں مگر جواب یہ ہے کہ خطبہ کے علاوہ فرض ہے نہ کہ خطبے میں۔ حضرت حسن بصری کے فعل کا جواب ابن العربی نے یہ دیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ اس وجہ سے ہو کہ امام نے اپنے خطبہ میں کوئی غیر متعلقہ باتیں شروع کی ہوگی اور ایسا کرنا جائز ہے کہ ایسی صورت میں آدمی نماز پڑھے یا تسبیح چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

ورأيت الذهاد بمدينة السلام والكوفة اذ ابلى الامام الى الدعاء لاهل الدنيا قاموا
فصلوا ورايتهم ايضاً يتكلمون مع جلسائهم لانه عندهم لغوا فلا يلزم
استماعهم لاسيما وبعض الخطباء يكذبون حيث يغالوا اشتغال بالطاعة عنهم
واجب (18)

ابوسعید قدری کے عمل کی بھی یہ توجیہ ممکن ہے۔

(16) رواہ النسائي ص: ۲۰۷ ج: ۱ "باب انبي عن تحف الرقاب الخ"

(17) رواہ ابوداؤد ص: ۱۶۳ ج: ۱ "باب الامام يتكلم الرجل في خطبة"

(18) عارضة الاحوذی ص: ۲۵۴ ج: ۲

باب ماجاء فی کراہیۃ الکلام والامام یخطب

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے جمعے کے دن دوران خطبہ کسی سے کہا انتھت فقد لقا خاموش ہو جاؤ تو اس نے غلط بات کی یعنی اگر چہ فی نفسہ یہ نیکی عن المنکر ہے لیکن بعارض جو کہ وجوب الاستماع ہے یہ کلام لغویں گیا۔

پھر ابو داؤد (۱) وابن خزیمہ (۲) میں ابن عمر کی مرفوع روایت ہے ومن لغا وتخطی رقاب الناس کانت له ظہر آجہور کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ ذمہ تو فارغ ہو جائے گا مگر ثواب جمعہ کا حصول نہ ہوگا۔ مسند احمد (۳) ویزار (۴) میں ابن عباس کی مرفوع روایت ہے جو آدمی باتیں کرتا ہے اس کی مثال حمار کی طرح ہے مکمل اسفار اور جو اس سے کہتا ہے کہ خاموش رہو تو اس کا جمعہ نہیں ہے ظہر ہے البتہ ہاتھ یا آنکھ سے اشارہ کرنے کی اجازت ہے۔

چھینک پر الحمد للہ کہنے والے کے جواب میں اسی طرح سلام کہنے والوں کو جواب دینے میں اختلاف ہے کما مر۔ امام ترمذی نے امام شافعی کا مذہب جمہور کی طرح کراہیت کا نقل کیا ہے لیکن ابن العربی نے عارضۃ الاحوذی میں ان کا قول امام احمد واصلی کے ساتھ ذکر کیا ہے قال العراقی نقل ابن العربی اصح من نقل الترمذی کہ اصولی طور پر جن کے نزدیک تحیۃ المسجد دوران خطبہ جائز ہے تو تسمیۃ العاطس اور رد السلام بھی جائز ہونا چاہیے۔ پھر حنفیہ میں سے امام ابو حنیفہ کے نزدیک جواب سلام اور یرحمک اللہ دل میں کہے زبان سے نہ کہے عند محمد سلام وچھینک کا جواب بعد الخطبہ دے اور رد و دل میں پڑھے و اشار الیہ ابن العربی کہ تسمیۃ العاطس اور رد السلام کا فرض اس فرض سے زیادہ اہم نہیں جس کے لئے یہ بیٹھا ہے لہذا جواب نہ دینا چاہیے۔ امام ابو یوسف کا قول جواز کا ہے مگر باب کی روایت مجوزین کے خلاف حجت ہے۔

باب ماجاء فی کراہیۃ الکلام والامام یخطب

(۱) روی ابو داؤد بحوالہ ص: ۱۶۵ ج: ۱ "باب الکلام والامام یخطب" (۲) ابن خزیمہ بحوالہ تحفۃ الاحوذی ص: ۳۹ ج: ۳

(۳) کذائی مجمع الزوائد ص: ۳۰۸ ج: ۴ رقم الحدیث ۳۱۳۳ (۴) حوالہ بالا

باب ماجاء فی کراہیۃ التخطی یوم الجمعة

رجال:-

زبان بن فاکد یفتح الزاء وشدۃ الباء المعصری ضعیف اور عابد ہیں۔

سہل بن معاذ ان سے زبان کی وساطت کے علاوہ روایت قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

عن ابیہ ای معاذ بن انس الحجینی صحابی ہیں نزیل مصر ہیں۔ ☆

تشریح:-

تخطی کا معنی ہے گردنیں پھلانگنا مطلب یہ ہے کہ جمعے کے دن باہر سے آنے والا صفوں کو پھلانگ کر آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے تو فرمایا اتخذ جسر الی جہنم اتخذ معلوم و مجہول دونوں طرح آیا ہے قال العراقی (۱) ہوا المجہول مقصد یہ ہے کہ اس کو پل بنایا جائے گا کہ جہنمی لوگ اس کے اوپر سے گذریں گے اور اس کو روند ڈالیں گے تاکہ جمعے کے دوران گردنوں کے پھلانگنے کی سزا ہو جائے۔

اگر معروف پڑھیں تو معنی ہوگا اس نے اپنے اس عمل کی وجہ سے اپنے لئے جہنم کی طرف ایک پل بنالیا اس کو خصوصیت عمل کہتے ہیں جس پر امام راغب نے مفردات القرآن میں بحث کی ہے کہ بعض اعمال کی خاص خصوصیات ہوتی ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ اس عمل کی تاثیر یہ ہے کہ اس آدمی نے اپنے لئے جہنم کا راستہ کھول دیا وہ الگ بات ہے کہ فیصلہ روز محشر میں مجنون مرکب کے طور پر ہوگا۔ پہلی قراءت زیادہ مناسب و مشہور ہے۔ پھر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جمعے کے ساتھ خاص ہے مگر پھر بھی احتمال ہے کہ حکم عام ہو اور جمعے کی تخصیص علی سبیل الاغلیبہ آئی ہو کہ یہ عمل عموماً یوم الحجۃ بوجہ کثرت ازدحام کے سرزد ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ علت بھی اس کی عام ہے تو حکم بھی عام ہونا چاہئے کہ جہاں کسی کو کسی کے گذرنے سے تکلیف ہوگی سواء کان جمعۃ او غیر ہا من

باب ماجاء فی کراہیۃ التخطی یوم الجمعة

(۱) کذا فی معارف السنن ص ۳۹۰ ج ۳

۲۵
۲

المصلوات والا اجتماعات تو اس پر یہ حکم لگے گا قال العراقي واما ذهاب الخطيب ابي المنصور هو مستثنى عنه كذا في كوكب دیکر راستہ نہ ہو تو اس ضرورت کے تحت جائز ہے اسی طرح اگلی صفوں میں جگہ خالی ہے تو اس تک جانا بھی جائز ہے اور مذکورہ حکم سے مستثنیٰ ہے کہ قصور ان لوگوں کا ہے کہ جنہوں نے اگلی جگہ چھوڑ کر پیچھے رش لگا یا فہو کمال مصلیٰ علی قارعة الطريق فانه لا يائتم المار بل المصلی۔

نیل الاوطار (2) میں ایک اور حکم مستثنیٰ کیا ہے کہ ایک آدمی ایسا ہے کہ جس سے لوگوں کو عقیدت ہے اور محبت کی وجہ سے لوگ اس کے گزرنے کو ناپسند نہ کریں تو اس کے لئے بھی گزرنا جائز ہے۔

باب ماجاء فی کراهیة الاحتباء والامام یخطب

رجال:-

عباس بن محمد الحوازمی نزیل بغداد اصحاب سنن اربعہ نے ان سے روایت لی ہیں امام نسائی نے توثیق کی ہے ابن معین کے خاص شاگردوں میں سے ہیں ان سے جرح و تعدیل کا علم حاصل کیا ہے۔ ابو عبد الرحمن المقرئ کا نام عبد اللہ بن یزید ہے۔ ۷۷ سال سے زیادہ قرآن پڑھایا ہے بخاری کے کبار شیوخ میں سے ہیں۔ سعید بن ابی ایوب ثقہ ہیں۔

ابو مرحوم کا نام عبد الرحیم المدنی ہے نزیل مصر ہے صدوق زاہد من السادسة۔ ☆

تشریح:-

حبوة برون رحمۃ البتہ اس میں ضمہ و کسرہ بھی مروی ہے بیٹھنے کی وہ بیست جس میں آدمی التین پر بیٹھ جائے اور دونوں ٹانگوں کو کھڑا کر دے کہ فخذین عموطن ساقین سے ملی ہوئی ہوں پھر ان کو چادر سے کمر کے ساتھ باندھے کبھی ہاتھوں سے بھی باندھ لیتے ہیں۔

خطبے کے دوران اس بیعت میں اختلاف ہے باب کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وضع ممنوع ہے

(2) نیل الاوطار ص ۳۵۳ ج ۳ "باب الرجل اثن بجله واداب الجلس والی عن تخطی الرقاب"

لیکن عند البعض یہ بلا کراہیت جائز ہے وہ بقول احمد و اسحق لا یریان بالحبوة والا امام مختلط یاسا۔ جو لوگ جائز مانتے ہیں ان کا استدلال حدیث ابو داؤد (۱) سے ہے یعنی بن شداد بن اوس فرماتے ہیں کہ میں فتح دمشق کے موقع پر حضرت معاذیہ کے خطبے میں حاضر ہوا تو صحابہ حبوة کئے ہوئے بیٹھے تھے ابو داؤد نے اس پر سکوت کیا ہے وہود لیل علی صحیحہ عندہ ترمذی کی روایت میں وہ قوت نہیں جو ابو داؤد کی روایت میں ہے اس لئے بعض نے حبوة کو مطلقاً جائز کہا اور ابو داؤد کی روایت کو ترمذی کی روایت پر ترجیح دی لیکن عند البعض یہ ہیئت سستی اور غیند کی جالب ہے لہذا یہ ہیئت توجہ کے بھی خلاف ہے تو اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

امام طحاوی (۲) وغیرہ نے اس طرح تطہیث دی ہے کہ اگر آدمی خروج امام سے پہلے حبوة کئے ہوئے بیٹھا ہو تو اسی طرح رہے کہ خطبے میں زیادہ بلنا بھی مناسب نہیں اگر پہلے حبوة نہ بیٹھا ہو تو اٹھائے خطبہ میں حبوة مکروہ ہوگا چنانچہ مسئلہ یہ ہے کہ خطبے کے لئے کوئی مسنون ہیئت متعین نہیں بلکہ حکم یہی ہے کہ آدمی پہلے سے جس طرح بیٹھا ہو اسی طرح بیٹھا رہے اچھی ہیئت قعدے کی شکل والی ہے مگر لازم نہ سمجھا جائے۔

باب ماجاء فی کراہیۃ رفع الایدی علی المنبر

رجال:-

ہشیم بالتصغیر کثیر التذلیس والا رسال ہیں۔ حصین مصغر اثنہ ہیں اخیراً حافظ متغیر ہوا تھا۔

عمارہ بضم العین صحابی نزیل کوفہ ہیں۔ روایت بالتصغیر ہے۔ ☆

تشریح:-

بشر بن مروان خطبہ دے رہے تھے تو انہوں نے خطبہ میں دعا کے لئے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا تو عمارہ نے فرمایا ینح اللہ ہاتھین الیدین القصیر تمین۔ قصیر تمین تشبیہ قصیر کا ہے اور یہ تصغیر قصیر ہے یا بدوعا ہے یا اس حالت

باب ماجاء فی کراہیۃ الاحتباء والا امام یخطب

(۱) ابو داؤد ج: ۱ ص: ۱۶۵ ح: ۱۰۰ (باب الاحتباء والا امام یخطب) (۲) کفائی حاشیہ الملوکب الدرر ص: ۲۰۲ ج: ۱ بحوالہ درس ترمذی

کی قباحت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ دیتے ہوئے دیکھا ہے وہ سوائے سبابہ کے اور کسی چیز کو حرکت نہ دیتے معلوم ہوا کہ خطبے میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا مکروہ ہے عند الاستقاء ہاتھ اٹھانا للہ عاثبت ہے (۱) عام عادت میں انگلی سے اشارہ کرتے تھے پھر اس اشارہ میں یہ بھی ممکن ہے کہ سمجھانے کے لئے ہو یا دعا کے لئے ہو جیسے کہ امام ابو یوسفؒ سے ایک انگلی کا اشارہ للہ عاء مروی ہے اسی طرح دوران خطبہ خطیب کے لئے التفات یسنا و شمالا بھی مکروہ ہے۔ (۲)

باب ماجاء فی اذان یوم الجمعة

رجال:-

السائب بن یزید صحابی صغیر قلیل الروایۃ ہیں حجۃ الوداع میں ان کی عمر سات برس تھی وہ آ خر من مات بالمدینۃ من الصحابۃ رضی اللہ عنہ۔ ☆

تشریح:-

زوراء بفتح الزاء وسکون الواو بالمد مدینہ کے بازار میں ایک جگہ کا نام ہے قبل یہ ایک اونچی جگہ تھی منارہ کی طرح قبل یہ بڑا حجرہ تھا مسجد کے دروازے کے پاس قبل یہ ایک پتھر تھا و قبل یہ عثمان کے گھر کا نام ہے اور اس پر جمعے کی اذان دی جاتی تاکہ لوگ سنے کہ حضرت عثمان جمے کے لئے تشریف لارہے ہیں نداء ثالث سے مراد آج کل کی اصطلاح میں پہلی اذان ہے جو عند دخول الوقت دی جاتی ہے بعض روایات میں اس کو نداء ثالث کہا گیا ہے کہا جاتا ہے بعض میں ثانی بعض میں اول تطبیق یوں ہے کہ یہ فرق اعتباری ہے کہ ترتیب کے لحاظ سے اول ہے تو بعض روایات میں اس کو اول کہا ثانی اس اعتبار سے کہ اقامت کو خارج کر کے حقیقی

باب ماجاء فی کراہۃ رفع الایدی علی المنبر

(۱) کذا فی صحیح البخاری ص: ۳۷۰ ج: ۱ "باب الاستقاء فی المسجد الجامع"

(۲) راجع للتفصیل معارف السنن ص: ۳۹۳ ج: ۴

اذانوں کا اعتبار کیا گیا چونکہ خطبہ کی اذان اصلی ہے تو وہ اول ہے اور یہ مزید ہے تو ثانی ہے اور ثالث کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اقامت کو بھی تغلیباً اذان کہا گیا پھر یہ ثالث اس لئے ہے کہ اس کا اضافہ ان دو کے بعد ہوا ہے کہ پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے اور شیخین کے زمانے میں جب وقت جمعہ داخل ہوتا تو امام فوراً آجاتا پھر اسی وقت اذان دی جاتی حضرت عثمان کے زمانے میں لوگ زیادہ ہو گئے تو اس اذان کا اضافہ کر دیا جو امام کے آنے سے پہلے عند دخول وقت دی جاتی تھی اور جو پہلی اذان تھی تو اس کو امام کے سامنے جب وہ خطبہ کے لئے بیٹھ جاتا دی جانے لگی اس کا اضافہ اگرچہ دور عثمان میں ہوا مگر یہ بدعت نہیں (۱) خلفائے راشدین کا کوئی عمل بدعت نہیں ہوتا کہ حدیث شریف میں نہ صرف اس کو سنت قرار دیا ہے بلکہ اس پر عمل کی تاکید کی گئی ہے کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين (۲)

قال الشاہ خلیفائے راشدین کا درجہ مجتہدین اور شارع کے درمیان ہے کہ یہ تشریع احکام اگرچہ نہیں کر سکتے لیکن علت کا اعتبار اپنی طرف سے کر سکتے ہیں کہ مثلاً انہوں نے ایک چیز کو ضرورت یا مصلحت کی بناء پر قابل اعتبار سمجھا جس کا اعتبار شارع نے نہ کیا ہو اور مجتہد کا درجہ اس سے ادنیٰ ہے کہ وہ علت کا اعتبار نہیں کر سکتا بلکہ علت سے استنباط کرتا ہے۔ پھر ہدایہ (۳) میں ہے کہ اعتبار اسی اذان اول کا ہوگا اس کے بعد سعی واجب ہوگی اور فریہ و فروخت ممنوع ہوگی۔

باب ماجاء فی اذان یوم الجمعة

(۱) بعض روایات میں ہے کہ اس اذان کو زیادہ نے زیادہ کیا بعض میں حجاج کا نام ہے بعض میں حضرت عثمان کا نام ہے انظر عمدة القاری ج ۲ ص ۶۰ ح ۶۰ ح ۶۱ (۲) رواہ ابن ماجہ ص ۵۰ باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المہدیین (۳) ہدایہ ص ۱۳۰ ج ۱: "باب الجمیع"

باب ماجاء فی الکلام بعد نزول الامام من المنبر

حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب منبر سے خطبے کے بعد اترتے تو حاجت اور ضرورت کی وجہ سے باتیں کرتے۔

جمہور یعنی ائمہ ثلاثہ امام اہل حق و صاحبین اس بات کے قائل ہیں کہ خروج امام کے بعد جب تک کہ خطبہ شروع نہ ہو جائے اس طرح نزول امام عن المنبر کے بعد جب کہ نماز شروع نہ ہو جائے باتیں کرنا جائز ہے البتہ دونوں خطبوں کے درمیان باتیں کرنا عند شافعیہ و مالکیہ بھی مکروہ ہے کہ درمیان میں قعود محض سکوت کیلئے ہوتا ہے نہ کہ کلام کے لئے۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ جیسے کہ لغات میں ہے محشی نے بھی نقل کیا ہے۔

منہب ابی حنیفۃ ان من وقت خروج الامام للخطبة الی ان یشرع فی الصلوة
الصلوة والسلام کلاهما حرام

جب سلام حرام ہے تو کلام بطریق اولیٰ حرام ہے۔

وان کان فی الصلوة والامام شرع فی الخطبة قطع الصلوة علی رأس رکعتین
جمہور کا استدلال باب کی حدیث سے ہے۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینکلم بحاجتہ اذ انزل من المنبر
دوسری بات یہ ہے کہ ممانعت کی وجہ اختلاف بالاستماع ہے اور قبل الخطبة و بعد الخطبة کوئی استماع نہیں ہوتا۔

امام ابو حنیفہ کا استدلال نسائی (1) کی روایت سلمان سے ہے جس کی سند بصریح قاضی شوکانی و مبارک پوری جید ہے و فیہ فصاحت حتی یقفھی صلوات۔ مسلم (2) کی روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امر فی حدیث ابی موسیٰ

باب ماجاء فی الکلام بعد نزول الامام من المنبر

(1) نسائی ص: ۲۰۸ ج: ۱، "فضل انصات رزک المفقوم بالحجۃ" (2) صحیح مسلم ص: ۲۸۱ ج: ۱، "کتاب الحجۃ"

اشعری کہ جو ساعت جمعہ کے دن متوقع ہے وہ جلوس خطیب سے اختتام صلوٰۃ تک رہتی ہے ہی مابین ان مجلس الہام الی ان تقطعی الصلوٰۃ۔

ونقل ابن العربی فی العارضۃ بواسطۃ سلیمان رولایہ مرفوعہ کہ روایہ النسائی عنہ قاضی شوکانی (3) نے بھی مطلق ممانعت دہلی روایت کو ترجیح دی ہے اور ان روایات میں تطبیق یوں دی ہے کہ ضرورت کے مطابق باتیں جائز ہیں لہذا جواز کی روایت ضرورت پر محمول ہے اور بلا احتیاج بولنا ممنوع ہے کمافی الشامی کہ امام کو امر الدین کے متعلق کی ضرورت پیش آئے تو بول سکتا ہے۔

جمہور کی مستدل روایت کا جواب یہ ہے کہ یہ ضعیف ہے نقل الترمذی قول البخاری بان ہذا وہم من جریر بن حازم وطلحہ الدارقطنی والبیہقی جمیعاً وہم کی وجہ یا تو یہ ہے کہ یہ واقعہ حال تھا راوی نے کان کے صیغے کے ساتھ استمرار بنایا اور یا وجہ یہ ہے کہ یہ عشا کی نماز کا واقعہ ہے نہ کہ نماز جمعہ وخطبہ جمعہ کا۔

باب ماجاء فی القراءة فی صلوٰۃ الجمعة. باب ماجاء فی

ما یقرأ فی صلوٰۃ الصبح یوم الجمعة

ہمارے نزدیک اصول یہ ہے کہ جن سورتوں کا پڑھنا نمازوں میں ماثور ہے تو عام حالات میں اس کا پڑھنا مستحب ہے کبھی کبھی اس کی جگہ دوسری جگہ سے بھی پڑھنا چاہیے تاکہ عوام الناس اس کو ضروری فرض نہ سمجھیں خواہ وہ جمعہ کی نماز ہو یا عیدین وغیرہ کی۔

باب ماجاء فی الصلوة قبل الجمعة وبعدها

جمعہ کے دن سنن کے بارے میں ائمہ کے اقوال مختلف ہیں یہاں دو مسئلے ہیں ایک مسئلہ سنن قبلہ کا دوسرا سنن بعد یہ کا۔

امام مالک کے نزدیک جمعے کے دن سنن کی کوئی تعداد مقرر نہیں بلکہ آدمی جتنا پڑھ سکے۔ البتہ ائمہ ثلاثہ و جمہور کے نزدیک سنن ثابت بھی ہیں اور متعین بھی مگر کتنی ہیں؟ تو حنفیہ اور مغنی کی روایت کے مطابق امام احمد کا مذہب بھی اسی طرح ہے۔ (معارف) سنن قبلہ چار رکعت ہیں عندشافعی دو رکعت ہیں ابن تیمیہ نے سنن قبلہ کا انکار کیا ہے کیونکہ ان کے بقول بعد الزوال فوراً اذان ہوتی اور حضور علیہ السلام فوراً مسجد تشریف لا کر خطبہ شروع فرماتے لہذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تو ثابت نہیں کہ انہوں نے اذان کے بعد دو یا چار رکعت پڑھی ہوں اور صحابہ تو نوافل پڑھتے تھے نہ کہ سنن۔ دوسری بات یہ ہے کہ بخاری (1) نے رکعتیں قبل الجمعہ پر باب باندھا ہے مگر اس بارے میں کوئی حدیث نہ لاسکے معلوم ہوا کہ یہ نفی پر دلالت کرتا ہے لہذا چار یا دو رکعت کا اثبات محض قیاس سے ہوگا ظہر پر اور قیاس سے سنت ثابت نہیں ہو سکتی۔

قال الرطبی (2) جمعہ سے پہلے کم از کم دو رکعتیں تو ابن ماجہ (3) کی روایت سے ثابت ہیں کہ سلیک غطفانی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ بل صلیت رکعتین قبل ان تجی انہوں نے جواب نفی میں دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت پڑھوائی۔ اس طرح مشکل الآثار (4) علامہ امام الطحاوی میں ہے من کان مصلیاً فلیصل اربعاً قبل الجمعة۔ جامع الاصول میں (5) حضرت ثعلبہ بن ابی مالک القرطبی سے روایت ہے انہ قال کانوا فی زمن عمر بن الخطاب یصلون یوم الجمعة قبل الخطبة اسی طرح مسلم (6) میں ہے من

باب ماجاء فی الصلوة قبل الجمعة وبعدها

(1) چنانچہ دیکھئے صحیح بخاری ص: ۱۲۸ ج: ۱ (2) نصب الراية للرطبی ص: ۲۱۳ ج: ۲

(3) ابن ماجہ ص: ۹۰ باب ماجاء فی الصلوة قبل الجمعة (4) بحوالہ معارف السنن ص: ۳۱۳ ج: ۴

(5) جامع الاصول ص: ۶۸۵ ج: ۵ رقم حدیث ۳۹۸۳ (6) صحیح مسلم ص: ۲۸۳ ج: ۱

اغْتَسَلَ ثُمَّ اتَى الْجُمُعَةَ فَصَلَّى مَا قَدَرَهُ ثُمَّ انْصَتَ مِنْ رِوَايَةِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي جَمْعِ الْجَوَامِعِ فِي رِوَايَةِ نَقْلِ كَيْ هُوَ مَنْ كَانَ مَصْلِيّاً يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَلْيُصَلِّ قَبْلَهَا أَرْبَعاً وَبَعْدَهَا أَرْبَعاً فِي طَرَحِ الْيُودَاؤُودَ (7) میں نافع سے مروی ہے۔

كَانَ ابْنُ عَسْمَرَ يَطْوِلُ فِي الصَّلَاةِ قَبْلَ الْجُمُعَةِ وَبَعْدَهَا وَيَقُولُ كَذَا كَانَ يَفْعَلُهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لہذا ان روایات کی موجودگی میں سنن قبلہ کو محض قیاس کی بناء پر ثابت نہیں کیا گیا بلکہ نقلاً ثابت ہیں۔ دوسرا مسئلہ سنن بعد یہ کہ ہے عند ابی حنیفہ بعد صلوٰۃ الجمعہ چار رکعت ہیں صاحبین امام اہل حق اور فی روایت نقلہ الشوکانی فی نیل الاوطار کہ امام احمد بھی چھ رکعات کے قائل ہیں یہاں ترمذی نے امام شافعی و احمد سے جمعے کے بعد دو کی روایت نقل کی ہے قال والعمل علی ہذا عند بعض اہل العلم وہ یقول الشافعی و احمد قال العراقی ان حضرات نے دو کا قول جو کیا ہے یہ کم از کم کا کیا ہے ورنہ شافعی نے کتاب الام میں چار کی تصریح کی ہے اسی طرح ابن قدامہ نے امام احمد سے اختیار دو اور چار کی روایت نقل کی ہے گویا ان سے تین روایات ہوئی دو دو اور چار میں اختیار اور چھ کی روایت۔

امام ابو حنیفہؒ کا استدلال ابو ہریرہؓ کی مذکورہ باب کی حدیث ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من كان منكم مصلياً بعد الجمعة فليصل أربعاً هذا حديث حسن صحيح

ویل ۲:۔ اسی باب میں ابن مسعود کی روایت ہے جو تعلیقاً مروی ہے انہ کان یصلی قبل الجمعة اربعاً وبعدها اربعاً۔ (8)

صاحبین و امام اہل حق کا استدلال علی و ابن عمر کی روایت سے ہے جو اسی باب میں دونوں مذکور ہیں کہ یہ

(7) سنن ابی داؤد ص: ۱۶۷ ج: ۱ "باب الصلوٰۃ بعد الجمعة"

(8) ان کا اثر دیکھئے معنفذ ابن ابی شیبہ ص: ۱۳۳ ج: ۲ "من کان یصلی بعد الجمعة رکعتین" ایضاً ابن مسعود کے اثر کے لئے دیکھئے

ابن ابی شیبہ ص: ۱۳۴ ج: ۲

دونوں حضرات بعد صلوٰۃ الجمعة چھ رکعات پڑھتے تھے حنفیہ کے نزدیک عمل اسی پر ہے وافقی علیہ الکبیری لاناہ احوط وہ جمع بین الروایات کہ بعض روایات سے دو ثابت ہیں کمافی الروایۃ الاولی فی الباب بعض سے چار کمافی روایۃ ابی ہریرۃ بعض سے چھ ثابت ہیں کمافی روایۃ علی وابن عمر۔

البتہ پھر اس ترتیب میں اختلاف ہے امام اتحق فرماتے ہیں ان صلی فی المسجد یوم الجمعة صلی اربعاً وان صلی فی بیتہ صلی رکعتین امام اتحق کے قول میں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ وہ ان دونوں نمازوں کے درمیان جمع کے قائل نہ ہوں بلکہ فرق کرتے ہوں مسجد و گھر کے درمیان۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ پہلے چار پڑھے پھر دو اس کی تقدیم پر کوئی خاص دلیل تو نہیں مگر اصولی بات یہ ہے کہ چار رکعت پڑھنے سے فرض سے فرق واضح ہو جائے گا جبکہ دو سے کچھ بالفرض لازم آئے گا۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ علی وابن عمر کا عمل اسی کے مطابق ہے کہ پہلے دو پڑھتے پھر چار کمافی الترمذی لہذا یہ اولی ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل باب کی اول حدیث ہے عن ابن عمر مرفوعاً انه کان یصلی بعد الجمعة رکعتین۔

باب ماجاء فی من یدرک من الجمعة رکعة

اگر جمعے کی دوسری رکعت کے رکوع کے بعد آدمی جماعت میں شریک ہو جائے تو وہ دو ہی رکعت پڑھے گا بعد تسلیم الامام یا چار رکعت پڑھے گا تو جمہور اور امام محمد کا مذہب یہ ہے کہ وہ چار ظہر کی پڑھے گا عند شتخین قبل از سلام جب بھی کوئی جماعت میں شریک ہوگا تو وہ دو پڑھے اس مسئلے کا منہ علیہ پہلے گذر چکا ہے فقہ کر۔

جمہور کا استدلال اس روایت کے مفہوم مخالف سے ہے من ادرك عن الصلوة رکعة فقد ادرك الصلوة جس کو ایک رکعت مل جائے تو نماز مل گئی مفہوم مخالف یہ ہے کہ ایک رکعت بھی نہ ملے تو نماز جمعہ نہیں ملی بلکہ وہ چار پڑھے گا۔

شیخین کا استدلال صحاح ستہ (۱) کی مشہور صحیح روایت سے ہے مادر کتم فصلوا واما فانکم فاقموا یہ روایت مطلق ہے اس میں جمعہ وغیر جمعہ کی تنقید نہیں ہے نہ رکعات کی تنقید ہے لہذا یہ حکم جبکہ باقی تمام نمازوں کو شامل ہے تو جمعہ کی نماز کو بھی شامل ہوگا۔

جمہور کی متدل حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ آپ نے مفہوم مخالف سے استدلال کیا ہے جو عندنا معتبر نہیں ہے خصوصاً جب مقابلے میں صحیح و صریح حدیث موجود ہو تو اس کا کہاں اعتبار ہے۔
جوابادہ کہتے ہیں کہ دارقطنی (۲) میں روایت ہے اس میں ہے کہ جو دوسری رکعت میں نہ پہنچ سکے تو چار پڑھ لے مگر صاحب تحفۃ الاحوذی نے اسکی تمام روایات کا مجموعی جواب دیا ہے کہ یہ تمام روایات صریح و صحیح نہیں اور امام ابوحنیفہ کی پرزور حمایت کی ہے اور جمہور کے مسلک کو ناقابل فہم قرار دیا ہے۔ (۳)

باب فی من ینعس یوم الجمعة انه یتحول من مجلسه

نعس ایک سستی کی کیفیت ہے دلیل باریک اور ہلکی ہوا ہے جو دماغ سے شروع ہو کر آنکھوں پر ختم ہوتی ہے دل تک نہیں پہنچتی اگر پہنچ جائے تو اس کو نوم کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ اونگھ کی صورت میں اپنی جگہ سے ہٹ جاؤ اس کا مطلب عند البعض یہ ہے کہ انتہائی صلوٰۃ گویا صلوٰۃ ہے اور اونگھ شیطان کا اثر ہے تو یہ جگہ چھوڑ دینی چاہئے کافی لیلۃ التعلیس مگر مشہد بہ میں حضور کا اس جگہ سے منتقل ہونا شیطان کے اثر کی وجہ سے نہ تھا بلکہ کراہیت وقت کی وجہ سے تھا اس لئے حنفیہ کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بیٹھنے سے آدمی کا خون جم جاتا ہے تو مستحب یہ ہے کہ یہ اپنی جگہ سے ہٹے تاکہ سماع خطبہ میں نشاط پیدا ہو یہی وجہ ہے کہ جہوۃ بیٹھنے سے روکا گیا ہے کہ وہ بھی جالب نوم ہوتی ہے اگر نیند زیادہ غالب ہو تو چند قدم چل بھی سکتا ہے کہ اصل مقصد نیند کو دور

باب ماجاء فی من یدرک من الجمعة وکعبۃ

- (۱) صحیح بخاری ص: ۸۸۸ ج: ۱ "باب مادر کتم فصلوا" رواہ مسلم فی المساجد ومواضع الصلوٰۃ۔ ابوداؤد فی کتاب الصلوٰۃ باب ۵۳
ایضاً ترمذی فی ابواب الصلوٰۃ۔ ایضاً ابن ماجہ فی المساجد باب ۱۳ سنن داری باب ۵۹ مؤطا مالک فی الصلوٰۃ۔ حنفی
(۲) سنن دارقطنی ص: ۹۰ ج: ۳ رقم حدیث ۱۵۸۷ (۳) تحفۃ الاحوذی ص: ۶۳ ج: ۳

کرنا ہے بلکہ حضرت مدنی صاحب نے تو یہاں تک کہا ہے کہ وضو کرنے بھی جاسکتا ہے۔

باب ماجاء فی السفر یوم الجمعة

رجال:-

عن الصحاح هو ان ارطاة الكوفي القاضي الفقيه صدوق من السابعة كثير المعطاء والتدليس۔

عن اھلھم مھد فقیہ ہیں تاہم کبھی کبھی تدلیس بھی کرتے ہیں۔

مقسم بکسر الھم صدوق ہیں مگر ار سال کرتے ہیں بخاری میں ان سے فقط ایک حدیث مروی ہے۔ ۵۶

تشریح:-

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سریہ بھجا (سریہ بلخ اسمن وکسر الراء وشدید الیاء المختوہ فوج کا ایک حصہ جس کی زیادہ تعداد چار سو تک ہوتی ہے۔

اصحاب السیر کے نزدیک سریہ کا اطلاق اس لشکر پر ہوتا ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود موجود نہ ہوں) تو یہ سفر کا دن جمعے کے ساتھ موافق ہو گیا تو انہوں نے سوچا کہ میں رہ جاتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ لوں گا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا کہ کس چیز نے آپ کو روکا کہ آپ صبح کو ساتھیوں کے ساتھ جاتے تو انہوں نے وہی بات بتائی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر زمین کے تمام خزانے خرچ کر دے تب بھی ان کے صبح کے نکلنے کے ثواب کے برابر ثواب حاصل نہیں کر سکتے۔ تحفۃ الاحوذی میں ہے اختلاف الائمہ کے حوالے سے کہ زوال کے بعد اس آدمی کیلئے سفر پر جانا جس پر جمعہ واجب ہے جائز نہیں اگر راستے میں جمعے کے نماز مل سکتی ہے تو جائز ہے یا یہ کہ قافلے کے جانے اور اس کے تحلف کا اندیشہ ہو تو جائز ہے۔

زوال سے پہلے عند ابی حنیفہ و امام مالک جانا جائز ہے امام شافعی کا ایک قول یہ ہے کہ جائز نہیں اور یہ صحیح ہے دوسرا جواز کا ہے۔ امام احمد کا قول بھی عدم جواز کا ہے جیسے ترمذی نے ان کا نام لئے بغیر ان کے مذہب کی

تصریح کی ہے وقال بعضهم البتہ سفر جہاد ہو تو جا سکتا ہے۔

امام احمد چونکہ زوال سے پہلے بھی جمعہ کے وقت کے قائل ہیں کہ ان کے نزدیک جمعہ کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جس وقت عید کا وقت شروع ہوتا ہے اور اخیر ظہر تک رہتا ہے لہذا زوال سے پہلے بھی عندہ جائز نہ ہوگا۔ امام شافعی و احمد کے پاس کوئی صحیح حدیث موجود نہیں البتہ افراد دار قطنی (۱) میں ابن عمر کی روایت ہے من سافر یوم الجمعة دعت علیہ الملائکۃ لیکن قال الخافض اس میں ابن ابیہر ہے جو متردک ہے جمہور فقہاء و محدثین امام مالک و ابو حنیفہ کے ساتھ ہیں۔

دلیل ۱:- مذکورہ باب کی روایت میں صبح کے وقت جانے والوں کی تحسین فرمائی اور ابن رواحہ پر ناراضگی کا اظہار کیا۔

دلیل ۲:- تحفہ (۲) میں ہے کہ امام شافعی نے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو دیکھا جس نے سفر کی نیت اختیار کی وہ کہہ رہا تھا کہ آج جمعہ کا دن نہ ہوتا تو میں نکل جاتا حضرت عمرؓ نے کہا اخرج فان الجمعة لا تحبس عن السفر۔

دلیل ۳:- ابن حجر نے تلخیص الحیر میں روایت نقل کی ہے کہ ابو عبیدہ بن جراح جمعہ کے دن سفر پر صبح نکلے اور نماز کا انتظار نہ فرمایا۔ (۳)

دلیل ۴:- مراسیل ابی داؤد (۴) میں ہے کہ زہری نے جمعہ کے دن سفر کی تیاری کی صبح کے وقت تو کسی نے اعتراض کیا تو جواباً کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جمعہ کے دن سفر کئے ہیں اور اہم بات یہ ہے کہ کسی بھی روایت سے ثابت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن سفر سے منع کیا ہو۔

باب ما جاء فی السفر یوم الجمعة

(۱) کذا فی تلخیص الحیر ص ۱۶۲ ج ۲ تحت رقم حدیث ۲۵۳ (۲) ص ۶۷ ج ۳ ایضاً اخرجہ الشافعی فی مسندہ رقم حدیث ۴۳۵

بحوالہ بالا (۳) تلخیص ص ۱۶۲ و ۱۶۳ ج ۲ ایضاً اخرجہ ابن ابی شیبہ ص ۱۰۵ ج ۲ "من رخص فی السفر یوم الجمعة"

(۴) مراسیل ابی داؤد ص ۱۴۰ فی فضل الجہاد ایضاً اخرجہ عبد الرزاق فی المایۃ ص ۲۵۱ ج ۳ رقم حدیث ۵۵۴۰

باب فی السواک والطیب یوم الجمعة

رجال:-

علی بن الحسن الکوفی اس نام اور نسبت کے تین بزرگ اسی طبقے میں ہیں لہذا ان کے اندر فرق کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے کہ کس روایت میں کون مراد ہیں؟ تاہم فرق کنیت اور شیوخ اور شاگردوں کے اعتبار سے کیا جاتا ہے۔

ابو یحییٰ ضعیف ہیں۔ یزید بن ابی زیاد ضعیف اور شیعہ ہیں۔

تشریح:-

حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علیؑ! المسلمین ان یغتسلوا یوم الجمعة حفا مفعول مطلق ہے فعل مقدر ہے اے حق حفا اس کو مقدم کیا اہتمام تاکید کی وجہ سے جیسے عمد افعلة یا عمر یہ مسئلہ گذر چکا ہے کہ غسل کی کیا حیثیت ہے؟

من طیب اہلہ کا ایک مطلب یہ ہے کہ طیب لہلہ سے مراد طیب خاطر ہو مطلب یہ ہے کہ اگر خوشبو گھر والوں کی ہے تو ان کی طیب خاطر سے خوشبو لگا سکتا ہے کہ فی الحدیث (۱) لا یحل مال امرئ مسلم الا عن طیب نفس وفي الآية فان طین لکم الخ (۲) مطلب یہ ہے کہ خوشبو اتنی ضروری نہیں کہ ہر حال میں لگائے بلکہ اگر خوشی سے دے تو لگا دو یا طیب سے مراد خوشبو ہے اور اضافت بمعنی ملک ہو یعنی اگر اپنی خوشبو نہ ہو تو گھر والوں سے لے سکتا ہے مگر رنگ والی نہ ہو۔ امن طیب لہ عند اہلہ چونکہ پانی سے بھی ازالہ ہو جاتا ہے راکھ کر یہہ کا تو اس سے بھی خوشبو کا مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔

باب فی السواک والطیب یوم الجمعة

(۱) اخرجه دارقطنی عن ۳۲۲ ج ۳ رقم حدیث ۴۸۶۳ ایضاً اخرجه المعجم فی الکبریٰ عن ۶۷ ج ۲ (۲) سورة نساء رقم آیت ۴۰

أَبْوَابُ الْعِيدِ

عیدین تثنیہ ہے عید کا من عاد یعود جیسے قال یقول مگر فرق یہ ہے کہ قول بالفتح ہے عود بمکسر الفاء ہے اعلال ہوا تو عید ہو گیا۔ جمع اعیاد آتی ہے اگرچہ قانوناً اعواد آنی چاہیے مگر چونکہ اعواد مخصوص لکڑی ہے تو فرق کے لئے اعیاد کہہ دیا۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ لانا یعود و یکرر لا وقت کہ بار بار آتی ہے۔ (1)

اعتراض :- یہ معنی تو ہر موسم میں پایا جاتا ہے کہ ہر موسم بار بار آتا ہے تو ہر موسم کو عید کہنا چاہیے اس لئے بعض نے سرور و فرح کا اضافہ کیا ہے کہ لانا یعود بالسرور و الفرح۔

پھر عید الفطر کی وجہ تسمیہ بعید یہ ہے کہ روزے جو آدمی نے رکھے ہیں تو اس دن اس نعمت کا شکر اداء ہو جاتا ہے اور عید الفصحی قربانی و حج کے اتمام کے طور پر منائی جاتی ہے جمعہ کو بھی عید کہتے ہیں کہ یہ بھی پورے ہفتے کی نمازوں کے اتمام کے شکر کے طور پر ہوتا ہے و کذا یطلق العید علی کل عبادة موسعة تاکہ شکر اداء ہو قال تعالیٰ "لئن شکرتم لازیدنکم"۔ (2)

زکوٰۃ عید نہیں کہ اس کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں حوالان حول سے پہلے بھی دی جاسکتی ہے۔
قیل وجہ تسمیہ یہ ہے کہ لوگ بار بار اس میں داخل ہوتے ہیں دونوں تو جیہات کا مال ایک ہے مگر شاہد و مشہود کی طرح ہے کہ جمعہ شاہد و عرفہ مشہود ہے۔

قیل تاکہ تفاؤل ہو جائے اس لئے عید کہتے ہیں کہ آئندہ سال عید پھر آئے جیسے لشکر کو قافلہ کہتے ہیں بمعنی رجوع کہ قافلہ لاکھا جاتا ہے کہ یہ لشکر بخیر و عافیت لوٹ آئے۔

قول ۴ :- اس میں عود ہندی (خوشبو کے لئے) زیادہ جلائی جاتی ہے۔

عید کی نماز کی شرعی حیثیت میں اختلاف ہے عند ابی حنیفہ یہ واجب ہے نقل اکثی رولۃ الغرضیہ مگر یہ صحیح نہیں کہ اگر ہم عید کی نماز کا اثبات ”فصل لربک وانحر“ سے کریں تو وہ قطعی الثبوت تو ہے مگر قطعی الدلالۃ نہیں تو مشکل ہے اگر یہ کہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت من غیر ترک کی (3) تو زیادہ سے زیادہ وجوب ثابت ہو سکتا ہے فرضیت نہیں تعادل امت بھی فرضیت کی دلیل نہیں۔ بعض فقہاء نے جو سنت کہا ہے تو مقصد یہ ہے کہ ثابت بالنسب ہے صاحبین و امام شافعی کے نزدیک سنت ہے امام شافعی سے ایک اطلاق نقل کا بھی منقول ہے امام مالک کے نزدیک یہ سنت واجبہ (یعنی مؤکدہ) ہے۔ تو صاحبین و شافعی و مالک کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے عند احمد فی الصحیح یہ فرض کفایہ ہے۔

باب فی المشی یوم العیدین

رجال:-

اسماعیل بن موسیٰ الطراری۔ شریک کا ذکر پہلے گزرا ہے۔ ابی اسحاق ہوا سہمی۔ الحارث ہوا لامور۔ ☆

تشریح:-

اگر عذر ہو تو بالاقاق بلا کر اہیت آدمی سوار ہو کر عید گاہ جاسکتا ہے لیکن اگر عذر نہ ہو اور عید گاہ بھی زیادہ دور نہ ہو تو مستحب یہ ہے کہ آدمی پیدل جائے جیسے کہ جمعے کی نماز کی طرف پیدل مشی کی روایت صحیح سند سے ثابت ہے کما عند النسائی (1) اسی طرح صحیح روایت (2) سے ثابت ہے کہ جن پاؤں پر اللہ کے راستے کی غبار لگ جائے تو اس پر جہنم کی آگ حرام ہے لہذا اگرچہ باب کی روایت ضعیف ہے مگر مؤید ہے۔ فی متن در مختار (3) کہ

(3) کذا علم من روایۃ ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ عند النسائی ص: ۴۳۳ ج: ۱ ”باب استقبال الامام بالناس بوجہ فی الخطۃ“

باب فی المشی یوم العیدین

(1) سنن نسائی ص: ۲۰۵ ج: ۱ ”باب فضل المشی الی الجعہ“ (2) رواہ البخاری ص: ۳۹۴ ج: ۱ ”باب من اظہرت قدماء فی

سبیل اللہ الخ“ (3) در مختار ص: ۴۷۸ ج: ۳ ”باب العیدین“

عید فطر کے دن مندوب یہ ہے کہ قبل از صلوٰۃ میٹھی چیز کھائے تاکہ ظاہر ہو جائے کہ روزے کی حالت اب باقی نہ رہی۔ مسواک کرنا غسل کرنا خوشبو لگانا اچھے کپڑے پہننا قبل الخروج فطرہ ادا کرنا یہ مستحب امور ہیں۔ پھر عید گاہ کی طرف پیدل نکلے ایک بات اس سے یہ معلوم ہوئی کہ نماز عید گاہ میں پڑھنی چاہیے اگرچہ مسجد میں جگہ ہو دوسری یہ کہ پیدل چلنا مستحب ہے۔

باب فی صلوٰۃ العیدین قبل الخطبۃ

رجال:-

ابو اسامہ کا نام حماد بن اسامہ الکوفی ہے ثقہ کا تقدم ترجمہ۔

عبید اللہ ہوا بن عمر بن حفص العری المدنی ثقہ ثبت۔ ☆

تشریح:-

اس پر اجماع ہے کہ خطبہ عید بعد از صلوٰۃ ہو گا یہی ائمہ اربعہ و خلفائے راشدین و دیگر صحابہ کا مذہب ہے بعض روایات میں ہے کہ نقل الترمذی کہ بنو امیہ میں یہ رواج تھا کہ وہ خطبہ نماز عید سے پہلے دیا کرتے تھے پھر بعض روایات میں اس کی نسبت عمر بن الخطاب میں عثمان میں معاویہ بعض میں زیادہ کی طرف بعض میں مروان بن الحکم کی طرف کافی ہند و اروپہ نسبت کی گئی ہے تو یہ ایک گونہ تعارض ہے۔ (1)

جواب:- معارف السنن (2) میں ہے کہ عمر کی طرف یہ نسبت شاذ ہے عثمان کا عام معمول بعد از صلوٰۃ خطبہ دینے کا تھا جہاں تک قبل از صلوٰۃ خطبہ ثابت ہے وجہ یہ ہے کہ آبادی بڑھ گئی تھی اور عید کی نماز ایک ہی ہوتی عوامی و اطراف سے لوگ آیا کرتے تھے تو ان کے انتظار میں نماز کو مؤخر کرنے کے لئے پہلے خطبہ دیا تو یہ تقدیم

باب فی صلوٰۃ العیدین قبل الخطبۃ

(1) حضرت عمر بن خطاب اور حضرت معاویہ کے لئے رجوع فرمائے مصنف عبد الرزاق ص: ۳۸۳ و ۳۸۴ ج: ۱۳ ہی طرح باقی تفصیل کے لئے رجوع فرمائے فتح الباری ص: ۳۵۲ ج: ۲ ایضاً عمدۃ القاری ص: ۳۱۱ ج: ۲ (2) معارف السنن ص: ۳۲۸ ج: ۴

انتظام کیا نہ کہ تشریعاً و مستثناً پھر حضرت معاویہ نے آپ کی اتباع میں شام میں قبل الصلوٰۃ خطبہ دیا پھر ان کی اتباع میں بصرہ کے گورنر زیاد نے اور مدینہ کے گورنر مروان نے بھی قبل الصلوٰۃ دیا اب اجماع ہے بعد الصلوٰۃ ہونے پر۔ اگر کسی نے قبل الصلوٰۃ دیا تو عند مالکیہ و حنفیہ گناہ ہوگا نماز ہو جائے گی خطبہ قائل اعتبار ہوگا شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک نماز ہوگئی لیکن خطبہ محسوبہ شمار نہ ہوگا پھر اعادہ خطبہ کی تصریح کہیں نظر سے نہیں گذری ہے۔

باب ان صلوٰۃ العیدین بغیر اذان ولا اقامۃ

اس باب میں امام ترمذی نے کوئی خلاف نقل نہیں کیا اور مطلقاً و العمل علیہ عند اہل العلم کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے مخالف روایت کا اعتبار نہیں کیا ورنہ اس باب میں بعض حضرات سے اذان للعیدین ثابت ہے مگر وہ مضلل جماع نہیں۔

بعض روایت میں ہے کہ اولاً ابن زبیر نے عیدین کی اذان دی ہے بعض میں معاویہ بعض میں زیاد و ہشام اور مروان کی طرف نسبت ہوئی ہے ان سے قبل اور ان کے بعد اجماع تھا کہ عیدین کے لئے کوئی اذان نہ ہوگی نہ نوافل کے لئے البتہ اذان شرعی کے علاوہ اعلان جائز ہے تاکہ جگہ اور وقت کا تعین کیا جاسکے۔

باب ماجاء فی القراءۃ فی العیدین

رجال:-

ابو عوانہ کا نام ”وضاح“ بتشدید الضاد ہے رجال ستہ میں سے ہیں۔

ابراہیم الکوفی بھی رجال ستہ میں سے ہیں۔ ☆

تشریح:-

اگر عید کے دن جمعہ بھی ہو یعنی عید بروز جمعہ ہو تو جس نے عید کی نماز پڑھی ہے تو آیا اس سے جمعہ کی نماز ساقط ہوئی ہے یا بدستور ابھی وجوب باقی ہے؟ تو بعض صحابہ و تابعین کا مسلک یہ ہے کہ اس سے جمعہ کی نماز ساقط

ہوگئی البتہ امام پر بدستور وجوب باقی رہے گا اس کو منسوب کیا ہے عمر عثمان اعلیٰ ابن عمر ابن عباس ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف تابعین میں سے نخی شعی اوزاعی کا یہی مسلک ہے (۱) امام شافعی کے نزدیک اہل عموالی سے نماز جمعہ ساقط ہوگی شہریوں پر بدستور واجب رہے گی۔

حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک عید کی نماز کوئی پڑھے یا نہ پڑھے لیکن جس پر جمعہ واجب ہو تو اس دن بھی بدستور رہے گا اور نماز عید کی وجہ سے ساقط نہ ہوگا دلیل مذکورہ باب کی حدیث ہے درمناہتمنعانی یوم واحد فیتراہما تو اگر ساقط ہوتا تو کم از کم ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ترک فرماتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جمعہ دلائل قطعیہ سے ثابت ہے تو اس کے اسقاط کے لئے مضبوط دلیل کی ضرورت ہے جو ہے نہیں۔

جو سقوط کے قائل ہیں ان کی دلیل واقعہ عثمان ہے جو بخاری (۲) وغیرہ میں ہے انہوں نے عید کی نماز میں اعلان فرمایا کہ اہل عموالی میں سے جو جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں یہ جمعے کا دن تھا۔

جواب یہ ہے کہ یہ ان کے لئے تھا جو مدینہ سے دور رہتے تھے جن پر جمعہ واجب نہ تھا تو جانا اور پھر آنا مشکل تھا تو انتظار مشکل تھا اور جمعہ واجب بھی ان پر نہیں تھا تو اسلئے ان کو اختیار دے دیا۔

باب فی التکبیر فی العیدین

رجال:-

مسلم بن عمرو وابو عمرو والحذاء المدنی صدوق ہیں۔

عبد اللہ بن نافع صحیح و صحیح الکتاب ہیں البتہ حافظہ میں ذرا کم ہے۔ کثیر بن عبد اللہ ضعیف ہیں۔

عن ابیہ ہو عبد اللہ بن عمرو بن عوف حافظ نے مقبول جبکہ ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے۔

عن جدہ ای جد کثیر ہو عمرو بن عوف صحابی ہیں رضی اللہ عنہ۔

باب ماجاء فی القراءۃ فی العیدین

(۱) کنزانی المغنی لابن قدامہ ص ۲۴۴ ج ۳ مسئلہ نمبر ۲۹۶ مکتبہ جبرقاہرہ (۲) صحیح بخاری ص ۸۳۵ ج ۲ باب ما یؤکل من لحوم

الاضاحی الخ "ایضاً طاماک ص ۱۶۵" الامر بالصلوۃ قبل الخطبۃ فی العیدین

تشریح:-

اس پر اتفاق ہے کہ تکبیر تحریمہ اور تکبیر رکوع کے علاوہ عید کی نماز میں تکبیرات زوائد ہیں۔ اختلاف اس میں ہے کہ وہ تکبیرات کتنی ہیں تو ائمہ ثلاثہ امام احناف کے نزدیک کل بارہ تکبیرات ہیں۔ دلیل مذکورہ باب کی حدیث ہے البتہ امام مالک و احمد کے نزدیک اس روایت میں جو یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سات ہوگی تو اس سے مراد مع تکبیر تحریمہ ہے لہذا ان کے نزدیک پہلی رکعت میں زوائد چھ ہوگی دوسری میں بالاتفاق عندہم پانچ ہیں تو کل گیارہ ہوگی جبکہ عند الشافعی سات کی سات زوائد ہیں تو ان کے نزدیک زوائد کل بارہ ہیں۔

پھر یہ اس پر متفق ہیں کہ یہ دونوں رکعتوں میں قبل القراءۃ ہوگی اور یہ دونوں باتیں حدیث باب میں مصرح ہیں۔

جواب من عند الحنفیہ یہ ہے کہ اس میں کثیر بن عبداللہ ضعیف ہے (1) ترمذی نے اگرچہ اس کی تحسین کی ہے مگر اس پر بعض نے اعتراض کیا ہے کہ یہ تحسین صحیح نہیں۔

دلیل ۲:- ابوداؤد (2) میں عبداللہ بن عمرو ابن العاص کی حدیث ان کے مذہب کے مطابق ہے ہم اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں ایک راوی عبداللہ بن عبدالرحمن ضعیف ہے۔ (3)

دلیل ۳:- حدیث عائشہ ابوداؤد میں مروی ہے۔ (4)

جواب:- اس میں ابن لہیعہ ضعیف ہے۔

امام ابو حنیفہ اور ان کے اتباع کا مذہب یہ ہے کہ تکبیرات زوائد چھ ہیں۔ تین پہلی رکعت میں قبل القراءۃ اور تین دوسری رکعت میں بعد القراءۃ قبل الركوع ہیں۔

دلیل:- ابوداؤد (5) میں ابو ہریرہؓ کے شاگرد ابو عائشہ کی روایت ہے کہتے ہیں کہ سعید بن عاص نے

باب فی التکبیر فی العیدین

(1) کذا فی تہذیب التہذیب ص ۳۲۲ ج ۸: ایضاً سنن کبریٰ بیہقی ص ۲۸۵ ج ۳: "باب التکبیر فی صلوٰۃ العیدین" رواہ فی

المعنیۃ (2) ص ۷۰ ج ۱: "باب التکبیر فی العیدین" (3) میزان الاعتدال ص ۴۵۲ ج ۲: دار المعرفۃ بیروت

(4) ص ۷۰ ج ۱: (5) حوالہ بالا

ابوموسیٰ اشعری سے پوچھا اور حذیفہ بن یمان بھی بیٹھے تھے۔

کیف کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکبر فی الاضحی والفقیر؟ فقال
ابوموسیٰ کان یکبر اربعاً تکبیرۃ علی الحائز فقال حذیفۃ صدقت فقال
ابوموسیٰ کذا لک کنت اکبر بالبصرۃ حیث کنت علیہم والیا
اس پر جمہور کے طرف سے تین اعتراض ہیں۔

اعتراض ۱:- اس میں عبد الرحمن بن ثوبان ضعیف ہے۔

جواب:- یہ مختلف فیہ راوی ہے اس کی تضعیف تو مشہور ہوئی ہے لہذا یہ درجہ حسن کے راوی ہے
خصوصاً جبکہ بہت سارے صحابہ و تابعین کا مذہب بھی اسی کے مطابق ہے اور آپ کے پاس بھی ایسی دلیل نہیں جو
اعتراض و جرح سے خالی ہو۔

ترمذی کا یہ کہنا کہ اس باب میں اچھی روایت بس یہی ہے تو انہیں بھی کثیر بن عبد اللہ ضعیف ہے۔

اعتراض ۲:- اس میں ابو عاتکہ مجہول ہے کما صرح بہ ابن حزم۔

جواب:- ابو عاتکہ محمد بن ابی عاتکہ اور موسیٰ بن ابی عاتکہ کے والد ہیں اور ابن حجر نے اقرار کیا ہے کہ
ان سے کھول اور خالد دونوں روایت کرتے ہیں اور دور او یوں کی روایت سے جہالت ختم ہو جاتی ہے۔ (6)

اعتراض ۳:- بیہقی نے کیا ہے کہ مصنف عبد الرزاق کی روایت کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ
موقوف ہے نہ کہ مرفوع کہ اس میں ہے کہ سعید بن عاص نے ابوموسیٰ اشعری سے پوچھا تھا اور حذیفہ بن یمان
کے علاوہ ابن مسعود بھی بیٹھے تھے تو انہوں نے کہا کہ ان سے پوچھو جب ابن مسعود سے پوچھا تو انہوں نے مذکورہ
جواب دیا۔ (7)

جواب ۱:- ممکن ہے کہ ابوموسیٰ اشعری اس وقت نادبا خاموش رہے ہوں اور بعد میں انہوں نے اس کو

(6) کذا فی المعارف ص: ۳۳۹ ج: ۳

(7) تقد فی الکبریٰ ص: ۲۹۰ ج: ۳ باب ذکر خیر الذی روی فی التفسیر اربعاً اور یہ روایت مصنف عبد الرزاق ص: ۲۹۳ ج: ۲ رقم

حدیث ۵۶۸۷ پر ہے۔

مرفوع کیا ہو۔

جواب ۲:۔ اگر یہ موقوف بھی ہو تو وہ موقوف جو مد رک بالعقل نہ ہو تو وہ مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے۔

حنفیہ کی دلیل ۲:۔ بعض صحابہ و تابعین کے عمل سے ہے مثلاً مصنف ابن ابی شیبہ (8) میں ابن عباس و دیگر تابعین سے تین تین تکبیرات مروی ہیں۔ اسی طرح مصنف عبدالرزاق میں مغیرہ بن شعبہ، انس اور ابن مسعود سے اس کے مطابق عمل مروی ہے۔ (9)

حنفیہ کی دلیل ۳:۔ ابراہیم نخعی کا اثر طحاوی (10) میں مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر کے وقت تکبیرات جنازہ کے لئے خاص حد مقرر نہ تھی پھر حضرت عمر نے صحابہ کو جمع کیا اور فرمایا کہ اگر تم متفق رہے تو بعد کے لوگ اتفاق کریں گے ورنہ اختلاف کریں گے تو مشورہ طلب کیا تو کہا کہ آپ جیسا حکم فرمائیں انہوں نے کہا کہ میں بھی تمہاری طرح بندہ ہوں آپ مشورہ دیں تو بالاقفاق عید کی طرح چار تکبیرات مقرر ہوئیں اس میں اور اسی طرح کی دیگر روایات میں چار تکبیرات میں سے تین زوائد اور چوتھی تکبیر تحریمہ و رکوع مراد ہے۔

ہدایہ میں ہے کہ اگر کوئی امام تکبیرات زوائد تین سے زائد پڑھے تو بارہ تک مقتدی اس کی متابعت کرے کہ اس کا ثبوت ہے معلوم ہوا کہ یہ اختلاف جواز و عدم جواز کا نہیں بلکہ افضلیت کا ہے۔ مؤطا (11) میں بھی امام محمد نے بارہ کو جائز قرار دیا ہے شاہ صاحب نے عنایہ سے نقل کیا ہے کہ امام ابو یوسف بھی بغداد میں بارون الرشید کے کہنے پر بارہ تکبیرات کہتے تھے۔

شاہ صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ دوسری رکعت میں رکوع کی تکبیر عید کی نماز میں واجب ہے اگرچہ دیگر نمازوں میں مسنون ہے لہذا ترک پر مجبہ ہوگا۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ عید میں چونکہ اجتماع بڑا ہوتا ہے اور لوگ دور سے آتے ہیں مسائل کا عموماً علم نہیں ہوتا لہذا عید کی نماز میں مجبہ نہ کیا جائے کہ انتشار پھیلنے کا خطرہ ہے اور آواز بھی آخری صفوں تک نہیں پہنچے گی آج کل چونکہ وہ علت باقی نہیں چونکہ لاؤڈ اسپیکر ہے تو مجبہ کرنا مناسب ہے۔

(8) ص: ۱۷۳ ج: ۲ "باب التکبیر فی العیدین واختلافہم فیہ" (9) مصنف عبدالرزاق ص: ۲۹۳ ج: ۲ (10) شرح معانی الآثار ص: ۳۱۹ ج: ۱ "باب التکبیر علی البنازک کم ہو" (11) مؤطا محمد ص: ۱۳۱ "باب التکبیر فی العیدین" فخذت بالجوہر حسن

باب لاصلوٰۃ قبل العیدین ولا بعدہ

صحابہ و تابعین کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ عیدین کی نماز سے پہلے اور بعد میں نوافل میں کوئی حرج نہیں وہ یہ قول الشافعی وقال احمد عید کی نماز سے پہلے اور بعد میں مطلقاً نفل مکروہ ہیں عند مالک عید گاہ میں مکروہ ہیں قبل الصلوٰۃ و بعد ہا فقہاء حنفیہ کے اقوال اس میں مختلف ہیں عام روایت یہ ہے کہ قبل الصلوٰۃ ممنوع ہیں مطلقاً یعنی سواء کان فی المصلی ادنی البیت حتی کہ اشراق کا عادی بھی نہ پڑھے البتہ بعد صلوٰۃ العید گھر میں نوافل کی اجازت ہے نہ کہ مصلیٰ میں۔ (۱)

جمہور یعنی ائمہ ثلاثہ سوی الشافعی کا استدلال باب کی روایت (۲) سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم عید صلوٰۃ عید کے علاوہ کوئی نماز نہیں پڑھی پھر ہر امام نے اسے اپنے اپنے مسلک پر منطبق کرنے کی کوشش کی ہے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم

باب فی خروج النساء فی العیدین

حضرت ام عطیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابکار عواتق ذوات الخدور اور حیض کو عید کی نمازوں کے لئے نکالتے۔

ابکار جمع بکر کی ہے کنواری لڑکی کو کہتے ہیں۔ عواتق عاتق کی جمع ہے جو بالغ ہو چکی ہو یا قریب البلوغ ہو اس کو عاتق اس لئے کہتے ہیں کہ یہ ماں باپ کے قبر سے آزاد ہو چکی ہوتی ہے کیونکہ والدین اس پر اس وقت

باب لاصلوٰۃ قبل العیدین و بعدہ

(۱) چنانچہ روایات سے بھی اس بات کا ثبوت ملتا ہے جیسے کہ ابن ماجہ میں ص ۹۳ "باب ما جاء فی الصلوٰۃ قبل العید و بعدہ" اس طرح ابن ابی شیبہ ص ۹۰ ج ۲: "فمن کان مصلی بعد العید اربعاً" بعد صلوٰۃ العید گھر میں نماز کا ثبوت ملتا ہے۔

(۲) اس کے علاوہ روایات کے لئے رجوع فرمائے معتقد ابن ابی شیبہ ص ۷۰ ج ۲ اور معارف السنن ص ۴۳۳ ج ۴ اور طبرانی کبیر ج ۷ رقم الحدیث ۶۹۳۔ حنفی

شفقت کرتے ہیں یا اس لئے عاتق کہتے ہیں کہ بیرون خانہ کے امور سے آزاد ہو چکی ہوتی ہے و قبل ہی من عتقت عن قہر ابوہما باستحقاق التزوج۔

حدود خدر کی جمع ہے بمعنی پردہ اور بیت کے آتا ہے مراد وہ ناحیۃ البیت ہے جہاں غیر شادی شدہ لڑکی پردے میں بیٹھتی ہو یہ کنایہ ہے ان عورتوں سے جن کا گھر سے باہر نکلنا کم یا نہیں ہوتا ہے۔
حیض بضم الحاء وتشدید الیاء جمع حائض۔

فاما الحيض فیتعزلن المصلیٰ تو حائضہ عورتیں عید گاہ سے دور رہتی تھیں یا اسلئے کہ صفوں کے اندر آنے کے صورت میں نماز تو نہیں پڑھ سکتی تھیں تو ان کی موجودگی سے صفوں میں خلل پڑ جاتا یا اس لئے کہ مصلیٰ اگر چہ باقاعدہ مسجد نہیں ہوتا لیکن عند الصلوۃ اس کا حکم مسجد کی طرح ہوتا ہے مکا ہو حکم ثناء المسجد و موضع الجنازۃ یا اس لئے کہ ان کی وجہ سے دوسری عورتوں کے کپڑے خون حیض سے ناپاک نہ ہوں یا بعض عورتوں کو حالت حیض میں تعفن لاحق ہوتا ہے جس سے دوسری عورتوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

معارف میں ہے کہ دعوت سے مراد وعظ و نصیحت ہے جو خطبہ وغیرہ میں ہوتا ہے اس سے مراد ہیئت اجتماعی کے ساتھ دعا نہیں تو مقصد یہ ہوا کہ حائضہ عورتیں اجتماع میں وعظ و نصیحت کے سننے اور اجتماع میں کثرت پیدا کرنے آتی ہیں لیکن عین مصلیٰ میں داخل نہ ہوتیں ایک عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر کسی عورت کے پاس جلاباب نہ ہو جلاباب بکسر الجیم بڑی چادر کو کہتے ہیں دوپٹے پر بھی اس کا اطلاق ہوتا۔ و قبل جلاباب قیص کو کہتے ہیں جمع جلابیب آتی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فلتعربا اجتبا من جلابابہا شت سے مراد اسلامی بہن ہے نسبی نہیں یعنی اگر زائد ہو یا مبالغہ ہے یعنی وہ اپنی کسی بہن کے ساتھ ایک چادر میں مل کر آجائے تو یہ مبالغہ ہوگا کہ نماز عید کسی حالت میں نہ چھوڑے۔

یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے کہ عورتیں جماعت کی نماز میں آ سکتی ہیں یا نہیں؟ تو ایک قول استحباب کا ہے یہ قول حنا بلہ میں سے ابو حامد کا ہے اور شافعیہ میں سے جرجانی اور بظاہر امام شافعی کا قول بھی اس کی طرف مشیر ہے۔

اس قول میں شاہد اور مجوز کا کوئی فرق نہیں ان حضرات نے اس سلسلے میں امر کے صیغہ ندب پر حمل

کئے ہیں۔

دوسرا قول فرق بین العجائز والشواب ہے کہ عجائز کے لئے مستحب ہے وہی قول اکثر الشافعیہ۔ مبعنا النص الشافعی فی المختصر۔

تیسرا قول مطلقاً اباحت کا ہے یہ امام احمد سے مروی ہے خواہ عجائز ہوں یا جوان۔
چوتھا قول عید کی نمازوں کے لئے ٹکنا ضروری ہے یہ منسوب ہے ابو بکر الصدیقؓ، حضرت علیؓ و حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کی طرف۔

پانچواں قول یہ ہے کہ مطلقاً مکروہ ہے یہ سفیان ثوریؒ، حضرت عائشہ و ابن مبارک کا قول ہے اور متاخرین جمہور حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے وہ یہ قول مالک و ابو یوسف و النخعی و یحییٰ بن سعید الانصاری امام ترمذی نے ابن مبارک سے روایت نقل کی ہے کہ عیدین میں بھی میں عورتوں کے لئے ٹکنا پسند نہیں کرتا ہوں لیکن اگر کوئی عورت ضد کرے تو خاندان شرط لگائے کہ اطہار (جمع طہر بکسر الطاء پرانے کپڑے) میں ٹکے بغیر زینت کے اگر پھر بھی عورت اصرار کرے تو روک لے۔

قال اللکونی فی اللکوب کہ چونکہ عورتوں کی طبیعت یہ ہے کہ وہ بغیر زینت کے نہیں نکلتی تو ترک زینت کی شرط سے وہ نہیں جائیگی یہی ابن مبارک کے قول کا مطلب ہے لہذا یہ روکنے کا حیلہ ہوا۔
حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آج کی عورتوں کے کاموں کا مشاہدہ کرتے تو بنی اسرائیل کی عورتوں کی طرح ان کو روک دیتے۔

قال سفیان الثوری کہ آج عورتوں کے لئے ٹکنا مکروہ ہے حالانکہ ان کا زمانہ قیر القرون کا تھا آج کل فتنہ و فساد کا دور دورہ ہے لہذا عورتوں کا گھر میں رہنا ضروری ہے اور اسی فتنے کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ“

باب ماجاء فی خروج النبی ﷺ فی طریق

ورجوعه من طریق آخر

ائمہ اربعہ و جمہور کے نزدیک مستحب یہی ہے کہ عید گاہ جس راستے سے آدمی جائے تو واپسی پر تبدیل کرے کما قال الترمذی تبعاً لهذا الحديث کہ آپ نے ایسا کیا ہے تو ہمیں بھی ایسا کرنا چاہیے۔ (1) مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیوں کیا؟ اس کی متعدد وجوہات ہیں (2) ایک یہ بیان کی گئی ہے تاکہ دونوں راستے قیامت کے دن گواہی دے دیں یا راستے میں جو لوگ دیکھیں کہ وہ گواہی دیں یا اس لئے کہ دونوں راستوں پر آباد لوگ آپ کی آمد کی برکت سے مستفید ہوں یا لوگ مسائل پوچھتے تھے تو ان کی سہولت کے لئے ایسا کرتے یا تاکہ دونوں راستوں کے فقراء پر کچھ صدقہ کر دیں یا تاکہ دونوں راستوں کے اقرباء اور یا ان کی قبروں کی زیارت کر سکیں یا تاکہ اسلام کے شعائر کا اظہار ہو سکے یا اس لئے کہ منافقین وہود کو غیظ دلا سکیں کہ مسلمانوں کا رعب و دبدبہ ان کی نظر میں آجائے یا اس لئے تاکہ منافقین وغیرہ کے مکر و فریب سے محفوظ رہ سکیں۔ اگر راستہ ایک ہو تو راستے کے ایک طرف جائے دوسری طرف سے آئے مثلاً دائیں طرف جائے اور بائیں طرف آئے۔

باب فی الاكل يوم الفطر قبل الخروج

رجال:-

ثواب بن عبد بن النعمان المثلث و تخفيف الواد مقبول من السادة۔ سیوطی فرماتے ہیں کہ ان سے فقط یہی

ایک روایت مروی ہے باقی کتب حدیث میں کوئی روایت نہیں۔ ☆

باب ماجاء فی خروج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی طریق ورجوعه من طریق آخر

(1) آپ کا یہ محل صحیح بخاری ص ۱۳۴۰: باب من خالف الطريق اذا رجع يوم العيد پر بھی مروی ہے۔

(2) تفصیل کے لئے دیکھیے فتح الباری ص ۳۷۳ ج ۲: بحوالہ القاری ص ۳۰۶ ج ۲۔

تشریح:-

مستحب یہ ہے کہ عید فطر کے دن نماز عید سے پہلے آدمی کچھ کھائے پیئے اور عید الاضحیٰ میں مستحب یہ ہے کہ آدمی نماز تک کچھ نہ کھائے۔ (۱)

یہاں دو باتیں ہیں ایک یہ کہ عید الفطر میں نماز سے پہلے کھانا کیوں مستحب ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ میٹھی چیز کیوں کھانا چاہیے؟

پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ چونکہ رمضان کا مہینہ چل رہا تھا تو عید سے پہلے کچھ کھائے تاکہ روزے سے امتیاز حاصل ہو اور عید الاضحیٰ میں یہ علت موجود نہیں۔

یا اس لئے تاکہ عیدیت کا اظہار ہو کہ اب تک اللہ نے روکا تھا تو باوجود احتیاج کے نہیں کھا سکتے تھے اب جب اجازت ملی تو اپنی احتیاج کو ظاہر کرنے کے لئے کچھ کھائے۔ عید الاضحیٰ میں یہ علت نہیں۔ وہاں مستحب یہ ہے کہ آدمی اپنی قربانی سے کھائے لہذا قربانی کے گوشت تک آدمی کو اسماک کرنا چاہیے۔

یا اس لئے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ عید کی نماز تک اسماک ضروری ہوگا تو اس غدشے کو دور فرمایا۔

دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ میٹھی چیز سے نظرتیز ہو جاتی ہے چونکہ روزے کی وجہ سے نظر کمزور ہوتی ہے تو کوئی میٹھی چیز کھائے تاکہ نظر صحیح ہو جائے یا میٹھی چیز ایمان کے موافق ہے کہ ایمان بھی میٹھا ہے یا اس لئے کہ مجبوریں بلا تکلف مدینے میں دستیاب تھیں۔ دوسری چیز میں تکلف کرنا پڑتا ہے۔ عید الاضحیٰ کے دن عید کی نماز تک کچھ نہ کھانا سب کے لئے مستحب ہے چاہے اس کی قربانی ہو یا نہ ہو۔ منی (۲) میں ابن قدامہ نے ذکر کیا ہے کہ جس کی قربانی ہو اس کو انتظار کرنا چاہیے جس کی قربانی نہ ہو اس کے لئے انتظار ضروری نہیں۔

أَبْوَابُ السَّفَرِ

باب التقصیر فی السفر

رجال:-

عبد الوہاب بن عبد الحکم صاحب احمد وقال احمد "قل من یری مثله"۔
 یحییٰ بن سلیم بالتصغیر عبید اللہ بن عمر سے روایت کرنے میں منکر ہیں باقی روایات قابل حجت ہیں
 ابن معین نے توثیق کی ہے نسائی نے کہا ہے "کس بہ باس وهو منکر الحدیث عن عبید اللہ بن عمر"۔
 عبید اللہ ہو ابن عمر العمری من الثقات الاثبات۔ ۶۶

تشریح:-

سفر کے معنی ہیں کھلنے اور ظہور کے چونکہ سفر کی وجہ سے آدمی پر لوگوں کے حالات و علاقوں کی صورتحال
 واضح ہو جاتی ہے تو اس لئے اس کو سفر کہتے ہیں وقیل لانه یسفر العقل کہ سفر عقل کو بڑھاتا ہے عقل کھل جاتی ہے
 واضح اور روشن ہو جاتی ہے۔

پہلا باب امام ترمذی نے تقصیر فی السفر کے بارے میں باندھا ہے اور متعدد احادیث کی تخریج کی ہے
 ان سب سے تقصیر الصلوٰۃ فی السفر معلوم ہوتی ہے۔ پہلی حدیث سے پہلا مسئلہ سفر میں فرائض کا قصر اور دوسرا مسئلہ
 کہ سفر میں رواتب کا قلم کیا ہے معلوم ہوتا ہے۔

پہلے مسئلے کے بارے میں فرمایا کہ ابن عمر سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم شیخین
 اور عثمان کے ہمراہ سفر کیا ہے تو وہ ظہر و عصر دو رکعت پڑھتے تھے۔ دوسرے مسئلے کے بارے میں فرمایا لا یصلون
 قبلہا ولا بعدہا اس لئے ابن عمر فرماتے ہیں لو کنت مصنباً قبلہا او بعدہا لانعمتھا مطلب یہ ہے کہ اگر

سنن اسی طریقے سے اپنے حکم پر باقی رہیں جس طرح حضر میں ہیں تو پھر نماز بھی پوری ہونی چاہیے حتیٰ یعنی فرض نماز مقصد یہ ہے کہ حکم تقصیر نے فرض نماز میں ایک طرف عدا کی پیدا کر دی تو دوسری طرف سنتوں میں حکم کے اعتبار سے تخفیف پیدا کر دی یہ دوسرا مسئلہ آگے باب ماجاء فی الطوع فی السفر میں آ رہا ہے۔

اس باب کے ساتھ متعلق مسئلہ تقصیر فی السفر ہے اس پر اجماع ہے کہ فجر و مغرب میں قصر نہیں اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ ظہر، عصر و عشاء میں قصر جائز ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اس قصر کی حیثیت کیا ہے؟ اس میں حنفیہ کا ایک ہی قول ہے کہ قصر واجب ہے اور اتمام کرنے والا گناہ گار ہے اگر کسی نے چار رکعت پڑھی اور قعدہ اولیٰ نہیں کیا تو اعادہ واجب ہے کہ قعدہ اولیٰ فرض ہے۔ خطابی نے معالم میں اس کو اکثر کا مذہب قرار دیا ہے جیسا کہ تحفۃ الاحوذی میں ہے۔

امام مالک سے دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ قصر فرض ہے مشہور روایت ان کی یہ ہے کہ قصر سنت ہے۔ (۱)

امام شافعی سے مروی ہے کہ قصر رخصت ہے اور اتمام عزیمت ہے اور افضل و بہتر یہی ہے کہ آدمی چار پڑھے۔

امام احمد سے ایک روایت فرضیت کی ہے کہ قصر فرض ہے دوسری روایت افضلیت قیسری سنیت کی ہے۔ ان سے ایک روایت یہ ہے کہ انی اسئل اللہ العافیۃ عن هذه المسئلة یعنی میں اس مسئلہ سے بچنا چاہتا ہوں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کسی نہ کسی صورت میں قصر کا قول کرتے ہیں اور اتمام کو جائز مانتے ہیں جبکہ حنفیہ کے نزدیک اتمام جائز ہی نہیں گویا اصل اختلاف حنفیہ و شافعیہ کے درمیان ہے۔

شافعیہ کے دلائل: (۱) قرآن کی آیت "واذا حضرتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ" (۲) استدلال فلیس علیکم جناح سے ہے کہ اس میں نفی حرج ہے اس کا مفہوم یہ ہے

(ابواب السفر) باب التقصیر فی السفر

(۱) مزید تفصیل مذاہب کے لئے رجوع فرمائیے معارف السنن ص ۳۵۳ ج ۳ (۲) سورۃ نساء رقم آیت ۱۰۱

کہ اتمام افضل ہوتا چاہیے۔

جواب ۱:- یہ ہے کہ لا جناح کا اطلاق کبھی واجب پر بھی ہوتا ہے جیسے ”فمن حج البيت او اعتمر فلا جناح عليه ان يطوف بهما“ تو سعی واجب ہے حالانکہ لفظ لا جناح کا مستعمل ہے۔

جواب ۲:- جیسے کہ عائشہ نے اسی سعی میں الصفا والمروة کے بارے میں غلط فہمی کے جواب میں دیا تھا کہ اگر وجوب کی نفی ہوتی تو یوں ہوتا ”فلا جناح عليه ان لا يطوف بهما“ (ترمذی ص: ۱۲۵ ج: ۲)

جواب ۳:- چونکہ صحابہ نے یہ خیال کیا تھا کہ سفر میں قصر سے کوئی گناہ ہوگا تو فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں نہ نماز میں نقصان آتا ہے نہ گناہ ہے۔

جواب ۴:- اس آیت کے بارے میں مفسرین کے اقوال دو طرح کے ہیں۔ قیل یہ آیت سفر سے متعلق ہے لیکن محققین مفسرین ابن جریر وابن کثیر وصاحب البدائع کہتے ہیں کہ یہ آیت صلوٰۃ خوف سے متعلق ہے۔ (۳) وہو الرأخ کہ قصر عدد پر تو اس آیت کے نزول سے پہلے بھی عمل ہوتا تھا لہذا یہ آیت قصر فی الکلیف والصفة سے متعلق ہے یعنی نماز میں اسلحہ لینا وغیرہ۔

دوسری بات یہ ہے کہ آگے فرمایا ”ان يحفتم ان يفتنكم الذين كفروا“ یہ کنایہ ہے اس بات سے کہ مراد صلوٰۃ خوف ہے۔

اعتراض:- اگر یہ صلوٰۃ خوف سے متعلق ہے نہ کہ سفر سے تو اذ اضرتکم فی الارض کی قید کیوں لگائی۔
جواب:- قال الشاہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر نمازیں صلوٰۃ الخوف کی سفر میں واقع ہوئیں سوائے غزوہ خندق کے باقی یہ آیت قبل از غزوہ خندق ہے نزولاً یا بعدہ تو دونوں قول ہیں۔ لہذا یہ قید اتفاقی ہے نہ کہ احترازی۔

اعتراض:- اگر یہ آیت غزوہ احزاب سے پہلے نازل ہوئی ہو کما قالت بہ الحنفیہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احزاب میں نماز قضاء کیوں فرمائی صلوٰۃ الخوف پڑھ لیتے۔

جواب :- چونکہ صحابہ زیادہ تھے تو وضو کرتے کرتے وقت نماز کا ختم ہو گیا تو نماز قضاء ہوئی۔

قال الشاہ یہ جواب ضعیف ہے کہ عصر کے وقت میں یہ توجیہ کی جاسکتی ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری نمازیں بھی قضاء ہوئیں۔ صحیح جواب یہ ہے کہ غزوہ احزاب کی دنوں تک جاری رہا اور جو نمازیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قضا ہوئیں تو یہ مسائفہ کا وقت تھا یعنی وقت قتال اور مسائیفہ کے وقت نماز ترک کرنا جائز ہے۔

اس پر شافعیہ کی طرف سے اعتراض ہے کہ مسلم (4) میں یحییٰ بن امیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عمر سے اس آیت کے بارے میں پوچھا کہ چونکہ اب ہم مطمئن ہو چکے ہیں تو اب قصر کیوں ہے؟ تو حضرت عمر نے فرمایا کہ جس طرح تمہیں تعجب لاحق ہے اسی طرح مجھے بھی تعجب ہوا تھا تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو فرمایا کہ صدقۃ نصدق اللہ بھا علیکم فاقبلوا صدقۃ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر نے بھی اس آیت کو صلوٰۃ سفر سے متعلق سمجھا تو اس لئے ان کو شبہ درپیش ہوا۔

جواب :- جواز قصر سفر تو پہلے سے تھا لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی اور اس میں یہ تنقید تھی کہ ان ختم تو ان کو یہ شبہ درپیش ہوا کہ گویا اس آیت کی وجہ سے جو عموم قصر سفر تھا اس کی عمومیت منسوخ ہو گئی اور صرف خوف کی صورت میں قصر ہوگا جہاں خوف نہ ہوگا تو قصر نہ ہوگا؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ جواب فرما کر ان کو تسلی دی کہ یہ تنقیر مقید بالخوف نہیں جیسے کہ جواب سے ظاہر ہے۔

اور اہم بات یہ ہے کہ اس میں فاقبلوا صدقۃ امر ہے والامر للوجوب تو قصر کرنا واجب و فرض ہوا اور اتمام ناجائز۔

شافعیہ کی طرف سے اس پر یہ بھی اعتراض ہے کہ قصر تو اس آیت میں منصوص علیہ ہے تو آپ کیسے کہتے ہیں کہ یہ آیت قصر سفر کے بارے میں نہیں ہے۔

جواب :- اولاً یہ ہے کہ اس میں نفس قصر کی تخصیص ہوئی ہے نہ کہ قصر سفر کی۔

ثانیاً نقول اگر ہم تسلیم کریں کہ اس آیت میں قصر سفر کا بھی ذکر ہے تو جواب یہ ہے کہ اس آیت کے

آخر میں قصر کیف کا بیان ہے یعنی صلوٰۃ الخوف اور شروع میں قصر کیت کا ذکر ہے تو یہ بطور تمہید کے ہے اور تمہید کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ پہلے سے معلوم ہو لہذا کہا جائے گا کہ قصر کم پہلے سے معلوم و معمول بہ تھا اور یہاں اس کا ذکر بطور تمہید ہے۔ یا اس لئے تاکہ دونوں قصرین کو ایک ساتھ جمع کیا جائے اس کی مثال ایسی ہے جیسے وضو پہلے سے معلوم و معمول بہ تھا لیکن سورۃ مائدہ میں اس کو تیمم کے ساتھ جمع کر دیا تھا بطور تمہید و برائے مناسبت۔

شافعیہ کا دوسرا استدلال حضرت عثمان و عائشہ کے عمل سے ہے کافی مسند احمد (5) وغیرہ کہ حضرت عثمان نے منیٰ میں اتمام کیا تھا اسی طرح کافی بخاری (6) عائشہ بھی اتمام کیا کرتی تھیں لہذا اگر اتمام جائز نہ ہوتا کما قالت الخفیہ تو یہ حضرات اتمام نہ کرتے۔

جواب :- ایک یہ ہے جیسا کہ حضرت عروہ سے بخاری (7) میں روایت ہے انما تاویل عائشہ کما تاویل عثمان حضرت عروہ کے اس قول سے ظاہر ہے کہ ان کے پاس مرفوع حدیث نہ تھی بلکہ تاویل عثمان کی طرح تاویل کرتی تھی۔ البتہ یہ تشبیہ فی التاویل جنس تاویل میں ہے نہ کہ اتحاد میں کیونکہ دونوں کی تاویلیں الگ الگ تھیں۔

وہ تاویل کیا تھی؟ تو اس میں متعدد اقوال ہیں قال ابن بطال کہ ان دونوں کے خیال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قصر پر عمل کیا تھا تو تیسیر اعلیٰ الامۃ کہ قصر البس و اہل ہے تو اتمام کو یہ حضرات عزیمت سمجھے کہ مشقت زیادہ ہے تو اس پر عمل کیا۔

لیکن زیادہ صحیح تاویل وہ ہے جو خود ان سے پہنچی (8) نے صحیح روایت کے ساتھ نقل کی ہے کہ جب حضرت عروہ نے پوچھا ان سے تو فرمایا یا ابن ابی انزلنا یقین علی کہ اتمام سے مجھ پر مشقت نہیں ہوتی۔ حضرت عثمان کی تاویل کے بارے میں متعدد روایات ہیں چنانچہ ایک قول امام زہری و ابی جیم نخعی سے یہ ہے کہ انہوں نے مکہ کو اپنا وطن بنا لیا تھا۔

قال الزہری ان عثمان اخذ الاموال بالطلائف قال النخعی اتخذها وطناً (ای مکہ)

(5) مسند احمد ص: ۱۳۷ ج: ۱ رقم حدیث ۴۴۳ (6) صحیح بخاری ص: ۱۳۷ ج: ۱ "باب الصلوٰۃ بمنیٰ"

(7) ص: ۱۳۸ ج: ۱ "باب ما قصر اذا خرج من موضع" (8) پہنچی کہی ص: ۱۳۳ ج: ۳ "باب من ترک القصر فی السفر"

بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے مکہ میں نکاح کیا تھا۔ (9)

مگر اس جواب پر اعتراض ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کو مکہ کو وطن بنانے سے منع فرمایا ہے دوسری بات یہ ہے کہ نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت میمونہ سے مکہ میں کیا تھا حالانکہ انہوں نے قصر نماز پڑھی۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر اس جگہ کو انہوں نے وطن بنایا بھی تو انہوں نے ہر جگہ اقام کیوں نہ کیا؟ اور عرفات اور مزدلفہ میں کیوں نہ کیا؟ اس لئے یہ تاویل ضعیف ہے۔

دوسری تاویل یہ منقول ہے کہ چونکہ وہ امیر المؤمنین تھے تو وہ ہر جگہ کو اپنا وطن سمجھتے تھے مگر یہ تاویل بھی ضعیف ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم و شیخین بھی اقام فرماتے اور یہ خود بھی شروع خلافت میں اقام فرماتے۔ تاویل ثالث یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک آدمی نے منیٰ میں حضرت عثمان سے کہا۔

انی كنت رأيتك تقصر عاماً ما ضياً فقصرت السنة كلها زعماً مني ان الصلوة ركعتان

چنانچہ حضرت عثمان نے پھر اقام شروع کیا کہ کہیں اعراب یہ نہ سمجھ لیں کہ نماز دو رکعت ہیں۔

مگر اس تاویل پر یہ اعتراض ہے کہ یہ علت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم و شیخین کے لئے بھی تھی مگر انہوں نے فریضے کو تبدیل نہ کیا۔

اعتراض ثانی یہ ہے کہ اگر اقام ہی کرنا تھا تو رکعتین اخیرین بقول حنفی نقل ہیں تو ان کو اعلان کرنا چاہیے تھا۔ اس لئے ان تمام تاویلات کے بجائے بہتر بات یہ ہے کہ حضرت عثمان و عائشہ نے اپنے اجتہاد سے اقام کو جائز سمجھا تھا لیکن اولاً تو ان کا یہ اجتہاد مرفوع احادیث کے مقابلے میں حجت نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ صحابہ نے بھی ان کے اس اجتہاد کو قبول نہیں کیا لہذا ان کا عمل شوافع کے لئے حجت نہیں بن سکتا چنانچہ ابن مسعود کو جب اس کا پتہ چلا تو انہوں نے "ان الله وانا اليه راجعون" کہا۔ (10)

شافعیہ کا تیسرا استدلال ابن مسعود کے نقل سے ہے کہ ابن مسعود نے حضرت عثمان کے پیچھے پوری نماز پڑھی ہے اگر اقام ناجائز ہوتا تو ابن مسعود اقام نہ فرماتے۔ (11)

(9) تفصیل کے لئے رجوع فرمائیے فتح الباری ص: ۵۰۷ و ۵۰۸ ج: ۲

(10) کذا فی صحیح البخاری ص: ۱۴۷ ج: ۱ (11) حوالہ بالا ایضاً سنن نسائی ص: ۲۱۲ ج: ۱ "باب الصلوة بمکي"

جواب :- جس لائنہ سرخی نے دیا ہے کہ جب حضرت عثمان نے کعبے میں نکاح کیا اور وہاں گھر بنایا تو مقیم ہوئے لہذا ان پر چار رکعتیں فرض ہوگئی تھیں۔ اس لئے ابن مسعود کا ان کے پیچھے چار رکعت پڑھنا جائز ہے کہ مقیم کے پیچھے مسافر کا اتمام اتفاقاً جائز ہے۔

اس جواب پر اعتراض ہے کہ ابو داؤد (12) میں ہے کہ ابن مسعود نے حضرت عثمان کے اتمام پر اعتراض کیا تھا اگر وہ مقیم تھے تو اعتراض کا کیا معنی؟

جواب :- امام سرخی نے یہ دیا کہ ابن مسعود کا اعتراض اس پر مبنی ہے کہ آپ اگر مقیم اور امیر المؤمنین ہیں لیکن منی میں دو رکعت پڑھنا سنت ہیں قصر تو آپ کو امام بننے کے بجائے مقتدی بننا چاہیے تھا کہ سنت رسول زندہ ہوتی۔ مگر یہ جواب سابقہ اعتراض کی وجہ سے کمزور ہے۔ (تذکر)

دوسرا جواب شاہ صاحب کا ہے کہ جب حضرت عثمان نے اپنے اجتہاد سے چار رکعت پڑھنے کا موقف اختیار کیا تو یہ اس مسئلے میں مجتہد بن گئے اور ایک مجتہد کے پیچھے دوسرے مجتہد کی نماز جائز ہے چنانچہ صحابہ ایک دوسرے کی اقتداء کرتے تھے حالانکہ وہ مجتہدین تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابن مسعود سے پوچھا گیا کہ آپ عثمان پر عیب بھی لگاتے ہیں اور پھر ان کے پیچھے نماز بھی پڑھتے ہیں تو فرمایا الخلاف شر۔ شافعیہ کا چوتھا استدلال روایت عائشہ سے ہے۔

اخرجه النسائي (13) والدارقطني (14) قالت: اعتمدت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم من المدينة الى مكة حتى اذا قدمت بمكة قالت يا رسول الله اباي انت فصرت ونعمت افطرت وصمت قال "احسنت يا عائشة وماعاب علي" معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں حضرت عائشہ اتمام کرتی تھیں اور حضور نے عیب بھی نہیں لگایا۔

جواب :- ایک یہ ہے کہ جہاں تک نسائی کی روایت کا تعلق ہے تو اس میں علاء بن زبیر ضعیف ہے

(12) ص: ۲۷۷ ج: ۱ "باب الصلوة بئس" (13) ص: ۲۱۳ ج: ۱ "باب التمام الذي يقصر بمثلہ والصلوة"

(14) ص: ۲۷۷ ج: ۲ رقم: ۲۷۷۱ ایضاً رواہ البیہقی ص: ۱۳۲ ج: ۲ "باب من ترك القصر الخ"

دارقطنی کی روایت کی اگرچہ انہوں نے تحسین کی ہے مگر ابن حجر ابن تیمیہ وابن قیم نے اس کی تضعیف کی ہے ابن قیم نے الہدیٰ (15) میں اپنے شیخ ابن تیمیہ سے نقل کیا ہے ہو کذب علی عائشہ اتمام عائشہ بحضور النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ حضرت عائشہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی مخالفت کرتیں یہ ممکن نہ تھا ابن حجر نے تلخیص المحیر (16) میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اس لئے صحیح نہیں کہ جب عائشہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے تاویل کی کہ مروی عروۃ فی البخاری معلوم ہوا کہ ان کے پاس اگر حدیث مرفوع ہوتی تو بجائے تاویل کے وہ یہ کہتی کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اتمام کرتی تھی۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عائشہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان میں عمرہ کرنا کہا ہوا لفظ ہرمن لفظ الحدیث یہ ثابت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کئے ہیں اور کوئی عمرہ رمضان میں ثابت نہیں تو یہ روایت کس طرح صحیح ہو سکتی ہے۔

جوابا شافعیہ کہتے ہیں کہ یہ سفر فتح مکہ کا واقعہ ہوگا۔

جواب :- سفر فتح مکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ عائشہ نہیں تھیں کما صرح بہ ابن حجر فی فتح الباری

بلکہ ہمراہ زینب و ام سلمہ تھیں۔

قال الشاہ اگر اس کو تسلیم بھی کیا جائے کہ یہ واقعہ فتح مکہ کا ہے اور اس سفر میں حضرت عائشہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھیں تو یہ مطلب نہیں کہ راستے میں اتمام کیا اور روزہ رکھا بلکہ مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد ایسا کیا اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں پندرہ سترہ یا اٹھارہ یا انیس دن تک قیام فرمایا بناء براختلاف روایات حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسافر تھے کہ ارادہ جنین جانے کا تھا لیکن تیاری میں اتنے دن لگ گئے عائشہ یہ سمجھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقیم ہیں اس لئے وہ اتمام کرتی رہیں لہذا اس سے اتمام فی السفر پر استدلال نہیں ہو سکتا ہے مطلب یہ ہے کہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت کا علم نہ تھا اس لئے اتمام کرتی رہیں اور اگر یہ بھی تسلیم ہو کہ عائشہ سفر میں اتمام کرتی رہی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرماننا احسن یا عائشہ از قبیل تحسین و تقریر نہیں حتیٰ کہ اس سے اجازت معلوم ہو جائے بلکہ از قبیل اغماض ہے چونکہ عائشہ کو مسئلہ کا علم نہ تھا اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتراض نہ

(15) کذا فی المعارف ص: ۴۵۸ ج: ۴

(16) ص: ۱۱۲ ج: ۲ تحت رقم حدیث ۶۰۳

کیا اس کی مثال ایسی ہے کمافی ابی داؤد (17) کہ دو صحابہ مدینے سے باہر تھے نماز کا وقت آیا پانی نہیں تھا تو دونوں نے تیمم کر کے نماز پڑھی پھر جب پانی ملا تو ایک نے وضو کر کے نماز کا اعادہ کیا نہ کہ دوسرے نے اور جب یہ واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان کیا تو جس نے اعادہ نہیں کیا تھا اس سے فرمایا اصبت السنۃ اور جس نے اعادہ کیا اس سے فرمایا لک الا جرمین حالانکہ پہلے کا عمل زیادہ صحیح تھا لیکن دوسرے کی بھی تصویب فرمائی کہ اس کو مسئلہ معلوم نہ تھا۔

شافعیہ کا پانچواں استدلال سنن دارقطنی کی روایت سے ہے وہیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کان یصوم ویفطر ویتم ویقصر۔ (18)

جواب:- یہ روایت بھی ضعیف ہے اگر چہ دارقطنی نے اس کی تصحیح کی ہے ابن قیم نے الہدی میں ابن تیمیہ سے نقل کیا ہے ہذا کذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم البتہ اس کی سند صحیح ہے لہذا یہ تاویل کی جائے گی کہ اس میں تصحیف ہوئی ہے اصل روایت یوں تھی کان ای رسول اللہ یقصر وتم ای عائشۃ وکان یفطر وتصوم اس میں واحد مؤنث کے صیغہ کو واحد مذکر بنایا گیا یہ مطلب نہیں کہ عائشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی و ہمراہی میں دوران سفر اتمام فرماتی بلکہ راوی نے اختصار کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو قصر فرماتے اپنے سفر میں اور عائشہ اتمام فرماتی اور روزہ رکھتی یعنی وصال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد۔ چھٹا استدلال امام نووی نے مسلم (19) کی روایت سے کیا ہے۔

ان الصحابة كانوا يسافرون مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فممنهم القاصر

ومنهم المتم

عبدالرحمن مبارکپوری نے تحفۃ الاحوذی میں علامہ شوکانی سے نقل کیا ہے کہ لم یحد فی الصحیح المسلم قولہ خود مبارکپوری کہتے ہیں کہ ہم نے بھی اس روایت کو نہیں پایا اگر بالفرض یہ روایت مسلم میں ہو بھی تو وان ثبت وهو فعل الصحابة لم يحصل له تقرير النبي عليه السلام۔ (20)

(17) ج: ۵۵، ۱: باب فی التعمیم بعد الماء بعد ما صلی فی الوقت (18) ج: ۱۶۸، ۲: رقم الحدیث ۲۲۷۵ ایضا سنن کبریٰ للبخاری ج: ۳، ۱۳۱: (19) کمافی شرح المسلم للوئی ج: ۳، ۲۳۱: (20) تحفۃ الاحوذی ج: ۱، ۱۰۶: ۳

خفیہ کے دلائل وہ تمام روایات جو ترمذی میں مذکور ہیں دال بر قصر ہیں۔

دوسری دلیل :- بخاری (21) میں عائشہ کی حدیث ہے۔

قالت الصلوة اول ما فرضت ركعتان فاقرت صلوة السفر واتمت صلوة الحضر
اور مسلم (22) کی روایت میں ہے وزید فی صلوة الحضر اس میں تصریح ہے اس بات کی کہ صلوة سفر
اپنے اصل پر ہے اس میں نہ کوئی کمی ہوئی نہ زیادتی لہذا سفر کی دو رکعت پر اضافہ ایسا ہوگا جیسے حضر کی چار رکعت پر
اضافہ۔

دلیل ۳ :- نسائی (23) میں صحیح سند کے ساتھ عن عمر مروی ہے۔

صلوة السفر ركعتان تمام غير قصر على لسان نبيكم صلى الله عليه وسلم۔

دلیل ۴ :- ابن عباس کی روایت مسلم (24) و نسائی (25) میں ہے۔

ان الله عز وجل فرض الصلوة على لسان نبيكم صلى الله عليه وسلم في الحضر
اربعا وفي السفر ركعتين لفظه للنسائي۔

قال صاحب التمهيد ابن عباس ديانة داروتقي ہیں جب وہ اللہ سے حکایت کرتے ہیں تو ان کے پاس
ضرور کوئی برہان ہوگی کہ یہ بدرک بالقیاس نہیں۔

دلیل ۵ :- نقل ابن حزم عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم صلوة

السفر ركعتان من ترك السنة فقد كفر۔ (26)

دلیل ۶ :- عن ابن عباس نقله المحشي من صلى في السفر اربعا كمن صلى في الحضر

ركعتين وهو قول عمرو علي وابن عباس وابن مسعود وجابر وابن عمر والثوري۔

(21) صحیح بخاری ص: ۱۳۸ ج: ۱ "باب بقصر اذا اخرج من موضع الخ" صحیح مسلم ص: ۴۴۱ ج: ۲

(22) عوالد بالا (23) ص: ۲۱۱ ج: ۱ "كتاب تقصير الصلوة في السفر" (24) صحیح مسلم ص: ۴۴۱ ج: ۱ "كتاب صلوة المسافرين الخ"

(25) ص: ۲۱۳ ج: ۱ "كتاب تقصير الصلوة في السفر"

(26) روی بمعناه عبد الرزاق فی مصنفه ص: ۵۲۰ ج: ۳ رقم حدیث ۴۲۸۱ ایضا حمادی ص: ۴۸۱ ج: ۱ "باب صلوة المسافر"

دلیل ۷:۔ یحییٰ بن امیہ کی روایت مسلم (27) میں ہے۔

وفیه صدقة تصدق الله بها علیکم فاقبلوا صدقته والامر للوجوب لان فاقبلوا
امر نقل صاحب التحفة عن الشوکانی قال الشوکانی فی آخر کلامه وقد لاح
من مجموع ما ذکرنا رجحان القول بالوجوب وامادعوی ان التمام افضل
فمندفوعة بملا: منته صلی الله علیه وسلم للقصر فی جمیع اسفاره وعدم صدور
التمام عنه (28)

مقصد یہ ہے کہ اتمام کی افضلیت کا قول باطل محض ہے کہ اس سے لازماً ماننا پڑے گا کہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے عمر بھر تک افضل کیا کہ ان سے اتمام ثابت نہیں حالانکہ آپ سے یہ بات مستحیل ہے بلکہ اگر اتمام
جائز بھی ہوتا تو کم از کم ایک مرتبہ بیان جواز کے لئے اتمام فرماتے کہ آپ بین للاحکام تھے واذلیس فلمیں۔

باب ماجاء فی کم تقصر الصلوة

اس باب میں امام ترمذی نے اس ترجمہ میں کم کی تفسیر ذکر کرنے کی کہ آیادت مراد ہے یا مسافت مراد ہے؟
اگر مدت مراد ہو تو مطلب یہ ہے کہ کتنی مدت سے دو قصر کرے سکے گا اور اگر مسافت مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ
کتنی مسافت سے دو قصر کرے گا اس ترجمہ میں دونوں تفسیروں کا احتمال ہے اس لئے عام شرح نے دونوں مسئلے
زیر بحث لائے ہیں اگرچہ باب کی حدیث مدت کے بارے میں ہے اور امام ترمذی نے بھی اسی میں اختلاف
واقوال نقل کئے ہیں۔

مسافت کے اعتبار سے بھی اس بارے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ داؤد ظاہری ودیگر اہل ظواہر
کہتے ہیں کہ ایک میل کی مسافت پر بھی آدمی قصر کر سکتا ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس بارے میں سولہ فرسخ یعنی
اڑتالیس میل کی روایت ہے حنفیہ کی روایات اس بارے میں مختلف ہیں بعض میں تین دن کی مسافت ہے بعض
میں تین مراحل امام ابو یوسف سے ایک روایت دو یوم واکثر یوم ثالث ہے حضرت شاہ صاحب عرف شذی میں

فرماتے ہیں کہ سولہ سے بائیس فرسخ تک کی روایات مشائخ حنفیہ سے مروی ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔ وئی قول ثمانیہ واربعون میل و ہوا لآخر لانه موافق لاحمد والشافعی میل سے مراومیل ہاشمی ہے جو چھ ہزار گز ہے اور ایک گز درمیانہ چوبیس انگلیاں معترضات ہیں اور ایک انگلی کی مقدار درمیانہ چھ جو ہیں معترضات۔

مسافت و مدت کے بارے میں یہ جو اختلاف الائمہ ہے اس کا اصل سبب یہ ہے کہ شارع سے کوئی تعین مروی نہیں البتہ آثار سے ائمہ نے استدلالات کئے ہیں تاہم عند بعض اہل الظواہر تین میل کی مسافت میں وہ قصر کرے گا۔

دلیل ۱:- سابقہ باب میں ہے۔

عن انس صلینا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الظهر بالمدينة اربعاً وبذی :

الحلیفة العصر رکعتین

مگر یہ استدلال ناقابل فہم ہے کیونکہ اگر چہ ذوالحلیفہ مدینے سے تین میل پر ہے مگر اس سے تین میل کی تحدید ثابت کرنا صحیح نہیں اس لئے کہ یہ توجہ الوداع کے سفر کا قصہ ہے جس میں مکہ جانا مراد تھا یہ راستے کے پہلے پڑاؤ کا ذکر ہے نہ کہ تحدید کا۔

دلیل ۲:- روی ابو داؤد (۱) عن انس کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خرج

مسيرة ثلاثة اميال او ثلاثة فراسخ شك شعبة بصلی رکعتین۔

جواب :- یہاں راوی کو میل اور فرسخ میں شبہ ہے اور شك سے تحدید ثابت نہیں ہوتی۔

پھر ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قصر کی اجازت تب ہوگی جب وہ آبادی سے نکل جائے عند مالک فی روایت تین میل چل کر اس کے بعد وہ قصر کر سکتا ہے شاید ان کی نظر سابقہ باب میں حضرت انس کی روایت پر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ پہنچ کر دو رکعت نماز پڑھی۔

جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں پر نزول فرمایا تو دو رکعت پڑھی اگر پہلے نزول فرماتے تو

پہلے دو پڑھتے۔

البتہ مشائخ حنفیہ کے اقوال اس بارے میں مختلف ہیں مشہور یہ ہے کہ مصر اور فناء مصر سے نکل جائے تب قصر پڑھنے کا مجاز ہوگا۔

صاحب تحفۃ الاحوذی نے لکھا ہے کہ بعض تابعین کا قول یہ ہے کہ عند ارادة السفر گھر سے بھی قصر کر سکتا ہے قال ابن العربي نفس نیت سے آدمی مسافر نہیں بنتا بلکہ عملی سفر بھی اس کا کرکرن ہے گویا سفر دو چیزوں سے مرکب ہے (۱) نیت (۲) عملی سفر۔

پھر اپنے شہر میں کوئی مسافر نہیں ہوتا لہذا سفر تب محقق ہوگا کہ پہ نیت سفر اپنے شہر سے نکل جائے۔ جہاں تک مدت کا تعلق ہے تو اس بارے میں بھی ائمہ کے متعدد اقوال ہیں۔ نقل ابن العربی ثلاثہ عشر تو لا نقل ابن منذر نحو عشرین تو لا البتہ ان میں سے بعض اقوال ضعیف استدلالات پر مبنی ہیں تو ان سے بحث زیادہ مفید نہیں۔

مشہور اقوال کما ذکرہ الترمذی اولاً سعید بن مسیب کا قول ذکر کیا ہے اذا اقام اربعاً صلی اربعاً رومی ذالک عند قادة وعطاء الخراسانی ان سے دوسری روایت پندرہ ایام کی ہے۔ ذکرہ الامام محمد (۲) فی الحج دوسرا مذہب حضرت علی کا قول دس دن کا ہے۔ تیسرا قول سفیان ثوری اور حنفیہ کا ہے ان کے نزدیک اگر آدمی پندرہ دن کی اقامت کی نیت سے ٹھہرے تو پوری نماز پڑھے گا اس سے کم میں یا بغیر نیت کے پندرہ سے زائد میں بھی قصر کرے گا مذہب رابع امام اوزاعی کا ہے کہ اذا جمع علی اقامۃ شتی عشرة اتم الصلوۃ۔

مذہب خامس ائمہ ثلاثہ کا ہے وقال مالک والشافعی واحمد اذا جمع علی اقامۃ اربع اتم الصلوۃ امام ترمذی نے ان سے ایک ہی قول نقل کیا ہے لیکن ان کے اقوال اس تحدید کے بارے میں مختلف ہیں۔ امام شافعی کے کئی اقوال ہیں۔ مشہور قول ان کا چار دن کا ہے اور اس میں دخول و خروج کا دن شمار نہیں کرتے۔

امام مالک سے بھی چار دن کی روایت مشہور ہے البتہ دخول و خروج والے دن میں ان سے اقوال متعدد ہیں۔

امام احمد سے مشہور روایت اکیس نمازوں کی ہے۔

چھٹا مذہب امام احنف کا ہے کہ اگر انیس دن کی نیت اقامت کر لی پھر تو اتمام کرے گا ورنہ قصر کرے گا۔ اس کے علاوہ اور بھی مذاہب ہیں ریجۃ الرائے کا مذہب یہ ہے کہ ایک شب و روز کی اقامت سے اتمام کرے گا ان تمام مذاہب میں سے سب سے تنگ مذہب سعید بن جبیر کا ہے کہ آدمی کسی قوم کے یہاں اتر جائے تو وہ اتمام کریگا۔ اور اوسع مذہب حسن بصری کا ہے کہ جب تک آدمی گھر واپس نہ آئے تو اس وقت تک وہ قصر کرے گا۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مسافر اگر کہیں اقامت کی نیت نہ کرے تو وہ قصر کرتا رہے چنانچہ فی النعمذی ثم اجمع اهل العلم علی ان للمسافر ان یقصر مالم یجمع اقامة وان اتی عبہ سنون۔ اس بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تحدید مروی نہیں اور کسی کے پاس مرفوع حدیث نہیں۔ باب کی روایت میں جو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں دس دن قیام فرمایا تو یہ حج واداع کا موقعہ ہے نہ کہ فتح مکہ کا فتح مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دس سے زیادہ دن ٹھہرے تھے۔ یہ روایت ائمہ ثنائہ کے خلاف ہے کہ وہ چار دن سے تحدید کرتے ہیں۔

وہ جو ابنا کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چار ذی الحجہ کو مکہ میں داخل ہوئے اور پھر آٹھ کو وہاں سے منی کے لئے روانہ ہوئے تھے تو مکے میں فقط چار دن قیام ہوا اور راوی نے دس دن مکہ منی اور واپسی کے ایام ملا کر کہا ہے۔ اس توجیہ کے مطابق منی کو مکے سے باہر ماننا پڑے گا۔

اس کے بعد جو ابن عباس کی معلق روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اسفار میں انیس دن تک قیام فرمایا پھر بھی دو دو رکعت پڑھتے رہے اس سے مراد فتح مکہ کا واقعہ ہے اسی روایت سے امام احنف استدلال کرتے ہیں۔

حنفیہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ یہاں قیام کا نہ تھا بلکہ حنین جانے کا تھا اس لئے آپ کو مقیم نہیں کہیں گے۔

رہی یہ بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں کتنے دن قیام فرمایا تو بعض روایات میں پندرہ

بعض میں سترہ اٹھارہ اور انیس دن تک کی روایات ہیں (3) تطبیق یوں ہوگی کہ بعض مرتبہ خروج و دخول کے دنوں کا اعتبار نہ کیا تو سترہ ذکر کیا بعض نے خروج کا اعتبار نہ کیا تو اٹھارہ ذکر کیا بعض نے دنوں کا اعتبار کیا تو انیس ذکر کیا پندرہ کی روایات میں جنگ سے پہلے کے تین دن کو شمار نہیں کیا گیا تو پندرہ ذکر کیا۔

شافعیہ وغیرہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابھی دشمن سے مامون نہیں تھے کہ ہوازن ثقیف وغیرہ کے ساتھ ابھی معرکہ باقی تھا اگرچہ مکہ فتح ہو چکا تھا لہذا ان انیس دنوں کو قیام پر محمول نہیں کیا جائے گا۔

دونوں جوابوں میں فرق یہ ہے کہ حنفیہ اسی طرح ابن عباس و ابن عمر فتح مکہ کے قیام کا اعتبار کرتے ہیں لیکن حنفیہ کے نزدیک اقامت کی نیت نہیں تھی۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیام کی نیت فرماتے تو مقیم بن جاتے کیونکہ اگرچہ طائف میں دشمن موجود تھا مگر بہت دور تھا اس لئے فتح مکہ کے بعد مکہ ارض امن تھا۔ اور شافعیہ فتح کے باوجود مکہ کو ارض امن نہیں کہتے۔

حنفیہ کا استدلال قول ابن عمر سے ہے جسے امام ترمذی نے تعلیقاً ذکر کیا ہے وروی عن ابن عمر انه قال من اقام خمسة عشر يوماً اتم الصلوة یہی روایت ابن عباس سے بھی مروی ہے۔ نسائی (4) طحاوی (5) ابن ماجہ (6) اور ابوداؤد (7) ان سب نے ابن عباسؓ سے پندرہ دن کی روایت نقل کی ہے مولف تھا ابن عمر البتہ امام نووی نے خلاصہ میں ابن عباسؓ کی پندرہ دن والی روایت کی تضعیف کی ہے کہ چونکہ اس کا راوی محمد بن اسحق ہے اس لئے ناقابل استدلال ہے۔

اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ محمد بن اسحق حسان کے راوی ہیں کما مر لہذا ان کی روایت قابل استدلال ہے۔

جواب ۲:- ابن حجر نے امام نووی کا تعقب کرتے ہوئے فتح الباری میں دیا ہے فرماتے ہیں کہ اس میں

(3) چنانچہ ۱۹ کی روایت بخاری ص: ۱۴۷ ج: ۱ پر ہے اور ۱۸، ۱۷، ۱۵ کی روایات ابوداؤد ص: ۱۸۰ ج: ۱ "باب منی یم المسافر" پر ملاحظہ فرمائیے۔ (4) نسائی ص: ۲۱۳ ج: ۱ "باب النقام الذی یقصر بثلث الصلوة" (5) طحاوی ص: ۲۷۸ ج: ۱ "باب صلاة المسافر" (6) ص: ۷۵ "باب کم یقصر الصلاة المسافر اذا قام ببلدة" (7) ص: ۱۸۰ ج: ۱

ابن اخیلق منفرد نہیں بلکہ نسائی نے عراق بن مالک عن عبید اللہ کے طریق سے بھی اس کی تخریج کی ہے اور وہ طریق صحیح ہے اسی طرح ابن عباس کا فتویٰ بھی مؤطا مالک (8) میں پندرہ ایام کا ہے جو حنفیہ کے عین مطابق ہے۔
ائمہ ثلاثہ کا استدلال سعید بن المسیب کے اثر سے ہے۔

نقلہ الترمذی وروی عن سعید بن المسیب انه قال اذا اقام اربعاً صلی اربعاً۔

اس کے بھی دو جواب ہیں ایک یہ کہ سعید بن مسیب کا قول کوئی مرفوع حدیث نہیں اور نہ ہی یہ صحابی ہیں تو ابن عمرو ابن عباس کا مذہب وفتویٰ واثران کے مقابلے میں زیادہ قابل تقلید ہے۔۔۔

جواب ۲:- سعید بن مسیب سے دوسرا قول پندرہ ایام کا ہے جسے امام محمد نے الحج (9) میں نقل کیا ہے۔ امام ترمذی نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے وروی عن داؤد بن ابی ہند خلاف ہذا (وہو موافق للحنفیہ)

باب ماجاء فی التطوع فی السفر

رجال:-

صفوان بن سلیم مصغراً ثقہ ہیں۔ ابی یسرة بضم الباء الموحدة وسكون السين مقبول من الرابعة۔ سیوطی فرماتے ہیں کہ تابعی ہیں مگر نام معلوم نہیں ابن حبان نے توثیق کی ہے ان سے فقط یہی ایک روایت مروی ہے۔

واضح رہے کہ یہ ابوبصرہ بالصاد سے غیر ہیں ابوبصرۃ الغفاری صحابی ہیں جن کا نام حسیل بالصغیر ہے۔ ✽

تشریح:-

سفر میں نوافل اور رواتب کی حیثیت کیا ہے؟ تو امام نووی (1) نے اس میں تین اقوال نقل کئے ہیں

(8) کافی نصب الراية ص: ۱۹۰ ج: ۲ "صلاة المسافر" (9) کذا فی الجاریف ص: ۴۷۵ ج: ۴

باب ماجاء فی التطوع فی السفر

(1) ذکرہ فی شرح انودی علی صحیح مسلم ص: ۴۴۲ ج: ۱

ایک قول منع مطلق کا ہے دوسرا قول جواز مطلق کا ہے۔ اور تیسرا قول رواج و نوافل میں فرق کا ہے۔

ابن حجر (2) نے اس پر دو اقوال کا اضافہ کیا ہے ایک سنن قبلہ و بعد یہ میں فرق کا ہے کہ سنن قبلہ پڑھ لے اور بعد یہ چھوڑ دے جب یہ ہے کہ سنن قبلہ فرضوں سے اقامت کی وجہ سے منفصل ہو جاتی ہیں جبکہ بعد یہ میں اتصال ہوتا ہے تو شبہ اتمام پیدا ہوتا ہے۔

پانچواں قول دن اور رات کے نوافل و رواتب میں فرق کا ہے کہ دن کو نہ پڑھے رات کو پڑھنا چاہے تو پڑھ لے۔

معارف السنن (3) میں علامہ بنوری نے لکھا ہے کہ مجھے امام ابو حنیفہ کا قول معلوم نہ ہو سکا ہے البتہ فقہاء حنفیہ کے اقوال اس بارے میں پانچ یا چھ ہیں۔ ایک یہ ہے کہ پڑھنا افضل ہے۔

دوسرا یہ ہے کہ رخصت کو قبول کرتے ہوئے ترک افضل ہے۔

ہندوانی کا قول یہ ہے واختاره شارح المذیہ المصلى بل اکثر الحنفیہ يرجحونہ کہ حالت سیر میں ترک افضل ہے اور عند النزول پڑھ لے کہ ہوٹل وغیرہ میں اقامت ہو مثلاً۔

چوتھا قول یہ ہے کہ سنن فجر کو ادا کرنے کی وجہ سے پڑھ لے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم (کمافی ابی داؤد) لا تدعوهما وان طردتکم الخیل (4) اور ذکر خیل میں اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ سفر میں بھی نہ چھوڑو کہ خیل عام طور پر سفر میں ہمراہ ہوتے ہیں۔

پانچواں قول یہ ہے کہ فجر و مغرب دونوں وقتوں کی سنت پڑھ لے باقی چھوڑ دے۔

چھٹا قول صاحب تنقیس کا ہے کہ عند الامن والاطمینان سنن پڑھ لے اور عند الخوف چھوڑ دے۔

علامہ شامی نے اس تنقیس کے قول کو ہندوانی کے قول کی طرف راجع کر کے ایک قرار دیا ہے تو اس طرح کل پانچ قول ہو جائیگے۔

(2) کمافی فتح الباری ص: ۸۰ ج ۲، باب من تطوع فی السفر فی غیرہ بالصلاۃ (3) ص: ۴۸۰ ج ۴

(4) ابوداؤد ص: ۱۸۱ ج ۱، باب فی تحقیقہما

امام ترمذی نے پہلا قول یہ نقل کیا ہے کہ فرای بعض اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان ینطوع الرجل فی السفر وہ یقول احمد واسحق۔

معارف میں ابن قدامہ (5) کے حوالے سے اس کو امام مالک و شافعی کا بھی قول قرار دیا ہے اور یہی بعض مشائخ حنفیہ کا بھی قول ہے۔

قول ثانی ترمذی نے یہ ذکر کیا ہے ولم یطاکتہ من اہل العلم ان یصلی قبلہا ولا بعدہا قال اللمکتو ہی فی الکوکب کہ اس دوسرے قول کا مطلب یہ ہے کہ یہ مقصد نہیں کہ قبل الفرض و بعدہ نماز پڑھنا جائز نہیں جائز تو ہے مگر وہ سنت نہیں اور اس سے پہلے قول کا مطلب یہ ہے کہ رواتب کی سلیت بھی باقی ہے مگر تاکید نہیں یعنی وہ تاکید نہیں جو حصر میں ہوتی ہے۔

معارف میں ابن تیمیہ و ابن قیم سے مطلقاً منع منقول ہے قبلہ بھی اور بعد یہ بھی یہ اقوال عموماً رواتب کے بارے میں ہیں ورنہ غیر رواتب سواری پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اسی طرح صحیح سند کے ساتھ ابن ابی شیبہ (6) نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ ابن عمر نے سفر مکہ میں سواری پر نماز پڑھی ہے۔

قال الشاہ رواتب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سفر میں کبھی کبھار ثابت ہیں لکن الاکثر اداء القبلیۃ لا البعدیۃ وقیل ان الثابت عنہ علیہ السلام مطلق النافلۃ لیلاً ونہاراً وقیل ثبت النافلۃ المطلقۃ لیلاً ولا نہاراً واقوال آخر فی هذه المسئلة وفي البحر عمل محمّد بن الحسن انه كان لا یصلی الرواتب اذا كان فی حال السیر وكان یصلیہما فی حال النزول۔

البیہ بخاری صاحب معارف میں فرماتے ہیں کہ مجھے یہ قول نہیں ملا بخاری میں ابن عمر سے اس بارے میں روایات متعارض ہیں صحیحین (7) کی روایات جو ان سے مروی ہے اس سے انکار رواتب معلوم ہوتا ہے اور ترمذی کی روایت سے ثبوت معلوم ہوتا ہے کہ مسائل قبلہ ترمذی و صلیت معہ فی السفر الظہر رکعتین و بعدہ رکعتین اسی طرح مغرب کے بعد بھی دو رکعت پڑھنے کا ثبوت ہے اس میں متعدد طریقوں سے تطبیق دی گئی ہے۔

(5) مفتی لابن قدامہ ص: ۱۳۱ ج: ۲ بحوالہ معارف السنن (6) کافی فتح الباری ص: ۵۷۸ ج: ۲

(7) صحیح بخاری ص: ۱۳۹ ج: ۱ "باب من لم یطوع فی السفر" صحیح مسلم ص: ۲۳۲ ج: ۱

ایک طریقہ یہ ہے کہ لٹی کی روایات سے مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر نہیں پڑھتے تھے اور ثبوت کی روایت کا مطلب یہ ہے کہ احیاناً پڑھا کرتے تھے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ایسی منزل میں کہ جہاں پر شغل نہ ہو فراغت اور جلدی نہ ہو تو پڑھ لیتے اور جلدی کی صورت میں یا شغل کی صورت میں چھوڑ دیتے۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ سارا (چلتے ہوئے) پڑھتے تھے نہ کہ نازل۔ قال اللکھوی فی الکوکب انکار کی روایت نفی تاکید پر محمول ہے اور اثبات کی روایت نفس ثبوت اور بغیر تاکید کے پڑھنے پر۔ تاہم آج کل بسوں کے سفر میں دوران سفر چونکہ لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے پھر یہ گاڑی نہ روکنے کا موجب و سبب بھی بن سکتا ہے اس لئے ترک اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم

باب فی الجمع بین الصلوٰتین

رجال:-

ابو الطفیل کا نام عامر بن واہلہ ہے صغار صحابہ میں سے ہیں غزوہ احد کے سال ان کی ولادت ہوئی سب سے اخیر میں علی القول الصحیح وفات پانے والے صحابی ہیں۔ تاریخ وفات علی الرانج ۱۱۰ ہجری ہے مکہ میں ان کا انتقال ہوا بعض روایات میں سے ہے کہ سب سے اخیر میں جابر بن عبد اللہ جبکہ بعض میں ہے کہ انس وفات پانے والے اخیر صحابی ہیں۔ (۱) ☆

تشریح:-

جمع بین الصلوٰتین کے بارے میں اگرچہ پوری تفصیل اسی مسئلے کے ضمن میں گذر چکی ہے یہاں ترمذی نے دوبارہ ذکر فرمایا اور اس میں حضرت معاذ کی حدیث کی تخریج کی جو غزوہ تبوک کے بارے میں ہے تبوک میں

مشہور یہ ہے کہ یہ غیر منصرف ہے زلیغ الشمس سے مراد زوال الشمس ہے۔

خلاصہ روایات یہ ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر تبوک میں سورج کے زوال سے پہلے کوچ فرماتے تو ظہر کی نماز کو مؤخر کر کے عصر کے ساتھ پڑھ لیتے اسی طرح مغرب میں بھی اور اگر زوال کے بعد جانے کا ارادہ فرماتے تو عجل العصر الی الظہر و صلی الظہر والعصر جمعاً مغرب میں بھی یہی عمل ہوتا تھا اسی باب میں آگے ابن عمر کا قصہ بھی نقل کیا گیا ہے۔ انہ استغیث الاستغاثہ ہو طلب الاغاثہ ای طلب منہ الاغاثہ اس سے مراد حضرت صفیہ بنت ابی عبید ہیں جو ان کی بیوی تھی جب وہ مدینہ سے باہر تھے تو سخت بیماری میں مبتلا ہوئی پیغام بھیجا کہ میں آخرت کے پہلے اور دنیا کے آخری دن میں ہوں اطلاع جب پہنچی فجد بہ السیر جد کا معنی اہتم بہ و اسرع یعنی جلدی سے نکلے تاہم وہاں پہنچنے پر اللہ نے ان کو شفا دی اور وہ زندہ رہیں یہاں تک کہ ابن عمر کی وفات کے بعد ان کا انتقال ہوا اس سفر میں آخر المغرب حتی غاب الشمس ثم نزل فجمع پیہما پھر فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

اس مسئلے میں چھ یا سات اقوال ہیں کہ جمع بین الصلوٰتین جائز ہے یا نہیں اور اختلاف مذاہب بوجہ اختلاف روایات کے ہے بعض سے مطلق جمع کا پتہ چلتا ہے بعض سے جمع صوری اور بعض سے جمع حقیقی کا بعض محدثین نے بعض روایات کی تضعیف کی ہے بعض نے تصحیح اور بعض نے قیاس کو دخل دیا کہ عرفات و مزدلفہ میں بوجہ ضرورت جمع ہو سکتا ہے تو سفر و حضر میں بھی جمع ہو سکتا ہے۔

اس باب میں تمام روایات فعلیہ ہیں قولیہ نہیں۔ اکثر صحابہ و تابعین شافعی و احمد مطلق جمع کے قائل ہیں یعنی جمع تقدیم ہو یا تاخیر اسی طرح سائر آہو یا نازل آہو مجہد آہو یا غیر مجہد۔

دوسرے مذاہب امام ابو حنیفہ، حسن بصری، محمد بن سیرین، ابراہیم نخعی، اسود ابن مسعود اور حضرت جابر کا ہے کہ سوائے مزدلفہ و عرفات کے باقی کسی بھی جگہ کسی بھی صورت میں جمع واقعی جائز نہیں البتہ جمع صوری کر سکتے ہیں۔

تیسرے مذاہب امام مالک کا ہے کہ مجہد سائر کے لئے جمع جائز ہے نہ کہ مجہد غیر سائر کے لئے۔

چوتھے مذاہب امام شافعی کا ہے کہ جمع فقط سائر کے لئے جائز ہے نہ کہ نازل کے لئے۔

پنجمے مذاہب امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب ہے کہ معذور کے لئے جمع جائز ہے۔

مذہب سادس یہ ہے کہ جمع تاخیر جائز ہے نہ کہ جمع تقدیم۔ یہ ایک روایت ہے امام مالک و احمد سے اسی کو ابن حزم نے پسند کیا ہے۔

ساتواں قول امام مالک سے مصریوں نے نقل کیا ہے کہ جمع مکروہ ہے۔

صاحب تحفہ نے لکھا ہے کہ شافعیہ کے نزدیک بھی ترک جمع افضل ہے۔

حنفیہ کے دلائل و مخالفین کے دلائل کے اجوبہ پہلے گزر چکے ہیں فلیراجع۔ البتہ مجوزین کی اقوی دلیل یہ معاذ بن جبل کی حدیث ہے جو مذکور فی الباب اولاً ہے۔

جواب یہ ہے کہ یہ روایت اولاً ناقابل استدلال ہے ایک اس لئے کہ امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے قتیبہ سے پوچھا کہ آپ نے یہ حدیث کس کے ساتھ لکھی تو انہوں نے کہا کہ خالد المدائنی کے ساتھ تو قال البخاری کان خالد المدائنی یغل الاحادیث علی الشیوخ۔ بخاری کا مقصد یہ ہے کہ کہ لیث بن سعد کے دوسو شاگردوں میں سے سوائے قتیبہ کے کوئی دوسرا اس کو روایت نہیں کرتا معلوم ہوا کہ کوئی علت خفیہ موجود ہے راوی سارے ثقہ ہیں۔ البتہ بعض و ضاعین اپنے ہم نشینوں کو غلط احادیث سمجھاتے تھے تو خالد المدائنی احادیث وضع کر کے شیخ کے خط کے مشابہ لکھ کر شیخ کی کتاب میں رکھتا شیخ وہ سنا دیتا کہ میرا خط ہے۔

امام ابوداؤد نے اس حدیث کو منکر کہا ہے امام حاکم نے موضوعی قرار دیا ہے اور ابن حزم نے منقطع جیسا کہ علامہ عینی نے نقل کیا ہے۔ (2)

حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ یحییٰ بن معین نے خالد المدائنی سے سنی ہوئی روایات کو جلاڈالنا قال ابوداؤد و لیس فی تقدیم الوقت حدیث قائم۔

دوسری بات یہ ہے کہ طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت معاذ سے یہی روایت نقل کی ہے اس میں تصریح ہے کہ ظہر کو تا عصر مؤخر فرماتے (3) اس لئے علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اس ترمذی والی روایت کو بھی جمع صوری پر محمول کریں گے مقصد یہ ہوگا کہ جب بعد الزوال سفر فرماتے تو اس وقت پڑھنا مرام نہیں بلکہ ظہر کو مؤخر فرما کے جمع بین الصلواتین فرماتے۔ یہ تو جیہ اس لئے ضروری ہے تاکہ حضرت معاذ کی احادیث باہم

متعارض نہ ہو جائیں۔

اسی طرح عن انس صحیحین (4) میں مروی ہے کہ کان اذا جعل به السير اخر الظهر الى وقت العصر۔

باب ماجاء في صلوٰۃ الاستسقاء

رجال:-

عبد بن تعیم المدنی ثقة من الثالثة۔ عن حمہ ان کے عم کا نام عبد اللہ بن زید بن عامر ہے۔ ☆

تشریح:-

استسقاء کا معنی ہے طلب اسقیاء ای المطر او طلب استی یعنی سیرابی طلب کرنا۔ امام ترمذی نے یہاں متعدد احادیث کی تخریج کی ہے پہلی حدیث عبد اللہ بن زید سے مروی ہے جس میں دو رکعت صلوٰۃ الاستسقاء کا ذکر ہے۔

دوسری حدیث ابی اللہ سے ہے تقریب میں ہے قبل اسمه عبد اللہ کان لا یاکل اللحم مطلقاً اولحم الا صنم فلقلب بابی اللحم وہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دینے کے مقام پر دیکھا جو عینہ میں ایک جگہ کا نام ہے فی القاموس سمیت لسوا اجازہا کا نہا طلیت بالزیت۔
قال المدنی لوگ اس پر زیتون رکھ کر بچا کرتے تھے اس لئے اس کو اجاز الزیت کہتے ہیں وہ موقع بکفیرہ ای رافع ید یہ۔

تیسری حدیث ابن عباس سے ہے جس میں ہے کہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج متبذلاً ای تارکاً للزینۃ قال ابن العربی کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ بٹھے پکڑے پہنے بلکہ مقصد یہ ہے کہ عید کی طرح تیاری اس کے لئے نہیں کی بلکہ معمول کے کپڑوں میں نکلے۔

(4) صحیح بخاری ص: ۱۵۰ ج: ۲ باب غر الظہر الی احصر الخ صحیح مسلم ص: ۴۳۵ ج: ۱ باب جواز الجمع بین الصلاۃ ین فی سفر
ولفظ صحیح مسلم کنذا اذا جعل علیہ السمر غر الظہر الی اول وقت احصر الخ

استسقاء کا ثبوت کتاب اللہ سنت واجماع میں سے ہے۔

کتاب اللہ کی آیت یہ ہے "فقلت استغفروا ربکم انه کان غفاراً یرسل السماء علیکم

مدراراً"۔ (1)

سنت سے صحیح احادیث سے کئی مرتبہ استسقاء ثابت ہے جن کی تعداد کم از کم چھ تک ہیں۔ ان میں بعض سفر میں اور بعض حضر میں نیز امت کا بھی اس پر اجماع من غیر تکیر ثابت ہے۔

استسقاء کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) دعاء کی جائے جس میں نہ نماز ہو نہ خطبہ ہو۔

(۲) دوسری قسم یہ ہے کہ خطبہ جمعہ یا فرض نماز کے بعد دعاء ہو جائے۔ یہ قسم پہلی قسم سے افضل ہے۔

(۳) تیسری صورت جو افضل ترین ہے وہ یہ کہ دو رکعت دو خطبوں کے ساتھ پڑھی جائے نماز سے پہلے

صدقہ دیا جائے روزہ رکھا جائے اور توبہ کی جائے۔

پہلی قسم ترمذی کی ابی اللہ کی روایت سے ثابت ہے۔ دوسری قسم انس کی حدیث جو صحیحین (2)

میں مروی ہے اس سے ثابت ہے۔ تیسری قسم حضرت زید کی حدیث سے ثابت ہے۔

مختصر القدوری وغیرہ (3) میں ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک صلوٰۃ الاستسقاء مسنون نہیں بعض کتب

میں ہے کہ ان کے نزدیک صلوٰۃ استسقاء میں نماز نہیں تو بعض نے یہ مطلب سمجھا کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک صلوٰۃ

استسقاء بدعت ہے کما فی العارضۃ لیکن یہ بات صحیح نہیں کیونکہ یہاں طرق مختلف ہیں کما مر۔

تو ائمہ ثلاثہ نے نماز کو اصل قرار دیا اور دعا کو جائز جبکہ امام نے دعا کو اصل قرار دیا ہے جبکہ نماز جائز

نفس مسنون یا مستحب ہے سنت مؤکدہ نہیں۔ لہذا امام کی طرف بدعت کے قول کی نسبت صحیح نہیں اور یہ ایسا ہی ہے

جیسا کہ اختلاف ہوا ہے خطبے کے بارے میں کہ اس میں خطبہ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو ایک ہے یا دو؟ بنا بر ہر تقدیر

باب ما جاء فی صلوٰۃ الاستسقاء

(1) سورۃ نوح رقم آیت ۱۰۰ و (2) صحیح بخاری ص: ۱۳۷ ج: ۱ "باب الاستسقاء فی السجۃ الجامع" صحیح مسلم ص: ۲۹۳ ج: ۱ "صلوٰۃ

الاستسقاء" (3) ص: ۳۶ "باب صلوٰۃ الاستسقاء"

خطبہ نماز پر مقدم ہے یا مؤخر؟ اسی طرح تحویل رداء ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس وقت ہے؟ علیٰ ہذا القیاس اس میں تکبیرات کا لعیدین ہوگی یا نہیں؟ امام عند الخطبۃ متوجہ الی القبلۃ ہوگا یا الی القوم؟ یہ سارے اختلافات اس بات کی علامت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معین طریقہ ثابت نہیں۔ چنانچہ امام احمد اور امام ابو یوسف ایک خطبہ کے قائل ہیں۔ امام مالک امام شافعی اور امام محمد دو خطبوں کے قائل جو کہ بعد الصلوٰۃ ہونگے۔

صلوٰۃ الاستسقاء میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک قراءت سری ہوگی صاحبین دائرہ ثلاثہ کے نزدیک قراءت جہری ہوگی البتہ جہران کے ہاں مسنون ہے واجب نہیں۔

تحویل رداء میں امام ابو یوسف کے اقوال مختلف ہیں امام محمد فرماتے ہیں کہ تحویل رداء فقط امام کے لئے ہے اور یہی مذہب ایضاً اور بعض مالکیہ کا ہے جبکہ دائرہ ثلاثہ کے نزدیک امام اور قوم سب کے لئے ہے۔

پھر تحویل کس وقت کی جائیگی تو ابن الماشون کے نزدیک جب خطبے کا کچھ حصہ ہو جائے ابن القاسم کی روایت میں ہے کہ خطبہ ختم ہونے کے بعد اور یہ امام شافعی کا بھی مذہب ہے۔ امام مالک کی مشہور روایت بھی اسی کے مطابق ہے۔ قبل تحویل دونوں خطبوں کے درمیان ہوگی۔

مسلم (4) کی ایک روایت میں ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم استسقی فاشار بظہر کفہ الی السماء

اس روایت کی بناء پر بعض علماء اس کے قائل ہیں کہ صلوٰۃ الاستسقاء کی دعائیں ہاتھوں کو اس طرح رکھے کہ بطون زمین کی طرف ہوں اور ظہور آسمان کی طرف۔

قلی النووی (5) قالت جماعة من اصحابنا وغيرهم ان السنة فی کل دعاء لرفع البلاء کالقصط او غیرہ ان یرفع یدہ ویحمل ظہر کفہ الی السماء واذاعا لسؤال شیء وتحصیلہ جعل بطن کفہ الی السماء

حاصل یہ کہ جو دعاء طلب و تحصیل شیء کے لئے ہو تو اس میں بطون اکف آسمان کی طرف ہونگے جیسے کہ کوئی چیز آپ لے رہے ہیں اور جو دعاء دفع مضرت کے لئے ہو جیسے بلا قحط سالی و دشمن وغیرہ تو اس میں بطون

زمین کی طرف ہو گئے جیسے کوئی آدمی کسی چیز کو دفع کر رہا ہے۔ وہ روایت عن مالک و بہ قال صاحب البحر من الاحناف امام احمد سے بھی اس کے مطابق قول مروی ہے البتہ ایک جماعت مذاہب اربعہ میں سے اس بات کی قائل ہے کہ استسقاء وغیرہ میں اسی طرح رفع ایدی ہوگا جس طرح عام ادعیہ میں ہوتا ہے جیسے دعائے حاجت کی طرح کہ بطون کفین سماء کی طرف ہو گئے۔

اور جواب مسلم کی روایت کا یہ دیتے ہیں کہ اس سے مراد رفع بلوغ ہے کہ بہت زیادہ اٹھائے تھے اس توجیہ سے یہ اشکال بھی رفع ہوا کہ صحیحین کی بعض روایت میں (6) ہے کہ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یرفع یدیه فی شیء من دعائه الا فی الاستسقاء و جہد رفع یہ ہے کہ مراد رفع سے رفع بلوغ ہے کہ کسی اور دعاء میں اتنا مبالغہ نہیں کیا نفس رفع ایدی کیا ہے۔ تاہم اس جواب سے شرح صدر نہیں ہوتا ہے۔

صلوۃ الاستسقاء میں تکبیرات کا مسئلہ بھی اختلافی ہے قال الشافعی کہ استسقاء میں بھی عیدین کی طرح تکبیرات ہوگی پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ کل بارہ تکبیرات ہوگی۔ عند الجمہور فقط اس میں تکبیر تحریمہ ہے زوائد نہیں۔

دلیل شافعی یہ ہے کہ دارقطنی (7) مستدرک حاکم (8) اور بیہقی (9) کی ایک روایت ابن عباس سے ہے جس میں پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیروں کا ذکر ہے۔
جمہور کی طرف سے اس کے دو جواب ہیں۔

جواب اول یہ ہے کہ آپ کی متادل روایت محمد بن عبد العزیز وابوہ عبد العزیز دونوں کی وجہ سے ضعیف ہے۔

جواب ثانی یہ ہے کہ یہ روایت روایت انس جو قوی ہے اس کے ساتھ معارض ہے رواہ الطبرانی (10) کہ لم یکمر فیہما الا تکبیرۃ۔

(6) کما فی المستدرک للحاکم ص: ۳۲۷ ج: ۱ "تقلب الرواء والتکبیرات والقراءۃ فی صلاۃ الاستسقاء"

(7) دارقطنی ص: ۵۳ ج: ۲ رقم الحدیث ۱۷۸۲ (8) ص: ۳۲۶ ج: ۱

(9) بیہقی کبریٰ ص: ۳۳۸ ج: ۳ "باب الدلیل علی ان السنۃ فی صلاۃ الاستسقاء الخ"

(10) بحوالہ نصب الراية ص: ۳۳۸ ج: ۲

باب فی صلوٰۃ الکسوف

رجال:-

اسود بن قیس ثقہ من الرابۃ۔ ثعلبہ بن عباد بروزن کتاب مقبول ہیں۔ میزان میں ہے کہ تابعی ہیں۔
ابن الدبی فرماتے ہیں کہ یہ بخاریل سے روایت کرتے ہیں۔ ☆

تشریح:-

کسوف تغیر کو کہتے ہیں اور خسوف یا حسف الارض نیچے کی طرف جانے کو کہتے ہیں قال اللہ تعالیٰ
”فحسفنا بہ ویدارہ الارض“ اور حسف الخیر ذہاب النور کو کہتے ہیں۔ قال بعض اہل اللغۃ ان الکسوف والخسوف
لفظان مترادفان تو ہر ایک پر دوسرے کا اطلاق ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ کسوف عام ہے دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے
سورج گرہن ہو یا چاند گرہن ہو جبکہ خسوف چاند گرہن کے ساتھ خاص ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ کسوف سورج گرہن
کے لئے جبکہ خسوف چاند گرہن کے لئے استعمال ہوتا ہے فقہاء کی اصطلاح اسی کے مطابق ہے۔

سورج اس وقت گرہن ہوتا ہے جب ناظر اور سورج کے درمیان چاند حائل ہو جائے اور چاند اس وقت
گرہن ہوتا ہے جب سورج اور چاند کے درمیان کرہ ارض حائل ہو جائے تو جتنے حصے پر زمین کا سایہ پڑھے گا
اتنا حصہ چاند کا گرہن ہوگا۔

قال ابن العربی فی العارضۃ کہ صلوٰۃ کسوف انیس راویوں سے منقول ہے امام ترمذی نے بھی تقریباً
سولہ نام روایات کے ذکر کئے ہیں۔

جمہور اصحاب سیر کے نزدیک کسوف شمس سن دس ہجری میں واقعہ ہوا اکثر روایات سے یہی معلوم
ہوتا ہے کہ مدنی دور میں فقط مرۃ گرہن ہوا ہے اور متعدد روایات سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس
میں جماعت کرائی ہے تاہم چہ طریق جماعت کیفیت صلوٰۃ کے بارے میں کافی تعارض ہے جسکا حل آگے
آ رہا ہے بعض حضرات تطبیق یوں دیتے ہیں کہ یہ تعدد واقعات کی وجہ سے ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ واقعہ فقط ایک دفعہ

ہوا ہے کیونکہ جتنے راوی صلوٰۃ کسوف کا خطبہ ذکر کرتے ہیں تو اس میں یہ ارشاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نقل کرتے ہیں کہ ان الشمس والقمر آیتان من آیات اللہ لایسکفان لہوت احدہما لایحیایہ بلکہ اللہ اس کے ذریعے اپنے بندوں کو ڈراتے ہیں چونکہ اس روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم کا انتقال ہوا تھا اور عرب میں یہ عقیدہ تھا کہ سورج و چاند کسی بڑے آدمی کی موت پر منکسف اور مخسف ہو جاتے ہیں تو اس غلط عقیدے کو باطل کیا۔

لہذا جو لوگ کسوف کو متعدد واقعات پر حمل کرتے ہیں تو ہم ان سے کہیں گے کہ حضرت ابراہیم کی وفات بار بار تو نہیں ہوئی ایک مرتبہ ہوئی اسی طرح دس سال کے اندر متعدد سورج گرہن بہت مستعجب ہے۔

علاوہ ازیں محمد پاشا المصری الفلکی نے اپنے رسالہ نتائج الافہام فی تقویم العرب قبل الاسلام میں لکھا ہے کہ کسوف شمس و درہوی میں ایک دفعہ ہوا ہے اور اس میں دن اور وقت کا بھی تعین کیا ہے البتہ خسوف قر کے بارے میں روایات مختلف ہیں بعض میں چار ہجری بعض میں سن پانچ ہجری کا ذکر ہے۔ پھر الہدی (۱) میں ابن قیم نے لکھا ہے کہ چاند گرہن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جماعت ثابت نہیں لیکن ابن حبان نے اپنی سیرت میں لکھا ہے کہ جماعت ہوئی تھی لہذا حنفیہ کی کتابوں میں جو یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک چاند گرہن میں جماعت نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جماعت مؤکدہ نہیں کمافی کسوف الشمس۔ وجہ یہ ہے کہ ایک تو روایات باہم متعارض ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ چاند گرہن رات کو ہوتا ہے اور رات کو لوگوں کا اجتماع مشکل ہے اور اس میں حرج ہے والخرج مدفوع فی الشرع بخلاف کسوف کے کہ یہ دن کو ہوتا ہے اور روایات صحیحہ سے جماعت ثابت بھی ہے اور اجتماع الناس میں حرج بھی نہیں تو اس میں جماعت ہوگی۔

البتہ اس میں جماعت کی حیثیت کیا ہے؟ تو عندا کجہو ر صلوٰۃ کسوف سنت مؤکدہ ہے بعض مشائخ حنفیہ نے اس کو واجب قرار دیا ہے امام مالک سے مروی ہے کہ اس کا حکم جمعہ کی مانند ہے بعض نے اس کو فرض کفایہ قرار دیا ہے البتہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک جماعت کی شرط یہ ہے کہ امام جمعہ والا عیاد موجود ہو اور وہی جماعت کرائے بصورت دیگر لوگ فرادی فرادی نماز پڑھیں گے۔ پھر فرادی پڑھنے میں دو روایات ہیں ایک یہ کہ دو ہی

باب فی صلاۃ الکسوف

(۱) اور یہی مذہب امام مالک کا ہے کہ کسوف قر میں جماعت نہیں دیکھئے عمدۃ القاری ص: ۶۶۰ ج: ۷

رکعت پڑھیں دوسری روایت میں چار رکعت پڑھیں پھر چار کی صورت میں دو سلام ہوں یا ایک؟ دونوں قول ہیں البتہ دو رکعت والی روایت ظاہر الروایت ہے پھر اٹھنا تک وعاء مائیں۔

اللہ تعالیٰ کی صفات بردو قسم است ایک صفات جمالیہ دوسری صفات جلالیہ عبادات کا ان دونوں صفات سے گہرا تعلق ہے اس لئے عبادات کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو محبوبیت کا اثر ہوں جیسے روزہ ہے حج ہے روزے میں عبد صفات جمالیہ کی بناء پر اپنی محبت کا اظہار یوں کرتا ہے کہ کھانا پینا اور دیگر خواہشات ترک کر دیتا ہے اور حج میں مخصوص لباس پہن کر اور عاشقوں سی ہیئت بنا کر مال بھی خرچ کرتا ہے وقت بھی لگاتا ہے اور جسمانی تعب و مشقت بھی برداشت کرتا ہے اور نماز صفات جلالیہ کا اثر ہے کہ بندہ پوری طہارت کے حصول کے بعد مخصوص انداز سے ادب کے ساتھ مناجات کرتا رہتا ہے اپنے رب کی ثناء کے بعد رکوع و سجود میں تذلل و عاجزی میں انتہاء کو پہنچ جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی گئیں کہ فجر کے وقت کائنات میں بڑی تبدیلی روشنی کے پھیلنے کی صورت میں آتی ہے سورج جیسا عظیم جسم رونما ہوتا ہے اس وقت عبدیت کا تقاضا یہ ہے کہ جلال خداوندی کو تسلیم کر کے اپنے بجز کا اظہار کیا جائے جس کی بہترین صورت سجود ہے علیٰ ہذا القیاس زوال کے وقت یہ کرہ عظیمہ پورے عروج کے بعد رو بہ زوال ہو جاتا ہے جو اس بات کی نشانی ہے کہ اس کائنات میں ہر چیز نقطہ عروج کے بعد سقوط اختیار کرتی ہے عصر کے وقت اس کا رنگ پیلا ہونے لگتا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ ایک نہ ایک دن انسان بھی بڑھاپے کا شکار ہو جائے گا اور یہ وہ وقت ہوگا کہ جس کے بعد پھر انسان فناء ہو جائے گا اور عند الغروب بھی نماز فرض کی گئی کیونکہ وہ کرہ (شمس) جب غروب ہوتا ہے تو یہ بہت بڑے انقلاب کا اثر ہے۔

اسی طرح عشاء میں روشنی مکمل ختم ہوئی اور اندھیرا چھا گیا تو ان اوقات میں انسان پر نماز فرض کی گئی تاکہ جلال خداوندی کا اظہار کر سکے یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اذرا تیمم آیت فاجتدوا ابن عباس سے کسی نے کہا کہ بعض ازواج مطہرات کا انتقال ہو گیا تو فوراً سجدے میں گر گئے کسی نے کہا کہ یہ کونسا وقت ہے نماز پڑھنے کا تو جواباً فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذرا تیمم آیت فاجتدوا

اور انتقال از و ارج مطہرات سے بڑی نشانی کیا ہو سکتی ہے۔ (2) ترمذی میں اسی اصول کے تحت جب سورج یا چاند گرہن ہو جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

ان الشمس والقمر آيات من آيات الله وانهما لا ينكسفان لموت احد ولا لحياته فاذا رايتهم من ذلك شيئا فصلوا كما حدث صلوة مكتوبة صليتموها

نسائی (3)

لہذا اس سے بعض ملاحدہ کا وہ اعتراض رفع ہوا کہ سورج و چاند کا گرہن تو معلوم حساب کے مطابق ہوتا ہے تو اس میں نماز پڑھنے اور گھبرانے کی کیا ضرورت ہے؟

جواب ظاہر ہے اس طرح کہ زوال طلوع وغروب وغیرہ کے وقت نماز اگر پڑھی جاسکتی ہے تو اس وقت نماز میں کیا مضائقہ ہے رہا مسئلہ گھبرانے کا تو چونکہ یہ نشانی طلوع وغروب کی بہ نسبت بہت بڑی ہے اس لئے انسان کو چاہیے کہ اپنی حالت کو بھی متحضر کر کے سورج و چاند پر قیاس کرے کہ جب ان اجسام کبار کا معمول بگڑ سکتا ہے اور یہ اللہ کے حکم کے آگے بے بس ہیں تو ہم ان سے کروڑ ہا درجہ کمزور ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اہم سابقہ معذبہ پر اکثر عذاب جو آئے ہیں تو وہ بھی معمول کی اشیاء کی شکل میں کبھی بادل دیکھا تو خوش ہوئے حالانکہ وہ عذاب تھا کبھی بارش ہوئی تو خوش ہوئے حالانکہ اس میں طوفان عظیم تھا۔

تیسری بات یہ ہے کہ اللہ کے قہر سے بے خوف ہونا ایمان کے منافی ہے۔ ”فلایا من مکر اللہ الا القوم الخاسرون“ (4) اس لئے یہ کہا جائے گا کہ جس آدمی پر اتنی بڑی نشانی کی وجہ سے بھی اثر نہ ہو تو وہ اپنے ایمان کی خیر منائے۔ خسوف اور کسوف میں بڑی حکمتیں تو اللہ ہی کو معلوم ہیں البتہ جو حکمت ظاہر ہے وہ یہ کہ اس سے سورج چاند کے پرستاروں کو یہ بتانا مقصود ہے کہ تم جس کو معبود سمجھتے ہو وہ کمزور ہے۔

اس باب کے متعلق جو اہم بحث ہے وہ اس نماز کے طریقے کے بارے میں ہے تو روایات میں چھ

(2) ترمذی ص: ۲۲۹ ج: ۲ ”باب فی تغفل از و ارج التنبی صلی اللہ علیہ وسلم“

(3) ص: ۲۱۹ ج: ۱ ”نوع آخر“ (4) سورۃ اعراف آیت: ۹۹

طریقے مردی ہے۔

(۱) ایک رکوع کے ساتھ (۲) دو رکوع فی رکعت (۳) تین رکوعات (۴) چار رکوعات (۵) پانچ رکوعات یہ صرف دو رکعتوں میں (۶) دو رکعت پڑھتے رہیں اور پوچھتے رہیں کہ گرہن ختم ہوا یا نہیں تو جب تک گرہن باقی ہو تو دو رکعت پڑھتے رہیں۔

حنفیہ کے نزدیک پہلا طریقہ جو عام نمازوں کے مطابق ہے یہی متعین ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہر رکعت میں دو رکوع ہونگے تو دو رکعت میں چار رکوع ہونگے۔

دلیل ان کی دو روایات ہیں جن میں ایک ایک رکعت میں دو دو رکوع کا ذکر ہے اور ایسی روایات سنداً صحیح بھی ہیں۔ (5)

حنفیہ کا استدلال اول عن ابی بکرۃ رواہ البخاری۔

حسفت الشمس علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخرج یجر رداءہ حتی انتہی الی المسجد وثاب الیہ الناس فصلی بہم رکعتین۔ (6) ولفظ النسائی فصلی رکعتین کما تصلون (7)

دلیل ثانی: نسائی میں حضرت سمرہ بن جندب کی روایت ہے۔

وفیہ فصلی فقام کاطول قیام ما قام بنا فی صلوٰۃ قط مانسمع له صوتاً ثم رکع بنا کاطول رکوع مارکع بنا فی صلوٰۃ قط مانسمع له صوتاً ثم سجد بنا کاطول سجود ما سجد بنا فی صلوٰۃ قط لانسمع له صوتاً ثم فعل ذالک فی الركعة الثانية مثل ذالک (8)

(5) ان کے دلائل کے لئے رجوع فرمائیے صحیح مسلم ص: ۲۹۶ ج: ۱ کتاب الکسوف اور صحیح بخاری ص: ۱۳۳ ج: ۱ باب صلاۃ الکسوف جلد: ۱ اور صحیح بخاری ص: ۱۳۳ ج: ۱ باب طول السجود فی الکسوف ایضاً صحیح مسلم ص: ۲۹۹ ج: ۱ ایضاً سنن نسائی ص: ۲۱۸ ج: ۱ باب کیف صلاۃ الکسوف وغیرہ من الاحادیث (6) ص: ۱۳۵ ج: ۱ باب الصلاۃ فی کسوف القمر (7) ص: ۲۲۳ ج: ۱ باب الامر بالبناء فی الکسوف (8) ص: ۲۱۸ و ۲۱۹ ج: ۱ "نوع آخر"

دلیل ثالث :- نسائی (9) میں حضرت نعمان بن بشیر کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
اِذَا احْصَيْتَ اَنْفُسَ الْاَقْرَبِ فَصَلُّوا كَاَحَدٍ صَلَوةً صَلَّيْتُمْ بِهَا اَحَدٌ صَلَوةً لَعْنِي تَارَةً تَرَيْنِ (صلوة الفجر) مراد ہے یعنی دو
رکعت نماز۔

دلیل رابع :- حضرت قہصہ بن مخارق الہملی کی روایت ہے یہ بھی نسائی (10) میں مروی ہے اس
میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ نقل کیا گیا ہے اس میں یہ الفاظ مروی ہیں۔

ان الشمس والقمر آیتان من آیات الله وانهما لا ينكسفان لعوت احد
ولاحباته فاذا رايتن من ذلك شيئا فصلوا كاحد صلوٰة مكتوبة صليتموها
دلیل خامس :- محمود بن لبید کی روایت ہے جو سند احمد (11) میں مروی ہے۔

وفيه فقام (يعنى النبى صلى الله عليه وسلم) فقراء بعض الذاریات ثم ركع ثم
اعتدل ثم سجد سجدتين ثم قام ففعل مثل ما فعل فى الاولى

اس پر یہ اعتراض ہے کہ محمود بن لبید کا سماع از حضور صلی اللہ علیہ وسلم ثابت نہیں۔

جواب اس کا یہ ہے کہ اولاً تو علامہ نیوی (12) نے اعلیٰ الحسن میں دلائل سے ان کا سماع ثابت
کیا ہے۔ ثانیاً اگر ان کا سماع ثابت نہ بھی ہو تو روایت زیادہ سے زیادہ مرسل ہو جائے گی جو ہمارے نزدیک حجت
ہے خصوصاً وہ مرسل جس کی تائیدات موجود ہوں، جمہور کے نزدیک قابل احتجاج ہوتی ہے۔
مذکورہ تمام روایات میں فقط دو رکعت کا ذکر ہے اس میں کثرت رکوع کا کوئی ذکر نہیں۔

شافعیہ کی استدلال کا جواب حنفیہ یہ دیتے ہیں کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ کسوف میں بہت
زیادہ لمبا رکوع فرمایا تھا اس لئے بعد کی صف والوں کو یہ شبہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اب اٹھ چکے ہونگے چنانچہ
انہوں نے جب سر اٹھایا تو ان سے پیچھے لوگ کھڑے ہوئے تو جب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابھی رکوع میں
ہی ہیں تو دوبارہ رکوع میں چلے گئے ان سے جو پیچھے تھے تو وہ یہ سمجھ کر دو رکوع ہو گئے۔ یہ جواب اگرچہ مشہور ہے

(9) ص: ۲۱۹ ج: ۱ نوع آخر "من کیف صلاة الكسوف" (10) ص: ۲۱۹ ج: ۱ نوع آخر (11) سند احمد ص: ۱۹۰
ج: ۹ رقم حدیث ۲۳۶۹۱ ولفظ فقراء فیما زلی بعض الكتاب ثم ركع الخ (12) دیکھئے تعلیق الحنن ص: ۳۲۲، ۳۲۳

مگر قوی نہیں کیونکہ ابن عباس کی مذکور روایت میں ثم رکع ثم قراء ثم رکع کی تصریح ہے جس میں مذکور تاویل کی منجائش نہیں۔

صحیح جواب یہ ہے کہ بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سے زائد رکوع ایک ہی رکعت میں فرمائے ہیں مگر یہ ان کی خصوصیت پر محمول ہے جس کو رکوعات صلوٰۃ نہیں کہیں گے بلکہ رکوعات تشعید کہیں گے وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذرا تیمم آیہ فاسجدوا کہ اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی دیکھو تو سجدہ کیا کرو چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نماز میں جنت و جہنم کا نظارہ کرایا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت و جہنم کے عجیب مناظر دیکھ لئے تھے یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی آگے ہو جاتے کبھی پیچھے ہٹتے تو جب بھی کوئی ایسا منظر دیکھتے تو رکوع فرماتے نماز کے اندر جیسے کہ سجدہ تلاوت کی جگہ رکوع بھی کافی ہو جاتا ہے اسی طرح کسی نشانی کی خبر سننے یا دیکھنے پر بھی رکوع کافی ہو جاتا ہے جیسے ”خررا کعوا اناب“ میں بعض مفسرین نے یہی بات نقل کی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم آیت اور نشانی کو دیکھ کر رکوع تشعید فرماتے نماز میں رکوع ایک ہی ہے یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا فاذا را تیمم من ذالک شیئا فصلوا کما راہتمونی بلکہ فرمایا کا حدث صلوٰۃ جو کہ فجر ہے اور اسمیں اتفاقاً ایک ہی رکوع ہے۔

شافعیہ اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ فجر کی نماز کے ساتھ تشبیہ عدد رکوع میں نہیں بلکہ عدد رکعات میں ہے۔ جواب یہ ہے کہ اگر یہ مطلب ہوتا تو اتنے لمبے جملے کی جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مختصر فرماتے کہ فصلوا رکعتین یا فصلوا کما راہتمونی نہ کہ اتنا طویل جملہ۔

دوسری بات یہ ہے کہ مسند بزار (13) میں ہے کہ حضرت عثمان کے زمانے میں بھی سورج گرہن ہوا تھا تو انہوں نے دو رکعت ایک ایک رکوع کے ساتھ پڑھائی حالانکہ حضرت عثمان نصف اول کے صحابہ میں سے ہیں اور انہوں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ کسوف دیکھی تھی مگر پھر بھی ایک رکوع کیا معلوم ہوا کہ وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب مثل حنفیہ لیتے تھے۔

اعتراض از جانب شافعیہ یہ ہے کہ ہماری روایات ثبت للویاۃ ہیں جبکہ آپ کی روایات ساکت یا تانی

(13) مسند بزار کے علاوہ یہ حدیث مسند احمد مجمع الزوائد مع طبرانی کبیر میں بھی ہے بحوالہ مسند ابی یعلیٰ ص ۸۰ ج ۴۰ رقم

ہیں اور ترجیح مثبت للزیادۃ کو ہوتی ہے۔

جواب یہ ہے کہ اگر اسی اصول پر چلیں گے تو آپ کو دو سے زائد رکوع کو ماننا پڑے گا اور روایت میں دو سے زائد پانچ تک رکوعات فی رکعہ ثابت ہیں۔

ان روایات پر اگرچہ ابن تیمیہ نے کلام کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اول تو ان کی اسناد اتنی ضعیف نہیں ہیں جو قابل استدلال ہی نہ ہوں جیسے کہ ترمذی کی روایت میں حدیث حسن صحیح کہا ہے حالانکہ اس میں تین رکوع کا ذکر ہے امام ترمذی فرماتے ہیں کہ صحیح عنہ انہ صلی ست رکعات فی اربع سجعات یعنی دو رکعت میں چھ رکوع و ہذا عند اہل العلم جائز ان تطاول الکسوف الخ۔

اس کے علاوہ اصول یہ ہے کہ اگر ایک روایت میں سنداً کچھ ضعیف بھی ہو مگر وہ عند الاسلاف معمول ہے ہو تو اس کا ضعف دور ہو جاتا ہے۔ یہاں بھی اس طرح ہے کہ دو سے زائد رکوعات پر اخلق بن راہویہ اور امام ابن خزیمہ کا عمل ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ دو سے زائد رکوعات والی روایات کم از کم ان کے نزدیک قابل استدلال ہیں۔

پھر امام شافعی کے نزدیک خسوف القمر میں بھی اس طرح جماعت ہوگی جس طرح کسوف الشمس میں ہے حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک خسوف القمر میں جماعت نہیں کما مر۔

باب کیف القراءة فی الکسوف

صلوۃ کسوف میں قراءت جبراً ہوگی یا سراً؟ تو یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے امام احمد امام اخلق اور روایت غیر مشہورہ کے مطابق امام مالک اور صاحبین صلوۃ کسوف میں جبراً بالقراءة کے قائل ہیں۔

امام ابو حنیفہ امام شافعی امام مالک فی روایۃ مشہورہ اور جمہور محدثین و فقہاء کے نزدیک اخفاء بالقراءة ہوگی۔

امام نووی نے امام مالک سے قراءت سراً کی روایت مطلقاً نقل کی ہے اور یہی ان کا مشہور قول ہے۔

ابن العربی نے عارضہ میں لکھا ہے کہ امام مالک سے مصرعین کی روایت اخفاء قراءت کی ہے اور مدینین کی روایت جہر کی ہے۔ ابن جریر کے قول میں جہر و سر دونوں میں اختیار ہے۔

اصولی طور پر تو اخفاء ہونا چاہئے کہ نہار مظہر جلال خداوندی ہے اور لیل مظہر جمال باری تعالیٰ ہے ظہور جمال میں آدمی زور سے بول سکتا ہے لیکن عند الجلال آدمی زور سے بولنے کی ہمت نہیں رکھتا اس لئے دن میں نمازیں سری ہوا کرتی ہیں البتہ جو لوگ جہر بالقراءت کے قائل ہیں ان کے بقول جب دن کو جمال کا ظہور ہوگا تو جہر بالقراءت ہوگا چونکہ عند الکسوف بھی رات کا سماں ہوتا ہے تو کسوف مظہر جمال ہوا لہذا جہر ہونا چاہئے۔
جواب یہ ہے کہ کسوف میں اگرچہ روشنی کم ہو جاتی ہے لیکن نفس کسوف مظہر جلال خداوندی ہے تو اخفاء مناسب ہے۔

جو لوگ جہر کے قائل ہیں ان کی دلیل اس باب میں حدیث عائشہ ہے۔

عن عائشہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی صلوۃ الکسوف وجہر بالقراءۃ فیہا جمہور کی دلیل مذکورہ باب میں حضرت سرہ بن جندب کی حدیث ہے۔

قال صلی بنارسل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی کسوف لانسمع لہ صوتاً (1)
اس پر فریق مخالف کی جانب سے یہ کہا گیا ہے کہ ممکن ہے کہ سرہ بن جندب نے قراءت نہ سنی ہو کہ صلوۃ کسوف میں مسجد نبوی بھر گئی تھی۔

جواب :- یہ احتمال ناشی عن غیر دلیل ہے لہذا اس کا اعتبار نہیں۔

دلیل ثانی :- صحیحین میں ابن عباسؓ کی روایت ہے فرماتے ہیں۔

فقام قیاماً طویلاً نحواً من قراءۃ سورۃ البقرۃ (2)

اور تخم طبرانی میں عن ابن عباس ہے۔

قال صلیت الی جنب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم کسفت الشمس

فلما سمع لہ قراءۃ (3)

باب کیف القراءۃ فی الکسوف

- (1) یہی روایت سنن نسائی میں بھی ہے ص: ۲۲۲ ج: ۱ "کتاب الکسوف" (2) صحیح بخاری ص: ۱۳۳ ج: ۱ "باب صلاۃ الکسوف جماعۃ" صحیح مسلم ص: ۲۹۸ ج: ۱ "کتاب الکسوف" (3) کذا فی مجمع الزوائد ص: ۲۲۵ ج: ۲ رقم الحدیث ۳۲۶۸

طبرانی کی روایت عن ابن عباس پر صاحب تحفہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ روایت عائشہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

جواب یہ ہے کہ عن ابن عباس فی الحسنین قوی ہے اور طبرانی کی روایت بھی قابل استدلال ہے۔ ابن عباس کی روایت کے بعض طرق (4) میں ہے کہ میں نے ایک حرف تک نہیں سنا حالانکہ وہ تصریح کرتے ہیں کہ میں پہلو میں کھڑا تھا۔ تو اگر قراءت جہرا ہوتی تو بخوانہ فرماتے بلکہ قرأ سورة البقرة فرماتے۔

دلیل ۲: محمود بن لبید کی روایت جو مسند احمد (5) میں ہے وفیہ ثم قام فقرأ فیما نزل فی بعض الناس کتابہ اس میں فیما نزل کا لفظ دال ہے اس پر کہ یہ بات انہوں نے ظناً کہی نہ کہ یقیناً معلوم ہوا کہ قراءت سری تھی۔ جمہور کی طرف سے جواب از حدیث عائشہ یہ ہے کہ اس میں سفیان بن حسین روایت کرتے ہیں زہری سے اور اس کی روایت زہری سے ضعیف ہے لیکن یہ جواب کمزور ہے کیونکہ اس روایت کے اور بھی متابع موجود ہیں قبل فی الجواب سرہ کی روایت اس لئے راجح ہے کہ وہ مرد ہے رجال کی صف میں کھڑے تھے اور عائشہ نساء کی صف میں تھیں لہذا سرہ کو اس بارے میں علم زیادہ حاصل ہے۔

مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء عائشہ نے حجرے کے اندر کی ہو۔ لہذا صحیح جواب یہ ہے کہ عائشہ کی روایت ابو داؤد (6) میں بھی آئی ہے اس میں ہے فخرت قراءتہ فرأیت ان قرأ سورة البقرة مطلب یہ ہے کہ میں نے اندازہ لگایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کا جو تقریباً سورة بقرہ جتنی قراءت کی ہوگی پھر راوی نے اسکو جہر پر محمول کر کے وجہ کہہ دیا اور یہ توجیہ اس لئے ناگزیر ہے تاکہ عائشہ کی دونوں روایات میں تضاد نہ آئے۔

یا مقصد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جا بجا جہر کیا ہوگا جس کو یہ روایت کرتی ہیں اور اکثر واصل قراءت سرا تھی جس کو سرہ روایت کرتے ہیں اور یا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ کی روایت خسوف قمر سے متعلق ہے نہ کہ خسوف شمس سے اور کما مر خسوف کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے البتہ متاخرین فقہاء حنفیہ کہتے

(4) کذا فی ردایہ مسند ابی یعلیٰ ص: ۵۶۶ ج: ۲ رقم حدیث ۲۷۳۷ ایضاً أخرجه احمد حوالہ بالا ایضاً سنن کبریٰ بیہقی ص: ۳۳۵ ج: ۳

(5) مسند احمد ص: ۱۶۰ ج: ۹ رقم حدیث ۲۳۶۹ (6) ص: ۱۷۵ ج: ۱ "باب القراءۃ فی ملأ الکسوف"

ہیں کہ اگر امام لوگوں کے تھک جانے کا خطرہ محسوس کرتا ہے تو جہر بالقراءت کر سکتا ہے۔

باب ماجاء فی صلوة الخوف

رجال:-

عن سالم عن ابیہ ابیہ سے مراد عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ ☆

تشریح:-

صلوۃ الخوف اصح قول کے مطابق اولاً غزوہ ذات الرقاع میں مشروع ہوئی جو علی قول الجمهور سنہ ۴ ہجری میں واقع ہوا۔ (1)

اس کو ذات الرقاع اس لئے کہتے ہیں کہ یہ غزوہ جس پہاڑ کے دامن میں ہو تو اس میں مختلف رنگ ہیں اور یوں لگتا ہے کہ اس کو مختلف ٹکڑوں سے مرتق کیا گیا ہے۔ اور یا اس لئے کہ اس غزوہ میں صحابہ کے پاؤں پھٹ گئے تھے تو انہوں نے پاؤں پر کپڑے باندھ لئے تھے یا اس لئے کہ صحابہ نے اس غزوہ میں جو جھنڈے بنائے تھے تو چونکہ وہ مختلف ٹکڑوں کے تھے اس لئے اس کو ذات الرقاع کہتے ہیں۔ ذیہ اقوال اخر (2)

بعض اصحاب سیر کہتے ہیں کہ یہ غزوہ سنہ ۵ ہجری میں ہوا ہے سنہ ۶ ہجری اور سن ۷ ہجری بعد الخیر کی بھی روایات ہیں۔

اس باب میں تین مسائل ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ صلوۃ الخوف کے لئے فقط حضور العدو کافی ہے یا حقیقی خوف شرط ہے؟ تو عند الحنفیہ خوف ہو یا نہ ہو فقط حضور العدو کے وقت صلوۃ الخوف جائز ہے۔ جبکہ عند الشافعیہ حقیقی خوف جواز صلوۃ کے لئے شرط ہے فقط اقبال العدو کافی نہیں۔

وہ استدلال کرتے ہیں ان نکتہ کے لفظ سے۔ ہم کہتے ہیں کہ کبھی سبب کو قائم کرتے ہیں علت کی جگہ

باب ماجاء فی صلاة الخوف

(2) کافی حاشیہ البخاری رقم: ۱۰۵۹۲ ج: ۲

(1) دیکھئے عمدة القاری ص: ۲۵۵ ج: ۶

جیسے کہ نفس سفر قائم ہوتا ہے مشقت کی جگہ اور میح للقصر ہوتا ہے اور نوم قائم ہوتی ہے خروج ریح کی جگہ نقض وضو میں اسی طرح حضور عدو قائم ہے خوف حقیقی کی جگہ۔

مسئلہ ثانیہ یہ ہے کہ صلوٰۃ الخوف آیا فقط قصر کیف کا نام ہے یا قصر کم کا بھی اس پر اطلاق ہوتا ہے؟ بالفاظ دیگر خوف صرف قصر کیف کے لئے میح ہے یا قصر کم کے لئے بھی؟ تو ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک صلوٰۃ خوف میں فقط قصر کیف ہوگا نہ کہ قصر عدو لہذا اقیم کے لئے چار رکعت اور مسافر کے لئے دو رکعت پڑھنا لازمی ہوں گی۔ ابن عباس اور اہل بنی راحو یہ کہتے ہیں کہ صلوٰۃ خوف سفر میں ایک رکعت ہوگی یعنی قصر کیف کے ساتھ قصر کم بھی ہوگا۔

دلیل ہما اس باب میں اخیر ہی روایت سے ہے۔

نقلہ الترمذی تعلیقاً وروی عن غیر واحد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی
بأحدی العلافین رکعة رکعة فكانت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم رکعتان ولهم
رکعة رکعة

جواب یہ ہے کہ رکعت سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں جماعتوں نے ایک ایک امام کے ساتھ پڑھی اور ایک ایک الگ پڑھی۔

اگر بالفرض ایک ایک رکعت پڑھی ہو تو پھر یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے جیسے کہ بعض روایات میں ہے کہ چار رکعت پڑھائی یعنی سفر میں اور صحابہ کی دو دو رکعت ہوئیں تو جس طرح دو رکعت نفل ہیں اور نفل میں صحابہ کی اقتداء جائز تھی بناءً پر خصوصیت لہذا ایک ایک رکعت ان کے لئے جائز ہوگی بنا پر خصوصیت۔

مسئلہ ثالثہ یہ ہے کہ آیا صلوٰۃ الخوف کا حکم اب بھی باقی ہے یا ختم ہو گیا؟ تو امام مزنی کے نزدیک یہ حکم اب منسوخ ہے امام ابو یوسف کے نزدیک اور فی روایہ عند الحسن المہری یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی۔

امام مزنی کے پاس نسخ کے لئے کوئی قوی دلیل نہیں۔ امام ابو یوسف و حسن بھری کا استدلال قرآن کی اس آیت سے ہے ”واذا كنت فیہم فاعلم لہم الصلوٰۃ“ (3) یہ خطاب للنس صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

عند الجمہور یہ خصوصیت نہیں تھی اور یہ حکم اب بھی باقی ہے لہذا یہ منسوخ ہے اور نہ خصوصیت پر محمول ہے۔
امام ابو یوسف کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ قرآن میں ایسے امثال بہت ہیں کہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو مراد پوری امت ہو۔

جمہور کا استدلال یہ ہے کہ صحابہ نے متعدد غزوات میں صلوٰۃ الخوف ادا کی ہے اور کسی نے تکبیر نہیں کی تو اجماع سکوتی ہے۔ (4)

ازاں جملہ ایک عبدالرحمن بن سرہ کی کاتب میں صلوٰۃ الخوف ہے حضرت خزیمہ کی صلوٰۃ الخوف طبرستان میں پڑھنا ہے یہ دونوں روایات سنن ابی داؤد (5) میں مروی ہیں۔

نبیعی (6) میں ہے کہ حضرت علی نے بھی صلین میں صلوٰۃ الخوف پڑھی ہے ابو موسیٰ اشعری نے اصنہان میں پڑھی ہے۔ شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر میں روایت نقل کی ہے سعد بن ابی وقاص نے بھی صلوٰۃ الخوف طبرستان میں ادا کی ہے اسی طرح بخاری (7) میں ابن عمر کی روایت ہے جس سے عموم معلوم ہوتا ہے۔ ترمذی میں حضرت سہل ابن ابی حمہ کی موقوف روایت ہے جس میں ہے یقوم الامام مستقبل قبلتہ یہ الفاظ بھی بقاء پر دلالت کرتے ہیں۔

البتہ عند الجمہور اس کی کیفیت میں اختلاف ہے اور اس اختلاف کی بنیاد اس پر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صلوٰۃ الخوف کا حفظ ایک طریقہ مروی نہیں بلکہ کئی طرق مروی ہیں جس کی تعداد بقول ابن العربی کے چوبیس تک پہنچتی ہے ان میں سے سولہ کو صحیح قرار دیا ہے۔ (قال فی القیاس) قال اللکونی فی الکوکب کہ طرق پچیس ہیں بغیر بیان طریق کے یہاں ترمذی میں دو روایات ہیں ایک ابن عمر کی اور ایک سہل بن ابی حمہ کی ان دو روایات سے تین طریقے معلوم ہوتے ہیں اور یہی تین طریقے زیادہ مشہور ہیں۔

پہلا طریقہ یہ ہے کہ امام لوگوں کی دو جماعتیں بنائے ایک جماعت کے ساتھ شروع کر کے ایک رکعت

(4) مندرجہ ذیل مقامات کے علاوہ بھی صحابہ سے صلوٰۃ الخوف پڑھنا ثابت ہے تفصیل کے لئے رجوع فرمائیے تخریج علی درس ترمذی ص: ۳۵۵ ج: ۲ (5) ص: ۱۸۴ ج: ۱ "باب من قال صلی بکل طاقت رکع الخ" اور طبرستان والی روایت "باب من قال صلی بطاقت رکع ولا یقفون کے تحت مروی ہے۔ (6) نبیعی کبریٰ ص: ۲۵۲ ج: ۳ "باب الدلیل علی ثبوت صلوٰۃ الخوف الخ" (7) صحیح بخاری ص: ۶۵۰ ج: ۲ سورۃ بقرہ "باب قولہ عز وجل فان نظمت فرجالا الخ"

پڑھے اگر سفر ہے یا دو پڑھے اگر حضر ہے پھر یہ طائفہ اپنی نماز پوری کر کے لوٹ جائے اور وہ جماعت جنہوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی ہے تو وہ پیچھے آ کر مع الامام نماز شروع کرے امام ان کا انتظار کرتا رہے پھر جب امام کی نماز پوری ہو جائے گی تو عند المالکیہ امام سلام پھیر دے اور لوگوں کے سلام کا انتظار نہ کرے اور لوگ اپنی نماز مسبوق کی طرح پوری کریں۔ شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک امام ان کے سلام کا انتظار کرے گا۔

یہ طریقہ حضرت سہل بن ابی حمزہ کی روایت ترمذی میں مذکور ہے۔ البتہ یہ حدیث دو طریقوں سے مروی ہے ایک موقوف دوسرا مرفوع امام مالک نے موقوف کو ترجیح دی ہے جبکہ شافعیہ و حنابلہ نے مرفوع کو۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ جب مرفوع ہو تو اس پر عمل مقدم ہوتا ہے بہ نسبت موقوف کے لیکن مالکیہ کہتے ہیں کہ موقوف اوفق بالاصول ہے کیونکہ امام تابع نہیں ہوتا بلکہ متبوع ہوتا ہے تو اگر یہ مقتدیوں کا انتظار کرے تو امام تابع بن جائیگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ چونکہ یہ مسئلہ غیر مد رک بالقیاس ہے تو موقوف بحکم مرفوع ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ امام ایک جماعت کے ساتھ ایک رکعت پڑھ لے پھر یہ جماعت تکمیل سے پہلے پہلے بات چیت کئے بغیر محاذ پر چلی جائے پھر دوسرا طائفہ آ کر امام کے ساتھ اپنی ایک رکعت پڑھ لے اور اسی جگہ میں فراغت امام کے بعد اپنی نماز مکمل کر لے پھر جب یہ فارغ ہو جائے تو طائفہ اولیٰ آ کر کے نماز مکمل کرے یہ طریقہ ابن عمر کی حدیث مذکورہ سے مفہوم ہوتا ہے۔ کہ ققام ہو لاء فقصوا رکعتہم اگر ہو لاء سے مراد یہ دوسری جماعت ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ دوسری جماعت اپنی نماز مکمل کرے پھر ققام ہو لاء سے مراد پہلی جماعت ہے کہ وہ آ کر اپنی نماز پوری کرے۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ امام ایک طائفے کو ایک رکعت پڑھائے پھر یہ طائفہ بات چیت کئے بغیر چلا جائے۔ دوسرا طائفہ محاذ سے آ کر امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھ لے پھر یہ ایک رکعت کے بعد محاذ پر جائے اور پہلا طائفہ آ کر اپنی نماز اب مکمل کرے اور بعد از فراغت دوسرا طائفہ آ کر اپنی نماز مکمل کرے یہ تیسرا طریقہ مذکورہ باب کی ابن عمر کی حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ققام ہو لاء میں اشارہ پہلے والے طائفے کی طرف ہو اور ققام ہو لاء میں اشارہ دوسرے طائفے کی طرف ہو۔

اس کے علاوہ امام محمد نے کتاب الآثار (8) میں ابن عباس سے موقوفہ اس کو نقل کیا ہے۔ امام ابو بکر جصاص نے بھی اس کو احکام القرآن (9) میں نقل کیا ہے۔ ابوداؤد (10) کی ایک روایت میں بھی اسی کی طرف اشارہ موجود ہے لہذا ابن حجر کا فتح الباری میں یہ کہنا کہ اس طریقے کا ہمیں کسی روایت سے علم نہ ہو سکا یا اپنی جستجو کے مطابق ہے یہ نہیں کہ یہ روایت موجود ہی نہیں۔

ائمہ اربعہ کے نزدیک طرق ثلاثہ جائز ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں لا حرج علی من صلی لواحدة مما صح عنہ صلی اللہ علیہ وسلم البدۃ اولی صورت عند الحنفیہ یہ تیسرا طریقہ ہے عند الائمۃ الثلاثہ پہلا طریقہ ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وجہ ترجیح یہ ہے کہ طریقہ اولی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

حنفیہ کے نزدیک وجہ ترجیح یہ ہے کہ طریقہ ثالثہ اوفیٰ باصول الامامۃ ہے کہ طریقہ اولیٰ میں طائفہ اولیٰ امام سے پہلے فارغ ہو جاتا ہے جو موضوع امامت کے خلاف ہے طریقہ ثانیہ میں طائفہ ثانیہ طائفہ اولیٰ سے پہلے فارغ ہو جاتا ہے طریقہ ثالثہ میں اگر چہ ایاب و ذہاب تو ہوتا ہے لیکن موضوع امامت کی خلاف ورزی نہیں ہوتی لہذا وہ روایات جو اصول کے موافق ہوں یہ رائج ہوتی ہیں بہ نسبت ان روایات کے جو اصول کے خلاف ہوں اس کے علاوہ طرفین سے اپنے اپنے طریقے کو اوفیٰ بالقرآن ثابت کرنے کے دعوے کئے گئے ہیں۔

شیخ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ اگر لوگ ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنے پر مصر نہ ہوں تو بہتر یہ ہے کہ الگ الگ جماعتیں کی جائیں۔ (11) اور آج کل کے حالات کے پیش نظر یہی قول رائج معلوم ہوتا ہے۔

قال محمد بن بشار سلت یحیی بن سعید عن ہذا الحدیث فحدثنی عن شعبۃ عن عبد الرحمن بن القاسم انہ اس عبارت کا مقصد یہ ہے کہ امام ترمذی کے شیخ محمد بن بشار کے شیخ یحیی بن سعید القطان ہے وہ حضرت سہل کی حدیث کو دو طریقوں سے روایت کرتے ہیں کبھی یحیی بن سعید الانصاری سے اور کبھی شعبہ سے۔ یحیی انصاری اور شعبہ دونوں یحیی قطان کے شیوخ ہیں۔ یحیی انصاری کے طریق میں عبد الرحمن کا واسطہ نہیں ہے لیکن روایت متفق ان کی موقوف ہے شعبہ کی روایت میں عبد الرحمن بن قاسم کا واسطہ ہے مگر روایت مرفوع ہے اب اس کلام کا مقصد یہ ہے (یعنی محمد بن بشار کا مقصد یہ ہے) کہ محمد بن بشار کہتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ یحیی قطان سے اس حدیث

(8) کتاب الآثار ص ۳۹ (9) ص ۳۱۶ ج ۲ مطبوعہ مصر (10) چنانچہ دیکھئے ص ۱۸۳ ج ۱

(11) کذا فی فتح القدیر ص ۶۲ ج ۲ 'باب صلاة الخوف' (مطبوعہ دار احیاء التراث العربی)

کے بارے میں پوچھا:

فحدثنی عن شعبۃ عن عبد الرحمن الی ان قال عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

بمثل حدیث یحییٰ بن سعید الانصاری وقال لی اکتب الی جنبہ

قال لکنکو ہی یہاں ایک قال مقدر ماننا پڑے گا مطلب یہ ہوگا قال یحییٰ بن سعید القطان قال لی شعبۃ
لہذا مذکور قال کا قائل شعبہ ہے ولست احفظ الحدیث ولکنہ مثل حدیث یحییٰ بن سعید الانصاری یعنی شعبہ کہتے ہیں کہ
میں نے جو روایت مرفوعاً بیان کی اس کے الفاظ مجھے یاد نہیں البتہ اتنی بات یاد ہے کہ وہ حدیث اسی طرح ہے جس
طرح یحییٰ بن سعید الانصاری نے تمہیں بیان کی ہے۔

احتمال ثانی یہ ہے کہ قال کا فاعل یحییٰ بن قطن ہو اور مخاطب محمد بن بشار ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ سعید
قطن کہتے ہیں کہ مجھے شعبہ کی حدیث کے الفاظ یاد نہیں البتہ اکتب الی جنبہ اس کو اس دوسری روایت یعنی موقوف
حدیث کے ساتھ لکھ دو جو میں نے یحییٰ الانصاری سے تمہیں روایت کی ہے کیونکہ مجھے شعبہ کی حدیث کے الفاظ یاد
نہیں البتہ مضمون دونوں کا ایک ہے تو دونوں تم ایک ساتھ لکھ دو۔

یہ بات کہ روایت میں اضطراب ہے کہ ایک طریق میں موقوف دوسرے میں مرفوع ہے تو کنگو ہی
فرماتے ہیں کہ یہ اضطراب نہیں کیونکہ راویوں نے تصریح کی ہے کہ موقوف مثل مرفوع ہے ولان الموقوف فی حکم
المرفوع لانه مما لا یدرک بالعقل۔

باب ماجاء فی سجود القرآن

رجال:-

عمر الدمشقی تقریب میں ہے کہ ”وہ مجہول“ ☆

تشریح:-

امام ترمذی نے یہاں متعدد ابواب باندھے ہیں جو سجود تلاوت سے متعلق ہیں مجموعی طور پر ان ابواب میں دو مسئلے ہیں پہلا یہ کہ سجدہ تلاوت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ دوسرا یہ کہ عدد سجود تلاوت کیا ہے؟ پہلے مسئلے میں حنفیہ و فی قول امام شافعیؒ کے نزدیک سجدہ تلاوت واجب ہے۔ امام احمدؒ نماز میں وجوب اور خارج صلوٰۃ میں عدم وجوب کے قائل ہیں۔

امام شافعیؒ و امام احمدؒ کے نزدیک اور فی قول عند مالک سجدہ تلاوت مسنون ہے البتہ ابن العربیؒ نے مالکیہ کا مذہب استحباب اور یحییٰ نے افضلیت کا نقل کیا ہے ممکن ہے کہ امام مالک کے اقوال متعدد ہوں۔

حنفیہ کی دلیل وجوب یہ ہے کہ قرآن میں سجدہ کے لئے یا امر کا صیغہ مستعمل ہے یا بطور اخبار اس کا ذکر ہوا ہے جو بمعنی امر ہے بالفاظ دیگر سجدہ تلاوت کا قرآن میں تین طرح کا ذکر ہوا ہے۔ ایک بطور امر (1) دوسرا بطور حکایت انبیاء کے سجدوں سے (2) تیسرا بطور انکار کافروں کا سجدہ کرنے سے (3) اور یہ تینوں وجوب پر دال ہیں۔ امر سے اس لئے کہ امر وجوب کے لئے ہوتا ہے خصوصاً جب کہ قرینہ صارفہ معنی وجوب سے موجود نہ ہو اور اقتداء انبیاء بھی واجب ہے قال تعالیٰ ”فبہداهم اقتدہ“ (4) یہاں اقتدہ امر ہے وہو للوجوب تیسری صورت سے وجوب اس لئے ثابت ہے کہ کافروں کے انکار پر ان کی بوجہ انکار مذمت کی گئی ہے معلوم ہوا کہ سجدہ

باب ماجاء فی سجود القرآن

(1) كما قال الله عز وجل واسجد واقترب ”سورہ طہ“ (2) كما في قول الله تعالى ولئن داود إنما ابتلاه فاستغفر ربہ وخر راكعاً واثاب ”سورہ ص“ رقم آیت ۲۴ (3) كما في قوله تعالى واذا قرأ عليهم القرآن لا يحجدون سورة الا انشاق (4) سورة انعام آیت ۹۰

واجب ہے ورنہ انکار قابل مذمت نہ ہوتا۔

دلیل ثانی عن ابی ہریرہ روایہ مسلم (5) کہ جب ابن آدم آیت سجدہ پڑھتا ہے اور سجدہ کرتا ہے تو ایلیس روتا ہوا وہاں سے ہٹ جاتا ہے اور کہتا ہے۔

یاویل امر ابن آدم بالسجود فاسجد فله الجنة وامرت بالسجود وایست وفی

روایۃ له فعصیت فلی النار

یہاں بھی لفظ امر دال علی الوجوب ہے۔ اور اس پر امام نووی (6) کا یہ اعتراض کہ یہ استدلال باطل ہے کیونکہ یہ مقولہ ہے ایلیس کا یہ اعتراض لغو ہے کیونکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور حکایت نقل کیا ہے لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد محض حکایت باطل نہیں ہو سکتا۔ اور ایسی تو کئی ہی مثالیں ہیں کہ اللہ نے بطور حکایت قرآن میں بیان فرمائی ہیں مع ہذا وہ قرآن میں۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل علی عدم الوجوب حضرت زید بن ثابت کی روایت ہے جو باب ماجاء من لم یسجد فیہ میں آ رہی ہے۔

قال قراءت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النعم فلم یسجد فیہا (7)

جواب :- یہ روایت عدم وجوب سجدہ پر دال نہیں کیونکہ یہاں نفی نفس سجدہ کرنے کی نہیں بلکہ سجدہ علی الفور کی ہے یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت زید کی تلاوت کا وقت کراہیت سجدہ کا ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غیر طہارت میں ہوں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ سجدہ علی الفور اس لئے نہیں کیا کہ یہ بتانا مقصد ہو کہ سجدہ علی الفور واجب نہیں۔

ان کی دلیل ثانی اسی باب میں حضرت عمر کے قول وواقعے سے ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک جمعے کے دن آیت سجدہ تلاوت کی تو منبر سے اتر کر سجدہ کیا پھر دوسرے جمعے کو آیت تلاوت فرمائی لوگوں نے سجدہ کرنے کے لئے تیاری کی کما نقلہ الترمذی:

(5) صحیح مسلم ص: ۶۱ ج: ۱ "باب بیان اسم اطلاق الکفر علی من ترک الصلاۃ" (6) ذکرہ فی شرح مسلم للنووی ص: ۶۱ ج: ۱

(7) ایضاً رواہ الشیخان صحیح بخاری ص: ۱۳۶ ج: ۱ "باب من قرأ السجدۃ ولم یسجد" صحیح مسلم ص: ۲۱۵ ج: ۲ "باب سجود التلاوة"

ثم قرا في الجمعة الثانية فتبها الناس للسجود فقال انها لم تكتب علينا الا ان

نشاء فلم يسجد ولم يسجدوا (8)

طریق استدلال یہ ہے کہ اگر سجدہ واجب ہوتا تو عمر اس کو ترک نہ فرماتے۔

جواب یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ لم تكتب علينا علی الفور شیخ عبدالحقؒ نے معات میں یہ جواب دیا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ حضرت عمر کا مذہب ہو اور ان کو دوسرے صحابہ کی رائے کا علم نہ ہو۔ مطلب جواب کا یہ ہے کہ جس طرح یہ مسئلہ ائمہ کے مابین اختلافی ہے تو صحابہ کے درمیان بھی مختلف فیہا تھا اس کی تائید امام مالک کے اس قول سے بھی ہوتی ہے نقلہ العینی ان ذالک بما لم یقع علیہ عمرو لا عمل بہ احد بعده۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر کا مقصد یہ ہے کہ انہما لم تكتب علينا ای جماعت کہ لوگ باجماعت کرنے کی تیاری کر رہے تھے۔ یہ تو جیہات اس لئے ضروری ہیں کہ کا ملین کی شان سے ترک سنت بہت بعید ہے لہذا اگر آپ کے نزدیک یہ دلیل ہے عدم وجوب کی اس لئے سجدہ سنت ہے تو سوال یہ ہے کہ حضرت عمر نے سنت کیوں چھوڑی؟

پھر حنفیہ کے نزدیک اگر آیت سجدہ خارج صلوٰۃ تلاوت کی تو سجدہ علی الفور واجب نہیں اور اگر داخل صلوٰۃ تلاوت کی تو پھر علی الفور واجب ہے کہ یہ نماز کا حصہ ہے۔

اگر ایک آدمی نے (کمافی الشامی) نماز میں آیت سجدہ پڑھی تو اگر وہ بجائے سجدہ کے رکوع کرنا چاہے یا سجدہ تو اس کی شرط یہ مقرر ہے کہ فوراً ادا کرے یعنی زیادہ سے زیادہ تین آیتیں آیت سجدہ اور سجدہ یا رکوع کے درمیان حائل ہوں تو اس سے فصل لازم نہیں آتا البتہ اگر تین سے زائد ہوں تو اس میں اختلاف ہے لہذا تاخیر کرنے سے گنہگار ہوگا جس سے پچنا ضروری ہے۔

اگر نماز میں آیت سجدہ پڑھی اور عداً سجدہ نہیں کیا اور سلام پھیرا تو اس پر سجدہ نہیں اور یہ آدمی گنہگار ہوگا اور اگر سہواً ترک کیا تو قبل السلام جب بھی یاد آئے تو سجدہ کرے اور بعد السلام عند البعض نہ کرے اور عند البعض کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ مسجد سے خارج نہ ہوا ہو اور کوئی عمل متانی صلوٰۃ بھی اس سے سرزد نہ ہوا ہو اگر امام آیت

(8) ایضاً اس روایت کو امام بخاری نے بھی لایا ہے ص: ۱۳۸ ج: ۱ باب من رای ان الله عز وجل لم یوجب السجود حفظ الرحمن خفی

سجدہ پڑھے اور اس کے بعد اس کی اقتداء کی جائے تو اگر قبل السجود اقتداء کرے تو امام کے ساتھ سجدہ میں شامل ہوگا اور اگر بعد السجود شامل ہو تو سجدہ نہیں کرے گا۔

اگر مقتدی آیت سجدہ تلاوت کرے تو اس سے سجدہ واجب نہیں ہوتا نہ اس مقتدی پر نہ دوسرے پر نہ امام پر پھر اگر مصلی آیت پڑھنے کے بعد رکوع کرے تو بھی سجدہ اداء ہو جائے گا علی قول بشرط البدیۃ اور علی قول نیت ہو یا نہ ہو۔

پھر امام کے ساتھ مقتدیوں کی نیت بھی شرط ہے یا نہیں؟ تو دونوں قول ہیں۔ پھر مقتدی کے لئے امام کا سجدہ تلاوت سننا شرط نہیں صرف اقتداء کافی ہے لہذا اگر وہ اتنی دور ہو کہ امام کی نماز نہ سنے جہری نمازوں میں ہو یا سری نمازوں میں ہو تو امام کی اقتداء ضروری ہے یعنی اس کے ساتھ سجدہ کریگا۔

اگر ایک مصلی خواہ امام ہو یا مقتدی یا منفرد کسی ایسے شخص سے آیت سجدہ سنے جو اس کے ساتھ نماز میں شریک نہیں چاہے وہ تالی امام ہو یا منفرد و مقتدی یا بغیر نماز کے خارج میں پڑھے تو نماز میں اس پر سجدہ نہیں بلکہ نماز سے فراغت کے بعد سجدہ کرے گا الا یہ کہ وہ تالی سامع کی طرح دونوں ایک ہی نماز میں ایک امام کے پیچھے اقتداء کر رہے ہوں کما مر۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک قرآن میں کل سجدے چودہ ہیں ان میں سے سورۃ حج کا دوسرا سجدہ شامل نہیں البتہ سورۃ ص میں وجوب سجدہ کے حنفیہ قائل ہیں۔

امام شافعی کے قول مشہور کے مطابق بھی سجدے چودہ ہیں فرق یہ ہے کہ یہ سورۃ حج کے دونوں سجدے سجدہ تلاوت پر محمول کرتے ہیں اور سورۃ ص میں ان کے نزدیک سجدہ تو ہے مگر سجدہ عزیمت نہیں بلکہ سجدہ تشکر ہے۔ دوسرا قول ان کا غیر مشہور پندرہ سجدوں کا ہے امام احمد کا قول اس کے برعکس ہے۔ یعنی قول مشہور پندرہ سجدوں کا اور غیر مشہور چودہ سجدوں کا ہے۔

امام مالک سے تین اقوال ہیں ایک گیارہ سجدوں کا وہ اس طرح کہ مفصلات کے تین سجدے ان کے ہاں نہیں اور سورۃ ص کے سجدے کو بھی سجدہ تلاوت پر محمول نہیں کرتے۔ ان کا دوسرا قول حنفیہ کی طرح ہے اور تیسرا قول حنابلہ کی طرح ہے یعنی پندرہ سجدے۔

یہاں کل تین مسئلے ہوئے پہلا مسئلہ یہ کہ سورۃ حج کا دوسرا سجدہ صلوٰۃ میں ہے یا تلاوت کا؟ دوسرا مسئلہ کہ سورہ میں سجدہ ہے یا نہیں؟ یعنی عزائم میں سے ہے یا نہیں؟ اور تیسرا مسئلہ کہ مفصلات یعنی تجرأت سے اخیر تک کوئی سجدہ ہے یا نہیں؟

حنفیہ کے نزدیک سورہ حج کا دوسرا سجدہ صلوٰۃ میں ہے اور ص اور مفصلات میں سجدے ہیں۔
امام شافعی اور فی قول امام احمد و امام مالک کے نزدیک سورۃ حج کا دوسرا سجدہ سجدۃ تلاوت ہے اور ص کا سجدہ عزائم میں سے نہیں۔ جبکہ مفصلات میں امام مالک کے نزدیک اس میں کوئی سجدہ نہیں باقی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس میں تین سجدے ہیں۔

سورہ حج میں دوسرے سجدے کے بارے میں شافعیہ کا استدلال باب فی السجدة فی الحج میں روایت سے ہے اس میں عقبہ بن عامر کی روایت ہے۔

فقال قلت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم فضلت سورة الحج بان فيها

سجدتين قال نعم ومن لم يسجد لها فلا يقرأ بها

حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت میں ابن ابیہرہ راوی ہے جس کا ضعف مشہور ہے۔

حنفیہ کی دلیل طحاوی (9) میں ابن عباس کی روایت ہے۔

وهو يقول في سجود الحج الاول عزيمة والآخر تعليم

امام محمد مؤطا (10) میں لکھتے ہیں۔

وكان ابن عباس لا يرى في سورة الحج الاسجدة واحدة الاولى لا الثانية

وبهذا انا اخذوا هو قول ابي حنيفة

دوسری بات یہ ہے کہ سورہ حج کا دوسرا سجدہ اس لئے صلوٰۃ میں ہے کہ عام طور پر قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ

آیت سجدہ میں یا فطر رکوع کا ذکر ہوتا ہے یا فطر سجود کا اور یہاں دونوں کا ذکر ہے۔ ”بایہا الذین آمنوا ارکعوا

(9) طحاوی ص: ۲۳۹ ج: ۱ ”باب الفصل علی زیجود ام لا“

(10) مؤطا ص: ۱۲۸ ”باب سجود القرآن“

واسجدوا“ اس کی مثال یہ ہے کہ ”بسم الله الرحمن الرحيم واسجدوا“ (11) جس طرح اس میں باتفاق سجدہ تلاوت مراؤ نہیں تو سورۃ حج کی آخری آیت میں بھی سجدہ تلاوت مراؤ نہیں۔

قال ابن العربي کہ سجدے کے قائلین کو پھر رکوع بھی کرنا چاہیے اگرچہ ان کا میلان ثبوت کی طرف ہے۔ البتہ قال انتہا نووی احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ قاری جب اس آیات پر پہنچے تو رکوع کرے اور رکوع میں سجدے کی نیت کرے اور اگر خارج صلوٰۃ ہو تو سجدہ کرے البتہ اگر وہ سورۃ حج کو مکمل کرنے کے بعد رکوع کرتا ہے تب بھی ایسا کر سکتا ہے۔ کہ مرچنانچہ شافعی نے تصریح کی ہے کہ جس سجدے کے بعد سورۃ کی تین یا چار آیات رہتی ہیں تو اس کو مکمل کرتا جائز ہے پھر سجدہ کرے یا رکوع۔

سورۃ ص میں امام شافعیؒ امام مالکؒ اور فی قول امام احمد کا استدلال باب ماجاء فی السجدة فی ص کی روایت سے ہے جو ابن عباس سے مروی ہے۔

قال رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم يسجد في ص قال ابن عباس وليست من عزائم السجود

امام ترمذی نے امام شافعی کے نام کی تصریح کی ہے کہ وہ سورۃ ص میں سجدے کے قائل ہیں۔ قال العيني لا خلاف بين الحنفية والشافعية في ان في ص فيها سجدة تفعل وانما الخلاف في انها من العزائم ام لا؟ فعند الشافعي ليس من العزائم وانما هي سجدة الشكر تستحب في غير الصلوة وتحرم فيها وبه قطع جمهور الشافعية وعند أبي حنيفة واصحابه هي من العزائم وهو قول مالك ايضا وعن احمد كالمذهبين والمشهور منهما كقول الشافعي (12)

امام شافعی کا استدلال ثانی نسائی (13) کی روایت سے ہے۔

ان النبي صلى الله عليه وسلم سجد في ص فقال سجدها داود عليه السلام توبة ونسجدها شكراً

(11) سورۃ آل عمران آیت نمبر ۴۳ (12) دیکھئے عمدة القاری ص: ۹۸ ج: ۷ (13) ص: ۱۵۲ ج: ۱ 'باب سجود القرآن فی ص'

حنفیہ کی دلیل اول اسی باب کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ص میں سجدہ کیا ہے باقی ابن عباس کا یہ کہنا کہ یس من عزائم السجود یہ حصہ موقوف ہے کما هو المصرح والعمل بفعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم اولیٰ من العمل بقول ابن عباس۔ یا عزائم کی نفی سے مراد فرضیت کی نفی ہے۔
دلیل ثانی وہی ہے جس کو امام شافعی نے مستدل بنایا ہے یعنی روایت نسائی باقی داؤد علیہ السلام کا بطور توبہ اور ہمارا بطور شکر ادا کرنا عزیمت کے منافی نہیں۔

دلیل ثالث نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ ص میں سجدہ کیا پھر فرمایا ”اولئك الذين هدى الله فبهداهم اقتده“ رواہ البخاری (14) اقتدہ امر ہے وہو للوجوب۔

دلیل رابع ابوداؤد (15) میں ابوسعید خدری کی روایت ہے۔

قال قرأ رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو على المنبر ”ص“ فلما بلغ السجدة نزل فسجد وسجد الناس معه

امام مالک کے نزدیک سجدے کل گیارہ ہیں ان کی دلیل مذکورہ باب کی روایت ہے جو ابوالدرداء سے مروی ہے جس میں ہے۔

سجدت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم احدى عشرة سجدة منها التي في النجم

جواب ۱:- ترمذی میں یہ روایت دو سندوں سے ہے پہلی سند میں عمرو مشقی ہے جو مجہول ہے اور دوسری

سند میں مخبر مخمر کا واسطہ ہے یہ بھی مجہول ہے اس لئے قال ابوداؤد و اسنادہ واپ۔ (16)

جواب ۲:- اس سے یہ استدلال کرنا کہ قرآن میں کل گیارہ سجدے ہیں صحیح نہیں کیونکہ یہاں تو اس بات

کا ذکر ہے کہ ابوالدرداء فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گیارہ سجدے کئے یہ نہیں کہا کہ قرآن میں کل گیارہ سجدے ہیں اور اہم بات یہ ہے کہ اگر اس روایت کو صحیح مانا جائے تو یہ امام مالک کے خلاف جاتی ہے کیونکہ اس میں تصریح ہے منہا التي في النجم جبکہ امام مالک مفصلات میں سجدے کے قائل نہیں ہیں۔

(14) صحیح بخاری ص: ۶۶۶ ج: ۲ ”باب قوله اولئك الذين هداهم الله“ (15) سنن ابی داؤد ص: ۷۰ ج: ۱ ”باب السجود في ص“

(16) دیکھیے سنن ابی داؤد ص: ۲۰۶ ج: ۱ ”باب تفریع ابواب السجود و کما سجدة في القرآن“

وسیل ثانی باب ماجاء من لم یسجد فیہ فی النجم اس میں حضرت زید بن ثابت کی روایت ہے۔

قال قراءت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النعم فلم یسجد فیہا

مگر اس روایت کے جوابات پہلے گزر چکے ہیں۔

اس کے مقابلے میں ہمارا استدلال ابن عباس کی روایت سے ہے جو باب ماجاء فی السجدة فی النجم میں

مروی ہے۔

عن ابن عباس قال سجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیہا یعنی النعم

والمسلمون والمشرکون والحن والانس

یہ روایت بخاری (17) میں بھی ہے قال ابو عیسیٰ حدیث ابن عباس حدیث حسن صحیح۔

امام ترمذی فرماتے ہیں۔

قال بعض اهل العلم ليس في المفصل سجدة هو قول مالك بن انس والقول

الاول اصح

یہی روایت مسلم (18) میں بھی ابن مسعود سے مروی ہے۔

وسیل ۲:- خلاف مالک یہ ہے عن ابی ہریرۃ باب فی السجدة فی اذا السماء انشقت و اقرا باسم ربک الذی

خلق میں مروی ہے۔

قال سجدنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اقرا باسم ربک و اذا السماء

انشقت قال ابو عیسیٰ حدیث ابی ہریرۃ حدیث حسن صحیح

یہ مصرح ہے کہ مفصلات میں سجدہ ہے ممکن ہے کہ امام مالک تک یہ روایت نہ پہنچی ہو۔

(17) صحیح بخاری ص: ۳۶۱ ج: ۱ ایضاً ص: ۲۱۱ ج: ۲ ایضاً صحیح مسلم ص: ۲۱۵ ج: ۱ پر بھی روایت ابن مسعود سے بھی ہے البتہ

دونوں کے الفاظ میں فرق ہے۔ (18) صحیح مسلم ص: ۲۱۵ ج: ۱ باب سجود القلاوۃ

باب فی خروج النساء الی المساجد

رجال:-

عسلی بن یونس کوئی نزل شام میں ثقہ مامون ہیں۔ ☆

تشریح:-

یہ اور اس کے مابعد والا باب یہ دونوں ابواب بخود قرآن کے درمیان میں ہیں کہ ما قبل و ما بعد بخود قرآن کا ذکر ہے۔ قال اللکو ہی فی الکو کتب کہ یہ تائید کی غلطی ہے یا مصنف سے سہو ہوا ہے کہ اس کی مناسبت نہیں۔ ہاں اگر بخاری کے تراجم کی طرح اس کے لئے مناسبتیں نکالنا چاہیں تو وہ بہت زیادہ ہیں لہذا یہ غلطی ہے۔ میرے خیال میں سابقہ باب کا اصلی محل ان دونوں بابوں کے بعد ذکر کئے جانے کا تھا لہذا غلطی کی نسبت پہلے باب کی طرف کرنی چاہیے۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ ہم ابن عمر کے پاس تھے تو فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ائذنوا للنساء باللیل الی المساجد مراد عشاء کی نماز ہے بعض روایات میں فجر کی نماز میں بھی عورتوں کا مسجد میں جانا ثابت ہے لہذا فجر حکماً رات کی نمازوں میں شامل ہے کہ اس وقت فساد سوئے ہوتے ہیں تو ان کے فرزند نے کہا کہ واللہ لاناؤن لہن۔ بخاری نے نقل ابن سے مراد کو ان ہے تو مسلم کی (1) ایک روایت میں ہے کہ بلال ہے اور فی روایہ لہ واقعہ ہے۔ حافظ نے فتح الباری میں بلال کے نام کو ترجیح دی ہے۔ (2) دخل منجان درخت جس کے پیچھے آدمی چھپ سکے یہاں مراد مخادعہ ہے کہ مخادع کے دل میں کچھ اور اور زبان پر کچھ اور ہوتا ہے تو عورتیں کہیں گی کہ ہم مسجد جا رہی ہیں اور جائیگی کہیں ”اور“۔ قال ابن عمر فعل اللہ بک وفعل قال السندی فعل اللہ بک

باب عاجاء فی خروج النساء الی المساجد

(1) صحیح مسلم ص ۱۸۳ ج ۱: ”باب خروج النساء الی المساجد الخ“

(2) فتح الباری ص ۳۴۸ ج ۲: ”باب خروج النساء الی المساجد باللیل والغسل“

مناکرہ وفد فعل یہ وفد فعل تھاؤں کہا کہ گویا وہ بدو عا قبول ہوئی کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتا ہوں و تقول لانا ان۔

باب کرابیۃ البول فی المختسل میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے کہ معارضہ حدیث کا حکم کیا ہے ظہر ج مع من شاء الیہ۔ یہاں معارضہ صور یہ ہے کہ حضرت عمر کا خاندان مغلوب الغیرۃ تھا کہ انہوں نے صحیح نیت سے بات کی کہ فساد و فتنہ بڑھ گیا زمانہ بدل گیا اب یہ مسئلہ بھی تبدیل ہونا چاہیے یہ بات حضرت عائشہ ابن مسعود وغیرہ سے بھی مروی ہے لیکن چونکہ ان کی بات سب سے ملتی تھی کہ حدیث کے مقابلے میں کہی تو ابن عمر نے بدو عادی مسلم میں ہے نسبہ سبا (3) مسند احمد (4) میں ہے کہ موت تک ان سے باتیں نہیں کی۔

اس سے علماء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ اگر ایک آدمی سنت و حدیث پر اپنی رائے سے اعتراض ظاہر کرے تو اس کی تادیب جائز ہے یا علماء کی شان میں گستاخی کرے اسی طرح بیٹا اگر چہ بڑا ہو اس کی تادیب بھی جائز ہے تادیب بالجہر ان بھی جائز ہے۔

عورتوں کے مسجد جانے کا مسئلہ باب خروج النساء فی العیدین میں گزر چکا ہے جہاں پانچ اقوال بیان ہوئے۔ حاصل یہ ہے کہ خروج النساء الی المساجد کا مسئلہ بین العلماء اختلافی ہے۔ قال النووی (5) جو لوگ خروج کے جواز کے قائل ہیں وہ بھی مطلقاً نہیں بلکہ مشروط بشرائط جو کہ احادیث سے ماخوذ ہیں کہتے ہیں۔

ایک شرط یہ ہے کہ عورتیں زیب و زینت کے ساتھ نہ نکلیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ خوشبو لگا کر نہ نکلیں اور مردوں کے ساتھ خلط ملط بھی نہ ہوں راستہ بھی امن کا ہو یعنی قتلے کا اندیشہ نہ ہو۔ یہ شرائط احادیث میں مروی ہیں مثلاً و فی الباب جو حوالہ ابو ہریرہ کی حدیث ابو داؤد (6) میں ہے و فیہ و لہر جن تغلات اور زینت کی حدیث مسلم (7) میں ہے و فیہ فلا تحس طیباً اور زید بن حارث کی حدیث ابن حبان (8) نے روایت کی ہے اس کا مضمون بھی کحدیث ابی ہریرہ ہے۔ مسند احمد (9) میں ام حمید ساعدیہ کی روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں آپ کے پیچھے نماز پڑھنا پسند کرتی ہوں و فیہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو کہ حیرا گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں پڑھنے سے بہتر ہے۔

(3) ص ۱۸۳ ج ۱: (4) بحوالہ فتح الباری ص ۳۹۰ ج ۲: (5) کذا فی شرح المسلم ص ۱۸۳ ج ۱: (6) ص ۹۱ ج ۱:

(7) ص ۱۸۳ ج ۱: (8) صحیح ابن حبان، بحوالہ تہذیب لاخوڑی ص ۱۶۰ ج ۳: (9) مسند احمد ص ۳۱۰ ج ۱۰: رقم الحدیث ۲۷۱۵۸:

ورواة عائشة في ابى داؤد (10) ان عائشة زوج النبى صلى الله عليه وسلم قالت لو ادرك رسول الله صلى الله عليه وسلم ما احدث النساء لمتعهن المسجد كما منعت نساء بنى اسرائيل قال يحيى فقلت لعمره امنت نساء بنى اسرائيل قالت نعم

ابوداؤد (11) ہی میں عن ابن مسعود کی روایت ہے۔

ان النبى صلى الله عليه وسلم قال صلوة المرأة فى بيتها افضل من صلوتها فى حجرها وصلوتها فى معبدتها افضل من صلوتها فى بينها
یعنی مکن نماز کے سے بہتر یہ ہے کہ کمرے میں نماز پڑھے اور کمرے سے بہتر یہ ہے کہ مخصوص کمرے میں پڑھے۔

وعن ابن عمر قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تمنعوا نساءكم المساجد وبيوتهن خير لهن ابوداؤد (12)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے لئے فضیلت اس میں ہے کہ وہ بجائے مسجد کے گھروں میں نماز پڑھیں خصوصاً جب فتنے کا اندیشہ بلکہ یقین ہو تو بجائے مفضل کے افضل پر فتویٰ دینا ضروری ہے۔
اور مجوزین کی شرائط آج کل مفقود ہیں کیونکہ عورت اس طرح ننگنے کے لئے تیار نہیں کہ پرانی چادر لے کر بغیر خوشبو باہر نکلے اور فتنہ نہ ہو یہ ناممکن ہے اور مروجہ برقعہ ”رب کاسیات عاریاتو“ کا مصداق ہے۔

(10) ص: ۹۱ ج: ۱ ”باب ما جاء فى خروج النساء الى المساجد“ (11) ص: ۹۱ ج: ۱ ”باب ما جاء فى خروج النساء الى المساجد“

(12) ص: ۹۱ ج: ۱ ”باب ما جاء فى خروج النساء الى المساجد“

باب کراہیۃ البزاق فی المسجد

رجال:-

یحییٰ بن سعید القطار مشہور امام ہیں۔ سفیان یعنی ثوری۔
منصور الکوفی ثقہ ہیں۔ ربیع بکسر الراء ثقہ عابد مختصر۔ ☆

تشریح:-

امام ترمذی کے ترجمۃ الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد میں تھوکنے کو مکروہ کہتے ہیں اس میں انہوں نے دو حدیثوں کی تخریج کی ہے ایک انس سے جو دوسرے نمبر پر مذکور ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم البزاق فی المسجد خطیئة و کفارتها دفنها

قال ابو عیسیٰ لہذا حدیث حسن صحیح

یہ روایت مسلم (1) و بخاری (2) دونوں میں بھی مروی ہے۔ دوسری روایت طارق بن عبد اللہ سے مروی ہے جو یہاں پہلے نمبر پر مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم نماز میں ہو تو:

فلا تبرق عن یمینک ولكن خلفک او تلقاء شمالک او تحت قدمک اليسری

دوسری حدیث کی مناسبت باب سے واضح ہے پہلی حدیث کی کیا مناسبت ہے تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ مومن کی شان یہ ہے کہ نماز کامل پڑھے اور کامل نماز مسجد میں ہوتی ہے اور یہی قاضی عیاض بعض شراح اور محدثین کی رائے ہے کہ یہ دونوں حدیثیں باہم موافق ہیں کہ حدیث منہج کا مطلب یہ ہے کہ آدمی دفن نہ کر دے یا تھوک کر چھوڑنے کی نیت سے تھوک رہا ہے تو گناہ ہے چھپانے کی نیت سے تھو کتنا گناہ نہیں یا بلا ضرورت تھو کتنا گناہ ہے مگر مع الضرورة جائز ہے۔

باب کراہیۃ البزاق فی المسجد

(1) صحیح مسلم ص: ۲۰۷ ج: ۱ "باب انہی عن البزاق فی المسجد" (2) صحیح بخاری ص: ۵۹ ج: ۱ "باب کفارة البزاق فی المسجد"

امام نووی (3) فرماتے ہیں کہ مسجد میں تھوکنے مطلقاً گناہ ہے بلا ضرورت ہو یا تحت الضرورت ہو یہی رائے حضرت تھانوی کی ہے۔ قال ابن العربي فی العارضة اللہ نے فرمایا ”فی بیوت اذن اللہ ان ترفع“ مسجدوں کی رفعت و منزلت کا حکم ہے لہذا جو بھی رفعت کے خلاف عمل ہو گا وہ مسجد کی شان کے منافی ہے اور تھوکنے کا چیز پر اس کی اہانت ہے کیونکہ تھوک مستحذر ہے لہذا یہ جائز نہیں لہذا حضرت طارق کی روایت مسجد سے متعلق نہیں ہو سکتی کیونکہ چھپے تھوک یا انہیں ہاتھ کی طرف تھوک اور مسجد میں بھی چھپے صف ہوتی ہے بائیں طرف بھی لوگ ہوتے ہیں۔ مجوزین قید لگاتے ہیں کہ لوگ موجود نہ ہوں ہم کہتے ہیں کہ فرش بھی قابل احترام ہے لوگوں کی طرح گو کہ مسلمان کی حرمت زیادہ ہے۔

پھر روایت (4) سے ثابت ہے کہ کسی نے مسجد کی دیوار پر ناک بھینکی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کھرید لیا اور خلوق کی خوشبو لگائی اور ممانعت فرمائی کہ قبلے کی طرف مت تھوکو۔ اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑے میں تھوکا اور کپڑے کو رگڑا اور فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی کو ضرورت ہو تو یوں کرے لہذا نووی کی رائے قاضی عیاض کی رائے کی بہ نسب زیادہ اچھی ہے اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ اگر کپڑا نہ ہو تو نکل لے۔

پھر تھوکنے سے فقط مسجد کا تقدس ہی پامال نہیں ہوتا بلکہ لوگوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ مسجد میں تھوکنے جائز ہے ان کے نزدیک بھی حکم مطلق نہیں بلکہ مشروط بشرط ہے یعنی بشرط ضرورت اور بشرط دفن کما مر۔ پھر اگر مسجد کی مٹی ہے تو دفن یہ ہے کہ مٹی میں چھپائے اگر فرش کیا ہو اور اگر فرش پر دری وغیرہ ہو تو اس پر تھوکے کیونکہ اس پر تھوکنے اخف ہوگا بہ نسبت فرش کے کہ دری مسجد کا حصہ نہیں فرش حصہ ہے لیکن اگر مسجد کا فرش پختہ ہو تو اس کا دفن یہ ہے کہ اس کو کسی کپڑے سے صاف اور خشک کیا جائے تھوک کا چھوڑنا بہر حال گناہ ہے۔

پھر اس حدیث میں ہے فلا تمزق عن سینک اسی طرح وہی الحدیث من تقلل تجاه القبلة جاء یوم القیلة ونقلہ بین عینیہ (5) لہذا آگے اور دائیں طرف تھوکنے ممنوع ہے چاہے مسجد میں ہو یا خارج نماز میں ہو یا نہ ہو البتہ نماز اور مسجد میں اس کی قباحت اشد ہو جاتی ہے نماز میں مناجات مع اللہ اور مواجہت احترام قبلہ و لکن اللہ تعالیٰ (3) کما فی شرح النووی علی صحیح مسلم ص: ۲۰۷ ج: ۱ (4) کذا فی صحیح مسلم ص: ۲۰۷ ج: ۱ ایضاً صحیح بخاری ص: ۵۸۸ ج: ۱ باب ملک المواق بالید من المسجد (5) رواہ الترمذی فی الکبریٰ ص: ۷۰ ج: ۳ باب ما جاء فی منع من اکل ثوبا وصل او کما من ان یاتی المسجد ایضاً رواہ ابن حبان وابن خزیمہ فی صحیحہما بحوالہ معارف السنن ص: ۹۵ ج: ۱

بینہ و بین القبلة و لکن الوصلۃ امام المصلی وغیرہ وجوہات ہیں اور مسجد میں آگے یا دیوار ہوگی یا لوگ ہو گئے اس لئے منع ہے۔ اور یمن کی طرف اس لئے تھوکنہ منع ہے کہ اس پر فرشتے کا تب الحسنات ہوتے ہیں بلکہ یا پیچھے کی طرف تھو کے یا شمال یا تحت قدم الیسری تھو کے۔

اعتراض:- فرشتہ تو شمال کی طرف بھی ہوتا ہے۔

جواب:- شمال والا فرشتہ سینات لکھتا ہے اور صلوٰۃ حسنہ محض ہے تو ممکن ہے کہ اس وقت شمال کا فرشتہ موجود نہ ہو۔ یا وجہ یہ ہے کہ از طرف شمال شیطان آتا ہے تو شیطان کا وسوسہ دفع کرنے کے لئے تھو کے نہ کہ ملک کی تحقیر کے لئے یا وجہ یہ ہے کہ اگرچہ فرشتے دونوں طرف ہی مگر یمن اولیٰ ہے شمال سے قال اللکو ہی فی الکو کب پیچھے کی طرف تھوکنے کی صورت یا بعدے میں یا رکوع میں ہو سکتی ہے حالت قیام میں بھی چہرہ موڑ سکتا ہے مگر سینہ قبلہ کی طرف رہے اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ یسار اور پیچھے کی طرف انسان نہ ہو ورنہ یسری پاؤں کے نیچے تھو کے۔

قال الترمذی سمعت الحارود یقول سمعت و کیعاً یقول لم یکذب ربی بن

حراش فی الاسلام کذبہ

مطلب یہ ہے کہ ربی نے کبھی نہ جان بوجھ کر جھوٹ بولا ہے نہ سوایہ یہ قسم اس لئے کی کہ عدا جھوٹ سے بچنا کوئی کمال نہیں کہ اس طرح کے بہت سارے لوگ ہیں۔

باب ماجاء فی السجدة فی النجم

رجال:-

ہارون بن عبد اللہ ثقة من العاشرة۔

اخبرنا ابی یعنی عبدالوارث قال الذہبی "اجمع المسلمون علی الاحتجاج بہ"۔ ایوب

هو السخنیانی۔

تشریح:-

عن ابن عباس کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں (نجم) میں سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مسلمانوں مشرکین اور جن وانس نے سجدہ کیا۔

عن ابن مسعود اول سجدہ یہ نازل ہوا ہے یہ کہ واقعہ مکہ مکرمہ (۱) کا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ نجم میں آیت سجدہ پڑھی آپ نے سجدہ کیا اور معہ مسلمان وغیرہ نے بھی سجدہ کیا۔
کفار نے کیوں سجدہ کیا؟ تو اس میں متعدد اقوال ہیں۔

قول ۱:- جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی ”ارایتیم اللات والعزى ومنوۃ الثالثة الاحسرى“ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ کلمات آئے تھیں ان غرائق العلی وان شفاعتہن لترتجی غرائق جمع غرق پانی کے سفید پرندے ہیں یا سفید محنت مند جو ان کو کہتے ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ کیا اور مشرکین نے اس خوشی میں سجدہ کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ ہمارے بتوں کی تعریف کی۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ الفاظ شیطان نے کہے تھے وقل بلا اختیار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر آئے تھے یا سہوا آئے تھے لیکن یہ اقوال باطل محض ہیں کیونکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب کے منافی اور ان کی شان سے محال ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ اور وحی ہر باطل سے محفوظ ہے۔ البتہ قال ابن حجر (۲) کہ ان روایات کے متعلق یہ کہنا کہ یہ محض باطل ہیں صحیح نہیں ہوگا کہ یہ روایات متعدد طرق سے مروی ہیں ان میں علاوہ طریق سعید بن جبیر کے باقی طرق ضعیف یا منقطع ہیں مگر تین مراسل ایسی ہیں جو علی شرط الخمسین ہیں قال الحافظ ایسی مراسل جو متعدد طرق سے آئے وہ قابل حجت ہیں بشرطیکہ ان کے خارج متعدد ہوں جو لوگ مرسل کو حجت مانتے ہیں تو ان کی بات صاف ہے جو مرسل کو حجت نہیں مانتے وہ بھی ان مراسل کے ماننے پر مجبور ہیں کہ ان میں یقوی بعضہا بعضاً لہذا معلوم ہوا کہ ان کیلئے منشاء ہے۔ پھر متعدد توجہیات کو ذکر کر کے رد کر دیا ہے سوائے ایک کے کہ جس کو انہوں نے احسن قرار دیا کہ شیطان دوران تلاوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سکتوں کا انتظار

کرتا تھا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اور وقف کیا تو شیطان نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جیسی آواز بنا کر تلک الغرائق الخ کہا تو لوگوں کے اذہان میں شبہات پیدا ہوئے تو یہ آیات نازل ہوئی سورۃ حج (3) کی ”وَمَّا رَسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى الْفَى الشَّيْطَانُ فِي أَمْنِيَّتِهِ فَيَنْسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ“۔ حسن الحافظ ہذا التوجیہ۔

لیکن ابن حجر کی یہ بات کہ روایات باطل نہیں اور یہ توجیہ حسن ہے یہ صحیح نہیں وجہ یہ ہے کہ سورۃ حج کی آیات کا نزول اس وجہ سے کہ شیطان نے کلمات کہے یہ غلط ہے صحیح مطلب یہ ہے سورۃ حج کی ان آیات کا کہ جب بھی کوئی نبی آیات پڑھتا ہے تو شیطان دوسرے ڈالتا ہے لوگوں کے دلوں میں تو اللہ شبہ کو زائل کرنے کے لئے پھر حکمت نازل فرماتے ہیں تو اہل حق کے یقین میں اضافہ ہوتا ہے اور اہل زلف کے شبہوں میں۔

دوسری بات یہ ہے کہ حافظ یہ فرماتے ہیں کہ ان روایات میں سے مراسل ثلاثہ صحیحین کی شرط پر ہیں لہذا یہ روایت بے اصل نہیں۔ تو صاحب تحفہ نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ یہ قانون کلی نہیں کہ جہاں سند صحیح ہو تو واقعہ بھی صحیح ہوگا اور تائید حافظ زبلی کی نصب الراية والی عبارت نقل کی ہے وفیہ کثرت روایت اور تعدد طرق کے باوجود کبھی روایت ضعیف ہوتی ہے جیسے حدیث صبر حدیث حاکم واکچرم اور حدیث من کنت من مولاه فعلی مولاه بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تعدد طرق کی وجہ سے روایت مزید ضعیف ہو جاتی ہے۔ نصب الراية کی اس روایت کی روشنی میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ غرائق کی روایت باطل اور موضوع ہے۔ (4)

البتہ یہ اشکال ابھی باقی ہے کہ مشرکین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیوں سجدہ کیا؟ تو قبل کہ چونکہ سورۃ نجم میں ان کے معبودین کے نام آئے تھے تو انہوں نے اپنے معبودین کی تعظیم کے لئے کیا۔ مگر اشکال اس پر یہ ہے کہ ابن مسعود کی روایت میں ہے کہ ایک شیخ نے کنکری اٹھا کر پیشانی پر رکھ کر کہا کہ میرے لئے یہ کافی ہے (5) تو اگر سجدہ اپنے الہ کی تعظیم کے لئے تھا اس شیخ نے یہ حیلہ کیوں کیا؟ اس لئے نہ یہ صحیح جواب یہ ہے کہ ان کا یہ سجدہ بھی باری تعالیٰ کی تعظیم میں تھا اور اگرچہ وہ اس بات کے منکر ہیں لیکن یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ

(3) سورۃ حج رقم آیت ۵۲: (4) رجوع فرمائیے تحفۃ الاحوذی ص: ۱۶۶ ج: ۳

(5) رواہ البخاری ص: ۳۶۶ ج: ۱ ”باب ماجاء فی سجود القرآن وسجدة“

تھا۔ بالفاظ دیگر ان کا اختیار اس وقت سلب ہو گیا تھا اور وہ قادر علی الانکار نہ تھے۔

اعتراض یہ ہے کہ اگر وہ بے اختیار تھے تو ایک آدمی اس سے کیسے مستثنیٰ رہا؟ جس نے کنکریاں پیشانی پر رکھ دیں۔

جواب یہ ہے کہ جس پر ختم شقاۃ لگا تھا اور وہ نہایت مضبوط تھا جیسے یہ شیخ تو وہ اس سجدہ سے بھی متاثر نہ ہوا پھر وہ بدر میں عنقریب مارا گیا۔ ابن کثیر میں ہے کہ یہ شخص ولید بن مغیرہ تھا۔ بخاری میں امیہ بن خلف بعض میں عتبہ بن خلف کا ذکر ہے۔ واللہ اعلم

باب ماجاء من التشدید فی الذی یرفع رأسہ قبل الامام

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا وہ آدمی اس بات سے نہیں ڈرتا جو امام سے پہلے رکوع و سجود میں سر اٹھائے کہ اللہ اس کا سر گدھے کی مانند کر دیگا۔
قیل اس سے مراد تشدید ہے واقعی تحویل نہیں کہ اس امت میں مسخ نہیں یا مراد یہ ہے کہ اللہ اس کو گدھے کی طرح بے وقوف بنا دے گا۔

بعض شرح کا میلان اس طرف ہے کہ یہ اپنے ظاہر پر محمول ہو سکتا ہے پھر یہ بھی امکان ہے کہ یہ سزا اس کو قیامت میں ملے اور یہ بھی امکان ہے کہ دنیا ہی میں اس کو بھگتنا پڑے۔ قال البہوریؒ کہ ہم نے بسا اوقات سنا ہے کہ وہ شیعہ جو صحابہ کو گالی دیتے تھے ان کی شکلیں گدھے کتے وغیرہ کی طرح ہو گئیں عند الموت یا مسخ کا جواب یہ ہے کہ اجتماعی مسخ نہیں ہوگا انفرادی مسخ واقع ہے کما ہوا المشاہد۔

مفتی شفیع صاحبؒ کی کتاب موسیقی اور اسلام میں اس پر جو احادیث کی تخریج ہوئی ہے اس میں متعدد احادیث نقل کی ہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کے آخری لوگوں میں مسخ کا عذاب شروع ہوگا اگرچہ اجتماعی نہیں ہوگا۔

ایک محدث نے دمشق کا سفر کیا وہاں کے ایک مشہور شیخ سے حدیث پڑھنے لگا اور اس کے پاس اس وقت تک رہا جب تک اس کی ساری احادیث ضبط نہ کرتے اور اس پورے عرصے میں اپنے شیخ کو نہیں دیکھا کہ وہ درمیان میں پردہ و التما تھا فلما طالت ملازمته له وراى حرصه على الحديث كشفه له السر فرأى

وجہ وجہ حمار پھر کہا کہ بیٹے امام سے سبقت کرنے سے بچتے رہو وانی لعامر فی الحدیث استبعدت وقوعہ فسبقت الامام فصار وجہی کما نری۔

رہا یہ کہ گدھے کی شکل سے اس عمل کو کیا مناسبت ہے؟ حالانکہ ہر گناہ کی اپنی سزا سے ضرور کوئی مناسبت ہوتی ہے۔

جواب ا:- یہ ہے کہ آدمی ہے تابع اور اس کی حماقت یہ ہے کہ کام مقبوع والا کرتا ہے تو اپنے آپ کو تابع ہو کر کے مقبوع سمجھنا حماقت ہے یا اس کی حماقت یہ ہے کہ وہ اتنا بھی نہیں جانتا کہ میں جلدی کے باوجود امام سے پہلے فارغ نہیں ہو سکتا اور حماقت وصف مشہور ہے گدھے کا۔ رفع کے ساتھ رکوع و سجدے میں پہلے جانا بھی اسی حکم میں ہے البتہ اگر سر پہلے اٹھایا اور دیکھا کہ امام سجدے میں ہے تو دوبارہ سر رکھے نماز ہو جائے گی آدمی گناہ گار ہے سجدہ ہو نہیں سکتا۔

باب ماجاء فی الذی یصلی الفریضة ثم یؤم الناس بعد ذالک

اس باب کی حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھ کر کمانی ہذا الروایۃ یا عشاء کی نماز پڑھ کر کمانی روایۃ اخری (1) اپنی قوم کی طرف چلے جاتے وہاں امامت کراتے اس سے اقتداء المنقرض خلف المتفضل کا مسئلہ پیدا ہوا کہ آیا منقرض کی نماز خلف المتفضل جائز ہے یا نہیں؟

تو عند الشافعی و اسحاق و فی روایۃ احمد کے نزدیک یہ اقتداء جائز ہے اسی طرح اگر مقتدی اور امام کی نمازیں فرض تو ہوں لیکن امام کی نماز مثلاً عصر کی ہو اور مقتدی کی ظہر کی تو بھی ان کے نزدیک ایک منقرض کی

باب ماجاء فی الذی یصلی الفریضة ثم یؤم الناس بعد ذالک

(1) کمانی روایۃ لیسبتی کبریٰ ص: ۱۱۶ ج: ۳ "باب ما علی الامام من التخصیف"

اقتداء دوسرے مفترض کے پیچھے جائز ہے۔ اس طرح صبی کے پیچھے بھی اقتداء المفترض جائز ہے۔
 حنفیہ و مالکیہ و نوافیہ امام احمد کے نزدیک خلف المستقل مفترض کی اقتداء بھی جائز نہیں اور اگر الگ الگ فرائض میں اقتداء ہو تو وہ بھی صحیح نہیں۔

شافعیہ حضرت معاذ کے اس عمل سے استدلال کرتے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فرض پڑھتے تھے اور اپنے قبیلے میں اسی نماز میں امام بن جاتے اور ان کی دوسری نماز نفل تھی اور لوگوں کی فرض۔

دلیل ۲:- عمرو بن سلمہ کے قصے سے ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں چھ یا سات سال کا تھا جب ہمارے لوگوں نے اسلام قبول کیا تو مجھے امام بنایا ظاہر ہے کہ چھ سات سال کے بچے کی نماز فرض نہیں ہوتی۔ (2)
 دلیل ۳:- صلوٰۃ خوف کی اس صورت سے ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو دو رکعات پر سلام پھیرتے تھے تو پہلی دو فرض دوسری دو نفل ہوئیں۔

حنفیہ و مالکیہ کی دلیل ترمذی کی روایت (3) ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الامام ضامن والمؤمن مؤتمن قال ابن العربي فی العارضة کہ ضامن کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ارکان میں ان کا قائم مقام ہے اور مقتدی کو قیام رکوع کی ضرورت نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ صحت و فساد میں امام کی نماز مقتدی کی نماز پر مشتمل ہے اور یہ تب ہو سکتا ہے کہ دونوں کی نمازیں ایک ہوں۔

دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ شی غیر کو حضمن نہیں ہو سکتی نہ اعلیٰ و مثل کو شامل ہو سکتی ہے البتہ اجماع چونکہ اس پر ہے کہ ایک مفترض کی اقتداء دوسرے کے پیچھے جائز ہے حالانکہ دونوں کی نماز مثل ہے اس لئے اس اجماع کی وجہ سے اس قاعدہ میں استثناء ہو گا باقی صورتیں اپنے حکم پر ہیں لہذا صلوٰۃ المقتدی صلوٰۃ الامام کی یا مثل ہو کہ دونوں کی نماز فرض اور ایک وقت کی ہو یا امام کی اعلیٰ ہو۔

اعتراض:- جب شی اپنے غیر کو شامل نہیں ہو سکتی پھر متغفل کی اقتداء خلف المفترض صحیح نہیں ہونی چاہیے کہ نفل غیر ہے۔

جواب:- جب مثل کو شامل ہوتی ہے تو ادنیٰ کو بطریق اولیٰ شامل ہوگی اور نفل ادنیٰ ہے۔

(2) رواہ ابو داؤد ص ۹۳ ج ۱: "باب من اتى بالامة" (3) ص ۲۹ ج ۱: "باب ما جاء من الامام ضامن والمؤمن مؤتمن"

دلیل ۲:۔ صحاح ستہ (4) کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انما جعل الامام ليو تم به یعنی امام کا مقصد یہ ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔

قال ابن العربي في العارضة (5) کہ ایک کی نماز ظہر کی دوسرے کی عصر کی یہ کوئی اقتداء ہے وائتمام ہے مزید لکھتے ہیں کہ مقتدی امام سے زمانے میں مخالفت نہیں کر سکتا کہ امام سے پہلے تحریر کہے یا پہلے سجدہ و رکوع کرے تو زمانہ جو کہ وصف ہے ارکان کا نہ کہ رکن تو نیت تو رکن ہے جب وصف میں مخالفت نہیں کر سکتا تو رکن میں بھی نہیں کر سکتا ہے۔

اسی طرح دیگر ارکان اعمال جوارح مثلاً قیام رکوع سجود وغیرہ اس میں مقتدی امام کی مخالفت نہیں کر سکتا کہ امام قیام میں ہو مقتدی سجدہ کرے وغیرہ تو ان ارکان کی طرح نیت بھی ایک رکن ہے فرق یہ ہے کہ وہ اعمال جوارح ہے اور یہ عمل قلب ہے۔ جب ان میں مخالفت کی گنجائش نہیں تو اس میں بھی بطریق اولی نہ ہوگی۔

دلیل ۳:۔ عند النسائي عن ابن عمر قال اني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا تعداد الصلوة في يوم مرتين (6)

ان احادیث ثلاثہ سے یہ قاعدہ مستنبط ہوتا ہے کہ فرض نماز نفل سے غیر ہے اور یہ کہ مقتدی امام کا تابع ہونا چاہیے۔

شافیہ کے دلائل کے جوابات یہ ہیں کہ آخری دو استدلالات سے ہرگز ان کا موقف ثابت نہیں ہو سکتا کہ اولاً تو عمرو بن مسلمہ کی حدیث پر حسن بصری امام احمد نے عدم ثبوت کا اعتراض کیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کہا تھا کہ اقرأ کو امام بناؤ تو انہوں نے جا کر کے نابالغ بچے کو امام بنایا یہ ان کا اپنا اجتہاد تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ لوگ نو مسلم تھے ان کو آیات و سورت یاد نہ تھیں عمرو بن مسلمہ چشمے پر رہتے تھے جہاں قافلوں کا آنا جانا رہتا تھا انہوں نے کچھ قرآن سیکھ لیا تھا لہذا یہ ضرورت کی صورت تھی۔ تیسری بات یہ ہے کہ وہ

(4) صحیح بخاری ص: ۱۵۰ ج: ۱ "باب صلاة القاعد" صحیح مسلم ص: ۷۷ ج: ۱ سنن نسائی ص: ۱۳۶ ج: ۱ سنن ابی داؤد ص: ۹۶ ج: ۱

سنن ابن ماجہ ص: ۶۱ "باب اذا قرأ الامام فاصموا" (5) عارضة الاحوذی ص: ۵۶ ج: ۳ (6) سنن نسائی ص: ۱۳۸ ج: ۱ "باب

سقوط الصلاة عن من صلى مع الامام في المسجد جماعة" ايضا سنن ابی داؤد ص: ۹۳ ج: ۱ اول نظر لا تصلوا صلاة في يوم مرتين

خود فرماتے ہیں کہ جب میں سجدے میں جاتا تو کرت چھوٹا ہونے کی بنا پر شررگاہ ظاہر ہوتی تو عورتوں نے اعتراض کیا (7) لہذا یہ واقعہ مجموعہ اجزاء نہ آپ بھی نہیں مان سکتے۔

رہا مسئلہ صلوٰۃ خوف کا تو بعد تسلیم صحت السند یہ ضروری نہیں کہ مراد تسلیم سے تسلیم انقطاع صلوٰۃ ہو بلکہ مراد سلام تشہد بھی ہو سکتا ہے اور اگر تسلیم کریں کہ مراد سلام انقطاع صلوٰۃ ہو پھر امام طحاوی کا جواب دیا جائیگا کہ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب ایک فرض مکرر پڑھنا جائز تھا۔ (8) یا پھر یہ واقعہ حضور علیہ السلام کی خصوصیت ہے۔

رہا مسئلہ حدیث باب کا تو اس میں شافعیہ ہم سے زیادہ پریشان ہیں کہ ترمذی کی روایت میں تصریح ہے کہ حضرت معاذؓ مغرب کی نماز پڑھ کر لوگوں کو جا کر نماز پڑھاتے حالانکہ قوم کی مسجد بنی سلمہ میں تھی جو تین میل کے فاصلے پر تھی یہ ممکن نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فرض کی نماز پڑھ کر ایک گھنٹے کا سفر کر کے قوم کو نماز پڑھاتے اور مغرب کا وقت بھی باقی رہے۔ خاص کر عند الشافعیہ فی قولہ فقط پانچ رکعات کا وقت مغرب کا ہوتا ہے نیز تین رکعات نفل پڑھنا بھی صحیح نہیں۔ اس لئے انہوں نے اس کو سہراوی پر محمول کیا کہ عشاء کی روایت صحیح ہے یا مجاز ہے عشاء سے کہ ذکر مغرب کا مراد عشاء ہے حالانکہ دونوں تو جہات صحیح نہیں کہ اس حدیث کو امام ترمذی نے دو دفعہ صحیح کہا تو جب سارے راوی ثقہ ہوں اور کوئی علت خفیہ بھی نہ ہو اور پھر بھی روایت کی طرف وہم کی نسبت ہو تو احادیث کے ذخیرہ پر سے اعتماد اٹھ جائے گا۔

اور مجاز کی بات بھی غلط ہے کیونکہ عشاء کا اطلاق مجازاً مغرب پر ہوتا ہے مگر مغرب کا اطلاق مجازاً عشاء پر نہیں ہوتا۔

اس واقعے کے تمام طرق سامنے رکھتے ہوئے چار احتمالات ممکن ہیں۔

۱۔ حضرت معاذؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب پڑھ کر جا کے بنو سلمہ میں وہی مغرب پڑھاتے۔

۲۔ عشاء کے پڑھنے کے بعد جا کے عشاء ہی اسی دن کی پڑھاتے۔

۳۔ حضرت معاذؓ یہاں مغرب کے بعد جا کے اسی دن کی عشاء کی نماز یا کسی اور دن کی مغرب یا عشاء

پڑھاتے نہ کہ اسی دن کی مغرب۔

(7) کذا فی روایۃ ابی داؤد ص: ۹۳ ج: ۱ (8) شرح معانی الآثار ص: ۴۷۴ ج: ۱ "باب الرجل یصلی الفریضۃ خلف من یصلی تطوعاً"

۴۔ یہاں عشاء پڑھنے کے بعد اسی دن کی عشاء نہ پڑھاتے بلکہ کسی اور دن جا کے پڑھاتے۔

حنفیہ مالکیہ کے نزدیک یا تو آخرین اقلین مراد ہیں یا اولین میں تو جپہ کی جائے گی کیونکہ اولین پر عمل اول تو معذور ہے یعنی مغرب کی نماز اسی دن جا کے پڑھنا اسی دلیل کی بناء پر معذور ہے جو کہ گزر گئی کہ مغرب کا وقت قلیل ہے۔ دوسرا اس میں تین نوافل کا مسئلہ بھی درپیش ہوگا۔ عشاء کی نماز کا واقعہ بھی اس لئے نہیں ہو سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عموماً عشاء کی نماز تیسری رات کے چاند کے سقوط کے وقت پڑھاتے جبکہ رات کا ایک تہائی حصہ گزر جاتا اور عموماً قراءت و تعدیل بھی طویل ہوتی اس کے بعد حضرت معاذؓ کا جانا اور نماز پڑھانا یہ سلسلہ منقطع ہوگا آدھی رات کو اس لئے آخری دو احتمال مراد ہیں۔

شافعیہ کی طرف سے دو اعتراض اس پر ہیں۔

اعتراض ۱۔ اسی حدیث کے بعض طرق (9) میں ہے فیصلی بہم تک الصلوۃ اس میں اسی نماز کی تصریح ہے خواہ مغرب کا واقعہ ہو یا عشاء کا۔

اعتراض ۲۔ دارقطنی (10) و بیہقی (11) میں اضافہ ہے فنی لا تطوع لبہم الفریضۃ اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ جب اسی دن کی نماز دوبارہ پڑھائیں۔

جواب از اول یہ ہے کہ فیصلی بہم تک الصلوۃ تشبیہ طبع ہے مقصد یہ ہے کہ جس طرح حضرت معاذؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے یعنی اسی طرح نماز یہاں پڑھاتے قراءت کے لحاظ سے رکوع و سجود اور تعدیل ارکان کے لحاظ سے ورنہ اشکال سابق متوجہ ہوگا کہ بعد از مغرب وقت اتنا نہیں ہوگا۔

جواب از دوم یہ ہے کہ اولاً یہ اضافہ صحیح نہیں کہ امام احمد نے اس کو غیر محفوظ قرار دیا ہے ابن جوزی نے اس کو موضوع قرار دیا ہے۔

اور اگر بالفرض یہ اضافہ تسلیم بھی ہو تو جواب یہ ہے کہ یہ ابن جریج کا اپنا گمان ہے کہ یہاں سند یوں ہے عن ابن جریج عن عمرو بن دینار عن جابر بن عبد اللہ عن جابر کے شاگردوں میں سے کسی سے یہ اضافہ مروی نہیں عمرو بن

(9) کما فی ابی داؤد ج ۹۵، "باب المدة من صلی یوم وقد صلی تک الصلوۃ" (10) دارقطنی ص ۲۸۱ ج ۱ رقم حدیث ۱۰۶۲

"باب ذکر صلاة المغرب خلف المفضل" (11) ص ۸۶ ج ۳ "باب الفریضۃ خلف من یصلی النافلة"

دینار کے شاگردوں نے بھی اس کو روایت نہیں کیا معلوم ہوا کہ یہ مقولہ ابن جریج کا ہے اور یہ ان کا اپنا گمان ہے جو بمقابلہ مرفوع کے حجت نہیں۔

یانا نقول اگر اولین احتمالین کو تسلیم بھی کر لیں تو جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت معاذؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہدیت نفل شرکت فرماتے اور اپنی قوم میں جا کر فرض پڑھتے تو اقداء المفترض خلف المستقل نہ ہوئی۔ اس پر ابن جریج کے اضافے کا اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے دو جواب ہو گئے۔

جواب ۲:- امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب ایک فرض دو دفعہ پڑھنا جائز تھا جو بعد میں ابن عمر کی روایت جو نسائی (12) میں ہے اس سے منسوخ ہو گیا۔

جواب ۳:- یہ حضرت معاذؓ کا اپنا اجتہاد تھا جب کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی شکایت کی کہ حضرت معاذؓ دیر سے آتے ہیں جبکہ ہم سوچے ہوتے ہیں اور ہم دن بھر محنت مزدوری کرتے ہیں یہ اس وقت آ کر اذان دیتے ہیں تو ہم مسجد میں آتے ہیں فبطول علينا فقال صلى الله عليه وسلم يا معاذ لا تكن فنانا اما ان تصلي معي واما ان تخفف علي قومك (13) یہ منفصلہ ہے امام طحاوی وابن ہمام نے اس کا مطلب یوں بیان کیا ہے کہ ان کو دونوں کاموں میں سے ایک کی اجازت دی نہ کہ دونوں کی کہ یا یہاں نماز پڑھو یا قوم کے ساتھ نماز مع التخفيف پڑھو یہاں نہ پڑھنے سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جمع بین الامرین سے روک دیا۔

البتہ اس پر ابن حجر نے اعتراض کیا ہے کہ خصم کے لئے یہ جائز ہے کہ اس کی تقدیر یوں نکالے کہ اگر میرے ساتھ نماز پڑھتے ہو تو اپنی قوم میں پھر تخفیف کرو اور اگر تخفیف نہیں کرتے تو میرے ساتھ نماز نہیں پڑھو۔ مگر جواب ظاہر ہے کہ یہ تقدیر تب صحیح ہوتی کہ یہ شکایت فقط تطویل سے متعلق ہوتی حالانکہ یہ دیر کا مسئلہ بھی تھا۔ لہذا طحاوی کی بات ابن حجر کی بات سے زیادہ وزنی ہے۔

اعتراض ۳:- صاحب تحفہ نے شوکانی (14) سے نقل کیا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ ابن حزم

(12) نسائی ص: ۱۴۸ ج: ۲ (13) رواہ احمد والترمذی والبخاری والدارقطنی ج: ۲۱۸ ص: ۱۳ رقم حدیث: ۲۳۷۰

(14) نیل الاوطار ص: ۱۶۷ ج: ۳ "باب من يتخلف المفترض خلف المستقل ام لا"

نے اس کو منقطع قرار دیا ہے۔

جواب :- اگر یہ روایت ضعیف بھی ہو جائے پھر بھی ہمارے استدلال پر اثر نہیں پڑتا کیونکہ ہم اس کو حضرت معاذہ کا عمل ٹھہرائیں گے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر ثابت نہیں ہوگی۔

باب ماذکر فی الرخصة فی السجود علی الثوب فی الحر والبرد

رجال :-

خالد بن عبد الرحمن السلمی البصری ابو حاتم کہتے ہیں کہ صدوق بخاری میں بھی ان سے ایک روایت ہے۔
غالب القطان البصری امام احمد وابن معین نے توثیق کی ہے۔ ☆

تشریح :-

حضرت انس سے روایت ہے کہ جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز (ظہر) پڑھتے تھے تو ہم اپنے کپڑوں پر گرمی سے بچنے کے لئے سجدة کرتے تھے۔

ظہار ظہیرہ کی جمع ہے نصف النہار میں گرمی کی شدت کے وقت کو کہا جاتا ہے یہ لفظ گرمیوں کی دوپہر کے لئے استعمال ہوتا ہے نہ کہ موسم سرما کی دوپہر کے لئے یہ مسجد نبوی کے اس حصے کا ذکر ہے جو دھوپ میں واقع تھا جیسے محسن اور یہ بھی ممکن ہے کہ مسقف حصے کا ذکر ہو چونکہ مسجد نبوی کی چھت اتنی موٹی نہیں تھی کہ دھوپ کے اثر کو زمین تک پہنچنے سے مانع ہو اور گرم ہوا کی وجہ سے ایسا ہونا ممکن ہے۔ اس مضمون کی روایت مصنف ابن ابی شیبہ (۱) میں عن عمرو ابن عباس سے بھی مروی ہے اور حضرت انس سے بھی اسی طرح کی روایت ہے۔

باب ماذکر فی الرخصة فی السجود علی الثوب فی الحر والبرد

(۱) دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ص: ۲۶۸ و ۲۶۹ ج: ۱

جمہور کے نزدیک یہاں ٹیابنا سے مراد ملبوس کپڑے ہیں جو بدن پر ہوں جیسے لمبے دامن والا کرتا ہو مثلاً یا عمامے کا شملہ ہو اور یہ حکم فقط گرمی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ سردی بھی اس میں داخل ہے جس کی طرف امام ترمذیؒ نے ترجمہ الباب میں اشارہ کیا فی المحر والبرد۔

اگر کپڑا مصلیٰ کے بدن سے منفصل ہو تو اس پر سجدہ بالاتفاق جائز ہے لیکن پہنے ہوئے کپڑوں میں اختلاف ہے امام شافعی کے نزدیک جائز نہیں جمہور کے نزدیک مطلقاً کپڑوں پر سجدہ جائز ہے متصل ہو یا منفصل جمہور کا استدلال مانی الباب کی روایت سے ہے اور ٹیابنا سے مراد ان کے نزدیک ملبوس کپڑے ہیں کو عمامہ کا بھی یہی حکم ہے البتہ اگر وہ مانع ہو پیشانی کے وصول الی الارض سے تو اس پر سجدہ نہ کرے اور اگر مانع نہ ہو تو سجدہ اس پر جائز بلکہ ثابت ہے۔

امام شافعی کے پاس اس بارے میں نہ مرفوع روایت ہے نہ موقوف البتہ امام بیہقی نے ان کے لئے ایک روایت سے استدلال کیا ہے کہ بعض صحابہ مشغی میں کنکریاں لیکر اس کو ٹھنڈا کرتے اور اس کو رکھ کر اس پر سجدہ کرتے۔ (2)

جواب یہ ہے کہ یہ ان صحابہ کا حال ہوگا جن کے کپڑے اتنے لمبے نہ ہوں کہ اس پر سجدہ ہو سکے۔

باب ما ذکر مما یستحب من الجلوس فی المسجد بعد

صلوة الصبح حتی تطلع الشمس

اس باب کے انعقاد کا مقصد دفع توہم ہے۔ توہم یہ ہو سکتا تھا کہ مسجد کے اندر نوافل پڑھنا ممنوع ہوگا کیونکہ صلوٰۃ تطوع کو گھر میں پڑھنے کا حکم ہے تو اس وہم کو دفع کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں قولی روایت بھی ثابت ہے اور عملی بھی۔

یا توہم اس طرح ہو سکتا ہے کہ نماز کے بعد مسجد میں بیٹھنا مفید یا باعث ثواب نہیں ہوگا کہ عام روایات

(2) کنانی سنن الکبریٰ للبیہقی ص ۶۰ ج ۲، "باب من سطو ثوباً فجد علیہ"

نماز کے انتظار کے لئے ہیں اس سے چونکہ بعد میں ثواب کے نہ ہونے کا وہم ہو سکتا تھا تو اس وہم کو رفع کر دیا کہ انتظار الصلوٰۃ عام ہے چاہے فریضے کا ہو یا نفل نماز کا ہو کیونکہ حضرت جابر بن سمرہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز ادا فرماتے تو اپنے مصلیٰ پر بیٹھ جاتے طلوع شمس تک یعنی صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر بعض روایات میں ہے کہ صحابہ جاہلیت کے زمانے کے قصے یاد کرتے اور ہنستے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی قہقہہ فرماتے۔

حسنیٰ نطلع الشمس سے مراد یہ ہے کہ وقت مکروہ ختم ہو جائے یعنی کم از کم بقدر ایک نیزے کے سورج بلند ہو جائے جو تقریباً پندرہ بیس منٹ ہوتے ہیں۔

پھر اس نماز کو عموماً صلوٰۃ الاشراق کہا جاتا ہے بعض روایات میں اس پر ضحیٰ کا اطلاق بھی ہوا ہے اس لئے اس میں اختلاف ہے کہ اشراق ضحیٰ کی نماز ایک ہے یا الگ الگ۔ وقد مر التفصیل

دوسری روایت عن انس ہے اس میں اضافہ ہے ایسے شخص کو اس نماز پر حج و عمرے کا ثواب ملے گا حج و عمرہ میں اگر واؤ جمعیت کے لئے لیں تو مطلب یہ ہے کہ حج و عمرے دونوں کا ثواب ملیگا اگر واؤ بمعنی او ہو تو یہ مختلف حالت پر مبنی ہے شوق اخلاص و مشقت پر ہے اگر یہ زیادہ تو ثواب زیادہ یہ ناقص تو ثواب کم حج یا عمرے کا اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ روایت مختصر ہو کہ بعض میں ہے کہ چار رکعت پر حج و عمرہ اور دو پر عمرے کا ثواب ملے گا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا تامة تامة تامة اس تاکید کی وجہ دفع ایہام ہے کہ یہ وہم ہو سکتا تھا کہ حج و عمرے کا ثواب بہت زیادہ ہے تو یہ تشبیہ جو ہے تو یہ کامل ثواب نہ ہوگا کہ اس میں مشقت بہ نسبت اس کے کم ہے تو فرمایا کہ پورا ثواب ملے گا۔

اسی استبعاد کی بنا پر کوئی تو ہم کر سکتا تھا کہ شاید راوی سے سہو ہوا ہوگا کہ عمل تو آسان اور ثواب زیادہ؟ تو اس کو ترمذی نے رفع کیا وسئل محمد بن النعمان عن مقارب الحدیث یہ تعدیل کے الفاظ ہیں خلاصہ یہ کہ راوی سے بھی غلطی نہیں ہوئی ہے۔

پھر تشبیہ بانج و عمرہ کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح حاج یا معتمر اپنے آپ کو محبوس رکھتا ہے عبادت کے لئے تو بطور ضیافت اللہ اس کو بہت ثواب دیتا ہے اور انعام دیتا ہے اسی طرح اس آدمی نے اپنے آپ کو محبوس کر دیا مسجد میں ثواب کے لئے تو یہ بھی مہمان بنا اللہ کا۔

یہاں یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ اشیاء کے ثواب دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ۱۔ اصلی ثواب ۲۔ تفضیلی ثواب اصلی ثواب عموماً متعین ہوتا ہے جیسے ہر نیکی پر دس نیکیاں لیکن تفضیلی ثواب متعین نہیں کہ اخلاص، مشقت و محبت باری تعالیٰ وغیرہ اسباب کی بناء پر یہ ثواب بڑھتا رہتا ہے کبھی سات سو تک بڑھتا ہے کبھی اس سے بھی زیادہ غیر متعین ہوتا ہے جہاں روایات میں آسان عمل کا ثواب کسی بڑے عمل جتنا بتلایا گیا ہے کمانی الحمد للہ یا جیسے سورۃ اخلاص کو ٹکٹ قرآن کے برابر کہا ہے سورۃ یاسین کو دس مرتبہ قرآن کے ثواب کے برابر کہا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس آسان عمل پر جو تفضیلی ثواب ملتا ہے یہ اس بڑے عمل کے اصلی ثواب کے برابر ہے بڑے عمل کا تفضیلی ثواب تو بہت زیادہ ہے مثلاً تین مرتبہ سورۃ اخلاص کے پڑھنے کا ثواب کل قرآن کے اصل ثواب کے برابر ملتا ہے مگر پورا قرآن ختم کرنے کا انعامی ثواب بہت زیادہ ہوگا۔

باب ماذکر فی التفات فی الصلوۃ

نماز میں التفات کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) آدمی آنکھوں کے کناروں سے دیکھے یہنا یا شمالاً یہ جائز ہے اس سے نماز بھی نہیں ٹوٹتی اگرچہ اولیٰ یہ ہے کہ آدمی کی نگاہیں نیچی رہیں۔

(۲) یہنا یا شمالاً چہرہ مڑ جائے سینہ سیدھا رہے یہ مکروہ ہے مگر اس سے نماز قاسد نہیں ہوتی۔

(۳) آدمی کا سینہ بھی قبلے سے ہٹ جائے یعنی ۴۵ درجوں سے زائد یہ حرام ہے اور اگر کسی نے کیا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

عن ابن عباس کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یہنا و شمالاً آنکھوں کے کناروں سے دیکھتے تھے لہذا کنارے سے دیکھنا دلایلوی عہد کہ اس سے سینہ منحرف ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہنا و شمالاً اس لئے توجہ فرماتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی دیکھ بھال فرماتے مقصد یہ تھا کہ ان کی نماز صحیح ہوگی تو ان کے بعد دوسرے لوگوں کی نماز بھی صحیح ہوگی چونکہ آپ معلم و معالج تھے اور یہ علت دیگر افراد میں نہیں پائی جاتی اس لئے بہتر یہی ہے کہ نہ دیکھے۔

حافظ حازمی نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ عمل شروع میں تھا بعد میں منسوخ ہوا آیت "قَدْ افلح المسلمون الذین هم فی صلواتهم حاشعون" (۱) سے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم زمین کی طرف دیکھتے تھے۔ لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ منسوخ نہیں۔

دوسری روایت عائشہ کی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے التفات فی الصلوٰۃ کے بارے میں پوچھا فرمایا "هو اختلاس" الحدیث اختلاس اچکنے کو کہتے ہیں اس کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) کوئی شخص تیزی اور چپکے سے کوئی چیز لے لے کا لہ راق۔

(۲) مالک کے سامنے کسی چیز کو اٹھا کر بھاگ جائے۔

(۳) مالک کی موجودگی میں کسی چیز کو قہراً لے لے۔ غنم پہلی دوسری میں مغلوب اور تیسری میں

غالب ہوگا۔ (اچک لینے والا) (۲)

پھر اس اختلاس کی مزید تین صورتیں ہیں۔ کبھی کل چیز کو اٹھا کر لے گیا۔ دوسری یہ کہ کچھ اٹھا کر لے گیا۔

تیسری یہ کہ کچھ بھی نہ لے لے بلکہ ناکام رہے۔

اس حدیث سے یہ تو ہم ہو سکتا تھا کہ جب لفظ مطلق ذکر ہوا تو اس سے مراد فرد کامل ہوتا ہے یہاں بھی

فرد کامل مراد ہوگا کہ التفات سے شیطان پوری نماز چھین لینے میں کامیاب ہو جائے گا۔ تو یہ باب باندھ کر یہ تو ہم

دور کیا کہ التفات سے نماز ضائع نہیں ہوتی۔ شرط یہ ہے کہ سینہ قبلے کی طرف رہے۔ اسی باب کی پہلی حدیث سے

یہ مقصد واضح ہے۔ اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہو اختلاس منکسلہ الشیطان اپنے اطلاق پر جاری ہے اور یہ مذکورہ

تینوں قسموں پر منطبق ہو سکتا ہے۔ اگر تھوڑی توجہ ہٹائی تو کم اختلاس درمیانہ توجہ ہٹائی تو درمیانہ اختلاس اگر سیدہ

بھیر دیا تو کامل اختلاس۔

من صلوٰۃ الرجل کا مطلب من تواضع صلوٰۃ الرجل اور من کمال صلوٰۃ الرجل مطلب یہ ہے کہ شیطان

انتظار میں رہتا ہے کہ آدمی نے التفات کیا تو فوراً تواضع یا کمال صلوٰۃ کو اچک لیا تو نماز ناقص رہ گئی۔

باب ما ذکر فی الرجل یدرک الامام ساجداً کیف یصنع؟

رجال:-

ہشام بن یونس ثقہ ہیں۔ الحارثی ابو عبد الرحمن ابن زیاد الکوفی ثقہ ہیں۔
ابن اسحاق کا نام عمرو بن عبد اللہ السیمی ہے ثقہ اور عابد ہیں الحلط بخیرہ۔
ہمیرہ بضم الہاء ابن حبان نے توثیق کی ہے حافظ نے کہا ہے لا باس بہ وقد عیب بالتشیع۔
دع بن عمرو بن مرہ عن ہمیرہ پر عطف ہے یعنی ابو اسحاق اپنے دونوں شیوخ ہمیرہ و عمرو سے روایت کرتے
ہیں حجاج بن ارطاة کا ذکر آگے آجائے گا۔ ☆

تشریح:-

عن ہمیرہ حضرت گنگوئی فرماتے ہیں وہنا تھویل لم یدکرہ محشی کو کب نے اس کا مطلب یہ بیان کیا
ہے کہ حارثی تک سند مشترک ہے ان کے بعد صحابین (حضرت علی حضرت معاذ) تک مختلف ہے یعنی حارثی حجاج
اور عمرو بن مرہ دونوں سے روایت کرتے ہیں۔

اذ اتی احدکم الصلوۃ والامام علی حال فلیصنع کما یصنع الامام
عارضۃ الاحوزی میں ہے ”امام ترمذی کا مقصد اس باب کے باندھنے سے یہ ہے کہ بان یدخل مع الامام
علی ای حال کان یعنی اگر رکعت نہ بھی ملتی ہو مگر دخول فی الصلوۃ مع الامام جلدی کرنی چاہیے خواہ امام سجود میں ہو
یا قعود میں عوام کی طرح انتظار نہیں کرنا چاہیے کہ جب امام نئی رکعت کے لئے کھڑا ہوگا تب نیت باندھیں گے۔

امام عبد اللہ بن مبارک نے تو بعض سے یہاں تک نقل کیا ہے لعلہ لا یرفع راسہ من تلك السجدة

حتى ینفعلہ۔

پھر یہ انتظار دونوں حالتوں میں مذموم ہے چاہے تکبیر تحریمہ سے پہلے ہو یا دخول فی الصلوٰۃ کے بعد ہو کیونکہ یہ مخالفت ہے جو امر امت و جماعت کے خلاف ہے۔

قال ابو عیسیٰ: لهذا حدیث غریب لانعلم احداً اسنده الا ماروی من هذا الوجه
اس حدیث پر ضعف کا حکم ابن ارطاة کی وجہ سے ہے اور انتقطاع حضرت معاذ اور ابن ابی لیلیٰ کے درمیان ہے گویا یہ حدیث ضعیف ہے مگر اس کے باوجود یہ حدیث قابل استدلال ہے اور یہی وجہ ہے کہ علماء امت نے اسی پر عمل کیا ہے کیونکہ اس کے متعدد شواہد موجود ہیں۔ کمائی فی ان شاء اللہ منہ بعضہا
اس لئے شوکانی نے نیل الاوطار (۱) میں فرمایا۔

والحدیث وان كان فيه ضعف لكنه يشهد له ما عندنا أحمد وإبى داؤد من
حدیث ابن ابی لیلیٰ عن معاذ قال: اُحِلَّتْ الصَّلَاةُ ثَلَاثَةَ أَحْوَالٍ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ
وفیه: فحذاء معاذ فبقال لا اجدہ علی حال ابدأ الا كنت علیہا ثم قضیت
ماسبقنی..... وفیه فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: قد سن لكم معاذ
فهكذا فاصنعوا^(۲)

ویشہد لہ ایضاً مارواه ابن ابی شیبہ عن رجل من الانصار مرفوعاً من وجدنی
راكعاً او قائماً او ساجداً فلیكن معی علی حالنی التی انا علیہا (۳)

(تخۃ الاحوذی ص: ۲۰۰)

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ سجود و قعود کی حالت میں امام کے ساتھ شمولیت سے رکعت نہیں ملتی مگر اس میں اختلاف ہے کہ رکوع سے رکعت ملتی ہے یا نہیں؟ تو جمہور کے نزدیک مل جاتی ہے جبکہ امام بخاری اور اہل ظواہر کے نزدیک نہیں ملتی۔

باب ما ذکر فی الرجل یدبرک الامام ساجداً کیف یصنع

(۱) نیل الاوطار ص: ۳۳۳ بحوالہ تخۃ الاحوذی

(۲) ابوداؤد ص: ۸۱ ج: ۲ "باب کیف الاذان"

(۳) معنفہ ابن ابی شیبہ بحوالہ تخۃ الاحوذی ص: ۲۰۰ ج: ۳

معارف السنن میں ہے کہ بظاہر امام بخاری کاغہ سب یہ ہے کہ اگر حالت قیام میں امام کے ساتھ شامل ہو گیا اگرچہ قراءت کا موقع نہ ملے تو رکعت مل جائے گی اور قیام فوت ہو گیا تو رکوع سے رکعت نہیں ملتی۔ (4)

ان حضرات کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ نماز میں فاتحہ فرض ہے لہذا اس کے بغیر رکعت کیسے مل سکتی ہے؟ اس کا مفصل جواب قراءت خلف الامام کی بحث میں گزرا ہے۔

دوسرا استدلال ابو ہریرہ کی روایت سے ہے جسے امام بخاری نے جزء قراءت میں نقل کیا ہے ”من ادرك الامام في الركوع فليركع معه وليجد الركعة“۔ (5)

مگر اس کے بارے میں صاحب تحفہ نے حافظ ابن حجر کا یہ قول لیصل نقل کیا ہے۔

”وهذا هو المعروف عن ابي هريرة موفوفاً واما المعروف فلا اصل له“۔

(تحفہ ص: ۲۰۱)

جمہور کے دلائل:- ان کا پہلا استدلال دارقطنی (6) ابن خزیمہ اور عقیلی کی روایت سے ہے۔

عن ابي هريرة مرفوعاً بلفظه: من ادرك ركعة من الصلوة فقد ادركها قبل ان

يقوم الامام صلبه“

اس میں اگرچہ قبل ان یقیم الامام صلبہ کی زیادتی پر امام بخاری نے اعتراض کیا ہے کہ اس میں کئی ابن حمید مجہول ہے مگر معارف میں ہے کہ ابن حبان نے انہیں ثقات میں ذکر کیا ہے اسی طرح ابن خزیمہ نے اس کی حدیث اپنی صحیح میں نقل کی ہے لہذا جہالت کا حکم صحیح نہ ہوا۔

دوسرا استدلال:- صحیح بخاری (7) میں حضرت ابوبکرہ کی حدیث سے ہے کہ انہوں نے صف تک پہنچنے سے پہلے رکوع کیا تاکہ رکعت مل سکے پھر صف میں شامل ہو گئے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”زادک اللہ حرصاً ولا تعد“ ولم یامرہ باعادة الركعة۔

(4) معارف السنن ص: ۱۲۰ ج: ۵ (5) کذا فی تخفیس الحمیر ص: ۱۰۸ ج: ۲ رقم حدیث ۵۹۵

(6) دارقطنی ص: ۳۹ سمج رقم حدیث ۱۲۹۸ صحیح ابن خزیمہ ص: ۳۵ ج: ۳ بحوالہ حاشیہ تخفیس الحمیر ص: ۱۰۸ ج: ۲

(7) بخاری ص: ۱۰۸ ج: ۱ ”باب اذا رکع دون القف“ وابوداؤد ص: ۱۰۶ ج: ۱

تیسرا استدلال:- حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اطرف ابن حجر المطالب العالیہ من مستمسد میں ایک قوی حدیث ہے۔

ان مدرك الركوع مدرك الركعة لامدرك السجدة وصححه الحافظ مرفوعاً۔ (8)

تاہم ان کے تلمیذ رشید علامہ بنوری فرماتے ہیں کہ مجھے یہ الفاظ نہیں ملے۔ آثار صحابہ سے بھی جمہور استدلال کرتے ہیں جن میں سے حضرت انس کا اثر بہت واضح ہے۔ ان الفتوح فی الفجر کان بعد الركوع فقدمه عثمان ليدرك الناس الركوع اور یہی وجہ ہے کہ شوکانی نے بالآخر اس مسئلہ میں جمہور کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔

باب كراهية ان ينتظر الناس الامام وهم قيام

عند افتتاح الصلاة

اس باب میں حضرت ابوقادہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اذا قُيِّمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَقُومُوا حَتَّى تَرَوْنِي مَحْرَجَت

یہ روایت صحیحین (1) میں بھی ہے بخاری میں اگرچہ ترجمت کا لفظ نہیں مگر دوسری صحیح روایات سے یہ لفظ ثابت ہے جیسے مسلم (2) وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔

(8) کذا فی معارف السنن ص: ۱۲۱ ج: ۵

باب كراهية ان ينتظر الناس الامام وهم قيام عند افتتاح الصلاة

(1) صحیح بخاری ص: ۸۸ ج: ۱ باب متى يقوم الناس اذا رآوا الامام عند الاقامة صحیح مسلم ص: ۲۲۰ ج: ۱ باب متى يقوم الناس للصلاة (2) صحیح مسلم خوالہ بالا باب کی حدیث نمبر ۲ میں یہ الفاظ ایک روایت میں ہیں۔

اس باب میں دو مسئلے ہیں۔ ایک قیام کا دوسرا تکبیر امام کا۔ ۱۔ اس میں اختلاف ہے کہ جماعت کی نماز میں لوگوں کو کب کھڑا ہونا چاہیے؟ تو جمہور کے نزدیک اس کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں بلکہ مستحب طریقہ یہ ہے کہ جب مؤذن اقامت شروع کرے اس وقت قیام مناسب ہے یہ اس وقت ہے کہ جب امام مسجد میں موجود ہو اگر امام مسجد میں نہ ہو تو عند الجمہور جب تک امام کو مسجد میں داخل ہوتے یا آتے ہوئے نہ دیکھے اس وقت تک کھڑے نہ ہوں۔

مذکورہ فی الباب کی حدیث سے بھی یہی مطلب ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت بلال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی کچھ علامت محسوس کرتے ہوں گے جیسے دروازہ کھلنے کی آواز یا پردہ اٹھایا جانا وغیرہ تو تکبیر شروع فرماتے جس کے ساتھ باقی لوگ بھی کھڑے ہو جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس سے روک دیا اور مقصد یہ تھا کہ بلا وجہ کیوں اپنے آپ کو مشقت میں ڈالتے ہو ممکن ہے کہ میرے آنے میں کسی وجہ سے دیر ہو جائے لہذا جب مجھے دیکھ کر یقین کر لو کہ اب نماز شروع ہوگی تب کھڑے ہو جاؤ بلکہ پہلے قیام سے امام پر بھی بوجھ ہوگا۔ چنانچہ ابن العربی عارضہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

وهو يفيد بظاھرہ ان السنة اذا حضرت الصلوة ان يقيم المؤذن باذن الامام من منزله اذا كان مع المسجد ويخرج الامام فلا يقوم احد اذا كان الامام غالباً حتى يروه ولو تمت الاقامة وان كان حاضراً فقد تقدم القول متى يقوموا صحیحین اور ابوداؤد کی روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ کو پہلے کھڑے ہونے سے روکنے کا سبب ان کا قیل الخروج قیام وانتظار قائم تھا جیسے کہ ابو ہریرہ سے مروی ہے۔

قال اقيمت الصلوة وعللت الصلوة قیاماً قبل ان يخرج الينا النبي صلى الله عليه وسلم فخرج الينا (الحديث أخرجه الشيخان)۔ (3)
مسلم (4) و ابوداؤد (5) میں انہیں سے مروی ہے۔

(3) صحیح بخاری ص: ۸۹ ج: ۱ باب من يخرج من المسجد لعلہ صحیح مسلم ص: ۲۲۰ ج: ۱ ولفظہ مسلم (4) حوالہ بالا

(5) ردی ابوداؤد بمعناہ ص: ۱۰۳ ج: ۱ عن عثمان بن بشیر

ان الصلوة كانت تقام لرسول الله صلى الله عليه وسلم فيأخذ الناس مصافهم
قبل ان يأخذ النبي صلى الله عليه وسلم مقامه

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کو روکنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قدامت الصلوة تک
انتظار کرو بلکہ مراد یہ ہے کہ اقامت امام کا حق ہے وہ جس وقت آ کر شروع کرادے۔

رہا یہ مسئلہ کہ امام ابوحنیفہ سے جو یہ مروی ہے (6) کہ یقومون اذا قال حي على الفلاح یا حی علی الصلوة
اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اس سے پہلے قیام نہ کریں بلکہ مقصد یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ اس حد تک تاخیر
کر سکتا ہے یہ تو جیسا اس لئے ضروری ہے تاکہ امام صاحب کا قول صحیح احادیث کے خلاف نہ ہو جائے۔
البتہ یہاں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ ابن منذر وغیرہ نے حضرت انس کا عمل اس طرح نقل کیا ہے۔

انه كان يقوم اذا قال المؤذن قد قامت الصلوة

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ان کی آخری عمر کا عمل ہے جس میں وہ کافی کمزور ہو گئے تھے اور زیادہ جلدی
قیام کے قائل نہ رہے تھے یا پھر یہ موقوف حدیث مرفوع احادیث کے مقابلہ میں حجت نہیں۔
دوسرا اشکال یہاں یہ ہوتا ہے کہ جس کی نشاندہی امام قرطبی نے کی ہے مذکورہ احادیث سے ثابت
ہوتا ہے کہ:

ان الصلوة كانت تقام قبل ان يخرج النبي صلى الله عليه وسلم من بيته وهو
معارض لحديث جابر بن سمرة ان بلالاً كان لا يقيم حتى يخرج النبي صلى
الله عليه وسلم

پھر جواب بھی خود ہی دیا ہے کہ قبل الخروج سے مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لوگوں کو دکھائی
دینے سے پہلے گو کہ حضرت بلال دیکھ کر یا علامت پا کر اقامت شروع فرماتے اور جابر کی حدیث کا مطلب یہ ہے
کہ جب لوگ آپ کو دیکھتے تب صف بندی کرتے۔

مذکورہ تفصیل اس وقت ہے کہ جب امام مسجد میں نہ ہو اور لوگ صف بنانے میں ماہر ہوں اور جماعت کا

کوئی وقت بھی مقرر نہ ہو بلکہ امام کے اختیار پر ہو۔

مگر اس کے برعکس امام بھی محراب میں ہو یا اس کے قریب ہو لوگ بھی صف بنانے میں دیر لگاتے ہوں اور وقت بھی مقرر ہو جس میں تاخیر کا امام کو اختیار نہ ہو جیسے آج کل ہے تو ایسی صورت میں اقامت شروع ہوتے ہی لوگوں کو کھڑا ہونا چاہیے تاکہ اقامت کے اختتام تک صفیں سیدھی ہو کر ہر آدمی تکبیر اولیٰ پاسکے۔ چنانچہ گنگوئی صاحب کو کب میں فرماتے ہیں۔

وهذا اذا كانوا معتادی تسوية الصفوف سريعاً واما اذا كان الامر كمافی زماننا
انهم لا يفرغون من تسوية الصفوف الا فی زمان كثير فلهم ان يقوموا قبل الاعتد
فی التكبير
سعید بن مسیب فرماتے ہیں۔

اذا قال المؤذن: الله اكبر وجب القيام واذا قال حتى على الصلوة عدلت
الصفوف واذا قال لا اله الا الله كبر الامام

(تخضص: ۲۰۳ ج: ۳)

اور یہ جو آج کل بعض لوگوں نے رواج بنایا ہے کہ قدامت الصلوة سے پہلے قیام کو برامانتے ہیں یا امام آکر پہلے مصلیٰ پر بیٹھ جاتا ہے اور حی علی الصلوة یا قدامت الصلوة پڑھتا ہے یہ کہیں بھی ثابت نہیں خصوصاً اس میں ایسے غلو اور شعائر اہل بدع کی وجہ سے ترک ضروری ہے جیسا کہ ملا علی قاری ایک حدیث کے استنباط میں لکھتے ہیں۔

وفیه اشارة الى ان كل سنة تكون شعار اهل البدعة فترکھا اولیٰ (مرقاۃ)

دوسرا مسئلہ کہ امام تکبیر کب کہے؟ تو معارف السنن میں ہے حضرت انس کی حدیث ہے اذا قال المؤذن قدامت الصلوة کبر الامام۔

مولانا اشرف علی صاحب فرماتے ہیں جو لوگ قدامت الصلوة پر اللہ اکبر کہتے ہیں اس کی اصل تو کہیں معلوم نہیں ہوئی۔ لہذا معارف کی مذکورہ حدیث کی سند قابل غور ہے۔ سعید بن مسیب کی مذکورہ بالا روایت میں

تشریح ہے واذا قال لا اله الا الله کبر الامام۔ اس لئے معارف میں ہے۔

وعامة العلماء على انه لا يكبر حتى يفرغ المؤذن من الاقامة واليه ذهب

ابو يوسف والشافعي ومثله عن مالك

لہذا امام ابو حنیفہ سے جو یہ مروی ہے فاذا قال قد قامت الصلوة کبر الامام امام محمد کا قول بھی اسی کے مطابق ہے تو کہا جائے گا کہ فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے کیونکہ اکثر احادیث و آثار اسی قول کے مؤید ہیں۔
واللہ اعلم وعلیہ اتم

باب ما ذکر فی الثناء علی اللہ والصلوة علی النبی صلی

اللہ علیہ وسلم قبل الدعاء

رجال:-

یحییٰ بن آدم ثقہ من کہا را التاسعة۔ ابو بکر بن عیاش الکوفی ان کے نام میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ یہی کنیت ان کا نام ہے ثقہ عابد من السابعة البتہ اخیر میں حافظ کزور ہو گیا تھا۔
عاصم بن بہدلہ صدوق لدوہام قراءۃ میں تجتہ ہیں صحیحین میں ان کی روایت مقرون آئی ہے۔
زر بکسر الزاء وثقہ ید الرأۃ جلیل مخضرم۔ ☆

تشریح:-

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے یہاں جالس یا حاضر مقدر ہے اور ابو بکر و عمر بھی آپ کے ساتھ تھے جب میں بیٹھ گیا اس قعود کے بارے میں قحانوی صاحب المسک الذکی میں فرماتے ہیں۔

قلبت الظاهر انه الجلوس بعد الفراغ عن الصلوة وحمل الجلوس علی قعدة

الصلوة والثناء على التشهد احتمال بعيد عندي

البتہ گنگوہی صاحب فرماتے ہیں ہذا يجوز ان يكون في الصلوة او بعد باعلى هذا اگر مراد جلوس فی الصلوٰۃ ہو تو تقدیر اس طرح ہوگی جلسۃ للتشهد اور ثانی صورت میں جلسۃ بمعنی فرغت عنہا یعنی صلہ میں عنہا ہوگا صل تھہ مانگو تجھے دیا جائے گا۔ تھہ صیغہ مجہول کا ہے اس کا ہاء یا تو سکتے کا ہے کتول تعالیٰ حسابیہ یا ضمیر ہے جو راجع ہے مسئلہ کی طرف جس پر سل دلالت کرتا ہے جیسے ”اعدلوا ہوا قرب للتقویٰ“ اور تکرار تاکید و تکثیر کے لئے ہے یا مطلب یہ ہے کہ سل الدنیا والآخرۃ غانۃ تعظیہما۔

اس حدیث میں قبولیت دعا کی صرف دو شرطیں مذکور ہیں ثناء و درود حالانکہ اخلاص بھی تو شرط قبولیت ہے اسے کیوں ذکر نہیں کیا گیا تو ابن العربی عارضہ میں لکھتے ہیں کہ اخلاص تو دین کا رکن ہے پھر مشہور بھی ہے کہ انما الاعمال بالنیات اور اس کے ساتھ وہ ایک امر باطنی بھی ہے اس لئے فقط دو امرین کا ذکر ہوا۔

بہر حال جب اخلاص نیت حمد و ثناء اور درود و سلام دعا کے شروع میں مجتمع ہو جائیں تو وعدہ صادق کی بناء پر دعا قبول ہو جاتی ہے۔

بعض علماء نے دعا کے آداب میں سے اخفاء کو بھی اہم بتلایا ہے مدارک میں ابن جریج کا قول نقل کیا ہے۔ الصیاح فی الدعاء مکروہ بدعتہ اور خازن میں ہے۔

الادب فی الدعاء ان یکون بحفیاً لهذه الآیۃ (ای آیۃ الاعراف ۵۵) وہی ”ادعوا

ربکم تضرعاً و تعفیۃ انه لا یحب المعتدین“ اعراف: ۵۵) وقال الحسن بن دعوة

السر و دعوة العلانیۃ سبعون ضعفاً ولقد کان المسلمون یحتفلون فی الدعاء

ولا یسمع لهم صوت ان کان الایہماً بینہم و بین ربہم۔

شامی و مدارک میں ہے۔ ”انه لا یحب المعتدین“ ای المحاہرین بالدعاء۔

آج آپ خود غور کریں ہر جمعے کو نماز کے بعد ہزاروں بلکہ لاکھوں مسجدوں میں نماز کے بعد بارشوں امن وغیرہ کے لئے دعائیں ہوتی ہیں مگر کبھی دیکھا نہیں گیا ہے کہ ادھر دعا ہوئی ادھر بارش شروع ہوئی۔ میری سمجھ میں تو یہ بات آئی ہے کہ دعا آج فن خطابت کا ایک حصہ بن چکی ہے۔ واللہ اعلم وعلیہ اتم

باب ماذکر فی تطیب المساجد

رجال:-

محمد بن حاتم البغدادی یہ اصلاً خراسانی ہیں ثقہ ہیں ترمذی اور نسائی نے ان سے روایات لی ہیں۔
عامر بن صالح بن عبد اللہ بن عروۃ بن الزہر القرشی الزہری نزہل بغداد قریب میں ہے متروک

الحديث-☆

تشریح:-

فیہ عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ببناء المسجد فی
الدور وان یُنظف ویُتطیب۔

اگلی روایت میں سفیان بن عیینہ نے اس کی تفسیر یوں کی ہے قال سفیان ”بناء المساجد فی الدور یعنی
القبائل۔

مرقات میں ہے۔

”هو جمع دارو هو اسم جامع للبناء والعمرصة والمحلة والمراد المحلات فانهم
كانوا يسمون المحلة التي اجتمعت فيها قبلية داراً او هو محمول على اتخاذ
البيت في الدار للصلاة كالمسجد بهيولى فيه اهل البيت قال ابن الملك والاول
هو المحول وعليه العمل (تحفة الاخوان ص ۲۰۶ ج ۳)

حضرت گنگوہی صاحب فرماتے ہیں کہ سفیان نے دور کی تفسیر محلے سے اس لئے کی ہے کہ امر کے اصلی
معنی تو وجوب کے آتے ہیں حالانکہ گھروں میں مسجد بنانا تو لازمی نہیں مگر فقط مستحب ہے۔

بنوری صاحب فرماتے ہیں کہ دار یا تو دار پر سے ہے یا استدار سے معنی اول کی مناسبت لکثرة حرکات
الناس فیہا کی بنیاد پر ہے اور دوسرے کی لانہم کانوا یعطون بطرف ومعہم قدر ما یریدون ان یتعذروہ

مسکناً ویدہوں حوالہ (۱)

الگ الگ محلوں میں مساجد بنانے کی حکمت و فائدہ یہ ہے کہ سب لوگوں کا ایک مسجد میں جمع ہونا اس وقت باعث مشقت تھا اور آج محال ہے کہ ایک تو گنجائش نہیں ہوگی دوسرے دور سے آنا جانا ہر وقت بہت مشکل ہے جو سب ترک جماعت ہو سکتا ہے اس لئے مناسب فاصلے پر مساجد کا انتظام ضروری ہوتا کہ بار بار آنے سے تکلیف نہ رہے اور جماعت کی فضیلت بھی حاصل ہوتی رہے۔ البتہ یہ تعمیر عدم صورت ضرر کے ساتھ شروط ہے اگر ایک مسجد سے دوسری کو نقصان پہنچ رہا ہو مثلاً پہلی مسجد قریب ہے اور اس میں لوگوں کی گنجائش بھی ہے یا پہلی مسجد میں کوئی مانع حسی یا شرعی بھی نہیں تو ایسی صورت میں نئی مسجد بنانا ضرر ہوگا جو ناجائز ہے۔

وقال البغوی: قال عطاء: لما فتح الله تعالى على عمر رضي الله عنه الامصار امر المسلمين ببناء المساجد وامرهم ان لا يتوا مسجدين يضار احدهما الآخر (تختہ الاحوذی ص: ۲۰۷ ج: ۳ بحوالہ مرقات)

بہر حال اس حدیث پاک سے مساجد کی تطہیر و تکلیف اور ان میں خوشبو کا انتظام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

عارضة الاحوذی میں ہے۔

ففي الصحيح: ان النبي صلى الله عليه وسلم قال "عرضت على اعمال امني حسنها وسيئها فوجدت من محاسن اعمالها الاذي بماط عن الطريق ووجدت من مساوي اعمالها النعامة تكون في المسجد ولا تلتفن".

ومن الحسن: "عرضت على اعمور امني حتى القذات يصرحها الرجل من

(المحدث ص: ۶۵ ج: ۳)

المسجد

پھر خوشبو میں تجر بھی ثابت ہے تطہیر بھی اور زعفران لگانا بھی ابن ابی شیبہ نے لکھا ہے کہ: ان ابن

الزبير لما بنى الكعبة طلى حيطانها بالمسك (تختہ ص: ۲۰۷ ج: ۳)

باب ما ذكر في تطيب المساجد

(۱) معارف السنن ص: ۱۲۶ ج: ۵

تاہم امام مالک تجیر کو مکروہ کہتے ہیں جمہور کی طرف سے ان کو جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل سے تجیر المسجد ثابت ہے و کذا لک ثبت التحمیر فی عہد عمر رضی اللہ عنہ (عرف الشذی)

وفی الزوائد (2) عن ابن عمر "ان عمر کان یحمر المسجد مسجد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کل جمعة (معارف السنن)

اور تحفہ میں ہے۔

فقد کان عبد اللہ یحمر المسجد اذا قعد عمر رضی اللہ عنہ علی المنبر

لہذا عطر و عونی وغیرہ ہر قسم کی خوشبو لگانا جاسکتی ہے۔

تخلیف سے مراد یہ ہے کہ مسجد کو گندی، میلی کچلی چیزوں اور مستقذر اشیاء مثلاً بلغم، تنوک وغیرہ سے صاف رکھا جائے چنانچہ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بنفس نفیس مسجد کی دیوار سے خنامہ (بلغم) صاف کرنا اور اسے دیکھ کر ناگوار سمجھنا ثابت ہے۔

اور ابوداؤد (3) کی روایت سے جو معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کی کنکریاں باہر نہیں لے جانا چاہیے۔

عن ابی صالح قال کان یقال ان الرجل اذا اخرج الحصى من المسجد یناشدہ

ای ہسألہ باللہ ان لا یخرجہ من المسجد

تو اس سے مراد وہ کنکریاں ہیں جو کچے فرش کا حصہ ہوں جو ٹکے اور کنکریاں وغیرہ بعد میں داخل مسجد ہوں اس کا نکالنا منع نہیں خاص کر اگر وہ نمازیوں کی تکلیف یا ناگواری طبع کا سبب بنے تو اسے جائز و لگا کر یا کسی اور ذریعے سے دور کرنا جائز اور ثابت ہے۔

صحیحین (4) کی روایت ہے۔

ان امرأۃ کانت تقم المسجد فماتت فسال النبی صلی اللہ علیہ وسلم عنہا

فقالوا: ماتت فقال: افلا کنتم آذنتنونی بہ؟ قالوا: ماتت من اللیل فکفرہا ان

(2) مجمع الزوائد ص: ۱۱۲ ج: ۲ رقم حدیث ۱۹۶۰ "باب اجمار المسجد" (3) ابوداؤد ص: ۷۳ ج: ۱ "باب فی حصا المسجد"

(4) صحیح مسلم ص: ۳۰۹ ج: ۱ "ابواب الجنائز"

نوفظك قال: دلونی علی قبرها" فاتی قبرها فصلی علیها
 تبلی (5) کی روایت میں اس عورت کا نام "ام مجن" بتلایا ہے۔ (معارف السنن)
 عارضۃ الاحوزی میں ہے۔

ولا ینقض تطلیقه تعلیق قنویہ من تسر باکله المساکین ولا اکل فیہ اذا وضع

لغاطة او سقاطة ما باکل فی حجره او کمه

وهذا الصح من الخديث الاول امام ترمذی کا مقصد اس عبارت سے یہ ہے کہ زیادہ صحیح بات یہ ہے
 کہ مذکورہ حدیث مرسل ہے نہ کہ متصل کیونکہ مرفوع کے طریق و سند میں عامر ابن صالح الزہری ہے تقریب میں
 ہے کہ عامر متروک ہے پھر تحفۃ الاحوزی میں ہے۔ وقد تفرد بروایة مرفوعاً لیکن علامہ بنوری صاحب فرماتے ہیں
 کہ صاحب تحفہ کا یہ قول باطل ہے کیونکہ ابو داؤد (6) اور ابن ماجہ (7) میں زائدہ ابن قدامہ نے عامر کی متابعت
 کی ہے زائدہ ثقہ اور رجال ستہ میں سے ہیں اسی طرح ابن ماجہ میں مالک بن سعید نے بھی متابعت کی ہے۔
 لہذا مرفوع بھی صحیح ہے۔ واللہ اعلم وعلہ اتم

(5) تبلی کہری میں: ج ۳۸: ج ۳: "باب الصلاة علی القبر بعد ما دفن المیت"

(6) دیکھئے سنن ابی داؤد ج ۲: ج ۱: "باب استحاذ المسجد فی الدوز"

(7) ابن ماجہ ج ۵۵: "باب تطہیر المساجد و تطہیرها"

باب ماجاء ان صلوة اللیل والنهار مثنیٰ مثنیٰ

رجال :-

عن علی الازدی صدوق من الثالث - ☆

تشریح :-

عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال صلوة اللیل والنهار مثنیٰ مثنیٰ۔ اس مسئلے سے متعلق مذاہب کا بیان پہلے ہو چکا ہے یہاں صرف اس بات کا بیان ہوگا کہ آیا ابن عمر کی یہ حدیث مجموع اجزاء و قطعاً صحیح ہے یا یہ حکم صرف صلوة اللیل میں صحیح ہے؟

تو شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ واما صلوة اللیل والنهار مثنیٰ مثنیٰ موقوفاً علی ابن عمر فلا ریب فی صحۃ جبکہ مرفوع کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

والکلام فی اعلال لفظ ”النهار“ فی المرفوع اطول فلا ذکرہ الانہذۃ فاقول قد

اعلہ النسائی الخ

مطلب یہ ہے کہ مذکور حکم مثنیٰ مثنیٰ کا لیل و نہار دونوں کو شامل کرنا صحیح نہیں یہ صرف رات کی نماز کے بارے میں ہے رہا نہار کی قید کا اضافہ تو جمہور نے اسے خطائے راوی پر محمول کیا ہے گو کہ امام بخاری اسے صحیح مانتے ہیں مگر جمہور مثلاً نسائی ابن معین اور امام احمد جیسا کہ فتاویٰ ابن تیمیہ میں ہے وکذا اعلیٰ الترمذی والدارقطنی والخطابی وابن عبد البر وابن قدامہ کذا فی المعارف (1)

پھر امام بخاری (2) فرماتے ہیں کہ ابن عمر دن کو چار رکعات نہیں پڑھتے تھے یعنی ایک تسلیمہ کے ساتھ زرقانی نے بھی یہی بات کہی ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اسکا انکار صحیح نہیں کیونکہ ابن عمر سے چار رکعت ایک

سلام کے ساتھ پڑھنا ثابت ہے۔

(۱) منها ما رواه الترمذی ای فی الباب نفسه عن عبيد الله عن نافع عن ابن عمر تعليقاً

ووصله الطحاوی (۳)

(۲) ومنها ما رواه الطحاوی باسنادہ عن ابن عمر انه كان يصلي قبل الجمعة اربعاً

لا يفصل بينهم بسلام وسندہ جيد (۴)

(۳) ومنها ما روی ابن معین عن یحییٰ بن سعید عن نافع عن ابن عمر

تاہم ترجیح مذہب صاحبین کو حاصل ہے یعنی دن کو چار افضل ہے اور رات کو دو افضل ہیں۔

باب کیف کان يتطوع النبي صلى الله عليه وسلم

بالنهار؟

رجال:-

عاصم بن ضمرہ الکوفی صدوق ہیں۔ ☆

تشریح:-

قول قتال اکرم تطیقون ذالک حضرت گنگوہی صاحب کو کب میں فرماتے ہیں کہ اس جواب سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ علم سے غرض عمل ہے اور چونکہ حضرت علی کو اس علم پر مہمومت عمل کی زیادہ امید نہیں تھی اس لئے بتلانا پسند نہ فرمایا تا کہ علم عبث نہ ہو جائے مگر جب انہوں نے کہا ”من اطاع ذالک منا“ یعنی فعلہ یہ فعلہ خبر محذوف ہے تو حضرت علی نے بتلانا شروع کیا جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا اپنے بندوں پر بڑا احسان ہے کہ ان کو تمام اوقات عبادت میں صرف کرنے کا حکم نہیں دیا اور نہ تو معاش کو قائم رکھنا ان کے لئے

مشکل ہو جاتا ہے تاہم جن اوقات میں بڑی تبدیلی عالم میں رونما ہوتی ہے ان میں نماز فرض کر دی جو اوقات ان میں سے فارغ رہ گئے تھے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بعض حصوں میں نوافل و سنن پڑھنے کا طریقہ بیان فرمایا کبھی قولاً کبھی عملاً تا کہ امت کو دنیاوی فائدے کے ساتھ ساتھ دینی فضیلت بھی حاصل ہو پھر بظاہر عشاء کی نماز بمقابلہ تہجد کے ہے مگر حضرت علی نے از روئے شفقت اسے ذکر نہیں فرمایا۔

قال ابو یسٰیٰ ہذا حدیث حسن صحیح امام ترمذی نے باب ماجاء فی الاربع قبل العصر میں حضرت علی کی حدیث کی تحسین کی ہے اس میں ہے۔

كان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی قبل العصر اربع رکعات یفصل بینہن بالتسلیم علی الملائکۃ المقربین ومن تبعہم من المسلمین والمؤمنین
اس میں اٹحق بن ابراہیم کا قول نقل کر کے فرمایا ہے۔

لا یفصل فی الاربع قبل العصر واحتج بهذا الحدیث وقال معنی قول انه یفصل
بینہن بالتسلیم معنی التشہد

نسائی (۱) کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ امام ترمذی نے امام ابن المبارک کے قول کی توجہ کی کوشش کی ہے۔

جو لوگ صلوٰۃ اشراق اور صلوٰۃ چاشت کی تفریق و اثنیت کے قائل ہیں جیسے عام صوفیہ کرام یہ حدیث ان کے لئے محدثین کے خلاف حجت ہے کیونکہ محدثین اس تفریق کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ ایک ہی نماز ہے کیونکہ صحیح احادیث سے تفریق معلوم نہیں ہوتی اور جن روایات سے صلوٰۃ مخفی کا ثبوت ملتا ہے جیسے ام ہانی کی روایت (۲) فتح مکہ والے دن کی نماز کے متعلق تو وہ صلوٰۃ فتح تھی یا رات کی تہجد تھی۔

یہاں بظاہر یہ اشکال وارد ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ معمول تھا کہ جب سورج طلوع ہوتا اور بقدر ایک دو نیزے بلند ہوتا جس سے وقت مکروہ ختم ہو جاتا تب دو یا چار رکعت پڑھتے اور اس روایت سے

باب کیف كان يتطوع النبي صلی اللہ علیہ وسلم بالنهار

(۱) نسائی ص ۱۴۰ ج ۱: "اصلاۃ قبل العصر و کراخ" (۲) صحیح بخاری ص ۱۵۷ ج ۱: "باب صلاۃ النخی فی السفر"

معلوم ہوتا کہ سورج کافی بلند ہوتا کیونکہ عصر کے وقت سورج افق سے کافی بلند ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بعض نے اس کو بجائے اشراق کے فحوة صغریٰ کی نماز کہا ہے جبکہ چاشت کو فحوة کبریٰ کہا ہے۔

مگر اس کا جواب یہ ہے کہ بقدر ایک رجب یا دورے اس کا ابتدائی وقت ہے جو فحوة صغریٰ تک رہتا ہے غلا اذکال۔ اس روایت سے حنفیہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے جو عصر کی تاخیر کے قائل ہیں۔

مفتی ولی حسن صاحب فرماتے تھے کہ چاشت کی نماز پابندی سے پڑھنے سے آدمی کی دنیوی حالت بہتر ہو جاتی ہے اس لئے طلباء کو اسے معمول بنانا چاہیے۔ واللہ اعلم وعلیہ التم

باب فی کراہیۃ الصلوۃ فی لحف النساء

رجال:-

خالد بن الحارث البصری ثقہ ہیں۔ اضعف یہ بھی بصری اور ثقہ ہیں۔

عبد اللہ بن شعیب ثقہ من الثقات۔ ☆

تشریح:-

عن عائشة قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یصلی فی لحف نسائه۔
لحف بضم لام وحاء وکاف کی جمع ہے جیسے کتب جمع کتاب ہے لحاف سردی کے موسم میں جو کپڑے اور غیر کپڑوں کے اوپر اوڑھتے ہیں اس کو کہتے ہیں مگر یہاں مراد مطلق عورتوں کا لباس ہے یا مراد خاص ہے مگر باقی کپڑے اس پر قیاس ہیں عورتوں کے کپڑوں میں نماز پڑھنا جائز تو ہے مگر احوط یہ ہے کہ اس سے بچا جائے کیونکہ عورتیں عموماً نظافت کا خیال نہیں رکھتی ہیں اسی طرح عورتوں کے مستعمل کپڑوں میں نماز پڑھنے سے ذہنی انتشار بھی ہوتا ہے کہ خیال عورت کی طرف جاتا ہے۔ حضرت گنگوہی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت ہے کہ جب فحۃ کا خطرہ نہ ہو ورنہ نماز جائز نہ ہوگی۔

پھر اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادت کا ذکر ہے ورنہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

لحاف نساء میں نماز پڑھنا ثابت بھی ہے مثلاً ابوداؤد و مسلم (۱) کی روایت جس کی طرف امام ترمذی نے اشارہ کیا ہے وقد روی فی ذالک رخصۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وہ حدیث عائشہ یہ ہے۔

كان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی من اللیل وانا الی جنبہ وانا حائض وعلی مرط وعلیہ بعضہ

یاجبیا کہ ابوداؤد (۲) میں ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔

كنت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلینا شعارنا وقد القینا فوقہ کساء فلما أصبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخذ الکساء فلبسه ثم خرج فصلی الغداة (الحديث)

ابن العربی نے عارضہ میں لکھا ہے۔

كما جاء فی حدیث ابن عباس اذ بات عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: فقام فتواضاً ثم اخذ طرف ثوب میمونة فصلی به وعلیها بعضہ فاضی شوکانی لکھتے ہیں۔

كما فی النسخة "كل ذالك يدل علی عدم وجوب تجنب ثياب النساء واما هو مندوب فقط عملاً بالاحتياط وبهذا يجمع بين الاحاديث (3)

پھر جو عورتیں بچوں والی ہیں یا عموماً نظافت کا خیال کم رکھتی ہیں گو کہ ان کے کپڑوں میں نجاست کا ظن نہ ہو پھر بھی ان کے کپڑوں سے بچتا زیادہ مؤکد ہے بہ نسبت طہارت کی پابندی کرنے والی عورتوں کے اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عائشہ کے لحاف میں وحی نازل ہوتی تھی یہ شرف دوسری امہات المؤمنین کو حاصل نہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ان کپڑوں میں اگر نجاست نہ بھی ہو مگر ایک احتمال تو رہتا ہے اور شریعت مطہرہ کبھی کبھی

باب فی کراهیة الصلاة فی لحاف النساء

(۱) صحیح مسلم ج: ۱، باب سترۃ المصلی والندب الی الصلاة الخ (۲) ابوداؤد ج: ۱، باب الرجل یصلی فی ثوب بعضہ علی غیرہ (۳) نیل الاوطار ج: ۳

احتمالات غالبہ کو بھی تو رعاً ملحوظ رکھتی ہے جیسے کہ کتب متون کا دأب ہے بخلاف کتب فتاویٰ کے کہ وہ توسع کو ملحوظ رکھتی ہیں جیسے کہ درجہ بالا کا مسئلہ ہے۔

باب مايجوز من المشى والعمل في صلاة التطوع

رجال:-

عن بردقضم الموحدة وسكون الراءثه ہیں ان پر کلام آنے والا ہے۔ ۶۱

تشریح:-

شوکانی، مبارکپوری اور ابن الملک وغیرہ بعض اہل ظواہر کہتے ہیں کہ عند الحاجة عمل کثیر فی الصلوة التطوع جائز ہے وہ اس روایت کے اطلاق سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آگے چلنا، دروازہ کھولنا اور پھر واپس آنا یہ عمل کثیر ہے اور چونکہ نسائی (۱) میں تصریح ہے کہ یہ نماز نفل تھی استحب الباب ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی تطوعاً والباب علی القبلة لہذا انفصال کے ساتھ اس کی تہیید تقید بالمدہب ہے اس لئے اس کا اعتبار نہیں ہوگا مگر ان کا یہ کہنا صحیح نہیں کیونکہ مذہب اور بعد کا عمل قلیل وکثیر کے درمیان فرق کرنا کہ اول ناقض نہیں اور ثانی ناقض ہے یہ خود احادیث سے معلوم ہوتا ہے لہذا یہ تہیید بالرأے نہیں بلکہ بالروایت ہے مثلاً ترمذی میں حضرت معقیب کی حدیث گزری ہے جس میں ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الرجل یسوی التراب حیث یسجد قال ان کنت فاعلاً فمرة اس روایت کے بعض طرق میں مرتین کا بھی ذکر ہے جو صاف طور بتلاوی ہے کہ دو سے زیادہ اجازت نہیں۔ اس لئے ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں کہ عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے تاہم نقلوں میں توسع ہے بنسبت فرض نماز کے جس پر حدیث باب ودیکر روایات باطلاق ہیں۔

پھر مذکورہ باب کی حدیث میں جس طرح انفصال کی تنقید و تصریح نہیں تو توالی و مولات کی بھی کوئی دلیل نہیں ماہو جو اکہم فہو جواہنا۔

ابن حجر فرماتے ہیں۔

ان المقرر فی الاصول ان وقائع الاحوال الفعلية اذ انطرق اليها احتمال سقط به

الاستدلال

یہاں بھی احتمال ہے کہ آپ کی یہ مثنیٰ غیر متوالی ہو خاص کر یہ حدیث ایسی ہے کہ اس میں مختلف فیہ راوی بھی موجود ہے مثلاً بروایت ابن سنان صرف صدوق ہی نہیں بلکہ ان پر قدری ہونے کا بھی الزام ہے تو ان کی روایت اصول کلیہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی کیونکہ اصول تو صحیح احادیث سے ماخوذ ہوتے ہیں۔

البتہ عمل قلیل و کثیر کی تعریف میں فقہاء کی عبارات مختلف ہیں ایک قول یہ ہے کہ یہ مصلیٰ کی رائے پر ہے وہ جس کو قلیل سمجھے وہ قلیل اور جس کو کثیر وہ کثیر۔ دوسرا قول یہ ہے کہ دیکھنے والے پر ہے تفصیل مذکور کے ساتھ۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر ایک ہاتھ والا عمل ہو تو قلیل اگر دونوں ہاتھ والا ہو تو کثیر مثلاً ٹوپی سجدہ میں سر سے گر گئی تو ایک ہاتھ سے رکھنے سے نماز فاسد نہ ہوگی جبکہ عامہ باندھنا مفسد صلوٰۃ ہوگا کہ یہ دونوں ہاتھوں کے استعمال کئے بغیر نہیں ہو سکتا۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک ہی رکن میں پے درپے تین مرتبہ عمل کرنا مثلاً چل کر تین قدم متوالی لینا یا ہاتھ سے کھجلی کرنا وغیرہ کثیر ہے۔ مدیۃ المصلیٰ میں ہے کہ انفصال قبلے کی طرف مسجد کی حدود کے اندر مفسد صلوٰۃ نہیں ہے اس سے زیادہ یا غیر قبلہ کی طرف مفسد ہوگی۔ یہ سب اقوال فقہاء حنفیہ کے ہیں ابن قدامہ ”مغنی“ میں لکھتے ہیں کل ما يشابه فعل النبي صلى الله عليه وسلم فهو معدود يسيراً۔ امام نووی ”المعجم“ میں لکھتے ہیں الکثرة بالعرف۔ کذا فی معارف السنن (2)

وصفت الباب فی القبلة قبلہ سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلہ ہے کیونکہ حجرے کا قبلہ جنوب کی طرف ہے جبکہ دروازہ اس کے مغرب کی طرف ہے پھر ظاہر یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیوار غربی سے متصل نہیں تھے اس لئے دروازہ کھینے کے بعد عائشہ کو انتظار سلام نہیں کرنا پڑا بلکہ غربی دیوار اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

باب ماذکر فی قراءۃ سورتین فی رکعة

رجال:-

ابوداؤد سے مراد طیالسی ہیں۔ سال رجل اس رجل کا نام نہیں بن سنان الجلی ہے بکسر السین وفتح

النون۔ ۵۱

تشریح:-

ایک رکعت میں دو سورتیں پڑھنا بلا کراہت جائز ہے تاہم دونوں کے درمیان کسی سورت کا فاصلہ کرنا کہ ایک یا زیادہ سورتیں چھوڑ دے مکروہ ہے۔

یہ لفظ ”اسن“ سورت محمد کی آیت میں وارد ہے ”فیہا انفہار من ماء غیر آسن“ ای غیر متغیر۔

مسلم (1) کی روایت ہے کیف تقرأہ الخرف الفاتحہ او یا ء اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سوال قراءت کے متعلق تھا۔

عبد اللہ بن مسعود کا جواب اس پر مبنی ہے کہ سائل اپنے سوال میں مسترشد نہیں اس کی غرض تعلم نہیں بلکہ عوام کی طرح غیر ضروری اور غیر متعلقہ سوالات پوچھتا ہے اس لئے اصل جواب سے گریز فرمایا۔

یا مطلب یہ ہے کہ اس کو تعلیم دینا چاہتے ہیں کہ سوالات میں ترتیب کا لحاظ رکھنا لازمی ہے کہ پہلے آدی معانی و اغراض قرآن سمجھنے کی کوشش کرے پھر اختلاف قراءات پر توجہ دینی چاہیے۔

قال نعم مسلم (2) کی روایت میں ہے انی لا قرأ الفصل فی رکعة گویا ترمذی میں اختصار ہے لہذا قال ان قوما یقرؤن الخ کو اسی مسلم کی عبارت کے تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ نثر بکھیرنے کو کہتے ہیں اور نقل بفتحین ردی

اور بے کار قسم کی کھجور کو کہتے ہیں جو خشک اور بے مزہ ہوں ترقی ترقوتہ کی جمع ہے وہی العظم بین الخمر والعائق یعنی ہنسی کی ہڈی کو کہا جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ سوچے سمجھے بغیر قرآن پڑھتے ہیں مگر وہ ہنسی کی ہڈی سے آگے تجاوز نہیں کرتا ہے اگر تجاوز اندر کی طرف مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ وہ ان کے دلوں تک نہیں پہنچتا ہے تو کیسے اسکو سمجھیں گے بالفاظ دیگر وہ صرف زبانی تلاوت پر اکتفاء کرتے ہیں اس میں غور و خوض کو مد نظر نہیں رکھتے تدبر کی کوشش نہیں کرتے اور اگر مراد تجاوز سے باہر اور اوپر کی طرف ہو تو یہ کتنا یہ عدم قبول سے ہے یعنی ایسی تلاوت مقبول عند الرب تعالیٰ نہیں۔ اس میں بھی اس آدمی کی تعلیم مقصد ہے کہ زیادہ پڑھنے کی کوشش سے اس میں تدبر آتی ہے۔

انہی لا عرف السور النظائر یہ نظیرۃ کی جمع ہے مثل اور شبیہ کو کہتے ہیں اس سے کوئی مماثلت مراد ہے تو صاحب تلویح اور علامہ یعنی کے نزدیک اس سے طول اور قصر کی مماثلت مراد ہے جبکہ حافظ ابن حجر کے نزدیک وہ سورتیں مراد ہیں جو معانی میں مثلاً موعظت، حکم اور قصص وغیرہ میں مماثل ہوں۔

اس پر صاحب تھذ نے محبت طبری کا قول نقل کر کے اعتراض کیا ہے کہ ان سورتوں میں تساوی فی عدول آیات نہیں پائی جاتی ہے لہذا مراد تساویۃ العدد نہیں ہو سکتی مگر اس کا جواب یہ ہے کہ نظائر سے مراد یہ نہیں لیتے کہ دونوں سورتوں کی آیات کی تعداد ایک ہو بلکہ مقصد تقارب فی الکمیۃ ہے جیسا کہ لفظ نظائر اس کی طرف مشیر ہے۔ علاوہ ازیں طحاوی کی ایک روایت میں ترائل فی الکمیۃ کی تصریح ہے کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرن بین کل سورتین فی کل رکعہ۔

پہلے گزر چکا ہے کہ کان ہر جگہ دوام و استمرار پر دلالت نہیں کرتا لہذا اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معمول کذا فی پر استدلال نہیں کیا جاسکتا ہے بلکہ کبھی کبھی غلوں میں یا عموماً ایسا کرتے ہو گئے۔

وہ نظائر میں سورتیں ہیں۔ الرحمن والنجم واقتراب والحاقۃ فی رکعة وھکذا الطور والزاریات اذ وقعت ونون، سال سائل والنازعات، ویل للمطففین وعبس، والمدثر والمزمل، هل اتی ولا قسم یوم القیامۃ، عم یتساء لون والمرسلات، الدخان واذالشمس کذا فی مجمع البحار

ورواہ ابو داؤد فی سننہ کما فی الحاشیہ (3) البتہ یہ ترتیب ابن مسعود کی تالیف کے مطابق ہے۔

معارف السنن میں ہے کہ شمس الدین کرمانی نے اس سے استدلال کر کے وتر برکعت کے اثبات کی کوشش کی ہے طریق استدلال یہ ہے کہ یہ میں سورتیں دس رکعات میں بنتی ہیں تو توروں کے لئے فقط ایک رکعت بنتی ہے مگر حضرت شاہ صاحب جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ استدلال کیسے صحیح ہو سکتا ہے حالانکہ صحیحین (4) میں حیرہ رکعات صلوٰۃ اللیل کی ثابت ہیں۔ واللہ اعلم وعلہ اتم

باب ماجاء فی فضل المشی الی المسجد وما یکتب له

من الاجر فی خطاه

رجال:-

ابوداؤد ہولطیسی۔ ذکوان ثقہ ہیں۔ ☆

تشریح:-

فاحسن الوضوء یعنی جب اس کے فرائض شرط اور آداب کو پورا کرے لا ینجزہ او قال لا ینجزہ اس میں اونٹنک راوی کے لئے ہے ینجز الدفع والحركة ای لای دفع ولا حركہ الا الصلوٰۃ لا رفعہ اللہ بہا درجہ او حط عندہا نخطیئہ رفع درجہ اور حط نخطیئہ شاید بمنزلہ لازم و ملزوم ہیں کیونکہ جب گناہ گھٹیں گے تو درجہ بڑھے گا۔ مقصد مسجد آنے کی ترغیب ہے کہ اندھیروں اور سردیوں وغیرہ میں بھی اور قریب و بعید سے بھی مسجد کی طرف جانا چاہئے کہ اس کا بڑا ثواب ہے۔

(3) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے سنن ابی داؤد ص: ۲۰۵ ج: ۱ "باب تحزیب القرآن" ایضاً فتح الباری و عمدۃ القاری "باب الجمع

بین السورتین" اور معارف السنن ص: ۱۳۸ ج: ۵

(4) بخاری ص: ۱۵۳ ج: ۱ "باب کیف صلاۃ اللیل الخ" صحیح مسلم ص: ۲۵۳ ج: ۱

باب ما ذکر فی الصلوٰۃ بعد المغرب انه فی البیت افضل

رجال:-

ابراہیم بن ابی الوزیر صدوق من الثقات۔

محمد بن موسیٰ صدوق صالح یثبیط ترمذی نے توثیق کی ہے۔

سعد بن اسحاق ثقہ من الثقات۔

عن ابیہ ہوا سحاق بن کعب بن عجرۃ تابعی مجہول الحال ہیں حرہ کے دن قتل ہوئے تھے۔

عن جدہ ہو کعب بن عجرۃ مشہور صحابی ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

تشریح:-

مذکورہ باب کی روایت کی تصحیح اگرچہ ترمذی نے نہیں کی ہے مگر یہ روایت ابو داؤد (۱) و نسائی صغریٰ میں بھی ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے ابن ابی لیلیٰ اور بعض دیگر اہل ظواہر اس لفظ علیکم بہذہ الصلوٰۃ فی البیوت سے استدلال کر کے مغرب کی سنن مسجد میں پڑھنے کے عدم جواز کے قائل ہیں مگر جمہور کے نزدیک کوئی بھی نقل یا سنت مسجد میں پڑھنا جائز ہے گو کہ افضل و اولیٰ گھر میں پڑھنا ہے۔

مرقات میں ہے کہ اس حدیث میں ماہوالافضل کی طرف اشارہ ہے اور وہ بھی اس شخص کے لئے جو گھر جانا چاہتا ہو جو آدمی مسجد میں مختلف ہو اس کے لئے بالاتفاق مسجد میں پڑھنا بلا کراہیت جائز ہے۔ پھر بعض نے کہا ہے کہ چونکہ آج کل ترک سنن روافض کا شعار بن چکا ہے لہذا مسجد میں پڑھنا افضل ہے کیونکہ سنت کی ادائیگی کے بغیر نکلنے سے لوگوں میں بدگمانی پیدا ہوگی اور بخاری نے اپنی تاریخ میں حدیث نقل کی ہے

باب ما ذکر فی الصلوٰۃ بعد المغرب انه فی البیت افضل

(۱) سنن ابی داؤد ص: ۱۹۱ ج: ۱ باب رکعتی المغرب ابن یصلیان "ایضاً سنن نسائی ص: ۱۳۹ ج: ۱ پر "رکعتین بعد المغرب فی البیت" پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول منقول ہے۔

اتقوا مواضع التهم (السک الذکی)

مگر یہ ایسی وجہ نہیں جو ہر وقت اور ہر جگہ دلیل بن سکے کیونکہ اکثر احادیث سے یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ حضور علیہ السلام کا عام معمول گھر میں ہی پڑھنے کا تھا جس سے گھر میں افضلیت کا یقین ہو جاۓ ۲ ہے ورنہ وہ مسجد نبوی کی فضیلت نہ خود چھوڑتے اور نہ صحابہ کو حکم دیتے۔ لہذا جہاں تہمت کا اندیشہ نہ ہو وہاں گھر میں پڑھنا افضل ہوگا بشرطیکہ مکان جا کر قلب میں انتشار پیدا ہونے اور طبیعت حاضر نہ رہنے کا اندیشہ نہ ہو اسی طرح بیوی بچوں یا راستہ میں کسی اور کے ساتھ باتوں میں لگنے اور غفلت کرنے کا خطرہ نہ ہو۔

وفد روی عن حذیفۃ الخ یہ حدیث یہاں انہوں نے تعلیقاً روایت کی ہے مگر مستند احمد (2) میں یہ متصل و موصول ہے جس میں حضرت حذیفہ فرماتے ہیں۔

قالت لی امی: متی عہدک بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث وفہ فحنتہ
فصلبت معہ المغرب فلما قضی الصلاة قام یصلی فلم یزل یصلی حتی صلی
العشاء ثم خرج کذا فی التحفة وقال اسنادہ حسن
امام ترمذی فرماتے ہیں۔

فنفی هذا الحدیث دلالة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی الركعتین بعد
المغرب فی المسجد

حضرت گنگوہی فرماتے ہیں کہ امام ترمذی کا مقصد اس عبارت سے ان لوگوں کی تردید کرنا ہے جو
مغرب کی رکعتیں مسجد میں پڑھنے کے منکر ہیں۔

ابوداؤد (3) میں ابن عباس سے روایت ہے۔

قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یطیل القراءة بعد المغرب حتی
یتفرق اهل المسجد

(2) مستند احمد ۵۱۱ ج ۹ رقم حدیث ۳۳۹۹

(3) ص ۱۹۱ ج ۱

اس میں اگرچہ یہ احتمال تو ہے کہ یہ اطالہ فی البیت مراد ہو مگر یہ بھی احتمال ہے کہ مراد مسجد میں ادا کرنا ہو بہر کیف لوگوں کا مسجد میں پڑھنا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

ولم يحصل النبي صلى الله عليه وسلم سنن المغرب في المسجد الا في واقعة
او واقعتين في غير المسجد النبوي

باب فی اغتسال عند ما یسلم الرجل

رجال:-

سفیان سے مراد ثوری ہیں۔ عن الاغریح الغین وشدید الرائقة ہیں۔

خليفة بن حصين نسائي نے توثیق کی ہے۔

قیس بن عاصم صحابی ہیں علم اور بردباری میں مشہور تھے۔ ☆

تشریح:-

امام ترمذی نے اس باب میں اجمال و ابہام سے کام لیا ہے کہ والعمل علیہ عند اہل العلم یستحبون للرجل اذا سلم ان یغتسل ویغسل ثیابہ مطلقاً کہہ دیا کسی کا اختلاف ذکر نہیں کیا حالانکہ یہ فقط حنفیہ و شافعیہ یا زیادہ سے زیادہ جمہور کا مذہب ہے وہ بھی اس صورت میں کہ نو مسلم جنابت میں نہ ہوا اگر جنابت کا غسل کرنے سے پہلے اسلام لایا تو اس کے لئے غسل واجب ہے۔ مالکیہ حنابلہ اور ابو ثور تو مطلقاً وجوب کے قائل ہیں معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ امام ترمذی کے قول کی یہ توجیہ ممکن ہے کہ انہوں نے فقط ما ہوا الخیار کا ذکر کیا ہے۔

پھر حاشیہ کو کب وغیرہ میں ہے کہ شافعیہ کے نزدیک اگر حالت کفر میں جنابت لاحق ہو گئی ہو تو چاہے غسل کر بھی لے پھر بھی اسے بعد الاسلام غسل کرنا واجب ہے الحاصل حنفیہ کے نزدیک غسل جنابت حالت کفر میں معتبر ہے عند الامتہ الشاکہ معتبر نہیں۔ اس سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ یہ تفصیل فی الغسل بعد قبول الاسلام ہے نہ کہ قبل الاسلام کیونکہ غیر مختل کا اسلام بالاتفاق قبول ہے یعنی اسلام کے لئے غسل کرنا شرط نہیں ہے اس کی وجہ

یہ ہے کہ غسل کرنے سے اسلام لانے میں تاخیر ہوگی حالانکہ مسارعۃ الی الاسلام واجب ہے۔ پھر کنگوسی صاحب نے غسل کرنے کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ کلمہ توحید سے اسکا باطن پاک ہو گیا لہذا غسل کرے تاکہ ظاہری طہارت بھی حاصل ہو لیوا فافظہ الباطن اور یہی وجہ ہے کہ غسل کے ساتھ اسے ختنہ کرانے پکڑے دھونے اور کفر کے بال حلق کرانے کا بھی حکم ہے تاہم ختنہ کے لئے اگر باندی کا انتظام ہو سکے تو وہ خرید کر اس سے ختنہ کرائے مگر آج کل یہ صورت مفقود ہے اس لئے اگر خود کر سکتا ہے تو نبھاور نہ ان فقہاء کے نزدیک جو ختنہ کے وجوب کے قائل ہیں کسی اور سے بھی کروایا جاسکتا ہے کفر کے بال سے مراد وہ بال ہیں جو بعض کفار بطور علامت رکھتے ہیں جیسے مصر اور ہندوستان کے کفار کا بعض بال سر کے نہ کٹوانے کا رواج ہے تو اس طرح کے بال و دیگر کفر کی جملہ علامات ہٹانا لازمی ہے جیسے کہ ابوداؤد (۱) کی روایت میں ہے الف عتک شعرا لکفر و الختن۔

بہر حال جو لوگ بعد الاسلام غسل کے وجوب کے قائل ہیں ان کا استدلال باب کی حدیث سے ہے جس میں فامرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یغتسل بماء و سدر کے ظاہر سے وجوب معلوم ہوتا ہے کیونکہ لفظ امر امر وجوبی میں مستعمل ہوتا ہے اس حدیث کی امام ترمذی نے تحصین کی ہے جبکہ ابن السکن نے تصحیح کی ہے۔

دوسرا استدلال اس حدیث سے ہے جس کا حوالہ امام ترمذی نے فی الباب عن ابی ہریرۃ میں دیا ہے یہ روایت مسند احمد (۲) میں ہے اس میں امر کا لفظ آیا ہے ان ثلثۃ اسلم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذہبوا الی جانک بنی فلان فمروہ ان یغتسل البتہ صحیحین میں امر بالاغتسال کا لفظ نہیں ہے بلکہ فقط اذہبوا الی جانک بنی فلان کا لفظ وارد ہے کذا فی التھذیب عن النیل۔

تیسرا استدلال انکا یہ ہے کہ کافر و مشرک حالت کفر میں جماع و احتلام سے مبرا تو ہوتا نہیں اور وہ غسل یا تو کرتا نہیں اور اگر کر بھی لے تو غسل فرض ہے اور کافر کا بغیر ایمان کے کوئی فرض قبول نہیں۔

جمہور اپنے استدلال میں کہتے ہیں کہ صحابہ کی اکثریت نے جب اسلام قبول کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو غسل کرنے کا حکم نہیں فرمایا یہ قرینہ ہے اس بات کا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاذ و نادر کسی کو غسل

باب فی الاغتسال عند ما یسلم الرجل

(۱) ابوداؤد ص: ۵۷ ج: ۱ "باب الرجل یسلم فیر باغسل"

(۲) کذا فی التھذیب ص: ۲۲۶ ج: ۳

کرنے کا حکم دیا ہو جیسے کہ پہلے فریق نے دلیل میں کہا تو وہاں امر ندب کے لئے ہوگا ورنہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعض صحابہ کی تخصیص بالا نہیں فرماتے۔ باقی ان کا یہ کہنا کہ کافر کا کوئی فرض مقبول نہیں لہذا اس کا غسل بھی نا منظور ہے تو یہ بات صحیح نہیں کیونکہ عبادات مجتہد کے علاوہ معاملات وغیرہ اور بعض احکام حالت کفر میں بھی معتبر ہیں جیسے ان کا نکاح کرنا طلاق دینا وغیرہ اور یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض کفار کے وفود کو مسجد میں داخل ہونے کی اجازت فرمائی ہے اگر ان کا غسل معتبر نہ ہو تو مسجد میں کیسے داخل ہو سکتے تھے؟ واللہ اعلم وعلہ اتم اسی طرح ان کے سابقہ نکاحوں کو صحیح قرار دیا اور اولاد کو میراث کا حق دینا وغیرہ بعض احکام کی صحت دلیل ہے بشرطیکہ وہ ان کی ملت کے مطابق ہوں۔

باب ما ذکر من التسمیۃ فی دخول الخلاء

رجال:-

محمد بن حمید الرازی حافظ ضعیف ہیں تاہم ابن معین ان کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔

الحکم بن بشیر کو فی صدوق ہیں صحیحین میں ان سے ایک روایت ہے۔

خلاد الکوفی۔ یحییٰ بن معین نے توثیق کی ہے۔

الحکم بن عبد اللہ حافظ نے مقبول جبکہ ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔ ابی اسحاق ہوسنی۔

ابی حنیفہ بتقدیم الجیم مصفراً ان کا نام وہب بن عبد اللہ ہے صفار صحابہ میں سے ہیں حضرت علی کے

خواص میں سے تھے۔ رضی اللہ عنہما

باب ما ذکر من سیماء هذه الامة من آثار السجود

والطهور يوم القيامة

رجال:-

صفوان بن عمرو ثقہ ہیں مسلم میں ان سے ایک روایت ہے۔ یزید بن خیر ثقہ ہیں۔ ۵۱۱

تشریح:-

اس سے سابقہ باب (باب ما ذکر من التسمیۃ فی دخول الخلاء) سے لے کر ابواب الزکوٰۃ تک اعادۃ مضامین ہے اجمالاً کیونکہ امام ترمذی کا یہ معمول ہے کہ جب اہم بحث ختم کرنے کے قریب ہو جاتے ہیں تو سابقہ پوری بحث کو مختصراً سینے کی سعی جمیل فرماتے ہیں جو بمنزلہ اجمال بعد التفصیل کا کام دیتا ہے۔ یہاں بھی انہوں نے ابواب الطہارت اور ابواب الصلوٰۃ کے بعض اہم عنوانات مکرر فرما کر دونوں بحثوں کی تفصیل یاد رکھنے کی طرف اشارہ فرمایا۔

لہذا امام ترمذی پر یہ اعتراض صحیح نہیں کہ انہوں نے تکرار کیا جو ایک طرف طول کو مستلزم ہوتا ہے تو دوسری طرف مستدرک ہوتا ہے۔

قولہ ”عُرُو“ یہ لفظ بضمہ غین وتشدید الراء ہے اغر کی جمع اور غرۃ سے مشتق ہے بیاض العجہ کو کہتے ہیں لفظ یہ مختص ہے گھوڑے کے ساتھ مگر عرفاً و توسعاً ہر جمیل اور مشہور و شریف وغیرہ پر اس کا اطلاق ہوتا ہے یہاں مراد چکدار چہرے ہیں۔

قولہ من السجود ای من اثر السجود فی الصلوٰۃ۔ قولہ محجلون ای من الوضوء محجلون کحل کی جمع ہے محال و حیل (قید) سے ماخوذ ہے ان جانوروں اور گھوڑوں کو کہتے ہیں جن کے قوائم سفید ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ میرے امتی قیامت کے دن سفید چکدار چہروں اور سفید پاؤں اور ہاتھوں کے ساتھ آئیں گے۔

ابن ماجہ (۱) کی روایت میں ہے تروان علی غرائجہ من الوضوء سماء امتی لیس لاحد غیرہا۔ اور مسند احمد (۲) میں ہے کہ ایک آدمی نے پوچھا یا رسول اللہ کیف تعرف استک من بین الامم فیما بین نوح الی استک؟ قال: ہم غریجون من اثر الوضوء لیس احد کذا لک غیر ہم۔

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غرہ اور تجلیل اس امت کی خصوصیت ہے گو کہ ماہوا المشہور کے مطابق بلکہ علی التحقیق امم سابقہ میں بھی وضوء مشروع تھا۔

اشکال:- باب کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غرہ سجدوں کا اثر ہے جبکہ مذکورہ بالا دونوں حدیثوں یعنی ابن ماجہ اور مسند احمد کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وضوء کا اثر ہے تو اس طرح ان روایات میں بظاہر تعارض پیدا ہوا۔

جواب ۱:- ممکن ہے کہ غرہ کی دو علت ہوں سجدہ اور وضوء اور تجلیل کی علت وضوء ہو۔

جواب ۲:- ابویطیب سندھی نے دیا ہے کہ غالباً چہرہ کا نور بہ نسبت ہاتھ پاؤں کے زیادہ ہوگا اس لئے ان کی نسبت سجدوں کی طرف کی گئی کیونکہ وضوء تو دونوں کو شامل ہے۔ فقہ بر

باب ما ذکر فی فضل الصلوۃ

رجال:-

عبداللہ بن ابی زید ترمذی کے شیخ ہیں۔ عبداللہ بن موسیٰ الکوفی ثقہ ہیں رجال سند میں سے ہیں۔ غالب الکوفی ابن حبان نے توثیق کی ہے۔ ایوب بن عائد ثقہ ہیں۔ قیس بن مسلم الکوفی ثقہ۔ طارق بن شہاب ابوداؤد کہتے ہیں راوی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم یسمع منہ تا ہم بعض نے ان کو خضرمی کہا ہے۔

باب ما ذکر من سیماء هذه الامة الخ

(۱) ابن ماجہ ص: ۲۵ 'اثواب الطہور' (۲) مسند احمد ص: ۱۷۲ ج: ۱۰ رقم حدیث ۲۱۷۹۶

تشریح:-

قوله اعينك بالله يا كعب بن عجرة من أمراء اى من عملهم او من الدخول عليهم او اللحق بهم (يكونون من بعدى) يعنى سفهاء موصوفين بالكذب والظلم (فمن غشى ابوابهم) نسائی (۱) میں ہے فمن دخل عليهم یہاں بھی یہی مطلب ہے فصدقم فی کذبہم۔ لفظ کذب بفتح کاف وکسرہ ذال پڑھا جاسکتا ہے اور بسکون ذال بھی مگر کسور الذال زیادہ صحیح و فصیح ہے کیونکہ قرآن میں بسکون الذال نہیں آیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر صدق کے مقابلہ میں آجائے تو بسکون الذال ہوگا اور تنہا و علیحدہ آجائے تو بکسرہ ذال ہوگا۔ (کذابی الرقات)

واعانهم علی ظلمهم اى بالافتاء ونحوه فلمس منی اى بینى وبينه براءة ونقض ذمة قاله الفاری وقيل هو كناية عن قطع الوصلة بين ذالك الرجل وبينه صلى الله عليه وسلم اى ليس بتابع لى وبعيد عنى، یعنی میرے اور اس کے درمیان تعلق نہیں ہوگا۔ وکان سفیان الثوری یکره تاويله ويحمله علی ظاهره لیکون ابلغ فی الزجر (ولا یرد) من الورد اى لا یرد علی بتشدید الیاء بتضمین معنی العرض اى لا یرد معروضاً علی الحوض اى حوض الکوثر فهو منى وانامنه كناية عن بقاء الوصلة بینه وبينه صلى الله عليه وسلم بشرط ألا يكون قاطع آخر (شرح الحدیث الی هنا من تحفة الاحوذی (۲))

حضرت شاہ صاحبؒ اور ان کے تلمیذ عزیز نے یہاں ایک نفیس بحث کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہمارے اعمال عالم آخرت و عالم مثال میں اپنے مناسب جسم میں مجسم میں و متشکل ہو جاتے ہیں جیسے کہ امام غزالیؒ اور شاد دلیؒ نے حجۃ اللہ الباقیہ میں یہی موقف اختیار کیا ہے اسی قاعدہ کے مطابق اس حدیث

باب ما ذکر فی فصل الصلاة

(۱) نسائی کے علاوہ یہ روایت مسند احمد ج: ۳۲۳ ج: ۶ رقم حدیث ۱۸۱۳۹ اور ج: ۶۳ ج: ۵ رقم ۱۳۳۲۸ ایضاً مستدرک حاکم ج: ۳۲۲ ج: ۳ مجمع الزوائد ج: ۲۳۷ ج: ۵ پر بھی ہے۔ (۲) ص: ۲۳۶ ج: ۳

۵۱۳

(33)

میں بعض اعمال کی جسامت اخروی کا بیان ہوا ہے لہذا حوض کوثر سنت کی امثال ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو لوگ سنت سے منحرف ہو جاتے ہیں ان کو کوثر سے پینے کی اجازت نہ ہوگی۔ جیسا کہ مسلم (3) میں ہے ایک لائبریری ماہر نے لکھا بعد ک پھر اس حدیث کا مصداق کون لوگ ہیں تو مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مراد اس سے خوارج ہیں و قبل ان مصداقہ ہم المرتدون فی عبد البکر الصمدین مگر معارف میں ہے کہ نووی (4) نے ابن عبد البر سے نقل کیا ہے۔

انه يدخل فيه الخوارج والروافض واصحاب الاهواء وكل من احدث في الدين

یہی بات زیادہ صحیح لگتی ہے کیونکہ یہ مذکورہ قاعدہ کے مطابق ہے لہذا یہ حدیث ہر مبتدع پر منطبق ہے۔ پھر یہ حوض کوثر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر سے شام تک وسیع ہوگا اسی طرح ہر نبی کا الگ الگ حوض ہوگا۔

الصلوة برہان حضرت تھانوی صاحب فرماتے ہیں کہ نماز کو برہان اس لئے کہا کہ نماز افضل العبادات ہے اور خاص حضوری دربار حق کا ذریعہ ہے اس لئے اس کو حصول معرفت میں خاص دخل ہے دلیل (برہان) رہبر کا کام تعریف کسی شی کی ہوتا ہے پس نماز معرفت حق ہے اور معرفت کا علو رتبہ ظاہر ہے۔ والصوم جنة بضم الجیم وتشديد النون ہوا لیس روزے کو سپر اس لئے فرمایا کہ اس کو کسر خواہشات میں خاص دخل ہے جیسا کہ سپر دشمن کے وار سے آڑ ہو جاتی ہے اسی طرح روزہ نفس و شیطان کی شرارت سے مانع بنتا ہے جو خفیہ دشمن ہیں اور یہی وجہ ہے کہ قبر میں روزہ بائیں جانب سے عذاب کا دفاع کرے گا کیونکہ ذہال بائیں ہاتھ میں پکڑتے ہیں۔

(3) صحیح مسلم ص ۱۳۶ ج ۱: "باب استحباب اطاعة الفرة والتعمیل فی الوضوء"

(4) کذا فی شرح النووی علی صحیح مسلم حوالہ بالا

قد تم التخرج علی "تشریحات فرمدی" (المجلد الثانی) بحمد اللہ وعونه فله الشکر وله الحمد و كان الفراغ

دعاؤں کا طالب:

یوم السبت ۲ شعبان ۱۴۲۲ھ

حفیظ الرحمن الحق فاضل جامعہ اسلامیہ کلفتن

والصدقة تطفيء الحطیمة كما يطفئ الماء النار صدقہ کا نفع چونکہ عام ہے اور روپیہ کا خرچ کرنا بہت جان خرچ کرنے کے سہل ہے اس لئے اس کو پانی سے جس کا نفع عام ہے اور اکثر قیمت اس کی ارزوں ہوتی ہے تشبیہ دی گئی۔ واللہ اعلم

عموماً احادیث میں بعض اعمال پر جنت کا وعدہ اور بعض پر آگ کی وعید آتی ہے جن میں کوئی شرط و قید نہیں ہوتی ہے اس لئے بعض علماء اس کے ساتھ دوام و اصرار کی قید یا انکار کی شرط لگاتے ہیں جبکہ بعض علماء تاویل کرتے ہیں مگر زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ خاصیات مفرد ہوتی ہیں مگر محشر میں فیصلہ تمام اعمال کے مجموعہ پر ہوگا جیسے کہ اہل مفردات اشیاء کی خاصیات بیان کرتے ہیں مثلاً سنگیا قاتل ہے مگر جب اسے دوسری شے سے ملاتے ہیں تو اس کی حدت کم یا ختم ہو جاتی ہے اور اس کا اثر تبدیل ہو جاتا ہے۔ تدبر و تشکر

سحت سحت دراصل حلق و استیصال کو کہتے ہیں چونکہ مال حرام برکت اور دین کا صفایا کرتا ہے اس لئے اسے سحت کہا جاتا ہے رشوت کو بھی سحت اس لئے کہتے ہیں اس میں دین کے استیصال کے ساتھ معاشرے کی بھی تباہی و بربادی ہو جاتی ہے۔

باب منہ

رجال:-

موسیٰ بن عبد الرحمن الکوفی رحمۃ اللہ علیہ من کبار الحادیۃ عشر۔

سلیم بن عامر رحمۃ اللہ علیہ من الثلث صحیح یہ ہے کہ یہ صحابی نہیں ہیں۔ ☆

تشریح:-

قال العینی فی عمدة القاری قوله: واولی الامر منکم فی تفسیرہ احد عشر قولاً

الاول الامراء قتالہ ابن عباس وابوہریرۃ وابن زید والسدی والثانی ابوہریر

وعمر رضی اللہ عنہما الثالث جمیع الصحابة قتالہ مجاہد الرابع الخلفاء

الاربعة قاله ابو بكر الوراق فيما قاله الثعلبي الخامس المهاجرون والانصار قاله
عطاء السادس الصحابة والتابعون السابع ارباب العقل الذين يسوسون امر
الناس قاله ابن كيسان الثامن العلماء والفقهاء قاله جابر بن عبد الله والحسن
وابو العالية التاسع امراء السرايا قاله ميمون بن مهران ومقابل والكلبي العاشر
اهل العلم والقرآن قاله مجاهد واختاره مالك الحادي عشر في كل من ولي امر
شيء وهو الصحيح واليه مال البخاري بقوله ذوى الامر۔

(کذا فی التلخیص عن الامدة۔ ای طرح تفصیل کے لئے رجوع فرمائیے فتح الباری ص: ۲۵۳ ج: ۸)

آخر ابواب الصلوة

